رشید حسن خاں کے خطوط

(جلد دوم)

مرتّب: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

زیر اہتمام

اپلائڈ بکس

APPLIED BOOKS

نام کتاب : رشید حسن خاں کے خطوط

مُرتب : ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

F-237, Lower Hari Singh Nagar, Rehari Colony,
Jammu -180005 (J&K), Mob. No. 09419828542
E-mail: trrainaraina@yahoo.com

ناشر : ڈاکٹر ٹی. آر. رینا (ڈاکٹر تیرتھ رام رینا)

اشاعت اوّل : نومبر 2015

اشاعت دوم : جنوری 2016

صفحات : 656

قیمت : 550 روپے

کمپوزنگ : عبدالرشید (دہلی) 9990972397
E-mail: rasheedblue@gmail.com

پروڈکشن : اردو بک ریویو

1739/3 (Basement), New Kohinoor Hotel, Patuadi House,
Darya Ganj, New Delhi - 110002 Tel.: 011-23266347
Email: urdubookreview@gmail.com

زیرِاہتمام : محمد عارف اقبال، اپلائڈ بکس، نئی دہلی۔۲

ISBN: 978-93-83239-29-0

تقسیم کار:

- شاردا گٹیر، F-237، لوئر ہری سنگھ نگر، رہاڑی کالونی، جموں-180005 (جے اینڈ کے)
- اردو بک ریویو، 1739/3 (ذیلی منزل)، نیو کوہ نور ہوٹل، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-110002
- انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر، 212 راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
- ایجوکیشنل بک ہاؤس، یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ-202002 (موبائل: 09358251110)
- دانش محل، امین الدولہ پارک، نزد جگت سنیما، لکھنؤ-226018، یوپی (فون: 0522-2626726)
- کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-110006
- بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ-800004 (بہار)

RASHEED HASAN KHAN KE KHUTOOT (Vol.2)
EDITED BY: DR. T.R. RAINA
IInd Edition: January 2016 Pages: 656 Price: Rs.550/-
Printed at: New Print Centre, New Delhi-2

انتساب

میری شریکِ حیات

کملیش رینا

کی بے پناہ و خاموش مُحبّت کے نام

جس کی رفاقت نے مجھے علمی و ادبی کام کرنے کا حوصلہ بخشا

گزشتہ نومبر سے وہ لمحہ بہ لمحہ مجھ سے دور ہوتے ہوتے آخر ۳۱ر جولائی ۲۰۱۵ء

کی نصف شب کے بعد مجھے اکیلا چھوڑ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اِس فانی دُنیا سے

پرواز کر نورِ ازلی سے جا کے مل گئی

فہرست

مقدمہ	ٹی.آر.رینا	۹
آفتاب احمد آفاقی، ڈاکٹر	۲	۵۹
احتشام حسین، سیّد	۱	۶۰
احتشام حسین ندوی	۱	۶۱
اختر شاہ جہان پوری	۲۲	۶۴
اخلاق اثر، ڈاکٹر	۱	۸۱
ارجمند آرا، ڈاکٹر	۳	۸۳
اسلم پرویز، ڈاکٹر	۱	۸۶
اکبر حیدری، پروفیسر	۷	۸۷
الیاس شوقی	۲	۹۳
انیس احمد وارثی	۴	۹۵
تحسین فراقی، ڈاکٹر	۲	۹۸
تنویر احمد علوی، ڈاکٹر	۱	۱۰۲
جگن ناتھ آزاد، پروفیسر	۳	۱۰۳
جمیل احمد خاں پونچھ والے، ڈاکٹر	۱۱	۱۰۶

جی. کے. مانک ٹالا	۲	۱۱۳
حنیف نقوی، پروفیسر	۹۵	۱۱۷
خلیق انجم، ڈاکٹر	۳۰	۲۲۵
دلجیت ورما، ڈاکٹر	۹	۲۴۸
راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر	۱	۲۵۴
رفاقت علی شاہد (پاکستان)	۱	۲۵۵
رفعت شمیم	۵	۲۵۷
رفیع الدین ہاشمی، پروفیسر	۳۸	۲۶۲
رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر	۱۰	۳۲۹
سلیمان احمد رباب رشیدی	۸	۳۳۹
شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر	۱	۳۴۸
شمیم حنفی، پروفیسر	۱	۳۴۹
صابر سنبھلی، ڈاکٹر	۱۸	۳۵۰
صائمہ بنت نیر مسعود رضوی	۱۴	۳۷۰
صدر اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول، شاہ جہان پور	۱	۳۸۰
صدیق الرحمٰن قدوائی، پروفیسر	۲	۳۸۳
ظفر احمد صدیقی، پروفیسر	۲۵	۳۹۱
عابد سہیل	۲	۴۱۸
عبد الباری (ثاقب صدیقی)	۶۳	۴۲۰
عبد الستار دلوی، پروفیسر	۲۹	۴۶۹
عبد الودود، قاضی	۲۵	۴۹۴
عارف نوشاہی	۳	۵۲۱
عبید اعظمی، ممبئی	۲	۵۲۹
عقیل رضوی، پروفیسر سیّد محمد	۴	۵۳۲
فاروق انصاری، ڈاکٹر	۵	۵۳۷
قمر الہدیٰ فریدی	۱	۵۴۲

کرامت علی کرامت، ڈاکٹر	۲	۵۴۳
گوپی چند نارنگ، پروفیسر	۱۴	۵۴۶
گیان چند جین، پروفیسر	۱	۵۶۳
ایم. حبیب خاں	۱	۵۶۵
محبوب علی اخگر	۳	۵۶۶
مخمور سعیدی	۱	۵۷۱
مرتضیٰ حسین بیدار بلگرامی	۲	۵۷۲
مشفق خواجہ	۱	۵۷۶
منظور احمد، سیّد (میسور)	۸	۵۷۹
مہر الٰہی ندیم (علیگ)	۱	۵۸۴
مہندر لال پروانہ، ڈاکٹر	۵	۵۸۷
میکش اکبرآبادی	۲	۵۹۴
نامی انصاری	۴	۵۹۷
نثار احمد فاروقی، پروفیسر	۱	۶۰۱
نسیم اقتدار علی خاں	۷	۶۰۳
نیّر مسعود رضوی، پروفیسر	۲	۶۱۰

ضمیمہ (۱)

مدیر 'آجکل' نئی دہلی	۱	۶۱۲
مدیر 'ادبی دنیا'	۱	۶۱۴
ترجمان القرآن، لاہور	۱	۶۱۵
اڈیٹر 'نیا دور' لکھنؤ	۵	۶۱۹

ضمیمہ (۲)

نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے خط رشید حسن خاں کے نام	۲	۶۲۹
ظفر احمد صدیقی کا خط بنام رشید حسن خاں	۱	۶۳۳

☜ ڈاکٹر مہندر لال پروانہ کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	۲	۶۳۸
☜ مقبول احمد لاری کا خط رشید حسن خاں کے نام	۱	۶۴۶
☜ ظفر احمد صدیقی	۱	۶۴۷

ضمیمہ (۳)

☜ عکس (ادبی اداروں اور اکادمیوں کے ایوارڈز)	۸	۶۴۹

مقدّمہ

مرحوم رشید حسن خاں کے خطوط کا پہلا مجموعہ ۲۰؍فروری ۲۰۱۱ء کو اُن کے یومِ وفات ۲۶؍فروری ۲۰۰۶ء کے بعد منظرِ عام پر آیا تھا۔ اِس میں مرحوم کے ۱۰۳۸ (ایک ہزار اڑتیس خطوط) اکسٹھ مکتوب الیہ کے نام ہیں۔ راقم نے رشید حسن خاں صاحب کی وفات کے دو تین ماہ کے بعد ''میری گزارش'' کے عنوان سے ایک اشتہار انجمن ترقی اردو ہند) نئی دہلی کے ہفت روزہ ہماری زبان میں شائع کروادیا، جس سے مختلف حضرات تک رسائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ پورے پانچ سال کی مدّت میں راقم ۱۰۳۸ خطوط جمع کرنے میں کامیاب ہو پایا۔ کچھ حضرات نے مشورہ دیا کہ اِنھیں دو جلدوں میں شائع کیا جائے، اکیلی جلد ضخیم ہو جائے گی۔ میرے دل میں یہ احساس گردش کر رہا تھا کہ اگر ایسا ممکن نہ ہوا تو باقی خطوط کا کیا ہوگا۔

راقم نے اِس مسوّدے کو فروغِ اردو کونسل، اردو بھون، جسولہ، دہلی کے دفتر میں جمع کروادیا۔ حالاں کہ کمپوز شدہ مسوّدہ دو جلدوں پر مشتمل تھا، وہاں مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ اِسے دو ہی جلدوں میں شائع کریں گرانٹ دی جائے گی۔ میں اِس بات کو سمجھ نہیں پایا کہ بہ یک وقت دو جلدوں پر کیسے گرانٹ دی جائے گی۔ اس لیے میں سبھی خطوط کو ایک ہی جلد میں شائع کرنے پہ بضد رہا۔ قانونی ضابطے کے مطابق ۱۰۵۵ صفحات کی جلد پر مجھے صرف پچاس ہزار کی گرانٹ ملی، جب کہ پانچ پانچ سو صفحات کی دو جلدوں پر مجھے ایک لاکھ روپے کی گرانٹ مل سکتی تھی۔ کتاب کی اشاعت پر باقی کے اخراجات مجھے خود برداشت کرنے پڑے۔ مجھے مجموعے کے شائع ہونے پر بے حد خوشی ہوئی۔

مرحوم رشید حسن خاں صاحب کے پانچویں یومِ وفات پر اِس کا اجرا کروانا چاہتا تھا۔ جموں کلچرل اکیڈمی کے سہگل ہال میں سارا انتظام ہو چکا تھا۔ ٹھیک اُسی دن جمہوریۂ ہند کے

محکمۂ صحت کے وزیر غلام نبی آزاد کا ایک پروگرام وہاں منعقد کیا گیا اور ہمارا پروگرام ملتوی ہوگیا۔

پروردگار کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ڈاکٹر شمس بدایونی کی وساطت سے ایوانِ غالب، دہلی میں اِس مجموعے کی رسمِ اجرا کا اہتمام ڈائرکٹر شاہد ماہلی، سکریٹری پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کی زیرِ قیادت ۲۵/مارچ ۲۰۱۱ء کو ''شامِ شہریاراں'' کے تحت ڈاکٹر خلیق انجم (جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو [ہند]) کے دستِ مبارک سے ہوا۔ ڈائس پر ڈاکٹر اسلم پرویز (اڈیٹر اردو ادب) اور ڈاکٹر رضا حیدر بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر شمس بدایونی اور ڈاکٹر سرور الہدیٰ نے مقالات پڑھے۔ ڈائرکٹر شاہد ماہلی، پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ڈاکٹر اسلم پرویز اور ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے زریں خیالات سے حاضرین کو نوازا، جن میں دہلی شہر کی ادبی شخصیات کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ میری شریکِ حیات بھی اس جلسے میں موجود تھی۔

جلد اوّل شائع ہونے کے بعد میرے مخلصین نے میری حوصلہ افزائی کی، میں نے اپنی سعی جاری رکھی۔ تین سال کی مدّت میں راقم نے 516 خطوط اور جمع کر لیے، جن میں ضمیمہ نمبر1 میں مدیرانِ آج کل، ادبی دنیا، ترجمان القرآن (لاہور) اور نیا دور (لکھنؤ) کے نام کے ۸ خطوط ہیں۔ دو خطوط نواب جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی (موصولہ بہ ذریعۂ ڈاکٹر دلجیت ورما) اور ایک خط[1] پروفیسر ظفر احمد صدیقی، شعبۂ اردو علی گڑھ اور دو خط ڈاکٹر مہندر لال پروانہ کے بنام رشید حسن خاں بھی اس مجموعے کے ضمیمہ ۲ میں شامل ہیں۔ اِس طرح اس مجموعے میں خطوط کی تعداد 656 ہوگئی ہے۔

رشید حسن خاں صاحب کی ایک عادت یہ رہی کہ اُنھوں نے کسی بھی مکتوب نگار کے مکتوب کو محفوظ نہیں رکھا، جس سے ادب کا بھاری نقصان ہوا۔ خاں صاحب اور اُن کے معاصرین کے بہت سے ادبی گوشے پنہاں رہ گئے۔

مئی ۲۰۰۶ء سے مسلسل فروری ۲۰۱۴ء تک باوجود تلاش کے کسی بھی ایک مشاہیر ادب کا خط بنام رشید حسن خاں، بہ طورِ نمونہ حاصل نہیں کر سکا۔ راقم خاں صاحب کی وفات کے بعد اُن کے آبائی شہر شاہ جہان پور اُن کے مزار پر حاضری دینے گیا۔ اُن کے دونوں

---

[1] خوش قسمتی سے پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے اِس خط کا عکس بنوا کے رکھ لیا تھا۔ اب اُنھوں نے علی گڑھ سے اِسے بھیجا ہے۔

صاحبزادوں سے بھی معلوم کیا، اُنھوں نے بتایا کہ "پاپا خطوط کو محفوظ نہیں رکھتے تھے"۔

خاں صاحب میں یہ خوبی بہ حیثیتِ انسان اتم موجود تھی کہ کسی بھی شخص کا خط اُن کے نام آتا وہ فوراً اُس کا جواب دینا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے تھے۔ اگر کوئی شخص اُن کو جوابی خط بھیجتا تو وہ اُسے واپس لوٹا دیتے اور شکایتاً لکھتے کہ "آپ نے یہ کیسے اندازا لگالیا کہ میں اپنے چاہنے والوں کے خط کا جواب نہیں دوں گا"۔

وہ زیادہ تر خط اِن لینڈ لیٹر پر لکھا کرتے تھے۔ خط کے اوپر مقام و تاریخ ضرور درج کرتے۔ اکثر تاریخ آخر میں اپنے نام کے نیچے بھی لکھ دیتے۔ بہت کم خط ایسے ہیں جن پر مقام اور تاریخ درج نہیں۔ ایسے خط اکثر لفافے میں بند ہوتے یا ان کے لفافے مکتوب الیہ سے ضائع ہو چکے ہیں۔

خاں صاحب مکتوب الیہ کا مکمل پتا معِ پن کوڈ نمبر لکھتے اور اپنا پتا بھی اِن لینڈ لیٹر کی پُشت پر درج کرتے تھے۔ اُنھوں نے اپنی ایک مہر بھی بنوا رکھی تھی جو لفافے کی پُشت پر یا خط کے دائیں سرے کے اوپر کبھی کبھی ڈال دیا کرتے تھے۔ یہ مہر انگریزی میں بنوائی گئی تھی:

Rasheed Hasan Khan
T.C. 9, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-110007

خاں صاحب کے بہت کم خط ایسے ہیں جن میں مکتوب الیہ کی خیر و عافیت معلوم کی گئی ہو۔ اُن کے خط زیادہ تر "متنی تحقیق" سے تعلّق رکھتے ہیں۔ اِس صنف کی طرف ابھی تک ادب میں کسی نے توجہ نہیں دی۔ خاں صاحب مرحوم نے اپنی زندگی کلاسکی متون کو مرتّب کرنے میں صَرف کردی، اس لیے اُنھوں نے جن بھی حضرات کو خط لکھے اُن میں کسی نہ کسی تدوینی نکتے سے متعلّق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

اُن کے پاس بیسیوں لُغت تھے، قدیم و جدید۔ کسی لفظ کے معنی کو وہ اِن لُغت میں دیکھ بھی لیتے تھے، اُس کے باوجود کسی قسم کے شک کو رفع کرنے کے لیے وہ کسی معتبر شخصیت کو لکھ کر معلوم کرتے کہ آیا آپ نے کبھی اِس لفظ کو اِس صورت میں استعمال ہوتے دیکھا ہے یا کہیں آپ کی نظروں سے گزرا ہے۔

قرآنی آیات و حدیث کی روایتوں کے لیے اپنی یادداشت یا معلومات پر بھروسا نہیں

کرتے تھے۔ اِن سے متعلق جان کاری حاصل کرنے کے لیے وہ پروفیسر نیر مسعود رضوی، پروفیسر حنیف نقوی یا پروفیسر ظفر احمد صدیقی سے خاص طور سے رجوع کرتے۔ نیر صاحب کے خطوط میں وہ اکثر مذاقاً بھی کبھی کبھی کچھ لکھ دیا کرتے تھے، مثلاً مثنویاتِ شوق میں ایک لفظ آیا ہے ''تیرھویں'' اِس سے متعلق وہ اپنے خط مرقومہ ۲۹/مارچ ۱۹۹۵ء میں لکھتے ہیں:

''''تیرھویں'' سے کیا مُراد ہے؟ اور کیا اُس دن حسین کے امام باڑے میں کوئی رات بھر کا جلسہ ہوتا تھا؟ میں نے کوشش کی ہے کہ آپ کو زیادہ سے زیادہ داخلِ حسنات ہونے کا ایک موقع فراہم کروں۔ آپ کو تو ثواب ملے گا اور مجھے معلومات''۔

''نادِعلی'' کی روایت سے متعلق خاں صاحب کو علی گڑھ کے شعبۂ دینیات کے سربراہ کے فرمودات میں اور نیر صاحب کے مندرجات میں کچھ فرق نظر آتا ہے تو وہ دوبارہ نیر صاحب کو لکھتے ہیں:

''آپ کے مطابق نادِعلی ''جنگِ احد میں نازل ہوئی تھی''۔ اُن کا کہنا ہے: ''جنگِ خیبر کے موقعے پر پیغمبرِ اسلام نے یہ فرمایا تھا''۔ نادِعلی کی جو عبارت آپ نے لکھی ہے، اُن کی عبارت اس سے ذرا سی مختلف ہے... اُنھوں نے اِسے اشعار کے طور پر لکھا ہے، جب کہ آپ کے یہاں نثری عبارت ہے۔ بھائی مجھ غریب ''سنّی'' پر تبرّا نہ پڑنے پائے، اِس لیے ذرا ان فرمودات کو دیکھ لیجیے۔ ''نادِعلی'' کی مکمّل عبارت پھر سے لکھ دیجیے، مکمّل اعراب کے ساتھ۔ یہ بھی لکھیے کہ اب اِسے کن مواقع پر پڑھا جاتا ہے''۔

(رشید حسن خاں کے خطوط، مرتبہ راقم الحروف، ص ۹۸۶، ۹۹۴، ۹۹۵)

کسی کلاسکی متن کی ترتیب کے دوران بیچ میں آئے اشعار سے متعلق یہ معلوم کرنا کہ یہ شعر کس کا ہے اور کس دیوان یا مجموعے میں شامل ہے، بلا جھجک اپنے جاننے والوں کو لکھ بھیجتے۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی کے نام خطوط میں اِس قسم کی درجنوں مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

خاں صاحب جب اپنی بات کی تصدیق کر لیتے تو حواشی میں اُس شخص کا نام مع حوالہ درج کرتے جو تحقیقی و تدوینی اصولوں کے مطابق لازمی تصور کیا جاتا ہے۔

خاں صاحب کے خطوط (پہلا مجموعہ "رشید حسن خاں کے خطوط" اشاعت فروری ۲۰۱۱ء) سے ہمیں اُن کے تدوینی کاموں سے متعلق یہ جان کاری حاصل ہوتی ہے کہ کون سا کلاسکی متن کب مرتب ہونا شروع ہوا اور یہ کب مکمل ہوا۔ اِس کے خطی یا مطبوعہ نسخے کہاں کہاں سے اور کس کس کی وساطت سے حاصل ہوئے اور اِنھیں حاصل کرنے میں کتنا وقت صَرف ہوا۔

خاں صاحب کے خطوط معلومات کا خزانہ ہیں جن سے ہمیں اندرون و بیرون ممالک کے کُتب خانوں کا پتا چلتا ہے اور اُن میں محفوظ خطی اور مطبوعہ نسخوں کا علم ہوتا ہے، اِس کے علاوہ اُن کی کیٹلاگ وغیرہ کا بھی۔

یہ خطوط ایسی معلومات بھی فراہم کرتے ہیں کہ خاں صاحب نے کب کب اور کہاں کہاں برِصغیر ہند و پاک میں سفر کیے۔ اِن اسفار کی نوعیت و مدّت کیا تھی۔ خاں صاحب اکثر بہ غرضِ علاج بمبئی اور کم تر بریلی کا سفر بھی کیا کرتے تھے۔ اِن کے خطوط سے ہمیں یہ بھی جان کاری ملتی ہے کہ اِنھیں کب کب دل کا دورہ پڑا اور کن حالات میں اِنھیں نرسنگ ہوم میں داخل کروایا گیا، کتنے دن یہ وہاں رہے، کب اِنھیں چھٹی ملی۔ آنکھوں کا آپریشن کب کب ہوا اور کتنی مدّت کے بعد لکھنے پڑھنے کے قابل ہوئے۔ کن کن یونی ورسٹیوں کے سمیناروں میں حصّہ لیا اور کن موضوعات پر اِنھوں نے لکچر دیے۔ کن کن ریاستوں کے ادبی اداروں نے املائی ورکشاپس کا انعقاد کیا اور اِنھوں نے وہاں طلبہ و اساتذہ کو کتنے دنوں تک خطاب کیا۔

خاں صاحب کے خطوط حاصل کرنے میں راقم کو جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اُن کا ذکر کرنا بھی کسی دشواری سے کم نہیں۔ بہت سے حضرات ایسے ہیں جنھوں نے اپنی پہلی ہی فرصت میں خطوط کے عکس روانہ کر دیے۔ پروفیسر حنیف نقوی (بنارس)، پروفیسر عبدالستار دلوی (ممبئی)، ڈاکٹر کرامت علی کرامت (کٹک)، ڈاکٹر جمیل احمد خاں (پونچھ) اور ڈاکٹر مہندر لال پروانہ (جموں) نے اپنے نام کے اصل خط ہی روانہ کر دیے۔ راقم نے اِن کے زیراکس بنوا کر اصل واپس لوٹا دیے۔ ڈاکٹر جمیل اور ڈاکٹر پروانہ نے اصل واپس لوٹانے کا تقاضا بھی نہیں کیا، کہا یہ آپ کے پاس محفوظ رہیں گے۔ خطوط کی تلاش کے دوران بعض شخصیات سے بار بار تقاضا کرنا پڑا تب جا کر اُنھوں نے عکس روانہ کیے۔ کچھ حضرات

ایسے بھی ہیں جنھوں نے وعدہ کر کے بھی نہیں نباہا۔ بعض ذی وقار شخصیات ایسی ہیں جن سے ملاقات کے بعد بھی راقم کچھ حاصل نہیں کر سکا۔ حالاں کہ اُنھوں نے اِس بات کو تسلیم کیا کہ اُن کے پاس مرحوم خاں صاحب کے خطوط موجود ہیں مگر ان کی تلاش ممکن نہیں۔ ایک دو نامی ادبی شخصیات ایسی ہیں جنھوں نے کسی طرح یہ سُنا کہ میرے ایک عزیز (ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ) نے ''داستانِ ہفت سیاح'' کو مرتب کیا ہے اور میں اُنھیں اس کی ایک ایک جلد فراہم کروں۔ میرے عزیز کے پاس نسخے ختم ہو چکے تھے۔ راقم نے ذاتی جلد سے عکس بنوائے (جو معِ جلد کور کے ۳۲۵ صفحات پر مشتمل ہے) جلدیں بندھوائیں، ساتھ ہی ''رشید حسن خاں کے خطوط'' کا پہلا مجموعہ جو ۱۰۳۸ خطوط اور ۱۰۵۵ صفحات پر مشتمل ہے، کا ایک ایک نسخہ بھی روانہ کیا۔ مگر پھر بھی اُنھوں نے نمونے کے طور پر ایک بھی خط نہیں بھیجا۔ راقم اِس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ سب کے سب اُن کے کاغذوں میں دبے ہوئے ضائع ہو جائیں گے۔

یہ بات قابلِ تسلیم ہے کہ آج کا انسان حد سے زیادہ مصروف ہے۔ مگر اتنی بھی مصروفیات کیا کہ ایک ادبی فریضے کو انجام دینے کے لیے قلیل سا وقت بھی نہ نکالا جا سکے۔ چند مشاہیرِ ادب سے بہ ذریعۂ فون رابطہ قائم کیا گیا۔ شروع شروع میں اُنھوں نے ہامی بھر لی۔ تین چار مرتبہ فون کرنے کے بعد اُنھوں نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ نام سنتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

پروفیسر اکبر حیدری (سری نگر) کے پاس مرحوم رشید حسن خاں صاحب کے بہت سے خطوط موجود تھے۔ بار بار تحریری اور فونی تقاضے کے بعد اُنھوں نے صرف چھے خط خورشید کاظمی (جموں) کی وساطت سے بھیجے، باقی کے لیے معذرت کر لی کہ تلاش کرنا ممکن نہیں۔ اب وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ باقی ماندہ خطوط ضائع ہو جائیں گے کیوں کہ اُن کی اولاد کو ادب سے کوئی دل چسپی نہیں۔

جناب رشید حسن خاں سے راقم کی پہلی ملاقات دہلی یونی ورسٹی کے گیسٹ ہاؤس ٹی. سی. 9، گائر ہال کے کمرے میں ہوئی۔ ماہ جون ۱۹۸۰ء کے موسمِ گرما کی تعطیلات میں راقم، مہندر لال پروانہ اپنے استاذی ڈاکٹر شیام لال کالڑا عابد پیشاوری کے ساتھ ریسرچ کے سلسلے میں دہلی آئے ہوئے تھے۔

عابدؔ صاحب کسی کام کے سلسلے میں رُک گئے اور ہمیں خاں صاحب سے ملنے کے لیے بھیج دیا۔ جب ہم گیسٹ ہاؤس کے کمرے کے دروازے پر پہنچے اور دستک دی تو اندر سے جواب آیا دروازہ کھلا ہے چلے آیئے۔ اندر داخل ہوتے ہی ہم نے دیکھا کہ خاں صاحب بنیان اور لنگی پہنے چٹائی پر بیٹھے لکھنے کے کام میں مشغول ہیں اور دائیں بائیں کتابیں ہی کتابیں رکھی ہیں۔ ہم نے آداب کیا، اِنھوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم بھی نیچے ہی بیٹھ گئے۔ اپنا تعارف کرایا کہ ہمیں عابدؔ صاحب نے بھیجا ہے۔ انھوں نے آنے کا مقصد پوچھا، ساتھ ہی یہ بھی پوچھا کہ عابدؔ صاحب خود کیوں نہیں آئے؟ ہم نے کہا کہ وہ کسی کام کی وجہ سے نہیں آسکے۔

اِنھوں نے ہمارے کاموں کا جائزہ لیا، بہت سے مشورے، چند ابواب کے ذیلی عنوانات میں تبدیلیاں کیں۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد ہم نے اجازت چاہی۔ اِنھوں نے کہا چلیے کینٹین تک آپ کو چائے پلاتے ہیں۔ ہم نے اِنھیں اُٹھنے نہیں دیا اور سلام کہہ کر چلے آئے۔ اِس کے بعد خطوط کا سلسلہ چل نکلا۔ ہم دونوں جب بھی اپنے کام کے سلسلے میں اُن سے مشورہ طلب کرتے وہ فوراً جواب دیتے۔

اِس ملاقات کے بعد جناب رشید حسن خاں چار بار جمّوں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں تشریف لائے۔ پہلی بار یکم جنوری سے ۲۱ر جنوری ۱۹۸۱ء میں یونی ورسٹی اور کالج اساتذہ کے لیے تین ہفتوں کے تربیتی کورس کے سلسلے میں۔ دوسری بار تین ہفتوں کے لیے وزیٹنگ فیلو کی حیثیت سے اصولِ تحقیق، قواعدِ زبان اور مشرقی شعریات پر لکچر دینے کے لیے اپریل ۱۹۸۳ء میں۔ تیسری بار ۲۶ر جنوری سے ۱۴ر فروری ۱۹۹۰ء تک تین ہفتوں کے لیے اور چوتھی بار یکم ستمبر سے ۳۰ر ستمبر ۱۹۹۵ء تک، متن کی قرأت، کلاسکی ادب کی تفہیم، علومِ بلاغت اور اصولِ املا پر لکچر دینے کے لیے۔ راقم، مہندر لال پروانہ مع پروفیسر عابد پیشاوری اِن کے سبھی پروگراموں میں شامل رہتے اور شام کو جمّوں یونی ورسٹی کے گیسٹ ہاؤس کے کمرے میں حاضر ہوتے۔ یہ سلسلہ دیر تک جاری رہتا۔

پہلی آمد کے دوران ہی خاں صاحب نے راقم کو پی ایچ. ڈی کے مقالے کا پہلا باب لکھنے کے لیے کہا اور اِسے اپنے قلم سے دُرست کیا۔ راقم کے مقالے کو اِنھوں نے بہ نظرِ خود دیکھا۔ اِسی طرح اِنھوں نے پروانہ کے مقالے کی بھی نوک پلک دُرست کی۔

اِن چار آمدوں کے دوران اِنھوں نے جموں یونی ورسٹی کے کئی نئے اسکالروں کے کام کو دیکھا۔ نئے اسکالروں کی مدد کرنے کا اِنھوں نے اپنی زندگی کا اصول بنالیا تھا۔

ایک بار اِنھوں نے پروفیسر عابد پیشاوری سے کہا تھا کہ ''اِن کی مدد ہم نہیں کریں گے تو کون کرے گا''۔

جب راقم کا کام مکمل ہوا تو مقالے کی ایک کاپی جموں یونی ورسٹی نے اِن کی خدمات میں بھیجی۔ رپورٹ آنے، نتیجہ نکلنے اور ڈگری تفویض ہونے کے بعد رپورٹ کی روشنی اور مقالے کو سامنے رکھ کر راقم نے اِس کی نظرِ ثانی کی۔

۲۶ سال بعد راقم کا مقالہ ''پنڈت میلا رام وفا: حیات و خدمات'' فروری ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔

راقم نے تین مرتبہ اِن کے دولت کدے پر حاضری دی۔ پہلی بار مع بیگم ۱۰ر جولائی ۲۰۰۳ء کو، دوسری بار ۳ر نومبر ۲۰۰۵ء کو اور تیسری بار اِن کی وفات کے بعد ۱۵ر جولائی ۲۰۰۸ء کو ان کے مزار پر۔

۲۶ر فروری ۲۰۰۶ء کو جناب رشید حسن خاں نے اِس دنیا سے سفرِ آخرت اختیار کیا۔

اِس کے بعد راقم نے اِن کے خطوط جمع کرنے کی سعی شروع کی۔ پہلا مجموعہ بہ عنوان ''رشید حسن خاں کے خطوط'' جو ۱۰۳۸ خطوط پر مشتمل ہے، ۲۰ر فروری ۲۰۱۱ء کو منظرِ عام پر آیا۔ راقم نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ اب دوسرا مجموعہ 526 خطوط کا آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہے۔ مجھے اُمید ہے اِن خطوط سے مرحوم خاں صاحب کی زندگی کے بہت سے مخفی گوشوں، تحقیقی وتدوینی کاموں پر روشنی پڑے گی۔

ابھی بھی بہت سے ادبی حضرات کے سینکڑوں خطوط اندرون اور بیرونی ملکوں کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ بہت سے ادبی حضرات سے رابطہ بھی قائم ہوا۔ اُنھوں نے خطوط کے ہونے کی ہامی بھی بھری، مگر ایک بھی خط دینے کی سعی نہیں کی۔ راقم کو لگتا ہے وہ سبھی خطوط اِنھی حضرات کی زندگیوں کے ساتھ تلف ہوجائیں گے۔ اِس کی ایک مثال پروفیسر اکبر حیدری (کشمیر والے) ہیں، جنھوں نے کہا تھا کہ میرے پاس مرحوم کے بہت سے خطوط ہیں مگر اُنھوں نے صرف چھ خطوط ہی بھیجے۔

راقم یہاں آپ حضرات کی توجہ ایک اور واقعے کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہے۔

لاہور (پاکستان) میں ایک ایسوسی ایٹ پروفیسر مرحوم رشید حسن خاں پر پی ایچ. ڈی کا مقالہ لکھ رہے تھے۔ اُنھوں نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا۔ ایک سوال نامہ مرتب کر کے میرے ای میل پر ڈال دیا۔ میں نے بہت سا مٹیریل یہاں سے اُنھیں بہ ذریعۂ ای میل بھیجا۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ ''میرے پاس مرحوم کے سو خطوط محفوظ ہیں، میں آج کل زیادہ مصروف ہوں، مقالہ آخری مرحلے میں ہے، دسمبر ۲۰۱۲ء کے بعد آپ کو اِن کے عکس روانہ کر دوں گا''۔ اُن کا مقالہ مکمل ہوا، اُس کا ایک نسخہ معائنے کے لیے مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ اردو کے ایک پروفیسر کے پاس آیا، جو میرے دوستوں میں سے ہیں۔ اُنھوں نے فون پہ مجھے اطلاع دی۔ میں نے اُن سے فوراً رپورٹ بھیجنے کو کہا۔ اُنھوں نے اِس پر عمل کیا۔ اُن حضرات کو پی ایچ. ڈی کی ڈگری تفویض ہوگئی۔ میں نے ای میل کے ذریعے اُنھیں تین خط بھیجے۔ اللہ کے بندے نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔ اِس مختصر سی داستان سے متعلق کیا کہا جاسکتا ہے۔

پاکستان میں چند ادبی شخصیات سے بہ ذریعۂ خط سلسلہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر جواب سے مرحوم رہا۔ لاہور میں واحد شخصیت پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کی ہے جنھوں نے میرے خطوط کے جواب دیے اور اپنے نام کے صرف بارہ خطوط کے عکس روانہ کیے۔ بعد میں ۲۰۰۹ء میں اُن کے ایک شاگردِ عزیز نے ہاشمی صاحب کے نام کے سبھی خطوط کو ''مکاتیبِ رشید حسن خاں بنام رفیع الدین ہاشمی'' مرتب کر کے شائع کر دیے۔ ہاشمی صاحب نے تین جلدیں میرے نام بھیجیں۔ دو یہاں کی لائبریریوں کے لیے اور ایک میرے لیے۔ راقم نے باقی ماندہ خطوط کو اب دوسرے مجموعے میں شامل کر لیا ہے اور اس کی اطلاع بہ ذریعہ ای میل اُنھیں بھیج دی ہے۔

کراچی (پاکستان) میں مشفق خواجہ صاحب کے پاس خاں صاحب کے بہت سے خط محفوظ تھے۔ اُنھوں نے خاں صاحب کی کلاسکی متن تدوین کرنے میں بہت مدد کی تھی۔ کئی قلمی و مطبوعہ نسخوں کے عکس اُنھیں روانہ کیے۔ اُن کی قریب چار کتابیں پاکستان سے شائع کروائیں۔ اُن کے انتقال کے بعد راقم نے اُن کی بیگم کی خدمت میں کراچی کے پتے پر ایک خط ارسال کیا مگر جواب نہیں آیا۔ اُن کا ذاتی کُتب خانہ بہت بڑا تھا۔ نہ جانے اب وہ کس کی ملکیت میں ہے۔ وحید قریشی صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مظہر محمود شیرانی

صاحب کے جواب سے بھی مرحوم رہا۔ اِن باتوں کا ذکر صرف اس لیے کیا گیا کہ آیندہ کوئی نوجوان اسکالر اگر سامنے آئے تو وہ اِن مقامات تک پہنچنے کی کوشش کرے اور اِس کام کو آگے بڑھائے۔

''رشید حسن خاں کے خطوط'' کے پہلے مجموعے کا مقدّمہ ۲۶ سطری مسطر کے ۱۲۹ صفحات پر مشتمل ہے، چھے صفحات حواشی کے الگ سے ہیں۔ راقم نے اُن کی زندگی کے حالات سے متعلق حتی الوسع تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ یہ میرا دعوا نہیں کہ میں نے اُن کے تمام مخفی گوشوں کو کھنگالا ہے۔ لیکن جو حالات دستاویزی صورت یا اُن کے فرزندوں سے حاصل ہوئے اُنھیں درجِ صفحات کرنے کی کوشش کی ہے۔

مرحوم کے خطوط کے پہلے مجموعے میں راقم نے اُن کے خطوط کو چھے اقسام میں تقسیم کیا ہے اور ہر قسم سے متعلق کُھل کر بحث کی ہے۔ اِس مجموعے میں اِن اقسام کا ذکر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

راقم کو اس بات کا بھی احساس ہے کہ خطوط کو مرتب کرتے وقت مکتوب الیہ کے مختصر حالاتِ زندگی شاملِ مجموعہ ہونے چاہیے تھے تاکہ خطوط کا مطالعہ کرتے وقت قاری کو یہ تو معلوم ہو کہ مخاطب کی ادبی حیثیت کیا ہے اور خاں صاحب اِن سے تدوینی معاملات میں کیا معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

راقم نے کچھ حضرات کے کوائف اور تصاویر حاصل بھی کیں، مگر اِنھیں شاملِ مجموعہ اِس لیے نہیں کرسکا کہ مجموعے کی ضخامت بڑھ جانے اور اِس کی اشاعت میں دشواری حائل ہونے کا اندیشہ تھا۔ سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ راقم ایک دور اُفتادہ علاقے کا رہنے والا ہے۔ یہاں کی ادبی سرگرمیاں اُس سطح کی نہیں، جو دہلی، بمبئی، علی گڑھ، لکھنؤ، رام پور، پٹنہ اور حیدرآباد جیسے شہروں کی ہیں۔ راقم کسی ادبی ادارے یا کسی اکیڈمی کا رکن بھی نہیں ہے کہ وہ اتنے بڑے پروجیکٹ کی ذمہ داری قبول کرلیتے۔ راقم نے اِس مجموعے کے لیے بھی پہلا ہی طریقۂ کار اختیار کیا ہے تاکہ مجموعوں میں ترتیبی اختلاف نہ آنے پائے۔ میری صرف یہ کوشش رہی کہ مرحوم کے جس طرح سے ہوسکے زیادہ سے زیادہ خطوط محفوظ ہو جائیں۔

میں چاہتا ہوں کہ کوئی نوجوان اسکالر سامنے آئے اور وہ مرحوم کے خطوط کو جدید تدوینی اصولوں کے مطابق تاریخی ترتیب سے مرتب کرنے کی کوشش کرے۔ راقم اُسے اِن سب

خطوط کے عکس مہیا کردے گا، ساتھ ہی دونوں مجموعے مطبوعہ صورت میں بھی۔ ہمارا کام تھا راستہ ہموار کرنا، چلنا نئی نسل کا کام ہے۔

میں کوئی حرفِ آخر نہیں اور نہ ہی میرا کوئی دعوا ہے۔ مجھے اپنی تمام کوتاہیوں کا احساس ہے اور انھیں قبول بھی کرتا ہوں۔ ہاں میرا حوصلہ کم نہیں ہوا، اگر کوئی ادارہ اِن خطوط کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کرتا ہے تو راقم انھیں نئے سرے سے ترتیب دینے کے لیے تیار ہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، خدا بخش لائبریری پٹنہ، رضا لائبریری رام پور، سالارِ جنگ میوزیم حیدرآباد، بمبئی، پاکستان میں لاہور، اسلام آباد اور کراچی جیسے بڑے کُتب خانوں کے علاوہ پاکستان کی اہم ادبی شخصیات (جیسا پہلے ذکر آچکا ہے) کے پاس مرحوم کے سینکڑوں خطوط موجود ہیں لیکن راقم کی اُن تک رسائی ناممکن ہے۔ وہاں کے حضرات خط یا ای میل کا جواب نہیں دیتے وجہ نہ معلوم۔ راقم کو وہاں دو چار شخصیات کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ٹیلی فون سے رابطہ قائم نہیں ہوسکتا۔ یہ ہماری ریاست کی ٹیکنیکل مجبوری ہے۔

اِن دوممالک کے علاوہ اسپرنگر کتب خانہ برلن جرمنی اور انڈیا آفس لائبریری لندن میں بھی خاں صاحب مرحوم کے خطوط موجود ہیں جو انھوں نے کلاسیکی متون کے عکس حاصل کرنے کے لیے لکھے تھے۔ ایسے مقامات سے کوئی ادارہ ہی اپنی سطح پر کوشش کرکے اِن کے عکس حاصل کرسکتا ہے، میری سعی لاحاصل ہے۔

رشید حسن خاں صاحب نے اِس جہانِ فانی کو ۲۶ر فروری ۲۰۰۶ء کو الوداع کہا۔ آٹھ سال سے اوپر کا وقت گزر چکا، کیا ستم ظریفی ہے کہ تحقیقی و تدوینی دنیا کے صفِ اوّل کے چار محققین، محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، امتیاز علی خاں عرشی اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے بعد رشید حسن خاں کا نمبر آتا ہے، جنھوں نے کلاسکی متون کو جدید سائنسی و تدوینی اصولوں پر مرتب کیا، مگر آج تک ملک کے کسی بھی ادبی ادارے یا ادبی تنظیم نے اُن کی یاد میں ایک چھوٹا سا سمینار بھی منعقد نہیں کیا۔ دوسروں کی بات ہی کیا، دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں اُنھوں نے اپنی زندگی کے بہترین ۳۷ سال وقف کیے، اِس شعبے نے بھی اِنھیں قصّۂ پارینہ سمجھ کر بھلادیا۔ اِس کی پیشین گوئی شاید اُنھوں نے اپنی وفات سے ڈیڑھ سال قبل اپنے ایک خط مرقومہ ۱۶ر جولائی ۲۰۰۵ء بنام ڈاکٹر خلیق انجم کی آخری سطور میں یوں کی تھی:

''دیکھیے بھائی! یہ میں خوب جانتا ہوں کہ میرے بعد مجھے کوئی یاد نہیں کرے گا اسلم بھائی اور آپ کے سوا۔ کسی سے بنا کر رکھی ہی نہیں یاد کیوں کرے! مگر خدا کا شکر ہے کہ اِس پر فخر ہے پشیمانی نہیں''۔

(''رشید حسن خاں کے خطوط'' مرتبہ راقم الحروف، اشاعت فروری ۲۰۱۱ء، ص ۳۹۴)

خاں صاحب بہ حیثیت ایک انسان دوست اچھی شخصیت کے مالک تھے۔ مگر ادب میں وہ دوستی و مصلحت کوشی کو بالائے طاق رکھ دیتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ادبی دنیا نے بہت جلد اُنھیں گوشۂ گمنامی کا فرد مان لیا۔

اُن کے قلم کی نوک سے ۲۷ کُتب صفحۂ قرطاس پر نمودار ہوئیں، جن میں انتخاباتِ شعرا، کلاسکی متون کی تدوین، لُغت نویسی، مقالات کے علاوہ سینکڑوں تبصرے، انٹرویوز اور لکچرز شامل ہیں۔ انعامات و اعزازات کی تعداد ۱۲ سے اوپر ہے، جن میں دو ایوارڈ، نیاز فتح پوری اور محمد طفیل، کراچی اور لاہور (پاکستان) قابلِ ذکر ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ادبی دنیا اتنی سرد مہر کیوں ہوگئی ہے؟

بہت سے ادبی اسکالرز کو اُنھوں نے اُنگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ وہ آج اچھے اچھے عہدوں پر فائز ہیں مگر اُنھوں نے بھی اُنھیں بھلا دیا۔ بھلے ہی اُن کی یاد میں کوئی سمینار یا ادبی جلسہ منعقد نہیں ہوا اِس سے اُن کی ادبی حیثیت کم نہیں ہوگی۔ وہ اپنے کاموں کی خاطر ہمیشہ ایک درخشاں ستارے کی طرح ادبی اُفق پر چمکتے رہیں گے۔ برِ صغیر ہند و پاک میں اب کلاسکی متون کو اتنی تعداد میں مرتب کرنے والا دوسرا کوئی رشید حسن خاں پیدا نہیں ہوگا۔

آج یونی ورسٹیوں کے اردو شعبہ جات کی یہ حالت ہے کہ اسکالرز کی بات تو الگ اساتذہ کلاسی متون کو پڑھنے سے کتراتے ہیں۔ اِس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہماری آبیاری ہی اِسی طرح ہوئی ہے کہ ہمیں قدیم مخطوطوں کو پڑھنے کا علم نہیں۔ اُس پر طرّہ یہ کہ ہم فارسی اور عربی جیسی زبانوں سے نابلد ہیں جن کا اردو سے قریب تر رشتہ ہے۔

آج کے دور کی زندگی بہت تیز رفتار ہے، ہر شخص فوراً اپنے کام سے نپٹنا بل کہ بھگتنا چاہتا ہے۔ اسکالرز دو سال کے اندر ڈگری، نوکری اور پھر ساری زندگی خاموش ہو کر بیٹھ جانا چاہتے ہیں۔ ایسا کون سر پھرا ہوگا جو ایک کام کو یعنی کسی مخطوطے کو لے کر پانچ چھے سالوں کے لیے بیٹھ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال لے، اُس کے بعد اُسے ملے گا کیا؟

آج مختلف یونی ورسٹیوں میں ایک زندہ شخص پر پانچ پانچ چھے چھے اسکالرز پی ایچ.ڈی کے مقالے لکھ رہے ہیں۔ حالاں کہ جس شخص پر یہ کام ہو رہے ہیں اُس کی ادبی زندگی دس پندرہ برس سے زیادہ نہیں۔ اُسے تو ابھی تیس چالیس سال اور کام کرنا ہے۔

ایک اسکالر زندہ شخصیت کے کام کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا۔ تنقیدی کلمات کے بجائے تعریفی کلمات کے علاوہ اُس کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ جس شخص پر کام ہو رہا ہے اُس کا ذہنی ارتقا ابھی رُک تو نہیں گیا۔ وہ برابر تغیر پذیر ہے، پھر آپ کیوں کر کوئی حتمی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ تحقیق کا مطلب ہے حق اور سچ کی تلاش۔ یہ دونوں چیزیں آپ کو کسی مقالے میں نظر نہیں آئیں گی۔

دور کی بات چھوڑیے۔ اقبالؔ جیسے شاعر پر مختلف زبانوں میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں۔ اُن کی زندگی کے ہر گوشے کو کھنگالا گیا، لیکن اُن سے متعلق کاموں میں ابھی بھی حق اور سچ کی تلاش باقی ہے۔ کوئی ایسا محقق و تدوین نگار پیدا نہیں ہوا جو اُن کے اردو کلام کو جدید سائنسی اصولوں پر مرتب کر سکے۔ مرحوم رشید حسن خاں نے پروفیسر رفیع الدین ہاشمی (لاہور) کے اشتراک سے اِس کام کا بیڑا اُٹھایا تھا مگر خدا نے رشید حسن خاں کو مہلت نہیں بخشی، اُنھیں اپنی بارگاہِ اعلا میں بلالیا۔ ہاشمی صاحب اکیلے رہ گئے۔ وہ بھی کافی بزرگ ہو چکے ہیں اُن کی صحت بھی اجازت نہیں دیتی اس لیے یہ کام دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اگر یہ کام اپنے پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا ہوتا تو یہ دونوں ممالک کا مشترکہ ایک بڑا کارنامہ ہوتا۔

خاں صاحب کے کام کے طریقۂ کار کو دیکھیے۔ اگر کوئی اُن کے مرتب کردہ کسی کام پر اعتراض کرتا تو آپ بڑے ادب سے اس کا معقول جواب دیتے۔ اِن کی مرتب کردہ کتاب باغ و بہار کا مطالعہ کرنے کے بعد احتشام حسین ندوی نے اِنھیں لکھا کہ آپ کی کتاب کی فرہنگ میں مندرجہ ذیل الفاظ شامل نہیں۔ اِس کے علاوہ اور بھی بہت سے اعتراض کیے، مثلاً: شلاق، پال، پرتل، آدینہ، گرگا، بوزہ خانہ، جاروب کشی، پھڑ''۔

خاں صاحب اپنے مکتوب مرقومہ ۴؍اگست ۲۰۰۰ء میں شاہ جہان پور سے یوں جواب دیتے ہیں:

> ''میرا مفروضہ یہ ہے کہ ''پھڑ'' کے سوا یہ سب لفظ فرہنگ میں موجود ہیں، آپ ایک بار پھر ملاحظہ فرما لیجیے: پال (ص ۶۵۰)، پرتل

(ص ۶۵۱)، گرگا (ص ۶۸۷)، مشلاق (ص ۶۷۷)، بوزہ خانہ (ص ۶۴۸)، جاروب کشی (ص ۶۵۸)۔ پھڑ عام لفظ ہے، اِس لیے اِس کے شمول کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ آپ نے فرہنگ کو دیکھے بغیر یہ بات کیسے لکھ دی؟ مجھے اِس پر بہت تعجب ہے، ہاں میر امّن نے ''آدینہ'' لکھا ہے۔ یہ بھی فرہنگ میں موجود ہے (ص ۶۴۰) اور ضمیمۂ تشریحات میں ص ۳۴۳ پر یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اصل لفظ ''آدینہ'' ہے، مصنف نے ''اُدینہ'' استعمال کیا ہے—— اب آپ کی کیا رائے ہے کیا بہ قول آپ کے میں نے واقعی ''سہل انگاری سے کام لیا ہے'' یا آپ نے بغیر دیکھے اور بغیر تلاش کیے یہ بات لکھی ہے۔ اور اب آپ کی رائے کیا ہے؟''

خاں صاحب نے تین صفحات کا جواب لکھا اور ہر بات کی وضاحت بھی کر دی، ساتھ ہی یہ بھی درج کیا کہ تدوین کے اصول کے مطابق الفاظ کے معنی فرہنگ میں لکھے جاتے ہیں نہ کہ ہر صفحے کے حاشیے پر۔ معترض کی توجہ اِس طرف بھی مبذول کروائی کہ زیرِ بحث موضوع کے لیے ہمیشہ آخری اڈیشن سامنے ہونا چاہیے نہ کہ پہلا یا دوسرا۔ وہ لکھتے ہیں: ''توقع کرتا ہوں کہ آپ کی نظرِ عنایت آیندہ بھی شاملِ حال رہے گی اور میں اپنی غلطیوں سے آگاہ ہوتا رہوں گا۔

اپنی تحریر کا عنوان آپ نے خالص علمی زبان میں لکھا ہے، اِس کے لیے خاص طور پر شکر گزار ہوں اور اِس سلسلے میں اپنی کم علمی کا معترف ہوں''۔

جو حضرات خاں صاحب کی سخت گیری سے نالاں ہیں وہ اِس تحریر کو کس نظر سے دیکھیں گے کہ وہ معترض کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف (جو اُنھوں نے کی ہی نہیں)۔

خاں صاحب نے اپنے خطوط کے ذریعے بہت سے شعرا کی رہنمائی کی حالاں کہ وہ خود اس میدان سے بہت پہلے نکل آئے تھے۔ مگر عروض، آہنگ، ہیئت اور اسلوب کے علاوہ شاعری کے تمام رموز سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ ہاں شاعری میں وہ قدیم اصولوں اور روش کو زیادہ پسند کرتے تھے۔

خاں صاحب کی جب کسی سے قلمی دوستی ہو جاتی تو وہ بڑی بیبا کی سے بڑی سے بڑی

شخصیت سے متعلق اپنے خط میں ایسے جملے لکھ جاتے جن کی دوسرا کوئی لکھنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا، مثلاً ڈاکٹر اخلاق اثر (بھوپال) کے نام اپنے خط مرقومہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۸۳ء میں یوں رقم طراز ہیں:

''کتاب پڑھ ڈالی اور شاعرِ انقلاب کی بے چارگی کا اندازہ کرلیا۔ اِس کا اندازہ اور علم کچھ پہلے سے بھی تھا۔ شخص اور شاعر میں یوں تو فاصلہ ہوا ہی کرتا ہے اور اِن دونوں کا یکساں ہونا ضروری نہیں؛ لیکن ہم غالب کے یہاں اِس ثنویت پر نہ تعجب کرتے ہیں اور نہ اعتراض؛ کیوں کہ اُنھوں نے شاعری کی تھی (اعلا درجے کی) کسی پیغام یا نظام کے وہ مدّعی نہیں تھے۔ اِس کے برخلاف، اقبال اپنے کو صرف شاعر نہیں کہتے تھے اور دوسرے بھی اُن کو ''حکیم الامت'' مانتے ہیں؛ اِس لیے اُن سے اِس دورنگی کا حساب لیا جائے گا، بل کہ احتساب کیا جائے گا۔ کس درجہ فدویت مآبی کے ساتھ خط لکھے ہیں بھائی نے!! جو شخص اِس زمانے میں ''سر'' کا خطاب قبول کرے جب خلافتِ تحریک کا جنازہ اُٹھایا جارہا ہو، اُس کی انگریز دشمنی کو کیا کہا جائے! اور جو یہ کہہ چکا ہو کہ: اپنے شاہوں کی یہ ایثار بھولنے والی نہیں، اُس سے کہاں تک حساب لیا جائے گا۔ ہاں، بہ حیثیتِ شاعر وہ بے مثال اور باکمال تھے، لاریب فیہ''۔

ادب میں اُن کے قلم نے ہمیشہ حق کا ساتھ دیا، اِس کا خمیازہ اُنھوں نے بہ قیدِ حیات اور بے قیدِ حیات دونوں صورتوں میں بھگتا۔ زندگی بھر ایک ہی عہدے پر رہے پرموشن یعنی ترقی نہیں ملی۔ مالی نقصان اُٹھانا پڑا۔ بعدِ حیات آج تک اُنھیں کسی ادارے نے یاد نہیں کیا۔ اِس کا ذکر اِس سے قبل آچکا ہے۔

خاں صاحب اپنے معاشرے میں پائی جانے والی بدعتوں سے بھی نالاں تھے، اس کا اظہار وہ کبھی کھل کر کردیتے تھے۔ اپنے خط مرقومہ ۱۸؍نومبر ۲۰۰۴ء میں الیاس شوقی (بمبئی) کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

''آپ کا خط آج (بل کہ ابھی) ملا۔ بھتیجی کا احوال پڑھ کر بہت تشویش

ہوئی، آپ کی پریشانی کا حال معلوم کر کے پہلے بھی دُکھ ہوا تھا، اب پھر افسوس ہوا۔ شادی بیاہ کے معاملات اندھا سودا ہوتے ہیں کبھی کبھی، کسی بات پر جلد یقین کر لینا بھی پریشانی کی بنیاد بن جاتا ہے۔ مجھے دونوں بچیوں سے بہت ہمدردی ہے کہ وہ ہمارے معاشرے میں عورت کی بے بسی کی نمایندگی کر رہی ہیں۔ دل دُکھتا ہے، مگر کچھ نہیں کر سکتا خود میری لڑکی آٹھ سال تک میرے گھر میں رہی ہے شادی کے بعد۔ میرا مسئلہ بھی یہی سُن کر یقین کر لینے کا تھا۔ آپ سے بہت ہمدردی ہے مجھے، یوں بھی کہ مجھے اِس کا کچھ تجربہ ہے"۔

خاں صاحب اپنے مرتّب کردہ کمپوز شدہ مسوّدات کی تصحیح ایک نہیں، دو نہیں بل کہ تین بار کرتے تاکہ غلطیوں کا امکان کم سے کم ہو۔ اِس کی مثال اُن کے خط مرقومہ ۱۲ر جنوری ۱۹۸۹ء سے ملتی ہے، جو اُنھوں نے ڈاکٹر خلیق انجم کو لکھا:

"دیوانِ غالب کی تیسری بار تصحیح کی گئی۔ اب چند صفحے الگ سے میں نے دیے ہیں جن میں مزید تصحیح بنتا تھی، دہرے دائروں کے ساتھ۔ اب اِن چند صفحات کو آپ دیکھ لیجیے، یعنی دُہرے دائروں کی تصحیح کو"۔

ایسے معاملوں میں خاں صاحب بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے، تبھی تو اُن کے مرتّب کردہ متون عموماً اغلاط سے پاک ہوتے تھے۔ اپنے اصول کے مطابق اُنھوں نے اپنے مسوّدے کو کبھی کسی سے نقل نہیں کروایا۔

خاں صاحب کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ جب کبھی اُنھیں موقع ملتا وہ گرفت کرنے سے نہیں چوکتے تھے چاہے کوئی بڑی شخصیت یا ادارہ ہی کیوں نہ ہو۔ اربابِ ندوہ سے متعلق اپنے ایک خط مرقومہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۰ء میں رئیس احمد نعمانی کو لکھتے ہیں:

"دُعا کیجیے کہ خدا مجھے توفیق دے اور آپ کو مزید تابِ تحمل عطا فرمائے، لیکن پھر سوچتا ہوں کہ جو خدا اربابِ ندوہ کو توفیق نہ بخش سکا، وہ اور کسی کو کیا دے گا۔

مولانا شبلی یاد آتے ہیں، اربابِ ندوہ نے ان کے خلاف بھی فتوائے کفر جاری کیا تھا۔ جُرم اُن کا بھی یہی تھا کہ عقل کی باتیں کیا کرتے تھے اور جامد تقلید اور روایتی کسالت سے نکالنا چاہتے تھے۔

یہ قومی المیہ ہے۔ مسلمان نے زمانے کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں ہیں اور روایت کا پردہ آنکھوں پر ڈال لیا ہے۔ اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم ...شاید اربابِ ندوہ ہی کے لیے اتری ہوگی۔ اب کوئی اِن کی مدد نہیں کرسکتا"۔

۲۱؍اپریل ۱۹۷۱ء میں پھر اسی بات کو یوں دُہراتے ہیں:

"اللہ جانے ہمارے اور آپ کے ندوے کا حال اب کیا ہے۔ خدا کرے ٹھیک ہی ہو لیکن برادر! یہ وہی ندوہ ہے جس کے اربابِ کار نے مولانا شبلیؒ پر کفر کا فتوا تراشنے والوں کی مدد کی تھی۔ اب بھی ایسے ہی لوگ ہوں گے"۔

خاں صاحب کا قلم خطوط ہی میں نہیں بل کہ بعض اوقات مضامین میں بھی بے تکلّف ہو جایا کرتا تھا جس کی وجہ سے بعض حضرات اِس کی زد میں آجاتے تھے۔

کتاب اور قاری سے متعلّق خاں صاحب کے خیالات سُنیے جو اُنھوں نے رفعت شمیم کے خط کے جواب میں ۲۷؍اگست ۱۹۹۱ء میں لکھے (شمیم صاحب انگلستان میں کسی جگہ مقیم ہیں۔ صنفِ ڈراما اِن کا دل چسپ میدان ہے):

"پہلے کتاب کا چھپنا مشکل ہوتا تھا۔ اب کتاب کا چھپنا تو اُتنا مشکل نہیں رہا، مگر اصل مشکل یہ پیدا ہوگئی ہے کہ قاری کو تلاش کیا جائے۔ سنجیدہ کتابوں کے پڑھنے والے کم سے کم ہوتے جا رہے ہیں اور یونی ورسٹیوں کے اساتذہ نے تو پڑھنا بالکل چھوڑ دیا ہے؛ اِس بنا پر جب کسی خوش ذوق کا پتا لگتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اُس کو کتاب دی جائے"۔

خاں صاحب کی شوخیِ طبیعت کی بھی داد دیجیے، اُن کا ایک جملہ پڑھ کر، جو اُنھوں نے شمیم صاحب کے خط مرقومہ ۷؍اگست ۱۹۹۸ء کی آخری سطر میں لکھا ہے:

"بیگم صاحبہ سے میرا اسلام کہیے، اور اِدھر اُدھر کوئی اچھی صورت نظر آجائے تو میری طرف سے بھی درود پڑھ لیجیے گا"۔

خاں صاحب اِس وقت ۷۳ کے لپیٹے میں تھے لیکن زندہ دلی ۲۳ والی تھی۔

شوخی اور طنز کا امتزاج اِن کے خط مرقومہ ۲۶ر فروری ۱۹۹۹ء میں ملاحظہ فرمائیں، شمیم صاحب کو لکھتے ہیں:

''ایک مدّت کے بعد آپ کا خط ملا تھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ آپ چھ مہینے تک اسلامی کیمپ میں قیدی بنے رہے۔ خوب ہے یہ بھی۔ ارے بھائی! آپ وہاں گئے ہی کیوں تھے۔ وہ سرزمین اب بریلویوں، دیوبندیوں اور جماعتِ اسلامی والوں کے لیے ہے، یہی عقل سے پیدل لوگ وہاں بہ خیر و خوبی رہ سکتے ہیں''۔

خاں صاحب کی شخصیت کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اگر کوئی اسکالر، کوئی شاعر، کوئی ادیب یا کوئی محقق اُن سے کسی مسئلے پر گفتگو کرتا یا بہ ذریعۂ خط اُن سے کسی لفظ کے معنی یا استعمال سے متعلق پوچھتا تو وہ اُن الفاظ سے متعلق دواوین، لغات اور تذکروں کو دیکھنے کے بعد جواب لکھتے تاکہ سامنے والا مطمئن ہو جائے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی اُنھیں چند الفاظ سے متعلق اپنے خط میں لکھتے ہیں اور خاں صاحب اُن کا جواب اپنے خط مرقومہ ۲۴ر مارچ ۱۹۸۲ء میں یوں دیتے ہیں:

''مکتوب مورخہ ۲۰ر مارچ موصول ہوا۔

۱- آبِ رکناباد اور گلگشتِ مصلّیٰ حافظؔ کے اِس شعر میں آئے ہیں:

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنّت نخواہی یافت
کنار آبِ رکناباد و گلگشتِ مصلّیٰ را

رکناباد معروف چشمہ ہے اور گلگشت مصلّیٰ مشہور تفریحی مقام ہے۔ مراد یہ ہے کہ کربلا کے غم انگیز بیان کو تیسری ہوسِ زر پرستی نے آبِ رکناباد اور گلگشتِ مصلّیٰ کے دل چسپ بیان میں گویا بدل دیا ہے۔

۲- خوزادہ، مخفف ہے ''خواجہ زادہ'' کا اور یہ مستعمل لفظ ہے۔ آقا زادہ کے معنی میں۔

۳- ''بھوگ'' کے ایک معنی ''گالی'' بھی ہیں اور بھوگ سُنانا: گالیاں دینا، بُرا بھلا کہنا۔ بھوگ سُننا: گالیاں سُننا، بُرا بھلا سُننا۔

پنچ کے ایک معنی ہیں: عام لوگ۔ پنچوں کے بھوگ سُن لیتے تھے: معمولی اور کم درجہ لوگوں کے درشت کلمات سن لیتے تھے (اور تحمل سے کام لیتے تھے)۔

۴- نظیر کے یہاں دوسرے مصرعے میں ''کردے گا''، غلطیِ کتابت ہے، اصل لفظ ''گروی کا'' ہے اُس زمانے میں سپاہیوں کے ہتھیار بنیوں کے یہاں گروی رہا کرتے تھے عالمِ مفلسی میں۔ چوتھا مصرع اب اِس روشنی میں واضح ہے۔ تیسرا مصرع بھی غلطیِ کتابت کا شکار ہے۔ اِس وقت اتفاق سے کلیاتِ نظیر مرتبہ شہباز مجھے نہیں ملا، لائبریری سے کوئی لے گیا ہے، جب ملے گا تو اِس کی تصحیح کردی جائے گی۔ عربی میں طلب کی جمع طلّبات ہے، لیکن اردو میں مستعمل نہیں۔ ویسے طلب مصدر ہے۔ واحد کی جمع واحدون اور وَحْدان ہے، یہ بھی عربی سے مخصوص ہیں۔ بیوہ کا مذکر عربی میں عَزَبٌ اور عَزِیب ہے۔ اردو میں رنڈوا''۔

آپ نے دیکھا کہ چند الفاظ کے معنی لکھنے میں خاں صاحب کو کتنی مشقت کرنی پڑی ہوگی، کتنی کتابیں دیکھنی پڑی ہوں گی۔ مگر اُنھوں نے ٹالنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی یہ لکھا کہ فلاں فلاں کتاب دیکھ لیں۔ بل کہ ہر ایک لفظ کا مناسب جواب لکھ بھیجا جس سے سنبھلی صاحب مطمئن ہو گئے ہوں گے۔ یہی ایک محقق کا اصول ہونا چاہیے کہ ادبی فریضے ادا کرنے میں کسی پس وپیش سے کام نہ لے کیوں کہ سامنے والا آس لگا کر خط لکھتا ہے۔

بہ حیثیت محقق رشید حسن خاں نے اپنے لیے کچھ اصول واضح کر لیے تھے۔ اگر کوئی ادبی شخصیت اُن کی مرتب کردہ کتاب سے کسی غلطی کی نشان دہی کرتا یا اختلافِ رائے کا اظہار کرتا تو وہ اُسے اپنے پاس ''توجہ طلب'' ریکارڈ کے طور پر لکھ لیتے تاکہ آیندہ کسی وقت اُس کا استعمال کیا جائے۔ اِس طرح کی تحریر وہ ڈاکٹر سنبھلی کو خط مرقومہ ۱۴راگست ۱۹۹۲ء میں درج کر کے بھیجتے ہیں:

''کوئی بات وضاحت طلب ہو تو مطلع کیجیے گا۔ ہاں اگر کہیں کوئی غلطی

نظر آئے تو اُس سے ضرور مطلع کیا جاؤں، یہ کارِ ثواب ہوگا؛ تا کہ آیندہ کوئی اڈیشن چھپے، تو اُس میں تصحیح کر دی جائے۔ میں اپنی غلطیوں اور فروگذاشتوں کو بہ خوشیِ خاطر مان لیتا ہوں، ہاں اِن دونوں لفظوں میں جو معنوی فرق ہے، اُسے ضرور ملحوظ رکھتا ہوں۔ اب رہا رائے کا اختلاف، سو وہ تو شاید ہمیشہ رہے گا۔ جو شخص بھی پڑھے گا اور سوچے گا، وہ اختلاف سے کہیں نہ کہیں ضرور دوچار ہوگا۔ میں ایسے مقامات کو ''توجہ طلب'' کے ذیل میں رکھتا ہوں اور سنجیدگی کے ساتھ ایک بار پھر غور کرتا ہوں۔ یہ میرا معمول ہے''۔

فراخ دلی کی اِس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ خاں صاحب اپنے عزیزوں کی واجب بات کو مان لیتے تھے۔

کسی متن کی تدوین کے دوران جس طرح خاں صاحب بعض الفاظ کے معنی اور اِن کے استعمال سے متعلق دوسروں سے پوچھتے اِسی طرح بعض حضرات اِن سے بھی اِس قسم کے سوال کرتے۔ آپ اُن کے جواب دینے میں دیری نہیں کرتے تھے چاہے ان کے لیے اُنھیں بیسیوں کتابیں کیوں نہ دیکھنی پڑتیں اور کتنا ہی وقت کیوں نہ صرف کرنا پڑتا۔

تحقیقی و تدوینی ادب کی اتنی بڑی شخصیت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے آپ نے اپنے ذہن میں یہ نقش قائم کر لیا ہوگا کہ یہ شخص دوسروں کو خاطر میں نہیں لاتا ہوگا، مگر ایسا نہیں تھا۔ ہاں ادبی سطح پر ان میں سمجھوتا نہیں تھا لیکن عام زندگی میں ان کی شخصیت بڑی سادہ تھی۔ خاص طور پر جب یہ کسی بچّے سے گفتگو کرتے تو اُس وقت یہ بالکل بچّوں کی سطح پر آجاتے تھے۔ پروفیسر نیّر مسعود رضوی کی دو بیٹیاں (خدا کے فضل سے اب وہ بھی بچّوں والیاں ہیں) صائمہ اور ثمرہ جب بچّیاں تھیں تو خاں صاحب نے صائمہ کو اپنی بیٹی مان لیا تھا۔ یہ بچّیاں ہر سال عید پر ''خاں چاچا'' کو کارڈ بھیجتی تھیں۔ یہ بھی اُنھیں اکثر خط لکھتے، لیکن کبھی کبھی ہندی میں تا کہ نیّر صاحب اِنھیں نہ پڑھ سکیں۔ اپنے ایک خط مرقومہ ۲۹ر دسمبر ۱۹۹۴ء میں صائمہ سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

''صائمہ بٹیا کو بہت سی دعائیں اور اُس سے زیادہ پیار۔

تمھارا بہت خوب صورت عید کارڈ ملا۔ دیکھ کر جی خوش ہوا اور

آنکھوں میں نور۔ جیتی رہو اور خوش رہو۔

اب میں نے خیال کیا ویسا نہ سہی، اُس سے ملتا جلتا کارڈ تو ضرور بھیجوں۔ سارا بازار دیکھ ڈالا، اُس قدر خوب صورت کارڈ ملا ہی نہیں، یوں سادہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم یہ سمجھ لینا کہ میں نے کارڈ بھیجا ہے۔ مان لینا کیا مشکل ہے۔

میرا بہت جی چاہتا ہے کہ تم سے بہت سی باتیں کروں، کوشش کروں گا لکھنؤ آؤں اور تم کو دیکھوں۔ نیر صاحب نے بتایا کہ تم بہت زیادہ پڑھتی ہو، یہ سن کر بہت مسرّت ہوئی۔ خدا تمھاری عمر اور علم میں برکت دے۔

نیر صاحب نے بتایا کہ تم پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھنے لگی ہو۔ تو بٹیا! بچّوں کو زیادہ مشقت نہیں اُٹھانا چاہیے، حد سے زیادہ محنت نہیں کرنا چاہیے۔ اِس اچّھے کام کو فی الفور امّی جان کے لیے چھوڑ دو۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

۲۹؍دسمبر ۱۹۹۴ء

لو، اصل بات تو رہ ہی گئی: نئے سال کی بہت بہت مبارک باد!!''

خاں صاحب کے انتقال کے بعد نیر صاحب نے ۱۳ خط جو اُن کی بیٹیوں کے نام کے تھے، 'نیا دور' لکھنؤ کے شمارہ دسمبر ۲۰۰۷ء، جلد ۶۲، نمبر ۹ میں ''ایک شمارہ رشید حسن خاں کے نام'' بہ عنوان ''خاں چاچا'' شائع کروادیے۔ راقم نے وہاں سے اِنھیں لے کر دوسرے مجموعے میں شامل کرلیا ہے تاکہ یہ محفوظ ہو جائیں۔ دوسرے خاں صاحب کی زندگی کا یہ پہلو بھی سامنے آجائے کہ چھوٹے بچّوں کے ساتھ وہ کس طرح پیش آتے تھے۔

خاں صاحب اگست ۱۹۵۹ء میں دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہوئے۔ اِس سے قبل آپ اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول شاہ جہان پور میں پرشین ٹیچر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ طویل مدّت کی چھٹی پر دہلی چلے آئے، تب تک کے لیے جب تک کہ اِنھیں یہاں مناسب مقام پر تعینات نہیں کیا جاتا۔ آخر کار ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں اِنھیں مستقل کر دیا گیا۔

تب اُنھوں نے ۲۹؍اکتوبر ۱۹۶۴ء کو اپنا استعفا بنام صدر اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول شاہ جہان پور کے نام بھیج دیا جسے یکم نومبر ۱۹۶۴ء سے منظور کرنے کی درخواست کی گئی۔ پورا خط تو مجموعے میں شامل ہے لیکن راقم اِس کا ایک اقتباس یہاں نقل کرتا ہے جسے پڑھ کر قاری اُن کی زندگی کے ایک خاص پہلو کی طرف غور و فکر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

> "جنابِ صدر! میں نے اسلامیہ اسکول سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا، بل کہ صحیح معنی میں اِسی ماحول میں شعور کی آنکھیں کھُلیں۔ اچھے ماحول کے اثرات، اچھے ساتھیوں کی ہمت افزائی سے اور اسکول کی چھوٹی سی لائبریری کے فیض سے، مطالعے کا شوق اور بڑھا۔ لائبریری کی اچھی کتابوں نے تنقید و تحقیق کی طرف متوجہ کیا، اور آٹھ برس کی نسبتاً طویل مدّت اس کی نشو و نما کے لیے بے حد سازگار ثابت ہوئی۔ لائبریری کی کتابوں نے، میرے بیشتر رفیقانِ کار کی ہمّت افزائی اور اربابِ اختیار کی خاموش سرپرستی نے، مجھے اِس قابل بنایا کہ میں اعلا تحقیقی کاموں میں حصّہ لینے کا اہل سمجھا جاؤں۔
>
> میں نے جس وقت اسلامیہ اسکول میں پہلی ملازمت کے لیے درخواست دی تھی، اُس وقت میرے پاس کسی یونی ورسٹی، کسی کالج یا کسی اسکول کی کوئی ڈگری نہیں تھی، اس کے باوجود آپ نے ازراہِ التفاتِ خاص مجھے منتخب فرمایا تھا۔ آج جب کہ میں ہندوستان کی ایک اعلاترین یونی ورسٹی میں کام کر رہا ہوں، آج بھی کسی ایسی سند سے تہی دست ہوں۔ یہ اہمیّت اِسی اسکول کی بخشی ہوئی ہے، اور اِس روایت کے موسّس آپ ہیں۔
>
> نیازمند
>
> رشید حسن خاں پرشین ٹیچر
>
> ۲۹؍اکتوبر ۶۴ء اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول شاہ جہان پور"

قابلِ غور بات یہ ہے کہ ۱۹۶۴ء سے قبل اُن کے پاس کوئی ڈگری نہیں تھی، لیکن اس کے بعد زندگی کے آخری ایّام تک اُنھوں نے کوئی ڈگری حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں

کی۔ مگر ادب کے جس بلند مقام پہ وہ پہنچے، شاید ہی بڑی سے بڑی ڈگری والی کوئی شخصیت وہاں تک پہنچی ہو۔

برِ صغیر ہند و پاک کی تعلیمی اکیڈمیوں اور ادبی اداروں نے اُنھیں اتنے اعلا انعامات سے نوازا شاید ہی کسی کو اتنے انعامات ملے ہوں۔ آپ شہرت کی اُن بلندیوں تک پہنچے جن کے بعد کوئی بلندی باقی نہیں رہتی۔

برِ صغیر کے محققین میں محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور امتیاز علی خاں عرشی کے بعد اگر کسی کا نام لیا جاسکتا ہے تو وہ ہیں رشید حسن خاں، ایسا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

خاں صاحب میں ایک وصف اور موجود تھا کہ جب کبھی کسی معاصر کو بے تکلفی سے خط لکھتے تو وہ وہ باتیں درجِ متن کر جاتے جن کا کوئی تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ اِس کے لیے صدیق الرحمٰن قدوائی کے نام مکتوب مرقومہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۹۳ء کی مثال ہی کافی ہے۔ یوں تو اِس قسم کے خطوط اُن کے پہلے مجموعے 'رشید حسن خاں کے خطوط' میں بھی شامل ہیں جسے راقم نے فروری ۲۰۱۱ء میں مرتّب کیا تھا۔ قدوائی صاحب کے لیے اُنھوں نے القاب بھی خوب صورت لکھا ہے، ''حضرت شیخ الاعظم''۔ ۱۲ر مئی ۲۰۰۳ء کے خط میں یوں مخاطب ہوتے ہیں:

''قبلۂ دیدہ و دل (بہ قولِ فُلاں) حضرت مولانا قدوائی صاحب! نمستے!''

۱۴ر دسمبر ۱۹۹۷ء کے خط میں ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی سے یوں ہم کلام ہوتے ہیں:

''صدیقم صدیقی صاحب!'' جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ خاں صاحب کے خطوط ادبی معلومات کا خزانہ ہیں۔ مکتوب مرقومہ ۱۵را کتوبر ۱۹۹۱ء بنام پروفیسر عبدالستار دلوی سے پتا چلتا ہے کہ دلوی صاحب مصر کے سفر سے لوٹ آئے ہیں۔ وہاں اُنھوں نے ''تاریخ اور سماجیات'' سے متعلق مقالہ پڑھا جو خوب پسند کیا گیا۔

اِسی خط سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اُنھوں نے باغ و بہار کو مکمل کر کے انجمن ترقّی اردو (ہند) کے دفتر میں جمع کروادیا ہے، اب سے چار دن پہلے، اور وہ جنوری تک چھپ جائے گی۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ خاں صاحب ۲۹ر نومبر کو کراچی جائیں گے نیاز لکچر کے سلسلے میں، واپسی ۱۲ر دسمبر تک ہوگی۔

خاں صاحب نے دلوی صاحب کو یہ مشورہ بھی دیا کہ آپ شعبۂ اردو بمبئی یونی ورسٹی

میں جو پروگرام منعقد کرنا چاہتے ہیں وہ اگر ماہ مارچ میں ہو سکے تو زیادہ بہتر ہو، کیوں کہ اُس وقت وہاں سردی کی شدّت ذرا کم ہو جاتی ہے۔ اُس وقت اُن کا قیام تو ہوسٹل میں ہوگا مگر کھانا وہ پرہیز کا کھاتے ہیں، اُبلی ہوئی دال یا سبزی اور چپاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماہ مئی کے پہلے ہفتے میں اُنھیں دل کا دورہ پڑا تھا، وہ نرسنگ ہوم میں داخل کردیے گئے تھے۔ ۱۴رمئی کو واپس ہوسٹل آئے تھے۔ اتنی ساری باتیں ایک ہی خط میں تحریر کی گئی ہیں۔

۱۹رنومبر ۱۹۹۱ء کے خط میں محترمہ نسیم اقتدار علی کو لکھتے ہیں: ''میں کل جموں جارہا ہوں اور پھر ۲۹رکو کراچی جانا ہوگا نیاز فتح پوری سمینار کے سلسلے میں، واپس آکر اس کتاب کو از اوّل تا آخر پڑھوں گا''۔ محترمہ نسیم اقتدار علی نے اُنھیں اپنی مرتّب کردہ کتاب بھیجی تھی جس کا اُنھوں نے شکریہ بھی ادا کیا ہے۔

۱۹رنومبر ۱۹۹۱ء کے ایک اور خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۲۰رکو جموں جارہے ہیں، ۲۹رنومبر ۱۹۹۱ء کے خط کے متن سے عیاں ہوتا ہے کہ آج شام کو وہ کراچی جارہے ہیں۔ واپسی ۷ردسمبر کو ہوگی۔ ۱۹۹۱ء کے خط کے متن سے عیاں ہوتا ہے کہ آج شام کو وہ کراچی جارہے ہیں۔ واپسی ۷ردسمبر کو ہوگی۔

۱۴راپریل ۱۹۹۲ء کے خط میں شام کو لاہور جانے اور واپسی ۲۲رتک ہونے کا ذکر ہے۔

مکتوب مرقومہ ۱۴راکتوبر ۱۹۹۲ء بنام پروفیسر عبدالستار دلوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آج کل مثنوی گلزارِ نسیم مرتّب کرنے میں مصروف ہیں۔

۱۸راگست ۱۹۹۴ء کے مکتوب بنام ڈاکٹر عبدالستار دلوی سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دلوی صاحب کا مصر جانے کا انتخاب ہوا ہے وہاں کی یونی ورسٹی میں اُنھوں نے شعبۂ اردو قائم کرنا ہے۔ حالاں کہ اُن کے جانے سے دو بڑے کام، جو شعبۂ اردو بمبئی یونی ورسٹی کی زیرِ نگرانی ہورہے تھے، یعنی دتاسی والا اور دیوانِ ولی وہ پسِ پُشت پڑ جائیں گے، مگر دلوی صاحب کا وہاں جانا اُن کے لیے، ہمارے ملک کے لیے اور خاص کر بمبئی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے لیے فخر کی بات ہے۔

۱؎ یہ خط ایروگرام اور ہوائی ڈاک سے ہے۔ اِس پر ۵۵ پیسے کی ٹکٹ لگی ہوئی ہے۔ خاں صاحب نے یہ خط ۴۰۔ جُبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۶، انڈیا سے لکھا ہے۔

۳۱ر جنوری ۱۹۹۵ء کے مکتوب بنام عبدالستار دلوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ دلوی صاحب مزید ایک سال اور مصر میں رہیں گے۔ مثنوی گلزارِ نسیم ۲۴۷ صفحات میں سما کر چھپنے چلی گئی اور خاں صاحب نے مثنویاتِ نواب مرزا شوق کی تدوین شروع کر دی ہے۔ اِس کے بعد سحرالبیان کا نمبر ہے۔

اِس خط کے ذریعے خاں صاحب نے دلوی صاحب سے فرمایش کی ہے کہ آتی بار میرے لیے ایک خوب صورت سا قلم لیتے آیئے گا اور ''یہ فرمایش بارِ خاطر نہیں ہوگی۔ ہم جیسے کتاب خوانوں کے لیے قلم سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے''۔

خاں صاحب کو اچّھے قلم جمع کرنے کا شوق تھا۔ اِس سے قبل اپنے ایک مکتوب مرقوم ۳۰ر جنوری ۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کو U.S.A کے اِس پتے پر خط لکھتے ہیں:

Dr. G. C. Narang, Department of Indian Studies, 905 University Ave, Madison-15, WISCONSIN-53715 USA

''آپ میرے لیے ۹ ڈالر والا فاؤنٹن پین لیتے آیئے۔ غالباً ۴۵ روپے بنیں گے۔ اِس کا انتظام ہو ہی جائے گا۔ شکریہ پیشگی''۔

گلزارِ نسیم کے چھپ کے آنے کی خبر ۱۲ر نومبر ۱۹۹۵ء کے خط بنام دلوی صاحب میں درج ہے۔ ۲۵ر اور ۲۹ر نومبر ۱۹۹۵ء کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاں صاحب لاہور ۱۶ر دسمبر کو جا رہے ہیں اورینٹل کالج کی سوا سو سالہ جُبلی میں شرکت کے لیے، ساتھ ہی اُنھیں محمد طفیل ایوارڈ بابت سال ۱۹۹۲ء ملا ہے اور احمد ندیم قاسمی کو ۱۹۹۱ء کا۔ دونوں کے لیے جلسہ ایک ساتھ منعقد ہوگا۔ واپسی ۲۷ر دسمبر کو ہوگی۔ ۲۹ر کو بہ ذریعہ راجدھانی بمبئی کے لیے روانگی ہوگی۔

مکتوب مرقومہ ۱۶ر اگست ۱۹۹۶ء بنام پروفیسر عبدالستار دلوی خاص اہمیّت کا حامل ہے۔ بمبئی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں منعقد ہونے والے سمینار کے لیے خاں صاحب نے موضوعات کی ایک فہرست مرتّب کر کے بھیج دی ہے، تاکہ اِن موضوعات کی طرف خاص طور سے توجہ دی جائے۔ خاں صاحب یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہندی اردو رسم خط والا سمینار جلد ہو جائے۔

یکم نومبر ۱۹۹۶ء کے خط میں اِس بات کی اطلاع دی گئی ہے کہ مثنویاتِ شوق مکمل ہو چکی ہے شاید دسمبر یا جنوری میں شائع ہو جائے۔ ساتھ ہی امراؤ جان ادا کے نقشِ اوّل کی

تلاش ہے اگر یہ اُنھیں مل جائے تو وہ اِسے بھی مع حواشی مرتب کرنا چاہتے ہیں۔

خاں صاحب کی پلاننگ سے متعلق آپ اُن کے خطوط سے اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ جو کام اُنھوں نے پانچ سات سال بعد کرنا ہوتے تھے اُن کے قدیم نسخوں کی تلاش اور متعلقہ مواد کو وہ پہلے سے جمع کرنے لگتے تھے تاکہ ایک کام کے مکمل ہوتے ہی فوراً دوسرا شروع کر دیا جائے۔ وہ ایک دن کیا آدھا دن بھی بے کار بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ بعض دفعہ ایسا ہوا کہ ایک نسخہ مکمل ہونے کے بعد صبح کو چھپنے چلا گیا تو بعد دوپہر اُنھوں نے دوسرے نسخے کی تدوین کا کام شروع کر دیا۔

خاں صاحب کے بعض خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے فرمایشی قسم کے تبصرے دوسروں کی کتابوں یا شعری مجموعوں پر لکھنا کبھی پسند نہیں کیا۔ ایسے کاموں کے لیے وہ ہمیشہ معذرت کر لیا کرتے تھے۔ البتہ کوئی ادبی یا علمی کتاب اُن کے سامنے آتی تو وہ اُس کا اچھی طرح آپریشن کرتے۔ اِس کی زندہ مثال ''علی گڑھ تاریخ ادبِ اردو'' ہے۔ خاں صاحب کے تبصرے کے بعد وائس چانسلر علی گڑھ یونی ورسٹی نے اِس کے سبھی نسخے مارکیٹ سے واپس منگوا کر جمع کر لیے تھے۔ اِس داستان سے متعلق خاں صاحب نارنگ صاحب کو اپنے مکتوب مرقومہ ۱۶/اپریل ۱۹۶۴ء کے روز جُبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی سے لکھتے ہیں:

> ''یہ تو آپ نے سُنا ہوگا کہ علی گڑھ تاریخ ادبِ اردو[1] کی پہلی جلد شائع ہوگئی۔ بڑا شور سُنتے تھے، ایک قطرہ بھی نہیں نکلا۔ اڈیٹوریل بورڈ میں سارے معروف بزرگانِ ادب کے نام درج ہیں، لیکن کتاب، بلا مبالغہ گناہ گار کا نامۂ اعمال ہے۔ میں نے اِس پر ایک سرسری تبصرہ لکھا تھا، اتفاق یہ کہ وہ بے حد پسند کیا گیا اور آٹھ مختلف رسائل و اخبارات نے اِسے طویل حواشی کے ساتھ نقل کیا۔ بات اِس حد تک بڑھی کہ آخر یونی ورسٹی کو اِس کی فروخت باضابطہ روک دینا پڑی۔ آپ یہاں ہوتے تو اِس تبصرے کی داد آپ سے لیتا۔ اب کتاب اسٹاک روم میں پڑی ہے۔

---

1. ''علی گڑھ تاریخ ادبِ اردو'' کو خاں صاحب نے نہ تو واوین میں رکھا نہ اِس پر خط کھینچا۔ ناموں اور مقاموں پر خط کھینچنے کا سلسلہ بہت بعد میں اُنھوں نے شروع کیا۔

میں نے اربابِ اختیار میں سے ایک سے پوچھا کہ حضرت! غلط نامہ کتنی جلدوں میں ہوگا؟ جواب ندارد۔ آپ آئیں گے تو وہ تبصرہ آپ کو دکھاؤں گا''۔

اِسی طرح کا تبصرہ خاں صاحب نے تاریخِ ادبِ اردو از ڈاکٹر جمیل جالبی، اشاعت ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس (دہلی) پر بھی کیا تھا۔ یہ دونوں تبصرے اُن کی کتاب ''ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ'' میں شامل ہیں۔

بہت سے ادبی حضرات نے اِس بات کو پسند نہیں کیا، اُنھوں نے اِسے خاں صاحب کی اَنا اور انتقامی جذبے سے تعبیر کیا۔ لیکن اِس طرف لوگوں کی نظر نہیں گئی کہ اُنھوں نے ایک ایک صفحہ وسطر کو پڑھا تب جاکر تبصرہ لکھا۔ اُنھوں نے تبصرہ لکھتے وقت کتنی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا اور کتنے حوالے پیش کیے ہوں گے، اُن کے بارے میں وہی حضرات بتا سکتے ہیں جنھوں نے اِن دونوں تاریخوں سے متعلق تبصروں کا مطالعہ کیا ہوگا۔

خاں صاحب کے مذکورہ بالا خط سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سب سے پہلے جو اُنھوں نے کلاسکی متن مرتب کیا وہ داستان باغ و بہار ہے۔ یہ کام ۱۹۶۴ء میں شروع ہوا اسی سال مکمل ہوا اور اِسی سال شائع ہوا۔ لیکن خاں صاحب اِس کام سے مطمئن نہیں ہوئے، اِس کے اصل نسخے تک پہنچنے کی سعی میں لگے رہے۔ آخر اِس داستان کا مستند نسخہ ۱۹۹۲ء میں بہ یک وقت دہلی اور لاہور (پاکستان) سے ۲۸ سال بعد شائع ہوا۔

اِس داستان کی ابتدائی اشاعت سے متعلق خاں صاحب نے جو خط نارنگ صاحب کو ۱۶/اپریل ۱۹۶۴ء میں لکھا اس کا متن ملاحظہ فرمائیں:

''مکتبہ جامعہ نے سستی کتابوں کا ایک سلسلہ میری ہی تجویز پر شروع کیا ہے۔ اِس سلسلے کی پہلی کتاب باغ و بہار ہوگی۔ شرط یہ ہے کہ اِن کا متن بالکل صحیح اور مستند ماخذ پر مبنی ہوگا۔ پھر ایسے سارے لفظ جن

---

۱ خاں صاحب نے ۱۹۶۴ء کی اپنی تحریر میں بہت سی علامتوں کی پابندی نہیں کی، جو بعد میں ان کے لیے لازمی ہوگئی تھیں، مثلاً: باغ و بہار، فسانۂ عجائب، فورٹ ولیم کالج، میرامن، ڈنکن فوربس، مولوی عبدالحق، کراچی اور ممتاز حسین پر خط نہیں کھینچا گیا۔ 'کوئ' کا قدیم املا ہے۔ یہ اور جگہ کے نیچے لنگن نہیں۔

کے تلفظ میں ذرا سا بھی غلطی کا احتمال ہوگا، اِن پر اعراب لازماً لگائے جائیں گے، مفصّل فرہنگ ہوگی، توقیف نگاری ہوگی۔ نصف کتاب مکمل ہوچکی ہے، غالباً دو مہینے میں بازار میں آجائے گی۔ دوسری کتاب اِس سلسلے میں فسانۂ عجائب ہوگی۔ باغ و بہار کا متن دو نسخوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ فورٹ ولیم کالج کو جو میر امّن کی موجودگی میں چھپا تھا، بنیاد بنایا ہے، اور مشہور مستشرق ڈنکن فوربس کا نسخہ جو لندن سے شائع ہوا تھا، اور جس کے متعلق اس کا دعوا ہے کہ یہ میر امّن کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے مخطوطے پر مبنی ہے، اس کو معاون نسخے کی حیثیت سے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ آپ حیرت کریں گے کہ انجمن سے جو نسخہ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم نے شائع کیا تھا، وہ اصل نسخے سے جگہ جگہ مختلف ہے۔ معلوم نہیں مرحوم کو کون سا نسخہ ہاتھ لگا تھا۔ غالباً کوئی نہایت غلط سلط کسی معمولی پریس کا نسخہ تھا۔ کراچی سے ممتاز حسین نے بھی اِس کا اڈیشن اہتمام سے شائع کیا ہے، یہ فوربس کے مذکورہ نسخے پر مبنی ہے، یہ بھی یوں ہی ہے''۔

خاں صاحب نے باغ و بہار کو پہلی مرتبہ ۱۹۶۴ء میں مرتب کیا، مگر اُن کی کتابوں کی فہرست میں اِس کا کہیں ذکر نہیں۔ ہاں! بعض خطوط میں اِس نسخے کا ذکر موجود ہے۔ مکتبہ جامعہ سے ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۲ء اُن کی چھے کتابیں شائع ہوئیں، اِن کے نام حسبِ ذیل ہیں:

(۱) انتخاب نظیر اکبرآبادی (۱۹۷۰ء)
(۲) انتخابِ شبلی (۱۹۷۱ء)
(۳) انتخاب مراثی انیس و دبیر (۱۹۷۱ء)
(۴) دیوانِ خواجہ میر درد (۱۹۷۱ء)
(۵) انتخابِ سودا (۱۹۷۲ء)
(۶) انتخابِ ناسخ (۱۹۷۲ء)

انتخابِ ناسخ انجمن ترقی اردو پاکستان سے اشاعتِ اوّل کی صورت میں ۱۹۹۶ء میں شائع

ہوا۔ مذکورہ کُتب کے علاوہ وقتاً فوقتاً اُن کی پانچ اور کتابیں جامعہ سے شائع ہوئیں۔

خاں صاحب ۱۹۶۴ء میں چالیس برس سے نیچے کے تھے۔ کبھی کبھی ان کی جمالیاتی حِس پھڑک اُٹھتی تو اُس کا اظہار بڑے خوب صورت اور شائستہ انداز میں اپنے خاص ہم عصر کے خط میں کرڈالتے ہیں۔ خط مرقومہ ۸؍جولائی ۱۹۶۴ء میں نارنگ صاحب کو لکھتے ہیں:

> ''آپ کا محبت نامہ ملا تھا، لیکن اُس عالم میں جب یہاں چاروں طرف ویرانی کی حکومت تھی، گرمی شباب پر تھی، اور میں پا بہ رکاب۔ واپسی پر خاصا پریشان رہا، پھر موسم ایسا تھا کہ کچھ لکھنے پڑھنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ ہر طرف سناٹا بل کہ سناہٹا۔ کافی ہاؤس اور وِنگرس دو ویران بستیاں تھیں، اور راستے ویران تر۔ نہ کسی رہ گزر سے قہقہوں کی آواز، نہ کسی گوشے سے عہد و پیمانِ وفا کی سرگوشی۔ آپ ہی انصاف سے کہیے کہ اِس زمانے میں کچھ نہ لکھنا ہی بہتر تھا یا نہیں''۔

خاں صاحب دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو سے منسلک ہوئے (اگست ۱۹۵۹ء میں) تب سے ہی وہ املا سے متعلق کام میں مصروف تھے اور مواد جمع کررہے تھے۔ ۴؍فروری ۱۹۶۱ء کے مکتوب بنام گوپی چند نارنگ صاحب میں لکھتے ہیں:

> ''ہاں برادر! تین رسالوں کی سخت ضرورت ہے، اور مجھے توقع نہیں، یقین ہے، کہ یہ آپ کے پاس ہوں گے۔ آپ کے پاس تو کتابوں کا خزانہ ہے۔
>
> (۱) ڈاکٹر جعفر حسین (عثمانیہ یونی ورسٹی) کا رسالہ جس کا نام غالبن[۱] ''آسان املا'' ہے۔
>
> (۲) الیاس برنی کا رسالہ

---

۱ 'غالبن' اور 'فرماءیے' کا املا اُنھوں نے آج کے املا کے مطابق 'غالباً' اور 'فرمائیے' نہیں کیا ہے۔ 'آجکل' اور 'رامپور' کو اُنھوں نے ملا کر لکھا ہے۔ جب کہ اردو املا مرتب (۱۹۷۴ء) کرنے کے بعد ان کو الگ الگ لکھا ہے، مثلاً 'آج کل'، 'رام پور'۔ ایک ہی تحریر میں 'رام پور' اور 'رامپور' دو طرح لکھا ہے۔ 'رکھا' اور 'یہ' پہ تشدید اور تلکن کا استعمال نہیں کیا ہے۔ کسی شہر و مقام، کسی نام یا کسی کتاب پر خط نہیں کھینچا۔ جیسا کہ اِن کی بعد کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔

(۳) سجاد مرزا کا رسالہ "اردو رسمِ خط"

بہ راہ کرم یا از راہ سرپرستی مرحمت فرمائیے۔ شکریہ ادا کرنے کا نہ سلیقہ ہے، نہ اِس کے آداب معلوم ہیں، اِس لیے 'دردِل' سمجھے۔

نیاز مند

رشید حسن

4 رفروری ۶۱ء"

خاں صاحب نے دہلی آتے ہی قدیم مخطوطوں کو شاید مرتب کرنے کے کا کام شروع کر دیا تھا۔ اُن کے مکتوب مرقومہ ۲۹ رمئی ۱۹۶۲ء بنام نارنگ صاحب یہ پتا چلتا ہے:

"دیوانِ قائم کے کچھ اوراق میں یہاں لیتا آیا تھا۔ ظہیر صاحب کی فرمایش کے مطابق۔ آجکل انھیں کو نقل کر رہا ہوں۔ ۲۰ دن تک یہ کام بھی مکمل ہو جائے گا۔ اسے بھی ساتھ لے کر آؤں گا"۔

مخطوطوں کو مرتب کرنے کی تصدیق اُن کے ایک دوسرے خط مرقومہ ۵ رستمبر ۱۹۶۲ء کے متن سے بھی ہوتی ہے جو اُنھوں نے اسٹیٹ لائبریری، قلعہ: رام پور سے نارنگ صاحب کی خدمت میں روانہ کیا تھا:

"برادر مکرم! سلام شوق۔

میں ۳ رکو بعد دوپہر یہاں پہنچ گیا۔ یہاں دیوان میر سوز کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے۔ کاتب بھی معقول معلوم ہوتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس میں کلام، نسخۂ علی گڑھ سے کہیں زیادہ ہے۔ اِس سے اندازہ کیجیے، کہ نسخۂ علی گڑھ میں، حمد کی صرف ایک غزل ہے، اور اِس میں تین غزلیں ہیں۔

میں نے اصول یہ پیش نظر رکھا ہے، کہ متن بہر صورت صحیح ہو۔ اس کے لیے یہ فرض کر لیا ہے، کہ نسخۂ رامپور اصل ہو۔ اِسی اصول کی بنا پر، متن کو نسخۂ رامپور کے مطابق صحیح کر رہا ہوں۔ بعض مقامات ایسے ہیں، جہاں نسخۂ علی گڑھ کا متن صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ایسے مقامات پر، نسخۂ علی گڑھ کا متن اختیار کیا ہے، اور نسخۂ رامپور کے متن کو، حاشیے

میں، بہ طور اختلاف نسخ درج کیا ہے۔ زائد اشعار کو اسی غزل کے حاشیے پر لکھ لیا ہے، اور زائد غزلوں کو، نمبر شمار ڈال کر، علاحدہ کاغذ پر درج کر رہا ہوں۔ اگر اِس طریق کار میں کچھ ترمیم کی ضرورت ہو، تو لکھیے، بہر صورت آپ کی مہر تصدیق، یا مزید رائے کا منتظر ہوں۔ ظہیر صاحب کو بھی میں نے یہی لکھا ہے"۔

خط میں شہر رام پور کا جو نقشا اُنھوں نے پیش کیا ہے اُسے بھی ملاحظہ فرمائیں:

"برادر! بے حد نامعقول شہر ہے، قلعہ وسیع خوب صورت، شہر تنگ بدصورت۔ بھلا وہ بھی کوئی شہر ہے، جہاں نہ کوئی قاعدے کی چاے کی دکان ہو، نہ صفا ستھری کھانے کی کوئی جگہ ہو۔ ایسی گندی دکانیں، کہ جامع مسجد کے علاقے کی دکانیں بھی شرما جائیں گی، اور ایسا بُرا کھانا کہ خدا کے بجاے صرف شیطان یاد آئے۔ لاحول ولاقوۃ۔ وہ تو یہ کہیے کہ چاے کا مکمل سامان مع اسٹوو، ساتھ لے کر آیا تھا، ورنہ آدمی کے بجاے بنگالی بن کر لوٹتا۔

کاشف الحقائق کی جلد دوم، اکبر علی خاں کے حوالے اسی دن کر دی۔ بے چارے ہمہ وقت مدد کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں"۔

اِسی خط سے ملتا جلتا ایک دوسرے خط کا متن ملاحظہ فرمائیں۔ یہ خط بغیر تاریخ و مقام کے ہے، لیکن اِس کے متن سے پتا چلتا ہے کہ یہ قلعہ رام پور کی لائبریری میں کام کرتے وقت اُس کمرے سے لکھا گیا، جہاں خاں صاحب قیام پذیر تھے، ظریفانہ انداز دیکھیے:

"اس وقت رات کے ۹ بجے ہیں، خط لکھ رہا ہوں اور ہزاروں مچھر میرے چاروں طرف گردش کر کر کے اپنے نغموں سے بھی نواز رہے ہیں اور اپنی خوش فعلیوں سے بھی مزاج پرسی کرتے جا رہے ہیں۔ بخدا سخت نامعقول شہر ہے، توبہ توبہ۔ سورج چھپا اور یہ حملہ آور ہوئے بلامبالغہ اس کمرے میں دس، پندرہ ہزار تو ہوں گے، نہ رات کو نیند آتی ہے، نہ شام کو چین ملتا ہے۔ دِن بھر پرانی کتابیں اور ان سے بھی زیادہ پرانے چہرے!! نہ معلوم کس گناہ کی یہ سزا مل رہی ہے، اور وہ

بھی آپ کے ہاتھوں، سچ ہے بُرا وقت آتے دیر نہیں لگتی۔ ہائے اب یاد آتا ہے وہاں کا کافی ہاوس اور اِس کا ہم قافیہ مرنڈا ہاوس زباں پہ بارِ خدایہ کس کا نام آیا۔ اسی دیوار کے سایہ کے تلے پڑے رہتے تو کیا بُرا تھا۔ لیکن آپ کا حکم! اچھا ہے سارے گناہوں کی سزا اِسی دنیا میں مل جائے''۔

نارنگ صاحب جنوری ۱۹۶۴ء میں یو.ایس.اے گئے تھے اور شاید وہاں ایک سال سے زیادہ عرصہ تک رہے۔ راقم نے نارنگ صاحب کے نام کے خطوط کے عکس براہِ راست حاصل کیے تھے۔

ادب میں تنقید برائے تنقید ایک الگ موضوع ہے، لیکن تنقید برائے تحقیق تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے۔ تنقید کے لیے تحقیق لازم ہے۔ کسی موضوع پر تنقید کرتے وقت آپ کو حوالوں کی ضرورت پڑتی ہے تو اس کے لیے اصل ماخذ ہی معتبر ثابت ہوسکتے ہیں۔ ثانوی ماخذ اہمیت نہیں رکھتے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ اصل ماخذ تک پہنچنا کتنا دشوار کام ہے۔ اگر آپ اصل یا معتبر ماخذ تک نہیں پہنچ سکتے تو آپ تنقید کا حق ادا نہیں کرسکتے۔ لیکن خاں صاحب مرحوم نے ایسا کبھی نہیں کیا کہ کسی کتاب کی ورق گردانی کے بغیر تبصرہ لکھ دیا ہو یا سرسری نظر سے دیکھ لیا ہو۔

امیر خسرو سے متعلق مدّتوں سے لوگ لکھتے آئے ہیں۔ بہت کچھ ہندوی کلام، راگ راگنیاں اور قوالیاں اُن سے منسوب ہیں، مگر خاں صاحب اِن سب کو معتبر نہیں مانتے کیوں کہ کوئی دستاویزی یا تاریخی شواہد دستیاب نہیں۔ سیّد محمد طفیل رضوی صاحب کو اپنے مکتوب مرقومہ ۱۸راپریل ۱۹۷۹ء میں لکھتے ہیں:

> ''ہاں بھائی! امیر خسرو سے جو کچھ منسوب ہے (ہندوی کلام) اُس کا انتساب قابلِ قبول نہیں، ہرگز نہیں۔ کوئی قابلِ قبول سند اب تک نہیں ملی ہے۔ ہندوی بھی اُنھوں نے کہا ضرور ہے، وہ ہے کہاں اس کا احوال معلوم نہیں۔ جو کچھ اُن سے اب منسوب کیا جاتا ہے یا کیا گیا ہے وہ سب تحقیق کے نقطۂ نظر سے قطعاً قابلِ قبول نہیں۔ یوں لوگ راگ گاتے رہیں اور ستار بجاتے رہیں اور ان سب کو امیر خسرو

کا فیض سمجھتے رہیں۔ عرس اور قوالی میں جو کچھ گایا جاتا ہے، وہ
بجائے خود دل چسپ ہوگا ہی لیکن عموماً معتبر نہیں ہوگا ہمارے آپ
کے لیے نہیں"۔

خاں صاحب مولوی ہانسوی کے لغت غرائب اللغات کو مرتب کرنا چاہتے تھے۔ اِس کے چار عکسی نسخے اُنھوں نے اندرون اور بیرونِ ممالک کے کتب خانوں سے منگوا کر جمع کر لیے تھے۔ راقم اُن کے انتقال کے بعد شاہ جہان پور اُن کے مزار پر حاضری دینے گیا تھا۔ اُن کے گھر اُن کے مطالعے والے کمرے کی میز پر کارڈ بورڈ پر لگے ہوئے کاغذ کے چار ٹکڑوں کو بہ چشم خود دیکھا تھا جن پر اُن کتب خانوں کے نام مع تاریخ درج تھے جہاں سے اُنھوں نے اِس لغت کے عکس حاصل کیے تھے۔

اِس لغت سے متعلق سیّد محمد عقیل رضوی سے اپنے خط مرقومہ ۲۰ مئی ۲۰۰۵ء میں یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

"ایک نیا کام شروع کیا ہے، اردو کا پہلا لغت جو آج تک چھپا نہیں۔
یہ اردو کے تشکیلی دور کے دستاویزی لسانی بیانات کا مجموعہ ہے گویا۔
ہریانی کے اثرات کا اِس سے صحیح طور پر اندازہ ہو سکے گا۔ ابتدا سے
عہدِ عالم گیر اِس کا زمانہ ہے۔

خان آرزو نے اِس بچارے مرتب مولوی ہانسوی کو جگہ جگہ عوام
اور جہال کا نمایندہ بنایا ہے۔ تعجب ہوتا ہے اُن کے بیانات پڑھ کر جو
سراسر تشکیلی دور کی لفظ سازی اور علاقائی استعمالِ عام سے کم آشنائی پر
مبنی ہیں۔ بہ ہر طور کل بے اختیار جی چاہا کہ آپ جیسے مخلص کی رائے
پوچھ لوں کہ یہ (۱) کام کرنے کا ہے؟ (۲) یہ انداز ٹھیک ہے؟ ایک
پڑھا کو بزرگ کیا فرماتے ہیں بیچ اِس مسئلے کے؟ چشم براہ ہوں۔

بھائی! اِس کام کو یوں زور کر رہا ہوں کہ کوئی دوسرا نہیں کرے گا،
بہت صبر آزما اور پول کھول کام ہے۔

اب آپ میری سخت جانی کی داد دیجیے یا پھر اُس پر تین حرف بھیجیے
مگر اپنی رائے لکھیے، جو مزاجِ یار میں آئے"۔

خط سیّد محمد عقیل صاحب تک پہنچا۔ اُنھوں نے کیا جواب لکھا، معلوم نہیں کیوں کہ خاں صاحب کسی کا بھی خط محفوظ نہیں رکھتے تھے، تلف کر دیتے تھے۔ ہاں اُن کے دوسرے خط مرقومہ ۲۹ رجون ۲۰۰۵ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اِس لُغت کو مرتب کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، وہ لکھتے ہیں:

"ہاں صاحب! مجھے آپ کے خط کے ایک ایک لفظ سے مکمل اتفاق ہے۔ میں نے خط ملنے کے دوسرے ہی دن ہانسوی صاحب کے کاغذات کے بستے کو بہت احتیاط کے ساتھ باندھ کر طاقِ نسیاں کا گلدستہ بنا دیا۔

سچ ہے، اِسے کون پڑھتا! اصل میں قلم گھسنے کی عادت اِس قدر راسخ ہو چکی ہے کہ بے کار بیٹھا نہیں جاتا۔ چوں کہ گھر سے باہر نکلنا ہوتا نہیں ڈاکٹری ہدایت کے مطابق، یوں جی گھبرانے لگتا ہے۔ ایک چھوٹے سے کمرے کا قیدی ہو کر رہ گیا ہوں۔ بہ ہر طور یہ دن بھی گزر ہی جائیں گے"۔

دونوں خطوط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاں صاحب کے اندر کام کرنے کی لگن کس قدر گھر کر چکی تھی۔ وہ بیماری کی حالت میں بھی کام کرتے رہتے تھے۔ اُن کا حوصلہ بلند تھا۔ اُنھوں نے اپنی زندگی کے آخری دنوں کا نقشا دوسرے خط کے آخری جملوں میں بڑے خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ گھر سے باہر قدم نہیں رکھتے تھے، اُن کی ہارٹ بیٹ اِرریگولر ہو جاتی تھی۔ جس رات یعنی ۲۶ رفروری ۲۰۰۶ء کو اُنھوں نے اِس جہانِ فانی سے آخری سفر اختیار کیا، اُس دن بھی وہ شام تک کام کرتے رہے۔ اُن کے قلم نے بہ دستور اُن کا ساتھ دیا۔

پورے ہندستان میں املا پر لکچر دینے والا خاں صاحب سے بہتر کوئی اور نہیں تھا۔ مختلف یونی ورسٹیاں اُنھیں اپنے ہاں ایک ایک ماہ کے لیے دعوت دیتی تھیں۔ جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں خاں صاحب تین بار تشریف لائے، دو بار ایک ایک ماہ کے لیے اور ایک بار تین ہفتوں کے لیے۔ اِسی طرح کی اطلاع ہمیں ۲۵ رستمبر ۱۹۸۹ء کے مکتوب بنام سیّد منظور احمد (میسور) سے ملتی ہے کہ کرناٹک میں املا پر تیسری ورکشاپ ہونے جا رہی

ہے۔ دو اِس سے قبل ہو چکی ہیں، ایک کرناٹک یونی ورسٹی کی طرف سے دھارواڑ میں اور دوسری ہبلی میں۔ پہلی دونوں ورکشاپ خاں صاحب کی قیادت میں ہوئی تھیں، یہ صرف اساتذہ کے لیے تھیں۔ دہلی سے صرف خاں صاحب ہی کو بلایا گیا تھا۔ اب کی بار بھی اُنھیں ہی بلایا جائے گا، مگر ابھی تک کوئی تاریخ طے نہیں ہوئی۔

خاں صاحب قدیم نسخوں کے عکس حاصل کرنے کے لیے مختلف حضرات کو خط لکھا کرتے تھے۔ مکتوب ۱۲؍اپریل ۱۹۸۰ء میں فسانۂ عجائب کے قدیم نسخوں کے عکس کے لیے اُنھوں نے محبوب علی خاں اخگر کو لکھا۔ ۲۱؍سال بعد مکتوب مرقومہ ۴؍فروری ۲۰۰۱ء میں وہ کلیاتِ صفی کے ملنے کا شکریہ ادا کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''وہ زبان کی صحت و صفائی کو خاص طور پر قابلِ توجہ سمجھتے ہیں''۔

مرتضیٰ حسین بیدر بلگرامی صاحب کے نام کے دو خط ایسے ہیں جن میں ایک مرقومہ ۱۶؍اکتوبر ۱۹۶۲ء کا رضا لائبریری رام پور سے، دوسرا ۲۰؍جون ۱۹۶۳ء کا شاہ جہاں پور سے۔ یہ دونوں خط ہلکے ظرافت کے نمونے ہیں۔

نامی انصاری نے خاں صاحب کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ کیا غالبؔ کے شعر میں ''ہونے تک'' ہے یا ''ہوتے تک''؟ اِس کا جواب خاں صاحب مکتوب مرقومہ ۱۰؍اگست ۱۹۹۴ء میں دیتے ہوئے تحقیق وتدوین کے اصولوں پر بھی مختصر سی روشنی ڈالتے ہیں:

> ''غالبؔ کے شعر میں ''ہوتے تک'' صحیح متن ہے۔ اِس کے خلاف نہیں لکھا جائے گا۔ اگر اِسے ''ہونے تک'' لکھا جائے گا تو تحقیق کی زبان میں اِسے تحریف کہا جائے گا۔ جو تبدیلی موخر زمانے میں ہوئی ہے، اُسے زمانۂ ماقبل کے الفاظ پر نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ اِس طرح کسی بھی زمانے کے کسی بھی شخص کے متن کو کسی بھی صورت میں بدلا نہیں جاسکتا۔ یہ قطعی اصول ہے۔ جہاں تک پسند کا سوال ہے، تو یہ قطعی طور پر ذاتی چیز ہوا کرتی ہے، تحقیق وتدوین کا اِس سے کچھ تعلق نہیں''۔

خاں صاحب کی زندگی اصل میں ایک کھلی ہوئی کتاب تھی۔ اُنھوں نے اپنے متعلق کسی بات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی، خاص طور سے اُن حضرات سے جن سے اُنھیں قریبی قربت رہتی تھی۔

نثار احمد فاروقی صاحب نے اُنھیں کسی جلسے میں شرکت کی دعوت دی۔ وہ ابھی حال ہی میں دہلی سے منتقل ہو کر شاہ جہان پور اپنے آبائی گھر آگئے تھے، مع اپنی کتابوں کے۔ گھر میں الگ سے اُن کے رہنے اور کتابوں کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ اپنے لیے ایک کمرا بنوا رہے تھے۔ مکتوب مرقومہ ۷/مارچ ۱۹۹۶ء کے متن کے ذریعے اُن کا حال سُنیے:

''بھائی! میں آپ کی نوازشِ برادرانہ کا معترف ہوں اور ممنون کہ آپ یاد رکھتے ہیں اور یاد کرتے رہتے ہیں۔ یہاں آتے ہی ''غربت در وطن'' کے معنی معلوم ہوئے۔ گھر کے سبھی افراد کے پاس رہنے کی جگہ، میرے سوا، کہ میرا شمار پردیسیوں میں ہوتا رہا ہے۔ آپ اِسے یوں دیکھیے کہ چار چھے دن پہلے میرا پوتا (چار سال کا) اپنی ماں سے کہنے لگا کہ دادا ہمارے گھر اب رہیں گے، اپنے گھر دہلی نہیں جائیں گے۔

ساری کتابوں کے بنڈل بندھے پڑے ہیں اب تک۔ اِس لیے مجبوراً ایک کمرا اپنے لیے بنوانا چاہا (یعنی دروازے پہ ہاتھی باندھنا چاہا) یوں تو کام شروع ہوگیا۔ اپنے پاس دستِ خالی کی لکیریں ہیں، بہ ہر طور کچھ کیا۔ آج کل وہی کام ہو رہا ہے۔ صبح سے شام تک راج مزدوروں کے ساتھ سر کھپانا پڑتا ہے۔ خیال ہے کہ دس بارہ دن میں یہ بن جائے گا۔

یہ فضول داستان اِس لیے سنائی کہ آپ یہ نہ سمجھیں آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والا معاملہ ہے۔ اگر دو دن کے لیے بھی اس وقت ہٹ جاؤں گا تو کام بگڑ جائے گا۔ کفایت شعاری کے لفظ سے راج مزدور واقف نہیں اور میرا کام اصلاً اِس کا متعارف ہے، یوں ہٹ نہیں سکتا۔

مقصد اِس ساری دراز نفسی کا یہ ہے کہ اِس بار میں غیر حاضر ہی رہوں گا یہ کوئی آخری جلسہ تو ہے نہیں اِس ادارے کا، اِس لیے اِس کا وعدہ کرتا ہوں کہ اگلی بار ضرور شرکت کروں گا۔ آپ مجھ سے متفق ہیں نا!''

آپ نے خط کے متن سے اُن کی مالی حالت کا اندازہ لگالیا ہوگا۔ خاں صاحب جنوری ۱۹۹۶ء کے آخر دہلی سے شاہ جہان پور منتقل ہوئے تھے، ملازمت سے سبکدوشی کے بعد۔ فروری کا مہینہ پورا نکل گیا، اُن کی کتابوں کا کوئی خاطر خواہ بندوبست نہیں ہوسکا۔

راقم دو مرتبہ (۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۵ء) اُن کے دولت کدے پر حاضری دینے گیا۔ اُن کے استعمال کے دو کمرے تھے، ایک چھوٹا جس میں ایک کرسی، لکھنے کی میز ساتھ ہی ایک تخت بچھا ہوا تھا جس پر خاں صاحب آرام کرتے اور سوتے تھے۔ باقی کمرے میں الماریوں میں کتابیں لگی ہوئی تھیں۔ دوسرا کمرا ذرا بڑا تھا۔ اِسے ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اِس میں صوفے اور درمیان میں ایک میز تھی۔ دیواروں کی الماریوں میں کتابیں اور اُن کے انعامات سجے ہوئے تھے۔ راقم اِن کی وفات کے بعد اِن کے مزار پر حاضری دینے گیا، بیٹھک میں سے سب چیزیں (صوفے، میز، کتابیں اور انعامات) ہٹادی گئی تھیں، وہاں آئس کریم بنانے والی مشینیں اور جنریٹر لگا دیا گیا تھا۔ وہاں کی سبھی کتابیں ایک الگ سے اسٹور نما کمرے میں بند کردی گئی تھیں۔ اُن کے صاحبزادوں کے کہنے کے مطابق 'اُن کتابوں کو ہر ماہ باہر نکال کر دھوپ لگاتے ہیں پھر صاف کر کے رکھ دیتے ہیں'۔ صرف چھوٹا کمرا اپنی اصل حالت میں باقی ہے۔ گرمیوں میں چوبیسوں گھنٹے مشینوں اور جنریٹر کا شور جاری رہتا ہے۔ خاں صاحب کے دونوں صاحبزادے گورنمنٹ ٹیچر ہیں۔ خاں صاحب کی کتابوں کے لیے ایک چھوٹی سی لائبریری قائم کی جاسکتی تھی، مگر ایسا نہیں ہوسکا۔

خاں صاحب میں ایک فطری جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھے کہ وہ دوستی نبھانا جانتے تھے۔ ادبی اختلافات کو وہ دوستی کے آڑے نہیں آنے دیتے تھے چاہے اِس کے لیے اُنھیں اپنے پہ کتنا ہی ضبط کیوں نہ کرنا پڑے۔ اِس سے متعلق یہاں ایک واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

خاں صاحب نے مثنویاتِ شوق مکمل کرنے کے بعد انجمن ترقی اردو (ہند) کے دفتر میں جمع کرادی، وہ وہاں سے چھپ بھی گئی۔ اِس سے قبل اُنھوں نے اِس کے تمہیدی حصّے سے کچھ حصہ نکال کر اردو اکیڈمی دہلی کے جریدے ایوانِ اردو میں اشاعت کے لیے بھیج دیا، وہ وہاں چھپ گیا، جس سے لکھنؤ کے شیعہ حضرات کے تیور چڑھ گئے، یہاں تک کہ

نیّر مسعود صاحب نے خاں صاحب سے متعلق ایسا مضمون لکھا جسے تبرّا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، وہ بھی ایوان اردو کے اگلے شمارے میں شائع ہوگیا۔ مگر حالات کے مدّ نظر خاں صاحب نے اِس کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا، کیوں کہ اِس سے بات طول پکڑ سکتی تھی۔ نیّر صاحب نے لکھنؤ کے حضرات کے کہنے پر تو ایسا کردیا تھا۔ اِن دونوں کی دوستی بھی گہری تھی۔ خاں صاحب اُن کی بیٹی صائمہ کو اپنی بیٹی مانتے تھے۔ اِس سے اُن کے دل کو تکلیف پہنچی مگر خاموش رہے۔ اِس کا ذکر اُنھوں نے مکتوب مرقومہ ۱۰/۱ اکتوبر ۱۹۹۸ء بنام اسلم محمود لکھنؤ میں یوں کیا ہے:

''نیّر مسعود صاحب نے جس زبان میں وہ تحریر لکھی ہے، اُس کو کیا کہوں۔ تبرّا اِسی زبان میں بھیجا جاتا ہے۔ ہم سب ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں اور اختلاف کرتے رہے ہیں، علم و ادب میں ایسا ہونا لازم ہے اور ضروری بھی؛ مگر اختلاف کا اظہار علمی زبان میں ہونا چاہیے، یہ نہ معلوم ہو کہ نثر میں ہرسیہ لکھا ہے۔ ذاتی تعلقات میرے اُن سے ویسے ہی ہیں جیسے تھے، آج بھی اُن کا ایک خط آیا ہے، مگر اُنھوں نے دوسروں کو خوش کرنے کے لیے جو اندازِ بیان اختیار کیا، اُس سے مجھے تکلیف ہوئی۔ میں اِس سے زیادہ بُری زبان میں تحریر لکھ سکتا تھا، مگر اُن سے جو میرے مراسم رہے ہیں اور ہیں، اُنھوں نے اجازت نہیں دی۔ میں کچھ نہیں لکھوں گا مگر یہ اندازہ ضرور ہوا کہ میر صاحب ہونا بجائے خود ایک چیز ہے، جو باقی سب چیزوں پر حاوی آجاتا ہے۔ اُن سے مجھے اِس کی توقع تھی نہیں''۔

(''رشید حسن خاں کے خطوط'' مرتبہ راقم الحروف، ص ۲۰۴)

اسلم محمود صاحب سے یہ داستان بیان کرنے کے باوجود خاں صاحب کے ذہن سے یہ بات نکلی نہیں۔ نکلتی بھی کیسے آخر نسلاً پٹھان تھے۔ اِس کا اظہار ڈاکٹر گیان چند جین کے خط مرقومہ ۱۰/نومبر ۱۹۹۸ء میں یوں کرتے ہیں:

''میں نے کوئی نیا مضمون نہیں لکھا تھا، مثنویاتِ شوق میں جو تمہیدی حصّہ ہے، وہی چھپا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ محمد شاہ رنگیلا کی خرابیوں

کو بیان کیا جائے تو کوئی دلّی والا بُرا نہیں مانے گا۔ یہ نہیں سمجھے گا کہ دلّی والوں کو بُرا کہا گیا ہے۔ اِس کے برخلاف لکھنؤ کے حکم رانوں مثلاً نصیرالدین حیدر اور واجد علی شاہ کے متعلق کتنی ہی صحیح بات کہی جائے، سمجھا یہی جاتا ہے کہ لکھنؤ کی تہذیب پر اور اصلاً شیعہ طبقے پر اعتراض کیا گیا ہے۔ تبرّا بھیجنے کی صدیوں پُرانی روایت ایسے مواقع پر نثری صورت میں رونما ہوتی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ مسعود حسین رضوی مرحوم نے واجد علی شاہ پر جو کتاب لکھی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت مولانا واجد علی شاہ قدس اللہ سرہٗ کی سوانح لکھی گئی ہے۔ اِسی کی توقّع دوسروں سے کی جاتی ہے۔ جب یہ توقّع پوری نہیں ہوتی، تو بُرا بھلا کہا جاتا ہے کہ ایسی گھٹیا باتیں قابلِ التفات نہیں ہوتیں''۔

(''رشید حسن خاں کے خطوط'' مرتبہ راقم الحروف، ص ۸۱۷)

اب راقم آپ کو اِس واقعے کی شروعات تک لے چلتا ہے۔ مثنویاتِ شوق کے تمہیدی حصّے کی اشاعت کے فوراً بعد نیّر صاحب نے ایک سخت قسم کا خط خاں صاحب کو لکھا۔ خاں صاحب نے نہایت انکساری سے نیّر صاحب کے اعتراض کو قبول کرلیا اور اُن سے درخواست کی کہ آپ اس خط کو اشاعت کے لیے نہ بھیجیں اِسے روک لیں۔ یہاں تک کہ خاں صاحب نے یہ بات بھی لکھ دی کہ میں اِس تمہیدی حصّے کو مثنویاتِ شوق سے نکال دوں گا اور اِسے ازسرِ نو لکھوں گا۔ مگر نہ جانے نیّر صاحب نے کن حالات کے دباؤ کے تحت آخر اِس خط کو اشاعت کے لیے بھیج دیا۔ خط کی اشاعت سے خاں صاحب کے دل و دماغ پر جو اثر ہوا، وہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

اب آپ خاں صاحب کے اُس خط کا متن ملاحظہ فرمائیں جو اُنھوں نے نیّر صاحب کو ۲ر مئی ۱۹۹۸ء کو لکھا تھا:

''دیکھیے بھائی! میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں تھا، ہو بھی نہیں سکتا۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کے دل کو تکلیف پہنچی۔ مجھے اگر اِس کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو یہ تحریر ہی وجود میں نہ آتی۔ میں اپنے مخلصین

کے دل کو تکلیف پہنچانا گناہ سمجھتا ہوں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ مجھے احتیاط سے کام لینا چاہیے تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ اب مزید غیر مناسب باتیں ہوں اور بحث بڑھے، یہ کسی طرح مناسب نہیں ہوگا۔ میں نے دہلی خط ابھی لکھا ہے۔ میں جون میں وہاں جاؤں گا اور اِس حصے کو ازسرِ نو لکھوں گا، تاکہ شکایت کا کوئی پہلو نہ رہے اور احتیاط کے تقاضوں کی پاس داری بھی ہو جائے۔ آپ کے خط سے یہ بڑا فائدہ ہوا اور اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ بروقت بات سامنے آگئی اور بہ آسانی اِسے بنایا جا سکتا ہے۔ میں غیر ضروری باتوں میں پڑنا ہی نہیں چاہتا کہ یہ علمی کاموں کے لیے غیر سازگار ہوا کرتا ہے۔ آپ اپنے احباب سے اِس خط کے حوالے سے یہ سب باتیں کہہ سکتے ہیں؛ البتہ یہ خط صرف آپ کے لیے ہے۔ اب آپ اِس پر غور کر لیجیے کہ جب اِس تحریر کو ازسرِ نو لکھا ہی جانا ہے تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ خواہ مخواہ بات بڑھے اور یار لوگ لطف لیں اور فضول باتوں سے ان کی آرائش کی جائے۔ ایسی باتیں بہت جلد ضمنیات کا شکار ہو جایا کرتی ہیں۔ اِس بنا پر کیا مناسب نہ ہوگا کہ اب وہ خط نہ چھپے۔ اِس کا لہجہ بھی خاصا غیر مناسب ہے۔ آپ نے مجھے کالے آقاؤں کا طعنہ دیا ہے جب کہ آپ جانتے ہیں کہ مجھے کسی سے کچھ لینا دینا نہیں۔ خیر، حسابِ دوستاں در دل۔ اِس پر بھی کبھی بات ہوگی تنہائی میں بیٹھ کر۔ میں نہیں چاہتا کہ اخبار اس بحث میں شریک ہوں یا لطف لیں۔ آپ اِس پہلو پر غور کر لیجیے۔ مخمور کو بہ آسانی ایک دوسطری خط لکھ کر آپ منع کر سکتے ہیں۔ وہ بھی نہیں چاہیں گے خواہ مخواہ کی اختلافی بحث کا وہ نشانہ بنیں۔ تحریر بہ ہر طور انھی نے چھاپی ہے۔ اگر اب تک آپ کا غصہ کچھ کم ہو گیا ہو تو خوب ہو۔ میری تجویز آپ مان ہی لیجیے۔ ہاں بھائی! یہ خط میرے آپ کے درمیان ہے اور قطعی طور پر ذاتی ہے۔ اِس کے بس ضروری اجزا کا آپ بلا تکلف حوالہ دے سکتے ہیں، مگر

خط آپ کی نظروں کے لیے ہے۔ آپ کے خط کا انتظار کروں گا“۔
(”رشید حسن خاں کے خطوط“، ۲۰۱۱، ص ۱۰۱۲-۱۳)

خاں صاحب کی شرافت اور وسیع القلبی کی داد دیجیے کہ دس دن کے بعد یعنی ۱۲؍مئی ۱۹۹۸ء کو اسی سلسلے سے متعلق نیرؔ صاحب کو ایک اور خط لکھتے ہیں:

”ابھی ۵؍مئی کا خط ملا۔ اطمینان ہوا۔ دہلی خط لکھ چکا ہوں۔ ۲۱؍مئی کو وہاں جانا ہے انجمن کی میٹنگ میں، اپنے سامنے اِس کام کو کرادوں گا۔ وہ مضمون مثنویاتِ شوق کا تمہیدی حصّہ ہے۔ انجمن سے ابھی تک یعنی آج تک میرے خط کا جواب نہیں آیا۔ یہ خط پہلے آیا تھا کہ کتاب چھپ گئی ہے۔ میں نے لکھا کہ اِسے فوراً روک دیا جائے، کیوں کہ اِس حصّے کی کتابت ازسرِ نو ہوگی۔ اس خط کے جواب کا انتظار ہے۔ خیر، ۲۱؍مئی بھی دور نہیں ہے۔ آپ نے بروقت توجہ دلائی اِس کے لیے ممنون ہوں۔ خدا کرے دہلی والے کچھ شرارت نہ کریں۔ جی لگا ہوا ہے کہ مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ ایک خط آج پھر ابھی لکھ رہا ہوں۔

ہاں برادر! ڈاک کا احوال بُرا ہے آج کل۔ اگر آپ غیر مناسب نہ سمجھیں تو مخمورؔ کو ایک احتیاطی خط لکھ دیں۔ وہاں جناب .... بھی تو ہیں، اِن کی شرارت سے ڈرتا ہوں۔ آپ بھی اِن کو خوب جانتے ہیں۔ خط لکھ ہی دیجیے اِس وجہ سے۔ احتیاط اچھی ہوتی ہے“۔
(”رشید حسن خاں کے خطوط“ ۲۰۱۱، ص ۱۰۱۳)

اِن دو خطوں میں اِن اقتباسات کے علاوہ اور بھی بہت سی دریافت طلب باتیں ہیں جن سے متعلق خاں صاحب نے نیرؔ صاحب سے معلومات چاہی ہیں۔ اِن خطوط کے متن کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معمول کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ دوستی کے معاملے میں خاں صاحب کی طبیعت ہی کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ اُنھوں نے ایک حرف بھی شکایت کا اپنے کسی خط میں نہیں لکھا اور نہ ہی خطوط کا سلسلہ منقطع کیا۔ اُنھوں نے ثابت کردیا کہ پٹھان دوستی نبھانا جانتا ہے۔ خاں صاحب کا دل گہرے سمندر کی طرح کا تھا جس کی تہ پر پانی کی تیز

روپیں (دھاریں) بہتی ہیں، لیکن سطح پر اِن کے آثار ظاہر نہیں ہوتے۔

۲۱؍مئی ۱۹۹۸ء کو خاں صاحب نے شاہ جہان پور سے ایک خط نیّر صاحب کی خدمت میں روانہ کیا۔ اِس کی تحریر کو پڑھ کر آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ خاں صاحب نے دوستی کا حق کس طرح ادا کیا۔ خط ملاحظہ فرمائیں:

"نیّر صاحب!

میں دہلی نہیں جاسکا، رزرویشن کرالیا تھا، سامان تیار کرلیا تھا، سوا بارہ بجے گھر سے چلنا تھا۔ اچانک گیارہ بجے سینے میں کچھ درد محسوس ہوا اور ذرا سی بے چینی کا احساس ہوا۔ ہمت ٹوٹ گئی، سفر ملتوی ہوگیا۔ نقصانِ مایہ الگ۔ آج بستر پر لیٹا ہوا ہوں۔ ذرا سا سیدھا ہو کر یہ خط لکھ رہا ہوں بستر ہی پر۔ ہائے ہائے! بستر کس کام کے لیے بنا ہے اور میرے حصّے میں کیا آرہا ہے،... برتو اے چرخ...

ایک ضروری بات: فرہنگ بنا رہا ہوں، اِس میں فارسی اشعار کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ یہ شعر بھی ہے (حضرتِ علیؓ کے لیے):

خدا نفسِ پیغمبرش خوانده است
اگر افضلیت به کس مانده است

کیا یہ لحمک لحمی کی طرف اشارہ ہے؟ یہاں 'نفس' کا ترجمہ کیا ہوگا، اپنی ذات کا حصّہ یا کچھ اور۔ چودھری صاحب کے ڈر کے مارے آپ سے پوچھ رہا ہوں، وہ اِسے بھی اش اش (عش عش) بنالیں گے۔

نیّر صاحب! اِس کے بعد جیسا کہ میں نے وعدہ کیا ہے، امراؤ جان کا کام تو کرنا ہی ہے کہ اِس کے مقدّمے میں اپنی صفائی دینا ہے اور اپنی تصحیح بھی کرنا ہے، اِس کے بعد میں ادبیاتِ اودھ سے کچھ سروکار نہیں رکھوں گا۔ ہر شخص تو شیعہ سنّی کی عینک لگائے بیٹھا ہوا ہے، اِس بکھیڑے کو کون مول لے۔ اب جو کروں تو رام دہائی۔ میں نے فسانۂ عجائب، گلزارِ نسیم، سحرالبیان، مثنویاتِ شوق کا کام کیا ہے، یہ سب لکھنوی ادب کا حصّہ ہیں اور نسیم کے سوا سب شیعہ ہیں۔ میں

نے تو یہ کبھی نہیں سوچا کہ میں سنّی ہو کر یہ کیوں کروں۔ سنّی مصنّفین کا انتخاب کیوں نہ کروں۔ میرے حاشیۂ خیال میں بھی ایسی بات کبھی نہیں آئی، آ ہی نہیں سکتی تھی، اور میں نے معصوم عن الخطا ہونے کا دعوا بھی کبھی نہیں کیا۔ لیجیے، ''دعوا'' لکھ گیا، اب اِس پر بھی چودھری صاحب کی ڈانٹ سننا پڑے گی۔ خدا مجھ پر رحم کرے!! آپ نے یقین ہے کہ مخمور کو خط لکھ دیا ہوگا۔ اِس خط کا جواب جلد تر عنایت ہو، تاکہ فرہنگ مکمل ہو سکے''۔

رشید حسن خاں

خط میرا ویسے ہی کچّا ہے، آج جس طرح لکھ رہا ہوں، اِس نے اور خرابی پیدا کر دی ہے۔ آپ کی نظروں کو جو زحمت اُٹھانا پڑے گی اِس کی معذرت۔

پس نوشت: خدا نفسِ پیغمبرش خوانده است، یہاں فاعل خدا ہے، اِس لیے قولِ رسول تو مراد ہو نہیں سکتا، کوئی آیات مراد ہوگی، وہ کون سی ہے؟''

(''رشید حسن خاں کے خطوط'' مرتبہ راقم الحروف، ۲۰۱۱ء، ص ۱۵-۱۰۱۴)

خاں صاحب نے اپنی زندگی کا آخری حصّہ مختلف قسم کی بیماریوں سے مقابلہ کرتے ہوئے گزارا۔ دونوں آنکھوں کا آپریشن ہو چکا تھا، دو مرتبہ دل کا حملہ (ہارٹ اٹیک) ہو چکا تھا، گھٹنے کی ہڈّی بڑھ گئی تھی نیچے نہیں بیٹھ سکتے تھے، ٹی بی کے مرض کی وجہ سے جسم میں گانٹھیں نکل آئی تھیں، پروسٹیٹ کی تکلیف الگ سے تھی اور ہاتھ کی انگلیوں میں بے ترتیبی آ گئی تھی۔ اِن امراض کے علاج کے لیے اُنھیں بار بار بمبئی جانا پڑتا تھا۔ وہاں کے ڈاکٹروں کے ٹسٹ بہت مہنگے ہوتے تھے۔ بمبئی میں اُن کا قیام کبھی کبھی ایک ماہ سے اوپر ہوتا تھا مگر اچھا ہوتا تھا۔ اُن کے ایک شاگرد بھوشن کمار اپنے ہاں اُن کی دیکھ بھال اچھی طرح کرتے تھے۔ لیکن علاج پر اچھی خاصی رقم خرچ ہو جاتی تھی۔ اُن کی کمائی کے علاوہ اُن کی کتابوں کی رائلٹی اور انعامات کی رقوم سب اِدھر ہی صرف ہو جاتی تھی۔ وہ خود لکھتے ہیں: ''چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں''۔

جس عہدے پہ وہ فائز تھے اُس کا مشاہرہ بھی اتنا معقول نہیں تھا کہ ہر قسم کے اخراجات کے لیے کافی ہوتا۔ اپنی خودداری کی وجہ سے اُنھوں نے زندگی میں کافی نقصان اُٹھایا۔ اپنے مکتوب مرقومہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۹۷ء میں ارجمند آرا (اب دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں لکچرر ہیں) کو لکھتے ہیں:

> ''میں کبھی اپنے کیے پر پشیمان نہیں ہوا، خواہ کتنا ہی پریشان رہا ہوں۔ خواجہ احمد فاروقی سے جھگڑا کرلیا، جو ۲۷ سال تک برقرار رہا۔ بہت نقصان اُٹھایا، مگر پچھتایا نہیں۔ آج تم کو بتا رہا ہوں کہ یہ جھگڑا ذکیہ انجم کے سلسلے میں ہوا تھا۔ کبھی نہیں گھبرایا، کبھی نہیں شرمایا اور کبھی پشیمان نہیں ہوا۔ بہت نقصان اُٹھایا، گریڈ نہیں ملا۔ نہ ملے، نقصان ہوتا ہے تو ہو، کر کے پچھانا شیوۂ دوست داری کے خلاف ہے''۔

(''رشید حسن خاں کے خطوط'' مرتبہ راقم الحروف، ۲۰۱۱ء، ص ۱۵۲)

بہ حیثیت ملازم خاں صاحب دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو سے ۳۰ سال ۳ ماہ تک منسلک رہے۔ اتنی مدّت میں اُنھیں ۲۷ سال تک گریڈ نہیں ملا۔ آپ سوچ سکتے ہیں کن حالات میں اُنھوں نے زندگی کے یہ بہترین سال کیسے گزارے ہوں گے۔ اُن کا کنبہ پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کی تعلیمی و دوسری ذمہ داریاں اُن ہی کے کندھوں پر تھیں۔ خدا کا شکر ہے کہ شاہ جہان پور میں اُن کا اپنا آبائی مکان تھا۔ آخر جنوری ۱۹۹۶ء تک وہ دہلی یونی ورسٹی ہوسٹل کے ایک کمرے میں رہے، جو کتابوں سے بھرا رہتا تھا۔ راقم نے ٹی.سی.۹، گائر ہال کے کمرے کو بہ چشمِ خود دیکھا ہے۔ آپ نیچے چٹائی پر بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام کیا کرتے تھے۔

اِس مختصر سے مقدّمے میں راقم نے خاں صاحب کے خطوط کی مدد سے اُن کی زندگی کے مختلف گوشوں کی طرف اشارے کرنے کی حقیر سی کوشش کی ہے۔ کسی ادیب یا محقق کی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرنا کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں، چاہے کوئی لاکھ کوشش کرے پھر بھی بہت سے پہلو تشنہ رہ جائیں گے۔ یہاں میرا مقصد اُن کی زندگی کے حالات مرتّب کرنا نہیں، یہ کام مختلف یونی ورسٹیوں کے اسکالر کر رہے ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے، جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو سے، مظفر پور (بہار) سے، جامعہ (دہلی) سے اور لاہور

(پاکستان) سے چار حضرات کو پی ایچ.ڈی کی ڈگریاں تفویض ہو چکی ہیں۔ دہلی اور روہیل کھنڈ کی یونی ورسٹیوں سے دو اسکالر مقالے لکھنے میں مصروف ہیں۔

راقم چاہتا ہے کہ نئے اسکالر زیادہ سے زیادہ اُن کے خطوط کا مطالعہ کریں اور اُن کی زندگی کے مخفی گوشوں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کریں۔

کسی بھی ادبی شخصیت کے خطوط ایسا آئینہ ہوتے ہیں کہ اُن میں اُس کی ذہنی تصویر پوری طرح نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ بعض اپنے ہم عصروں سے، جن کے ساتھ اُس کے قریبی تعلقات ہوتے ہیں، بیباکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے، جنھیں وہ عام طور سے دوسروں سے اخفاے راز میں رکھنا چاہتا ہے۔ خطوط میں اُس کا باطن کھُل کر سامنے آتا ہے، کیوں کہ اکیلے میں وہ بلا جھجک اپنے جذبات کو صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیتا ہے۔

ادب میں خاں صاحب نے کسی نظامِ فکر یا فلسفے کی نمایندگی نہیں کی۔ سیاست میں اشتراکی خیالات کی پیروی ضرور کی، مگر اُنھوں نے کبھی کوئی بگل نہیں بجایا۔

بہ حیثیت انسان اُنھوں نے اپنے لیے کوئی ظاہری مذہبی شناخت قائم نہیں کر رکھی تھی، ہاں کئی خطوط میں اُنھوں نے اپنے آپ کو سُنّی ہونے کا دعوا ضرور پیش کیا ہے۔ اپنے ایک مکتوب مرقومہ ۲۱/اپریل ۱۹۹۵ء میں نیّر مسعود کو لکھتے ہیں:

> ''آپ کی بھیجی ہوئی اطلاع آپ ہی کے الفاظ میں مع حوالہ درجِ کتاب ہوں گی، یوں کہ میں ٹھہرا سُنّی، اور سُنّی بھی پٹھان، جُلاہا نہیں، شیخ جی بھی نہیں، ڈرتا ہوں کہ یار لوگ یہ نہ کہیں کہ تم کیا جانو اِسرار و رموز کو''۔

(''رشید حسن خاں کے خطوط'' مرتبہ راقم الحروف، اشاعتِ اوّل ۲۰۱۱ء، ص ۹۸۷)

اُن کا قول تھا کہ ادب ہو یا عام زندگی مذہب سے متعلق کوئی بحث نہیں ہونی چاہیے، ایسے معاملات میں ناخوش گواری کا ماحول پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ پچھلے اوراق میں آپ ایسے ایک واقعے سے دوچار ہو چکے ہیں۔

ادب میں اُن کا مخصوص میدان تھا، تحقیق، تدوین اور تنقید۔ تنقید میں بھی زیادہ تر اُنھوں نے مشرقی اصولِ نقد کی پیروی کی۔ مغربی اصولوں سے اُنھیں کوئی دل چسپی نہیں تھی، نہ ہی اپنی تنقید میں اُنھوں نے کبھی مغرب کے بڑے بڑے تنقید نگاروں کے نام گنوائے ہیں۔

ادبی تاریخ پر اُن کی گرفت مضبوط تھی، اُن کا مطالعہ وسیع تھا۔ اپنے تدوینی کاموں میں اُنھوں نے ایسی ایسی کُتب کے حوالے دیے ہیں جن کے نام بھی بڑے بڑے محققین نے کبھی نہیں سُنے ہوں گے۔

اِس مجموعے کی تیاری کے سلسلے میں جن حضرات نے رشید حسن خاں مرحوم کے خطوط روانہ کرنے میں تعاون کیا اُن سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ فرداً فرداً اُن کے نام لکھنا ممکن نہیں۔ فہرست میں اُن سب کے نام مع خطوط کی تعداد کے درج ہیں۔

انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری اطہر فاروقی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنھوں نے دفتر کے آرکائیوز سے خاں صاحب کے خطوط کے عکس حاصل کرنے کی اجازت دی۔ انجمن کے آرکائیوز کے انچارج جناب انیس احمد اور اِن کے معاونین کا خاص طور سے ممنون ہوں کہ اِنھوں نے رشید حسن خاں مرحوم کے نام کی فائلوں میں سے ایک ایک خط ڈھونڈنے میں میری مدد کی اور بعد میں اِن کے عکس بنوا کر روانہ کیے۔ عبدالباری صاحب، محمد عارف خاں صاحب اور اختر زماں صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ اِنھوں نے خاں صاحب سے متعلق بہت سی معلومات بہم پہنچائیں۔

عبدالرشید صاحب کا شکریہ کیا ادا کروں، اِنھوں نے میری چھے کتابیں کمپوز کی ہیں، خاص طور سے خاں صاحب کے خطوط کے دونوں مجموعوں کو اُن کے املا کے مطابق کمپوز کرنا اِنھی کا کام ہے۔ اِنھوں نے مرحوم کی سبھی کتابوں کی کمپوزنگ کی تھی جو انجمن سے شائع ہوئی تھیں۔ روایت کے طور پر شکریے کا لفظ لکھ دیتا ہوں۔

یوں تو ڈاکٹر شمس بدایونی کا ذکر ابتدائی صفحات میں آچکا ہے، لیکن شکریہ ادا نہ کرنا ادبی روایت کی خلاف ورزی ہوگی۔

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی اور رباب رشیدی خاں صاحب کے خاص دوستوں میں سے ہیں، اِنھوں نے خطوط اور معلومات روانہ کیں، ان کا بھی ممنون ہوں۔

جناب اسلم محمود (لکھنؤ) نے بہت سے ادبی حضرات کے پتے اور ٹیلی فون نمبر روانہ کیے، ساتھ ہی خود بھی اُن سے رابطہ قائم کر کے خطوط کے عکس روانہ کرنے کے لیے اُنھیں رضامند کیا۔ راقم ۲۳ رنومبر ۲۰۱۳ء کو اردو مرکز لکھنؤ کے پرنسپل ڈاکٹر جوگ راج کی دعوت

پر وہاں لکچر دینے گیا تھا۔ ۲۴ رنومبر شام کو ڈاکٹر دینکر کے ہمراہ اندر انگر اُن کے دولت کدے پر دوسری بار حاضری دینے گیا۔ بڑی ادب نواز شخصیت ہیں۔ اِن کے ذاتی کُتب خانے میں ہر سال اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اِس وقت قریب ۲۰ ہزار سے زاید کتابیں اِن کے ذخیرے میں ہوں گی۔ اِن کے لیے صرف شکریہ۔

تحقیقی دُنیا کی نامور شخصیت پروفیسر ظفر احمد صدیقی کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں۔ جب بھی میں نے اِنھیں خط لکھا یا ٹیلی فون کیا انھوں نے بڑے خوب صورت انداز میں جواب دیا۔ اِن کا شکریہ خاص طور سے اِس لیے ادا کرتا ہوں کہ اِنھوں نے خاں صاحب مرحوم کے نام کے ایک خط کا عکس روانہ کیا جو اِنھوں نے عکس کے طور پر محفوظ رکھا ہوا تھا۔ یہ نمونے کے طور پر باقی خطوط کے آخر میں شامل کرلیا ہے۔ خاں صاحب مرحوم نے کبھی کسی کا کوئی خط محفوظ نہیں رکھا جیسا اِس سے قبل ذکر آچکا ہے۔

ڈاکٹر مہر الٰہی ندیم (علیگ) کے لیے شکریہ ادا کرنا میرے لیے لازم اِس لیے ہے کہ انھیں خاں صاحب سے متعلق کوئی بھی چیز کسی رسالے یا اخبار میں نظر آتی ہے تو فوراً اُس کا عکس بنوا کر رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پروفیسر حنیف نقوی (مرحوم) جیسی ادبی شخصیت کو ایسے موقعے پر یاد نہ کرنا ادبی ناانصافی ہوگی، وہ رشید حسن خاں صاحب کے اچھے دوستوں میں سے تھے اور مجھ پر اُن کی خاص نظرِ عنایت تھی۔ اُنھوں نے ''رشید حسن خاں کے خطوط'' کے پہلے مجموعے کے لیے ۳۹ خطوط روانہ کیے تھے اور اب اِس مجموعے کے لیے ۹۴ اصل خطوط بھیجے تھے۔ راقم نے ان کی زیراکس بنوا کر اصل واپس لوٹا دیے تھے۔

یوں تو وہ اِس مجموعے کی تکمیل کے لیے بیچ بیچ میں فون کر کے معلوم کیا کرتے تھے، مگر آخری بار جب وہ بنارس سے بدایوں چلے گئے تو وہاں سے اُنھوں نے فون پہ پوچھا کہ بھائی! خاں صاحب کے خطوط کا مجموعہ کس مرحلے میں ہے۔ اُن کی تمنا تھی کہ یہ مجموعہ جلد از جلد شائع ہو، وہ اِسے دیکھنا چاہتے تھے۔ میں نے پوچھا، حضور! طبیعت کیسی ہے اور آپ کب بدایوں آئے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ طبیعت کچھ یوں ہی سی ہے، یہاں کے لوگوں سے ملنے کو جی چاہا تو چلا آیا۔ دوسرے دن رات کے قریب گیارہ بجے بنارس سے پروفیسر حسن عباس کا فون آیا کہ تھوڑی دیر پہلے اُنھوں نے بارگاہِ الٰہی کا سفر اختیار کرلیا۔ میں

دھک سے رہ گیا۔ خالقِ کائنات اُنھیں اپنے قدموں میں جگہ دے میری یہی دعا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن!

پروفیسر حنیف نقوی (مرحوم)، پروفیسر عبدالستار دلوی، ڈاکٹر کرامت علی کرامت، ڈاکٹر جمیل احمد خاں اور ڈاکٹر مہیندر لال پروانہ نے خاں صاحب کے اصل خط روانہ کیے تھے، (جیسا کہ اس سے قبل ذکر آچکا ہے) جب کہ ایسی چیزوں کو اپنے سے کوئی جدا کرنا نہیں چاہتا۔ میں اِن کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

بھوپال میں ایک ادبی شخصیت رہتی ہے جنھوں نے "رشید حسن خاں کے خطوط" کے پہلے مجموعے کی اشاعت کے سلسلے میں میرے لیے بھوپال سے دہلی تک کا سفر کیا تھا۔ پبلشر سے میری ملاقات کروا کر سارا معاملہ طے کیا تھا۔ اُن سے راقم کے مراسم پچھلی صدی کی آخری دہائی کے نصف سے ہیں۔ وہ مجھے اپنا عزیز مانتے ہیں۔ میری جب بھی کوئی کتاب شائع ہوتی ہے اُس کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں، اور مجھے دلی مبارک باد دیتے ہیں۔ اِس نازک رشتے کے درمیان شکریے جیسا لفظ نہ آنا زیادہ بہتر ہے۔ ہاں! یہاں اُن کا نام لکھ دینا ہی سب سے اچھی بات ہے، وہ ہیں ڈاکٹر اخلاق آثر، جن کے اخلاقِ حسنہ کی تعریف کی یہاں گنجایش نہیں۔

اپنے ایک عزیزِ مکرّم جن سے میرا ہوائی تعارف ہے، کا شکریہ ادا کرنا میرے لیے باعثِ فخر ہے کہ جب میں اِس مجموعے کے خطوط اور مقدّمے کی تصحیح بنا کر دوبارہ دہلی کمپوزر کے پاس بھیجنے والا تھا کہ مجھے کتاب کا ایک پارسل ملا۔ کھولا تو اِس میں دو گز زمین افسانوی اور انشائیوں کا مجموعہ نظر نواز ہوا ساتھ ہی ماہنامہ نیا دور (لکھنؤ) کے پانچ مختلف شماروں میں اڈیٹر کے نام جناب رشید حسن خاں کے پانچ خطوط کے عکس تھے، جن میں ایک تاثراتی خط "فراق صدی کی آواز" سے متعلق تھا۔ ان کے علاوہ کتاب نما (دہلی) کے ماہ مئی ۲۰۱۴ء میں پروفیسر عارف نوشاہی، شعبۂ فارسی گورڈن کالج، راول پنڈی (پاکستان) کے نام کے شائع شدہ تین خطوط کے عکس بھی موجود تھے، جنھیں دیکھ میری آنکھوں کی روشنی بڑھ گئی۔ اِس شخصیت کا نام ہے ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں؛ سینئر ریسرچ فیلو رضا لائبریری، رام پور۔

میں اپنی شریکِ حیات اور پانچ بیٹیوں (جن میں سے چار کی شادیاں ہو چکی ہیں) کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے مجھے گھریلو و سماجی ذمہ داریاں سے آزاد رکھا تا کہ میں اپنا

زیادہ سے زیادہ وقت ادبی کاموں میں صرف کر سکوں۔

اب راقم ادبی حضرات سے گزارش کرتا ہے کہ اِس مجموعے کی خامیوں اور میری کوتاہیوں سے میں آگاہ کیا جاؤں تا کہ آنے والے وقت میں میں اِن پر غور کرنے کے قابل ہو سکوں۔

آخر میں راقم اتنا کہہ کر اپنی باتِ ختم کرتا ہے کہ خاں صاحب کے خطوط کے لیے میری سعی جاری رہے گی۔ میں اِس بات کو اچھی طرح سمجھتا اور تسلیم کرتا ہوں کہ خالقِ کائنات کی نظرِ عنایت میرے حال میں ہمیشہ شامل رہے گی۔

۲۶ر مئی ۲۰۱۴ء

ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

•••

بنام: آفتاب احمد آفاقی، ڈاکٹر
بنارس ہندو یونی ورسٹی

(۱)

شاہ جہان پور
۳/ستمبر ۲۰۰۱ء[۱]

آفتاب صاحب! آداب

کتاب ملی، یادآوری کے لیے ممنون ہوں۔ کتاب دیکھ کر جی خوش ہوا۔ خط میں کیا لکھوں، دسمبر کے اواخر میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے سمینار دہلی آنا ہوگا۔ اُس وقت زبانی داد بھی دوں گا اور ضروری امور پر بھی گفتگو ہو سکے گی۔ عبدالحق صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: آفتاب احمد آفاقی
شاہ جہان پور
۳/مارچ ۲۰۰۴ء

عزیز آفاقی صاحب!

ڈاکٹر حنیف نقوی صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ آپ بنارس آگئے ہیں، آپ کے خط سے اُس کی تصدیق ہوگئی۔ میری تمنا ہے اور دُعا بھی کہ اِن دنوں جس طرح کی خفیف الحرکاتی پھیل رہی ہے، آپ اُس سے محفوظ رہیں اور حرمتِ لوح وقلم کا قدیم تصوّر آپ کے ذہن پر سایہ فگن رہے۔ بہت جی خوش ہوا آپ کا خط پا کر۔

خدا آپ کو خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

---

[۱] یہ خط شاہ جہان پور سے ۳/مارچ ۲۰۰۴ء کو لکھا گیا۔ شاہ جہان پور ڈاک خانے کی مہر ۳/مارچ ۲۰۰۴ء کی ہے اور دوسری بنارس کی ۵/مارچ ۲۰۰۴ء کی۔ اس خط میں آفتاب احمد آفاقی صاحب کا بنارس ہندو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں منتقلی کا ذکر ہے۔

بنام: احتشام حسین، سیّد

(۱)

F/4 جبلی ہال، مال روڈ
دہلی۔ ۷
۵؍ستمبر ۱۹۷۲ء[۱]

محترمی! آداب

آپ جب بھی یہاں تشریف لائے، میں خواہش اور کوشش کے باوجود نیاز حاصل نہ کرسکا۔ بہت سی چیزوں سے محروم ہوں۔ اِنھی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیشتر خواہشیں پوری نہیں ہو پاتیں۔

ناسخ سے متعلق کچھ پریشاں نگاری آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔ یہ میرے دنوں کے مطالعے اور غور کا نتیجہ ہے۔ اگر آپ کے نزدیک بھی یہ پسندیدگی کی مستحق قرار پائی تو سمجھوں گا کہ محنت ٹھکانے لگی۔ آپ کے بے حد مصروف اور اس سے زیادہ قیمتی وقت میں سے چند لمحے خراب کرنا چاہتا ہوں۔ متمنی ہوں کہ یہ تحریر مطالعے کے شرف سے محروم نہ رہے اور اس کی رسید اور آپ کے تاثرات سے محروم نہ ہوں۔ چوں کہ آپ کی پُرخلوص عنایت ہمیشہ سے میرے شاملِ حال رہی ہے، اس اعتماد کی بنا پر یہ زحمت دے رہا ہوں۔ آپ کی دعاؤں کا بھی طالب ہوں۔

نیازمند
رشید حسن خاں

---

[۱] مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط ایوانِ اردو جولائی ۲۰۱۲ء، دہلی کے پروفیسر احتشام حسین کی صد سالہ یومِ پیدائش کے خصوصی نمبر کے ص ۱۰۳ پر شائع ہوا ہے۔ اس خط کا عکس عزیز ابراہیم نے میرٹھ سے بھیجا ہے۔ یہ لڑکا رشید حسن خاں صاحب پر پی ایچ.ڈی کا مقالہ لکھ رہا ہے۔

بنام: احتشام حسین ندوی

(۱)

رشید حسن خاں
شاہ جہان پور
۴/اگست ۲۰۰۰ء[۱]

حضرت مولانا ندوی زاد مجدہ کی جناب میں سلامِ مسنون پیش کرتا ہوں۔ آپ کی تحریر بڑی توجہ کے ساتھ میں نے پڑھی، مگر بہت تعجب ہوا اِس پر کہ آپ نے بہت جلدی میں اِسے لکھا ہے اور قدیم زبان کے مسائل سے اور میر امّن کے مختارات سے سروکار نہیں رکھا۔ مثلاً آپ نے لکھا ہے کہ مندرجۂ ذیل الفاظ فرہنگ میں شامل نہیں۔

شلاق، پال، پرتل، آدینہ، گرگا، بوزہ خانہ، جاروب کشی، پھڑ۔

میرا معروضہ یہ ہے کہ "پھڑ" کے سوا یہ سب لفظ فرہنگ میں موجود ہیں، آپ ایک بار پھر ملاحظہ فرمالیجیے: پال (ص ٦۵۰) پرتل (ص ٦۵۱) گرگا (ص ٦٨٧) شلاق (ص ٦٧٧) بزہ خانہ (ص ٦۴٨) جاروب کشی (٦۵٨)۔ پھڑ عام لفظ ہے، اِس لیے اس کے شمول کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ آپ نے فرہنگ کو دیکھے بغیر یہ بات کیسے لکھ دی؟ مجھے اِس پر بہت تعجب ہے۔ ہاں میر امّن نے "آدینہ" لکھا ہے۔ یہ بھی فرہنگ میں موجود ہے (ص ٦۴۰) اور ضمیمۂ تشریحات میں ص ۳۴۳ پر یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اصل لفظ "آدینہ" ہے، مصنف نے "اَدینہ" استعمال کیا ہے — اب آپ کی کیا رائے ہے کیا بہ قول آپ کے میں نے واقعی "سہل انگاری سے کام لیا ہے" یا آپ نے بغیر دیکھے اور بغیر تلاش کیے یہ بات لکھی ہے۔ اور اب آپ کی رائے کیا ہے؟

آپ نے سَر اور سِر سے متعلق بھی لکھا ہے۔ یہاں بھی آپ نے کتاب کے مطالعے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اگر آپ ضمیمۂ تلفظ واملا میں ص ۵۰۹ کو دیکھ لیتے تو معلوم ہوجاتا کہ سَر اور سِر سے متعلق مکمل طور پر وضاحت کردی گئی ہے۔ زحمت تو ہوگی، اب ملاحظہ

فرمالیجیے۔

ہاں یہ بھی عرض کروں کہ الفاظ کے معنی فرہنگ ہی میں لکھے جاتے ہیں، حاشیۂ صفحہ پر نہیں، ورنہ لفظوں کے معنی بار بار لکھنا ہوں گے مختلف صفحوں پر۔ تدوین کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ معانی فرہنگ میں لکھے جاتے ہیں۔ آپ کی یہ فرمایش کہ لفظوں کے معنی ہر صفحے پر لکھے جائیں، قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔ یہ اصول کے خلاف ہے۔

عربی کے الفاظ و تراکیب اُسی طرح صحیح ہیں جس طرح وہ اردو میں رائج ہیں۔ عربی یا فارسی میں اُن کی صورت کیا ہے، یہ الگ بحث ہے۔ اردو کے ماہرینِ لسان اور ماہرینِ لسانیات کا اس پر اتفاق ہے کہ جو لفظ اردو میں آیا، وہ اردو ہوگیا؛ اب اُس کی صحیح صورت وہی ہے جس طرح وہ اردو میں مستعمل ہے۔

میر امن کی کتاب ''گنجِ خوبی'' (ترجمۂ اخلاقِ محسنی) کا مکمل مسوّدہ میر امن کے قلم کا لکھا ہوا موجود ہے، جس میں اُنھوں نے الفاظ پر ضبطِ حرکات کا اِلتزام کیا ہے۔ میں نے مقدّمے میں اِس کی وضاحت کی ہے۔ باغ و بہار میں میر امن (یعنی مصنّف) کے مختارات کی بالالتزام پابندی کی گئی ہے تلفّظ اور املا میں اور ضمیمۂ تلفّظ و املا میں ہر لفظ کے تحت اِس کی وضاحت کردی گئی ہے۔ میر امن نے یہ کتاب عام لوگوں کی بول چال کے مطابق لکھی ہے بہ قولِ خود، اُنھوں نے لفظوں کا وہی تلفّظ اختیار کیا ہے جو اُس زمانے میں دہلی کے عام لوگوں میں رائج تھا، اُنھوں نے کتابی زبان نہیں لکھی۔

ہاں طبعِ اوّل میں کتابت کی ایک فاش غلطی رہ گئی تھی: محمد الرّسول اللہ۔ طبعِ ثانی میں اِس کی تصحیح کردی گئی ہے۔ آپ طبعِ ثانی کو ملاحظہ فرمائیں گے تو اس تصحیح کو موجود پائیں گے۔

ہاں آپ کا یہ قول بالکل درست ہے کہ: ''باغ و بہار کا مصنّف تو بالکل قاموس کی پرواہ نہیں کرتا''۔ جی ہاں، میر امن نے قاموس کی زبان نہیں لکھی، اُنھوں نے اپنے عہد کی بول چال کی زبان لکھی ہے۔ جو لوگ اُس عہد کی زبان سے واقف نہیں، وہی اِس پر اعتراض کرنے کی جرأت کرسکتے ہیں۔ یہ بھی عرض کروں کہ ''پرواہ'' جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، عوامی استعمال ہے، فصحا ''پروا'' کہتے اور لکھتے ہیں۔ خیال کرتا ہوں کہ آپ اِس سے ضرور متفق ہوں گے۔

ہاں، جزم کے پیش بن جانے سے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے، کہ کتابت میں

جزم، پیش بن گیا ہے کاتب کی بے پروائی سے؛ میں نے بہ غور بہت سے صفحے دیکھ لیے، مجھے افسوس ہے کہ مجھے یہ صورت کہیں نظر نہیں آئی، یہ محض نظر کا دھوکا ہے اور واہمہ ہے۔

اب آخر میں یہ عرض کروں باغ و بہار کا تحقیقی اڈیشن انجمن ترقّی اردو دہلی نے چھاپا ہے۔ طبعِ اوّل ۱۹۹۲ء۔ طبعِ ثانی ۱۹۹۹ء۔ اس میں ۷۱۱ صفحات ہیں۔ آپ اِسے ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو اپنے سب سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔ مکتبۂ جامعہ کا اڈیشن عام اڈیشن تھا، تحقیقی اڈیشن وہ ہے جسے انجمن نے چھاپا ہے۔ اصول یہ ہے کہ جب کسی کتاب کا دوسرا یا تیسرا اڈیشن آجاتا ہے، تب موضوعِ بحث آخری اڈیشن کو بنایا جاتا ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ اِس اڈیشن کو ملاحظہ فرمائیں گے، تو میری ساری خطائیں معاف کردیں گے۔ میں نے اِس خط میں اِسی اڈیشن کے صفحات کے حوالے دیے ہیں۔ یہ کتاب اگر آپ کے پاس نہ ہو تو لکھیے، میں بھجوادوں گا۔

الانسانُ مرکّب من الخطاء والنّسیان ، معروف مقولہ ہے، ہم بھی اِسے مانتے ہیں۔ توقّع کرتا ہوں کہ آپ کی نظرِ عنایت آیندہ بھی شاملِ حال رہے گی اور میں اپنی غلطیوں سے آگاہ ہوتا رہوں گا؛ مگر یہ ضرور درخواست ہے کہ موضوعِ زیرِ بحث سے متعلق جملہ ضروری معلومات کو ضرور سامنے رکھا جانا چاہیے۔ اگر آپ اس پر عمل کرتے اور یہ معلوم کرلیتے کہ اِس کتاب کی تحقیقی اشاعت کون سی ہے، تب صورتِ حال صحیح طور پر سامنے آسکتی تھی اور جو کچھ آپ نے لکھا ہے، اُس کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اپنی تحریر کا عنوان آپ نے خالص علمی زبان میں لکھا ہے، اِس کے لیے خاص طور پر شکر گزار ہوں اور اِس سلسلے میں اپنی کم علمی کا مُعترف ہوں۔

رشید حسن خاں

۱؎ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور سے احتشام حسین ندوی صاحب کے نام لکھا گیا ہے۔ اس خط میں ندوی صاحب کے باغ و بہار پر لگائے گئے اعتراضات کے جواب ہیں۔

بنام: اختر شاہ جہان پوری

(۱)

T.C.4, Gwyer Hall

Delhi University, Delhi-7

21-6-1978

عزیزم!

تمھارا دوسرا خط ملا تھا۔ میں اپنی ایک کتاب کی تیاری میں مصروف تھا، جو پریس جانے والی ہے، اِس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ میں جولائی کے کسی ہفتے میں شاہ جہان پور آؤں گا۔

تمھارے شعر دیکھے۔ تم کو سلیقہ ہے شعر کہنے کا، مگر شاید جلدی کرتے ہو اور غالباً مطالعہ بالکل نہیں کرتے۔ اگر شعر کہنا چاہتے ہو تو محنت کرو، پڑھنے پر بھی اور غور وفکر پر بھی۔ اِس کے بغیر اچھے شعر نہیں ہوتے۔ اگر گھبرا نہ جاؤ گے اور توجہ کرو گے میری تحریر پر، تو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا۔ شاعری اب اتنی آگے بڑھ گئی ہے اور اردو میں اتنے اچھے شعر کہے جا چکے ہیں، کہ معمولی اشعار کے لیے مطلق گنجایش نہیں۔ اِسی طرح معمولی شاعر کی بھی کچھ حیثیت نہیں۔ اس بات کو دھیان میں رکھو کہ مشاعرے والی شاعری اصل میں شاعر کو تباہ کیا کرتی ہے، یہی حال محفلوں کی واہ واہ کا ہوتا ہے۔ امکان بھر اِن سے بچنا چاہیے۔

دعاے نیم شب... اس میں "خوشبو مہکی" بے معنی ہے۔ پھول مہکتا ہے، یادیں بھی مہکتی ہیں کہ اُن کا استعارہ پھول سے کیا جا سکتا ہے، خوشبو نہیں مہکتی۔ "پھیلی" سامنے کا لفظ تھا، غور نہیں کیا تم نے۔

گلے مل کر ... یہ مبتذل شعر ہے۔ لفظ بھی پامال، مفہوم بھی پامال ـــــ تصوّر میں تمھیں... یہاں بھی وہی بات ہے۔ نہ مفہوم میں خوبی نہ اندازِ بیان میں حُسن۔ ایک بات اور پہلے مصرعے میں تصوّر اور محفوظ جیسے لفظ ہیں اور دوسرے مصرعے میں "ملن" جو صوتی اعتبار

سے ان سے میل نہیں کھاتا۔ اس سے پورے شعر میں عدمِ تناسب بھی پیدا ہو گیا ہے۔ لفظوں کی سطح زیادہ سے زیادہ یکساں ہونا چاہیے۔ عدم تناسب بڑا عیب ہے۔ حسین چہرے غنیمت ہے مگر کوئی خاص بات نہیں۔ اِس کے علاوہ، نسیم صُبح گاہی سے جس طرح خطاب کیا گیا ہے، وہ مصرعے کی نشستِ الفاظ میں چسپاں نہیں ہوتا۔ مفہوم سامنے کا ہے اور معمولی۔

مجھے چھوڑا تھا... درِ زنداں پہ... یہ دو شعر مجھے پسند آئے، خاص طور پر پہلا شعر۔ اِن میں بیان کا حُسن، الفاظ کا تناسب، مفہوم کی معنویت سارے اجزا ہیں۔ یہی شعر کی خوبی ہوتی ہے۔

دوسری غزل میں یہ شعر: سبز پتے... خاص طور پر پسند آیا۔ کیا اچّھا شعر کہا ہے تم نے۔ جی خوش ہوا۔ اب تم خود دیکھو کہ اِس نئی معنویت اور نئی حسیّت سے بھرپور شعر کے مقابلے میں مثلاً یہ شعر: اشک آنکھوں سے... کس قدر پُرانا پن، سپاٹ پن اور روایتی پن ہے اِس میں، معلوم ہوتا ہے کہ کسی ۸۰ برس کے بزرگوار کا شعر ہے۔ روایت کا وہ دور ختم ہوا، رات گئی بات گئی۔ اب اُس کی تکرار نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں مرے احباب... تم نے غور نہیں کیا، اِس میں ''تو'' بے محل آیا ہے۔ ''میں تو'' کا محل ہے۔ ایسے عیب نہیں ہونا چاہیے۔ مصرعے کی بندش بھی سست ہے۔

محنت کرو، سمجھنے کی کوشش کرو اور مطالعہ کرو، تو تم بہ خوبی ترقّی کر سکتے ہو۔ میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔

رشید حسن

(۲)

بنام: اختر شاہ جہان پوری

T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University, Delhi-7

۲ر مارچ ۱۹۷۹ء

عزیزم!

خط ملا تھا۔ میں جب آؤں گا تو اُسی کتاب سے استفادہ کروں گا، لیکن تم کوشش جاری رکھو، اگر کسی دوسری جگہ وہ کتاب مل سکے تو خوب ہو۔ تم خیال رکھو گے تو کہیں نہ کہیں مل

ضرور جائے گی۔

خدا کرے تم بہ عافیت ہو۔

رشید حسن خاں

۲؍ مارچ ۹۷ء

(۳)

بنام: اختر شاہ جہان پوری

شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی

دہلی

۲۳؍ مئی ۱۹۸۳ء

مجھے یہ معلوم کر کے واقعتاً بہت مسرت ہوئی کہ آرمی کلوونگ فیکٹری شاہ جہان پور سے ایک ادبی رسالے کا اجرا ہوگا، جس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوگی کہ اُس میں ہندی اور اردو دونوں زبانوں کی ادبی تخلیقات کو شامل کیا جائے گا۔

ماضی میں یہ شہر علاقۂ روہیل کھنڈ میں اعلا ادبی، علمی اور شعری روایتوں کا مرکز رہا ہے۔ عربی کے عالمِ متبحر مولانا بحرالعلوم فرنگی محلی جب لکھنؤ سے ترکِ وطن پر مجبور ہوئے تھے، تو اِسی شہر میں تقریباً اٹھارہ سال تک اُن کا قیام رہا تھا اور اُن کے یمنِ قدم سے عربی کی تعلیم کو یہاں بے مثال فروغ ملا تھا۔ ہندستان میں دورِ آخر کے جلیل القدر اساتذہ جلالؔ لکھنوی، امیر مینائی اور داغؔ دہلوی تھے اور اِن اساتذہ کے ایسے باکمال شاگرد یہاں موجود تھے جو بجائے خود درجۂ استادی پر فائز تھے اور جن کے دم سے شعری محفلوں کے ہنگامے فروغ پاتے تھے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اِس شہر میں دہلی اور لکھنؤ کی ادبی روایتوں نے ایک ایسا قالب اختیار کر لیا تھا جس میں ایک خاص طرح کا توازن تھا۔ یہاں لکھنؤ کی زبان کا لطف تھا، اُس کی شعری روایت کا ابتذال نہیں تھا۔ اور دہلی کی جذبات سے معمور داخلیت کا اثر تھا، لیکن اُس حُسنِ بیان کے ساتھ جس کو دبستانِ لکھنؤ کا امتیازی نشان بنایا جاتا ہے۔ نواب ناظم علی خاں ہجرؔ، محمد علی میاں خیالؔ، حسین احمد میاں بیباکؔ، حجابؔ صاحبہ، اعتبار الملکؔ حکیم فخر حسن خاں عادلؔ اور اُن کے تلمیذِ خاص عابد حسین عابد (مرحوم)، اسعد صاحب، کوکب صاحب اور پیارے میاں رشیدؔ جیسے شعرا کے دم سے یہاں کی غزل گوئی کو امتیازی

حیثیت حاصل رہی ہے۔ جناب ج گدیش سہاے سکینہ اِس پایے کے نظم نگار تھے کہ اب اِس پورے علاقے میں اُن جیسا دوسرا قادرالکلام اور باکمال نظر نہیں آتا۔

یہ تو ہمارے زمانے کی اور ماضی قریب کی بات تھی، اِن لوگوں سے پہلے نواب غلام حسین خاں حُسین اور لالہ عوض راے مُسرّت یہاں اِس پایے کے شاعر تھے کہ اُن کے نہایت باکمال معاصرینِ ہندوستان اُن کے کمال کو تسلیم کرتے تھے۔ مُسرّت کا یہ شعر تو ادبی حلقوں میں ضربُ المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے:

بوقتِ لقمہ خوردن اے مسرّت گفت لبہایم
کہ روزی می کند از ہم جدا یارانِ ہمدم را

آج بھی نوجوانوں کا ایک قابلِ ذکر حلقہ اُس شعری اور ادبی روایت کو زندہ رکھے ہوئے ہے اور خاص بات یہ ہے کہ نثر کی طرف بھی توجہ کی جا رہی ہے۔

مجھے توقّع ہے کہ اِس ادبی رسالے کی مدد سے یہاں کی شعری اور ادبی روایتوں کو مزید فروغ حاصل ہوگا اور اِس رسالے کو ہر مکتبۂ خیال سے تعلّق رکھنے والوں کا تعاون حاصل رہے گا۔ عزیزی اخترؔ شاہ جہان پوری سنجیدہ اور ہونہار نوجوان ہیں، اور مجھے توقّع ہے کہ وہ اِس بارِ امانت کا حق ادا کر سکیں گے۔

ہاں، ماضیِ قریب میں اِس فیکٹری سے میرا قریب کا تعلّق رہا ہے اور اِس نسبت سے مجھے اِس رسالے کے اجرا کی اور زیادہ مسرّت ہے۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: اختؔر شاہ جہان پوری

T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University, Delhi-7
۲۴؍جون ۱۹۸۷ء

عزیزم!

دنوں کے بعد تمھارا خط ملا، جی خوش ہوا۔ تکلّف اور تامّل کی کیا بات ہے، تم خط لکھتے رہا کرو۔ میں پاکستان جا رہا ہوں ایک سمینار میں حصّہ لینے کے لیے، واپسی جولائی کے وسط

تک ہو سکے گی۔ واپس آ کر اطمینان کے ساتھ تمھارے خط کا جواب لکھوں گا۔ اِس وقت وہاں پڑھنے کے لیے مقالہ لکھنے میں بے طرح مصروف ہوں، یوں اطمینان کے ساتھ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ خط تمھارا احتیاط کے ساتھ میز پر رکھ لیا ہے۔

توقّع کرتا ہوں کہ تم مع متعلّقین بہ عافیت ہو گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۸ر ستمبر ۱۹۸۷ء

عزیزم!

یہ تم کیسے سپاٹ شعر کہنے لگے ہو! جلدی نہ کرو، رُک کر شعر کہو اور سوچ سمجھ کر۔ شعر میں جب تک تہ داری نہ ہو، وہ بے کار ہے۔ اکہرا پن غزل کے شعر کا سب سے بڑا عیب ہے۔ فراق و ہجر کا بادل... فراق اور ہجر ہم معنیٰ ہیں، یہ دو لفظ ضرور ہیں، مگر مفہوم ایک ہے۔ مگر یہاں اِس طرح آئے ہیں جیسے دو مختلف المفہوم لفظ ہوں۔ یہ ٹھیک نہیں۔ اِس سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ دوسروں کا کہنا سند نہیں۔ اس کے علاوہ پورا شعر بیان کے تکلّف کا مرقّع ہے۔ ہجر کا بادل برسا نہیں، وصل کا موسم آیا نہیں، یہ فیضؔ کا خاص انداز ہے اور اِسے اُنھیں کے لیے چھوڑ دو۔ دوسرے شعر میں بھی یہی ہے، محض تکلّف اور کچھ نہیں۔ منزلیں کس کے نقشِ پا کا طواف کرتی ہیں؟ صرف نقشِ پا کا طواف کافی نہیں۔ اور پھر منزلوں کا نقشِ پا کا طواف کرنا وہی بیان کا فضول تکلّف ہے۔ پانچواں شعر غنیمت ہے۔ چھٹا شعر یوں ہی سا ہے۔ آتشِ غم کی تمازت جلا کر راکھ کر دے گی، یہ تو ٹھیک ہے، مگر چشمِ گریاں سے اِس کا کیا تعلّق؟ اِسے کہتے ہیں دور کی کوڑی لانا۔ چلو اخترؔ نظامِ دہر کو ہی اب... یاد رکھو کہ لفظ ''ہی'' ہمیشہ اصل لفظ کے ساتھ آتا ہے، فاصلے سے نہیں آتا، یعنی ''نظامِ دہر ہی کو'' کہنا تھا۔

خواہ مخواہ بیان میں اُلجھاوے نہ پیدا کرو، یہ خوبی نہیں، عیب ہے۔ اور بات سوچ سمجھ کر

کہو، کوئی بات کہو، مشاعرے والے شعر کہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کم شعر کہو۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۳؍مئی ۱۹۸۳ء[۵]

عزیزم!

خط ملا۔ غزل خوب ہے، بس دو باتیں: مقطعے کا دوسرا مصرع بدلنا چاہیے، یہ تو مطلعے کے دوسرے مصرعے کی ذرا سی بدلی ہوئی شکل ہے۔ یہ تکرار خوب نہیں۔

اِسی طرح چوتھا شعر: جیسے میں نادان... میں بھی دوسرا مصرع چسپاں نہیں ہوا۔ اُکھڑا اُکھڑا سا ہے۔ اِسے بھی بدلنا چاہیے۔ میں غالبًا اگلے ماہ کے پہلے ہفتے میں آؤں گا، غالبًا ۲؍اکتوبر کو۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۷)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۶؍ستمبر ۱۹۸۸ء[۶]

عزیزم!

ابھی تمھارا خط ملا، تم مجھ سے یکم اکتوبر کو کسی بھی وقت مل سکتے ہو، ۲؍اکتوبر کی رات میں میری واپسی ہوگی۔

احتیاطاً یہ اِس لیے لکھ رہا ہوں کہ تم کو میرا پروگرام صحیح طور پر معلوم ہوجائے۔ میں

۳۰ر ستمبر کی رات میں پہنچوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۹ر دسمبر ۱۹۸۸ء

عزیزم! خط ملا۔

توقع کرتا ہوں کہ اب تک اُس انٹرویو کا دوسرا حصّہ بھی مل گیا ہوگا، اگر نہ ملا ہو تو لکھنا۔ مطلعے کے دونوں مصرعے باہم مربوط نہیں، مفہوم واضح نہیں، بہت تاویل کے بعد کچھ متعین ہوسکتا ہے۔ ایسے شعر نہ کہا کرو۔ دونوں مصرعے باہم دست و گریباں ہونا چاہیے۔

حرف ویرانہ ہی... ''صرف'' اور ''ہی'' دونوں کا مفہوم ایک ہے، یوں ایک حشو ہے۔ ایسے زائد لفظوں سے شعر کو محفوظ رہنا چاہیے۔

بچ نکل جانے کی تدبیر... ''بچ نکلنا'' مصدر ہے، اس سے ''بچ نکلنے'' بنے گا۔ یا پھر بچ کر نکل جانا ہے... بچ نکل جانا زبان کے خلاف ہے۔ اور شعر ٹھیک ہیں۔

خدا کرے تم بہ خیریت ہو۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۷ر دسمبر ۱۹۸۸ء

عزیزم!

خط ملا، دیکھو، غزل کا شعر سادہ ہونا چاہیے بیان کے لحاظ سے اور تہ دار ہونا چاہیے معنی

کے لحاظ سے؛ مگر اُسے پیچیدگی سے علاقہ نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ جو مفہوم کہنے والے کے ذہن میں ہو، وہ سننے والے یا پڑھنے والے تک براہِ راست نہ پہنچ سکے۔

تعقید لفظی ہو یا معنوی، اُسے ہمیشہ بُرا سمجھا گیا ہے اور اُسے عدمِ قدرت پر محمول کیا گیا ہے۔ اُلجھی ہوئی بات کہنا آسان ہے اور سلجھا کر کہنا مشکل، اور اِسی مشکل کام کو شاعر انجام دیتا ہے، اگر وہ باسلیقہ ہے۔

بعض اوقات سوچتے دور کی ہو، مگر بیان الجھ جاتا ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ مطلع کا احوال یہی ہے۔ میری سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ دوسرے شعر میں یہ الجھاو تو نہیں مگر میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اُس میں خاص بات کیا ہے۔ اگر دوستوں کی سپاہ کا ہر فرد آن بان سے میدان میں اُترا، تو اِس میں قابلِ ذکر بات کیا ہوئی، یہ تو عام سی بات ہے۔

تیسرا شعر بہ ظاہر نعت کا معلوم ہوتا ہے، مگر اِس کے لیے بھی تاویل کرنا پڑے گی۔ مقطعے میں اصل بات یہ تھی کہ کل تک جو یقین تھا، آج وہ گمان ہے اور وہم ہے۔ ''جو جزا'' میں تنافر بھی ہے اور آخری شعر میں ''یقین کا سائبان سے اترتا'' بے معنی ہے۔ اس کے کچھ معنی ہی نہیں ہوئے۔ یقین ختم ہو گیا کے لیے یہ کبھی نہیں کہا جائے گا کہ وہ سائبان سے اترا۔ اُترنا اس معنی میں نہیں آتا۔

تم جب مشکل زمین اختیار کرتے ہو، تو یہی ہوتا ہے۔ یا تو سادہ زمینیں اختیار کیا کرو، یا پھر غور و فکر کیا کرو اور اُڑان بہت اونچی نہ بھرا کرو۔ اقبالؔ نے داغؔ کے مرثیے میں جو یہ کہا ہے:

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں

اِس پر ہمیشہ نظر رہنا چاہیے۔ کبوتر کتنا ہی اونچا اُڑے، اُس کی نظر کا رشتہ اپنے نشیمن سے نہیں ٹوٹتا، اور جب ٹوٹتا ہے، تو بہک جاتا ہے اور بھٹک جاتا ہے۔

۱۴ ارجنوری کو مجھے رام پور جانا ہے ایک انجمن کے جلسے میں، وہاں سے شاہ جہان پور آؤں گا دو روز کے لیے۔ غزل کہو اور جی لگا کر اور نظر جما کر۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
ٹی بی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۲ر فروری ۱۹۸۹ء ۵

عزیزم!

''فاران'' میں تمھارے شعر دیکھتے تھے، ایک شعر سخت قابلِ اعتراض نظر پڑا تھا، چاہتا تھا کہ تم کو خط لکھوں، پھر پٹنہ چلا گیا۔ اُس کے بعد بمبئی جانے کا پروگرام بن رہا تھا، یوں تاخیر ہوئی۔ تازہ شمارے میں اڈیٹر نے اُس کی اصلاح کی ہے، جب کہ ایک صاحب کا اعتراض بھی درج کیا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

میں شاید بل کہ غالباً یکم مارچ کو دو تین دن کے لیے شاہ جہان پور آؤں گا، غالباً ۵ر تک ٹھہروں گا۔ تم مل لینا۔ چوں کہ ''فاران'' تم دیکھ چکے ہو یوں تفصیل نہیں لکھی۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
ٹی بی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۲ر جون ۱۹۸۹ء ۹

عزیزم!

میں اتوار کے دن ۲۵ر جون کو وہاں ہوں گا۔ لکھنؤ میں مولانا آزاد سمینار ہے ۲۲ر سے ۲۴ر تک، اُسی میں جاؤں گا۔ تمھارے کاغذ ساتھ لیتا آؤں گا، اتوار یعنی ۲۵ر کو رات میں واپسی ہوگی۔

رشید حسن خاں

پس نوشت: میں اتوار کے دن، ۲۵ر کو صبح ۹ بجے سحر صاحب کے یہاں جاؤں گا؛ تم وہیں آجانا تو اچھا رہے گا۔

(۱۲)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷

۱۴ر ستمبر ۱۹۹۰ء

عزیزم!

خط ملا۔ میں ۲/ اکتوبر کو شاہ جہان پور آؤں گا۔ ۷/ اکتوبر کو اتوار کے دن میری لڑکی کی شادی ہے، اُس میں تمھاری شرکت ضروری ہے۔ اِس خط ہی کو دعوت نامہ سمجھو، رباب بھی ہوں گے۔

تیسرے شعر کے آغاز ہی میں ''چراغاں'' اِس طرح نظم ہوا ہے کہ اُس کے آخری حرف بُری طرح دبے ہیں۔ یہ بہ لحاظِ فصاحتِ بیان اچھا نہیں۔ مصرعے کے شروع میں کوئی بھی لفظ ہو، ممکن حد تک اُس کے آخری حرف دبنا نہیں چاہیے۔ اِس سے روانی مجروح ہو جاتی ہے۔ پھر ''چراغاں'' فارسی کا لفظ ہے، اس کے حروف تو یوں بھی نہیں دبنا چاہیے۔ مطلع میں پہلے مصرعے میں ''جب'' اپنی جگہ پر تو بالکل درست ہے، لیکن پھر دوسرے مصرعے میں جب تک کوئی ایسا لفظ نہ ہو تو اس شرط کی جزا بن سکے، تب تک اندازِ بیان درست نہیں ہوگا۔ مثلاً ''تو'' ہو یا ایسا ہی کوئی دوسرا لفظ، یا پھر ''جب'' کو وہاں سے ہٹایا جائے اور اُس کی جگہ کوئی اور لفظ رکھا جائے۔ پھر ''صحرا کو اجالنا'' کچھ اچھا پیرایۂ گفتار نہیں۔ ایسے طرزِ اظہار سے بچا کرو۔ اِس میں کچا پن ہے۔

×	✓✓
کرلئے	کرلے
اسکا	اُس کا

جو اُس نے کاسے میں ڈالا، وہیں اُچھال آئے (کاما ضروری ہے)

جو دشمنوں نے کیا، اُس پہ.................... 〃 〃

شرف حضوری کا حاصل ہوا، .... 〃 〃

''جو غزل پہلے لکھکر بھیجی تھی'' .... لکھ کر بھیجی تھی،.....

''اسطرح کے لوگ'' .... اِس طرح کے

''انکی خامہ فرسائی'' .... اُن کی

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۰ر اگست ۱۹۹۱ء[۱۱]

عزیزم!

خط ملا۔ میں اب پہلے سے بہتر ہوں، مگر ابھی علاج جاری ہے اور ہر مہینے چک اَپ کے لیے جانا ہوتا ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ تم بہ عافیت ہوگے۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
ٹی.سی.۹، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۰ر ستمبر ۱۹۹۱ء[۱۲]

عزیزم!

خط ملا۔ ''شیرازہ'' کے شمارے ایک صاحب جموں لے گئے تھے لائبریری کے لیے، اب میرے پاس ایک بھی شمارہ نہیں۔ اِدھر کئی مہینے سے کوئی تازہ شمارہ آیا نہیں۔ میں ٹھیک ہوں، ۱۵ر کو آؤں گا چند روز کے لیے۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
ٹی.سی.۹،، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷
۱۵ر فروری ۱۹۹۲ء [۱۳]

عزیزم!

خط ملا۔ صحیح لفظ ''پس منظر'' (اضافت کے بغیر) ہے۔ یہ مرکّب مقلوب ہے۔ اصلاً ''منظرِ پس'' تھا، مقلوب ہو کر ''پس منظر'' بن گیا۔ اِس میں اضافت نہیں آسکتی، اِس کا متضاد ''پیش منظر'' ہے اور وہ بھی اضافت کے بغیر، یوں کہ وہ بھی مرکّب مقلوب ہے۔ تمھارے شعر میں غالباً یہ معِ اضافت آیا ہے۔

غیر عربی فارسی لفظوں میں حروفِ علّت کا دبنا یا گرنا از روے قواعد ضرور جائز ہے، لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ اِس سے فصاحتِ کلام مجروح ہو جاتی ہے؛ تمھارے ایک شعر میں غالباً واو اِسی طرح دبا ہے۔ ''شاعر'' کا وہ شمارہ اِس وقت سامنے نہیں، کوئی لے گیا ہے۔ اِس کی احتیاط ضروری ہے فصاحت کا درجہ جوازِ صحت سے بلند ہے۔

میں یکم فروری سے بمبئی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں بہ حیثیت ''وزیٹنگ فیلو'' کام کروں گا۔ دو ماہ کا پروگرام ہے۔ اپریل کے پہلے یا دوسرے ہفتے میں شاہ جہاں پور آسکوں گا۔ تمھارا خط ۴ر جنوری کا، مجھے کل ۱۴ر کو ملا ہے، یوں کہ میں ۱۴ر ہی کو شاہ جہان پور سے یہاں آیا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
ٹی بی۔۹، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷
۱۱ر جنوری ۱۹۹۳ء [۱۴]

عزیزم!

''گِرِفتن'' مصدر ہے گاف کے زیر کے ساتھ۔ رے پر بھی زیر ہے۔ اِسی سے ''گِرِفت'' بنا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک نوٹ نیچے لکھ دیا جائے کہ فارسی میں ''گِرِفت'' مگر اب اردو میں ''گرَفت'' بھی کہا جانے لگا ہے۔ اِس لحاظ سے اِس لفظ کو قافیے میں استعمال کیا

گیا ہے۔ ''گرِفتار'' تو کہتے ہی ہیں۔

تمھاری ایک غزل ''کتاب نما'' میں دیکھی۔ ''وَحُی'' صحیح تلفظ ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
ٹی.سی.۹، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۸؍مئی ۱۹۹۳ء[۱۵]

عزیزم!

خط ملا۔ صحیح لفظ ''اطمینان'' ہے، زبانوں پر ''اطمنان'' اگر آتا ہے تو وہ صرف بول چال تک محدود رہے گا۔ شعر میں ''اطمینان'' ہی آئے گا۔ اگر کسی نے بالفرض ''اطمنان'' لکھا ہو تو وہ سند کا کام نہیں دے گا۔ ایک غلطی کو دوسری غلطی کی سند کے طور پر پیش کرنا معقول بات نہیں۔ اعتراض درست ہے۔

''عجیب کیا'' بھی اچھا نہیں، مگر خیر اس میں ''اطمنان'' والی بات نہیں۔ دیکھ بھال کر شعر کہا کرو اور غیر ضروری بحثوں میں نہ الجھا کرو اور صحیح اعتراض کو بہ خوشی قبول کرو۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
ٹی.سی.۹، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۳۰؍دسمبر ۱۹۹۳ء[۱۶]

عزیزم! خط ملا۔

میں ۴؍جنوری کو آؤں گا، ۱۰؍ تک رہوں گا۔ فاروقی صاحب نے اب پڑھنا لکھنا تو چھوڑ دیا ہے، لُغت دیکھتے نہیں اور قدیم زبان کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ تبصرہ ذاتی مخالفت کے نتیجے میں لکھا گیا تھا۔ نیت بُری تھی تو انجام بھی ویسا ہی ہونا چاہیے تھا، وہی

ہوا۔ علمی حلقوں میں عام طور پر اُن کو بُرا کہا گیا اور سب کو بے حد تعجب ہوا۔ فروری کے شمارے میں اُن کا خط میرے جواب کے سلسلے میں چھپے گا، میرا خط بھی ساتھ چھپے گا۔ شاید اُس کے بعد وہ آئندہ ایسی غلط اندیشی نہ کریں۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
ٹی.سی.۹، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۴؍مارچ ۱۹۹۴ء[۱۷]

عزیزم!

خط ملا۔ ہاں میں اب کے عید پر گھر نہیں آسکا۔ یہاں مصروفیت تھی۔ میری تین کتابیں چھپ رہی تھیں۔ دو چھپ کر آگئیں، تیسری پریس میں ہے، یوں ابھی آنا مشکل ہے۔ اپریل میں تین ہفتے کے لیے جموں یونی ورسٹی جانا ہے دس بارہ لکچر دینے کے لیے۔ یوں اب مئی کے آخر میں آنا ہوگا۔

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: اختر شاہ جہان پوری
ٹی.سی.۹، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۳۰؍اگست ۱۹۹۴ء[۱۸]

عزیزم!

میں ۳۱؍اگست کو شاہ جہان پور پہنچوں گا۔ سحر صاحب لکھنؤ میں ہوں گے یوں اُن کو خط لکھنا بے کار ہے۔ تم ایسا کرو کہ کسی دن اُن کے یہاں جا کر یہ کہہ دو کہ وہ جب اتوار کو آئیں، تو مجھ سے مل لیں۔

خدا کرے تم مع متعلقین بہ عافیت ہو۔

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: اختؔر شاہ جہان پوری
ٹی.سی.۹، دہلی یونی ورسٹی
دہلی–۱۱۰۰۰۷
۹؍اکتوبر ۱۹۹۴ء [19]

عزیزم!

دعوت نامہ ملا۔ دُعا گو ہوں کہ خدائے پاک دولھا اور دُلھن کو ہمیشہ خوش وخرّم اور کام یاب و کام راں رکھے۔ میری طرف سے تم کو اور تمھاری بیوی کو مبارک باد۔ بیگم سے کہو کہ جس شوق کے ساتھ بہو کو لائی ہیں، رکھیں بھی اُسی شوق اور شفقت کے زیرِ سایہ۔ جب وہ دُلھن بن کر آئی ہوں گی، اُس زمانے کا احوال اَور تھا، اُس زمانے کو یاد نہ کریں اور اپنی ساس کے برتاو کو مثالی نہ بنائیں۔ تم سے کیا کہوں، کہ تم بُرے شاعر ہو اور شاعر سنتا کس کی ہے۔
بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: اختؔر شاہ جہان پوری
ٹی.سی.۹، دہلی یونی ورسٹی
دہلی–۱۱۰۰۰۷
۱۶؍دسمبر ۱۹۹۴ء [20]

عزیزم!

خط ملا۔ پچھلا خط بھی ملا تھا۔ ۱۶؍نومبر کو میں گھر پر تھا، خیال تھا کہ تم آؤ گے، مگر تم کو اطّلاع نہیں ہو سکی۔ بس تین چار دن رہا تھا۔ بیباؔک صاحب کا کلام محفوظ ہو گیا، یہ اچّھا ہوا۔ میں اب کے جب آؤں گا تو ایک نظر دیکھ بھی لوں گا۔ اب ۶۰، ۷۰ غزلوں کا مجموعہ تو بننے سے رہا، کچھ اور سوچا جائے گا۔
توقّع کرتا ہوں کہ تم سب بہ عافیت ہو گے، شاہد رضا کو دعائیں۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط بغیر لفافے کے ہے۔

۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط بغیر لفافے کے ہے۔ یہ خط ''ترسیل'' کتاب کے ص ۲۴ پر بھی شائع ہوا ہے۔ ناشر و مرتب: مدہوش بلگرامی۔ مطبع: کلاسک آرٹ پرنٹرس، چاندنی محل، دریا گنج، نئی دہلی -۱۱۰۰۰۲۔ کتاب ''ترسیل'' میں جو ۸ خط شائع ہوئے ہیں، ان کے عکس عزیز ابراہیم نے بھیجے ہیں میرٹھ سے۔ میں اِن کا شکر گزار ہوں۔ ۲۲ خطوط کے عکس اختر شاہ جہان پوری نے روانہ کیے ہیں۔

۳ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بغیر لفافے کے ہے۔ یہ خط کتاب ''ترسیل'' کے ص ۲۴، ۲۵ پر شائع ہوا ہے۔ مرتب و ناشر: مدہوش بلگرامی۔

۴ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بغیر لفافے کے ہے۔ یہ خط ''ترسیل'' کتاب کے ص ۲۵ پر شائع ہوا ہے۔

۵ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی پشت پر دہلی اور شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہریں ثبت ہیں۔ یہ خط شاہ جہان پور کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۶ مقام نہیں تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ خط کی پشت پر دو مہریں ثبت ہیں۔ ۲۷ر ستمبر ۱۹۸۸ء کی دہلی کی اور ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۸ء کی شاہ جہان پور کی۔ یہ خط اِس پتے پر لکھا گیا ہے۔ اختر شاہ جہان پوری، محلہ رنگین چوپال، شاہ جہان پور۔ پن کوڈ نمبر: ۲۴۲۰۰۱۔

۷ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی پشت پر دہلی اور شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی دو مہریں بالترتیب ۱۹ر اور ۲۱ر دسمبر کی ثبت ہیں۔

۸ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط ٹی. بی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی سے اختر شاہ جہان پوری، محلہ رنگین چوپال، شاہ جہان پور کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۹ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۱۲ر جون کی اور شاہ جہان پور کی ۱۵ر جون ۱۹۸۹ء کی ثبت ہیں۔

۱۰ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ ڈاک خانے کی ایک مہر بھی روشن نہیں ہے۔ یہ خط بھی شاہ جہان پور کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۱۱ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۲ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط اختر شاہ جہان پوری، محلہ رنگین چوپال، شاہ جہان پور، پن کوڈ: 242001 کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔

۱۳۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بغیر لفافے کے ہے۔ یہ خط کتاب ''ترسیل'' کے ص ۲۶ پر شائع ہوا ہے۔

۱۴۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بغیر لفافے کے ہے۔ یہ خط کتاب ''ترسیل'' کے ص ۲۶، ۲۷ پر شائع ہوا ہے۔

۱۵۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور کے پتے پر لکھا گیا ہے۔ خط کے پشت پر دہلی کی مہر روشن نہیں ہے۔ شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۱۳رمئی ۱۹۹۳ء کی صاف عیاں ہے۔

۱۶۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ یہ خط کتاب ''ترسیل'' کے ص ۲۷ پر شائع ہوا ہے۔

۱۷۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ دہلی اور شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہریں روشن نہیں ہیں۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔

۱۸۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ ڈاک خانے کی ایک بھی مہر روشن نہیں ہے۔

۱۹۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی پشت پر ایک مہر ۱۷راکتوبر شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی ثبت ہے۔ یہ خط کتاب ''ترسیل'' کے ص ۲۷، ۲۸ پر شائع ہوا ہے۔

۲۰۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ ایک مہر ڈاک خانے کی روشن نہیں ہے۔ دوسری مہر شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی ۱۹ردسمبر ۱۹۹۴ء کی ہے۔ یہ خط کتاب ''ترسیل''[۱] کے ص ۲۸ پر شائع ہوا ہے۔

OOO

بنام: اخلاق اثر، ڈاکٹر

(۱)

T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-110007
24-10-83

عزیز مکرم!

آپ کی بھیجی ہوئی کتابوں کا پیکٹ یہاں پہنچ گیا تھا؛ ملا اُس وقت جب میں شاہ جہان پور سے واپس آیا۔ میں بنگلور سے آ کر، شاہ جہان پور چلا گیا تھا اور وہاں چند روز تک آرام کرتا رہا۔ توقع کرتا ہوں کہ اب تک تاخیرِ جواب پر آپ نے اپنے دل میں جو کچھ خیال کیا ہوگا، اُسے نکال دیں گے اور میری معذرت قبول کریں گے۔

صاحب! اِس سفر کی سوغات میرے لیے آپ کی ''دریافت'' ہے۔ میں کسی کے کہنے پر اِس کا یقین نہیں کر سکتا تھا کہ آپ اِس قدر مہذب، شایستہ، دل دہی کے قائل اور دل داری کے خوگر ہیں۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے اور بعض لوگوں کو اِسی طرح مبتلاے اذیّت کرتے رہیے۔

کتاب پڑھ ڈالی اور شاعرِ انقلاب کی بے چارگی کا اندازہ کر لیا۔ اِس کا اندازہ اور علم کچھ پہلے سے بھی تھا۔ شخص اور شاعر میں یوں تو فاصلہ ہوا ہی کرتا ہے اور اِن دونوں کا یکساں ہونا ضروری نہیں؛ لیکن ہم غالب کے یہاں اِس ثنویت پر نہ تعجب کرتے ہیں اور نہ اعتراض؛ کیوں کہ اُنھوں نے شاعری کی تھی (اعلا درجے کی) کسی پیغام یا نظام کے وہ مدّعی نہیں تھے۔ اِس کے برخلاف، اقبال اپنے کو صرف شاعر نہیں کہتے تھے اور دوسرے بھی اُن کو ''حکیم الامت'' مانتے ہیں؛ اِس لیے اُن سے اِس دورنگی کا حساب لیا جائے گا، بل کہ احتساب کیا جائے گا۔ کس درجہ فدویت مآبی کے ساتھ خط لکھے ہیں بھائی نے!! جو شخص اس زمانے میں ''سر'' کا خطاب قبول کرے جب خلافت تحریک کا جنازہ اُٹھایا جا رہا ہو، اُس کی انگریز دشمنی کو کیا کہا جائے! اور جو یہ کہہ چکا ہو کہ: اپنے شاہوں کو یہ امّت بھولنے والی نہیں، اُس سے کہاں تک حساب لیا

جائے گا۔ ہاں، بہ حیثیتِ شاعر وہ بے مثال اور باکمال تھے، لاریبَ فیہ۔

''کتاب نما'' کے تازہ شمارے میں ''اقبال اور ممنون'' پر تبصرہ پڑھا، بھائی! آپ نے آخر یہ کتاب مجھے کیوں نہیں بھیجی؟ ایک ہم وطن کے ذکر سے کیوں محروم رکھنا گوارا کیا آپ نے؟ اگر دسترس میں ہو، تو اب بھیجیے، شکرگزار ہوں گا اور رہوں گا۔ میاں! آپ کی جگہ اب میرے دل میں ہے، اور میرے دل کا احوال یہ ہے کہ اُس میں سمائی کچھ کم ہے، کم چیزیں جگہ پاتی ہیں، لیکن جگہ پانے کے بعد نقش بن کر ثبت ہو جاتی ہیں۔ مجھے اپنا مخلص، دعاگو اور قدرداں سمجھیے۔ دوسروں سے چھینا نہیں جاتا، ورنہ غالب کا یہ مصرع ضرور لکھتا کہ: کاشکے تم میرے لیے ہوتے! اب اگر شکوہ شکایت کو بھول چکے ہوں اور من چکے ہوں، تو خط بھی لکھیے؛ چشم بہ راہ ہوں۔

رشید حسن خاں

اور ہاں، کتاب کے پیکٹ میں اگر ایک سطری تحریر بھی ملفوف ہوتی تو آنکھوں کی روشنی بڑھ جاتی۔ خیر، میں نے اِسے ادائے خاص سمجھ کر معاف کیا۔

---

۱ یہ خط گائڈ ہال دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ اس میں اخلاق صاحب کی بھیجی ہوئی کتابوں کا ذکر ہے اور ساتھ ہی علامہ اقبال پر 'سر' کا خطاب ایسے وقت قبول کرنے پر گرفت کی ہے جب کہ خلافت تحریک زوروں پر تھی اور لوگ انگریزوں کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ حکومت سے عدمِ تعاون کی تحریک بھی شروع ہو چکی تھی۔

بنام: ارجمند آرا، ڈاکٹر

(۱)

شاہ جہان پور
۱۰راگست ۲۰۰۵ء[1]

عزیزہ ارجمند! دن ہوگئے کہ نہ تمھاری آواز سنی اور نہ تحریر دیکھی؛ یعنی کان بھی محروم اور آنکھیں بھی شکوہ گزار۔ میں بھی ان دنوں بس یوں ہی سا رہا اور مرزا صاحب کے اس شعر کو دُہراتا رہا:

اب اپنے ختمِ سفر میں کچھ ایسی دیر نہیں
جو دیر ہے تو فقط تھک کے بیٹھ جانے کی

مگر قلم ہے کہ کسی آواز کو سنتا ہی نہیں، چلے جاتا ہے۔

تم کیسی ہو؟ 'آج' کے دونوں شمارے مل گئے تھے، رسید نہیں بھیج سکا، اس کی معذرت۔ ترجمہ (رالف رسل کی آپ بیتی کا) دیکھ کر جی خوش ہوگیا اور دل سے دعائیں نکلیں۔ جیتی رہو اور خوش رہو۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۸رستمبر (ستمگر) ۲۰۰۵ء[2]

ارجمند! دعائیں (بااثر ہوں گی یا بے اثر، اس کا احوال مجھے نہیں معلوم)۔ فارم اور پاس بک بھیج رہا ہوں۔ انھیں احتیاط سے رکھ لو اور اکتوبر میں فارم جمع کر دینا اور تبھی پاس بک مکمل کرالینا اور رجسٹری سے موٹے لفافے میں رکھ کر بھیجنا۔

۱۴ گھنٹے کی بجلی کی کٹوتی نے چین آرام کو حرام بنا دیا ہے۔ کس کو کیا کہا جائے، سبھی اللہ

میاں کے بندے ہیں اور انھی کی طرح بے نیاز۔ یہ دن بھی یاد رہیں گے۔ کسی دن فون کر لینا تو اطمینان ہو جائے گا کہ میرا لفافہ تم کو مل گیا۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۱۷ر فروری ۲۰۰۶ء[۳]

عزیزہ ارجمند! بہت سی دعائیں۔

ATM کے کاغذ اور کارڈ بھیج رہا ہوں۔ احتیاطاً انھیں متعلقہ فرد کو دے دینا۔ بنک کی پاس بک اکتوبر میں بھیجوں گا، اسی وقت ''ابھی زندہ ہوں'' والا فارم بھی بھیجوں گا۔ مگر وہ فارم میرے پاس نہیں؛ جلدی نہیں، اکتوبر تک کسی وقت بھیج دینا۔ ہاں بس یہ ضرور کرنا کہ بیلنس معلوم کر کے مجھے فون پر بتا دینا۔ DA کی کوئی زائد قسط شاید ملی ہو مجھے بھی۔ اگر ملی ہو گی تو کام آجائے گی۔

کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ تم وہاں نہ ہوتیں تو میرا کیا احوال ہوتا! کبھی ماننا ہی پڑتا ہے کہ کوئی اَن دیکھی طاقت کہیں ہے ضرور جو مجھ جیسے ناکارہ لوگوں کے کام بنانے کے لیے ایسے وسیلے پیدا کر دیتی ہے۔ ہائے یگانہ، کیا بات کہی ہے:

شش جہت میں ہے ترے جلوۂ بے فیض کی دھوم
کان مجرم ہیں مگر آنکھ گنہ گار نہیں

جیتی رہو اور شاد کام رہو۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱تا۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ دونوں خطوط ''رشید حسن خاں: کچھ یادیں کچھ جائزے''، مرتبین: ڈاکٹر محمد آفتاب اشرف، جاوید رحمانی کے ص ۱۲۸ پر شائع ہوئے ہیں۔ اشاعت: ۲۰۰۸ء، ناشر: مکتبہ الحرا، محلہ رحم گنج، دربھنگہ۔

۳۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط ''رشید حسن خاں: کچھ یادیں کچھ جائزے'' مرتبین: ڈاکٹر محمد آفتاب اشرف، جاوید رحمانی کے ص۱۲۹، ۱۳۰ پر شائع ہوا ہے۔ اشاعت: ۲۰۰۸ء، ناشر: مکتبہ الحرا، محلہ رحم گنج، دربھنگہ۔

یہ تینوں خطوط عزیز ابراہیم نے میرٹھ سے بھیجے ہیں، عکس بنوا کر۔ ابراہیم، رشید حسن خاں صاحب مرحوم پر پی ایچ.ڈی کا مقالہ لکھ رہے ہیں۔

~~~~~
~~~~~

بنام: اسلم پرویز، ڈاکٹر

(۱)

شاہ جہان پور
۱۲؍جنوری ۲۰۰۵ء[۱]

اسلم بھائی!

یہ اوٹ پٹانگ تحریر ہے، اِسے دیکھ لیجیے مگر توجہ کی نظر سے۔ جہاں ضرور ہو ترمیم، اضافے یا تنسیخ سے بلا تکلف کام لیجیے۔ یہ اتفاق ہے یا حُسنِ اتفاق کہ یہ معذرتی تحریر اور وہ مضمون جو آپ نے مجھ سے لکھوایا ہے دونوں ایک ہی تصویر کے گویا دو رُخ ہیں۔ اصل مسئلہ ایک ہی ہے۔ آپ اپنے پیش لفظ میں اِس طرف بھی اشارہ کر سکتے ہیں۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ دونوں تحریریں ایک ہی سکّے کے گویا دو رُخ ہیں۔

دیکھیے، میں نے آپ کے حکم کی تعمیل فوری طور پر کی ہے، اب تو خوش ہیں نا آپ!!

خلیق صاحب سے بس یہ کہہ دیجیے کہ میں ابھی زندہ ہوں اور اُن کے التفات کا طلبگار رہوں۔

رشید حسن خاں

---

[۱] مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور سے اسلم پرویز صاحب کے نام انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی کے پتے پر لکھا گیا ہے، کیوں کہ ڈاکٹر اسلم پرویز ابھی تک انجمن کے ادبی سہ ماہی 'اردو ادب' کے اڈیٹر ہیں۔

بنام: اکبر حیدری، پروفیسر

(۱)

۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۲۹ر مارچ ۱۹۹۵ء[۱]

مکرّمی حیدری صاحب! آداب

توقّع کرتا ہوں کہ مزاج بہ خیر ہوگا۔

ایک معاملے میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ اِس کا یقین ہے کہ آپ اِس کے لیے بہ خوشیِ خاطر آمادہ ہوں گے۔

میں نے آج کل نواب مرزا شوق کی تینوں مثنویوں کو مرتب کرنے کا کام شروع کیا ہے۔ مجھے فریبِ عشق، بہارِ عشق اور زہرِ عشق کے قدیم اڈیشنوں کی ضرورت ہے۔ قدیم سے میری مراد اُن مطبوعہ نسخوں سے ہے جو ۱۲۶۲ھ سے ۱۲۸۰ھ تک کی مدّت میں چھپے ہوں۔ ایسے مطبوعہ نسخوں کا عکس بہ آسانی بنوایا جاسکتا ہے اور میں عکس کے سلسلے میں پورا انتظام کرلوں گا۔ کوئی نسخہ آپ کے پاس ہو یا آپ کے علم میں ہو، مثلاً ندوے کی لائبریری میں یا کہیں اور، تو از راہِ لطف اس سے مطّلع فرمائیے۔ قدیم نسخوں کے بارے میں آپ سے زیادہ معلومات اب شاید ہی کسی سے مل سکے، یوں آپ سے رجوع کر رہا ہوں۔ آپ کے التفاتِ خاص کا طلب گار ہوں۔ جوابِ خط کے لیے چشم براہ ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر اکبر حیدری
۲۹ر مارچ ۱۹۹۵ء[۲]

محبی!

آپ کا خط مرقومہ ۷راپریل، مجھے خاصی تاخیر سے ملا۔ ڈاک کا احوال ایسا ہی ہے۔ اس میں آپ نے بشارت دی ہے کہ 'بہارِ عشق' کے نسخۂ ۱۲۶۶ھ کا زیراکس آپ نے بنوالیا تھا اور از راہِ لطفِ خاص آپ اُسے بھیج بھی دیں گے کشمیر جانے سے پہلے ہی۔ وہ اب تک تو آیا نہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اب تک آپ کشمیر جاچکے ہوں گے، یوں یاددہانی کا یہ خط کشمیر کے پتے پر لکھ رہا ہوں۔ ڈاک میں خط ضائع نہ ہو، اِس لیے رجسٹری سے بھیج رہا ہوں۔

بھائی! میں بہت ممنون ہوں اور شکرگزار کہ آپ نے 'بہارِ عشق' کے نسخۂ ۱۲۶۶ھ کا عکس بھیجنے کا وعدہ کیا۔ اِس عنایت کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اُس عکس سے استفادہ کرکے، اُسے بہ حفاظت رجسٹری سے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ آپ میری خاطر زحمت گوارا کرکے اب پہلی فرصت میں اُس عکس کو ارسال فرمایئے، چشم بہ راہ ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر اکبر حیدری

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷

۱۰رمئی ۱۹۹۵ء

محبِّ مکرّم!

آپ کا خط مرقومہ یکم مئی، مجھے کل ملا۔ اِس عنایت کے لیے شکرگزار ہوں۔ خبروں میں پرنسپل صاحب کے متعلق سنا بھی تھا اور پڑھا بھی تھا، لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ آپ کے قریبی عزیز ہیں۔ آپ کو جس قدر پریشانی ہوئی ہو، وہ کم ہے۔ میں اس صورتِ حال کا بہ خوبی اندازہ کرسکتا ہوں۔ بہ ہر طور، اطمینان کی بات یہ ہے کہ بچّہ اور وہ، دونوں بہ حفاظت واپس آگئے۔ خدا کرے اب ایسا کوئی واقعہ نہ ہو کہ آپ کی پریشانی میں کسی طرح کا اضافہ ہو۔ مجھے ان واقعات پر بہت افسوس ہے اور آپ کے ساتھ دلی ہم دردی ہے۔

مجھے اطمینان ہے کہ جب آپ لکھنؤ آئیں گے، تو وہ زیراکس مجھے مل جائے گا۔ فی الوقت بہارِ عشق کے کام کو میں نے روک دیا ہے۔ جب زیراکس آئے گا، تبھی شروع کروں گا۔

بس یہ لکھ دیجیے کہ اندازاً آپ لکھنؤ کب واپس آئیں گے، جون میں یا جولائی میں۔
ایک بات اور: عشرت رحمانی اور نظامی بدایونی کے مرتبہ نسخہ ہائے زہرِ عشق کی بھی مجھے ضرورت ہے۔ نظامی بدایونی نے ۱۹۱۹ء میں اور پھر ۱۹۲۱ء میں اسے شائع کیا تھا اور عشرت رحمانی کا نسخہ لاہور سے چھپا تھا۔ کیا یہ نسخے کہیں ہیں؟ آپ کی جیسی نظر اِن چیزوں پر رہتی ہے اور جس قدر معلومات آپ کے پاس ہوتی ہے، وہ اب کم یاب ہے؛ اِس لیے: نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں!
وہ خطّی نسخہ ضرور بھیج دیجیے۔ شاید کام کی کوئی چیز نکل آئے، اُسے دیکھنا ضروری ہے۔ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ بہت احتیاط کے ساتھ جلدتر اُسے واپس کر دوں گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ لکھنؤ آئیں تو میں خود لکھنؤ آؤں اور وہ عکس لے لوں اور اِس خطّی نسخے کو بہ احتیاط واپس کر دوں۔ اِسے رجسٹری سے بھیجیے گا۔ چشم بہ راہ ہوں۔ آپ نے جس محبّت کے ساتھ اِس نسخے کی نشان دہی کی، اُس کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار۔
خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر اکبر حیدری
گائر ہال
۷؍جون ۱۹۹۵ء
مخبی!

کل دوپہر کی ڈاک سے آپ کا خط اور کتاب کا پارسل، دونوں چیزیں ایک ساتھ ملیں۔ اس لطفِ خاص کے لیے ممنون ہوں۔
کتاب دیکھ ڈالی۔ مطبوعہ نسخے [غالباً نول کشوری نسخے] کی نقل ہے۔ کاتب خاصا کم سواد معلوم ہوتا ہے۔ بہ ہر طور، اس مجلّد میں میرے کام کی کوئی چیز نہیں نکلی؛ لیکن اِس کا دیکھنا ضروری تھا، ورنہ یہ بات تیقّن کے ساتھ کیسے کہہ سکتا تھا۔
اِسے حفاظت کے ساتھ رکھ لیا ہے، چند روز میں رجسٹری کے ذریعے واپس کر دوں گا۔

معلوم ہوا ہے کہ پٹنے میں میرے کام کے دو نسخے ہیں، شاید دو چار دن میں اُن کا عکس آجائے۔

ایک بات دریافت طلب ہے: جو احوال ہے وہاں کا، اُس کے پیشِ نظر کیا اس مجلّد کو ڈاک سے بھیجنا مناسب ہوگا؟ آپ جیسا کہیں گے، ویسا کیا جائے گا۔

خلیق انجم صاحب کے نام کا خط پرسوں یعنی ۹ر کو یا پھر ۱۰ر کو دستی بھجواؤں گا۔ ۲۱ر کو مجھے انجمن کے دفتر میں جانا ہے ایک میٹنگ میں شرکت کرنے کے لیے، اُس وقت اُن سے زبانی گفتگو بھی کر لی جائے گی۔ آپ اطمینان رکھیں۔

خدا کرے آپ مع متعلّقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: پروفیسر اکبر حیدری

گائر ہال

۱۳ر جولائی ۱۹۹۵ء

حیدری صاحب مکرّم!

میں نے آپ کا مخطوطہ رجسٹری سے آپ کے پاس سری نگر بھیجا تھا، اس کو کئی ہفتے ہوگئے۔ اب تک آپ کے پاس سے اُس کی رسید نہیں آئی، از راہِ لطف رسید سے نوازیے

مخلص

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: پروفیسر اکبر حیدری

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۲۷ر جولائی ۱۹۹۵ء

حیدری صاحب! آداب

۱۲ر جولائی کا خط ملا، شکریہ۔ نقوش ایوارڈ کی رقم کا مجھے علم نہیں۔ طفیل ایوارڈ مجھے

دیا گیا تھا، اعلان ہوا تھا، اُس کا جلسہ اب تک نہیں ہو پایا، حالات کے نتیجے میں۔ ہاں بہارِ عشق کا ۱۲۶۸ھ کا نسخہ مل گیا۔ کل اُس کا عکس میرے پاس آ گیا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: پروفیسر اکبر حیدری
۱۶۷-باڑوزئی-دوم
شاہ جہان پور-۲۴۲۰۰۱ (یو. پی)
۱۲ر نومبر ۱۹۹۵ء[۲]

محبّی!

آپ کا خط ملا، شکریہ۔

اسلم محمود صاحب نے مجھے بھی کوئی خط نہیں لکھا۔ اُن کا دہلی کا پتا مجھے معلوم نہیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ خاں صاحب نوّاب مرزا شوقؔ کی تینوں مثنویوں: 'فریبِ عشق'، 'بہارِ عشق' اور 'زہرِ عشق' کو مرتب کر رہے ہیں۔ اِنھیں قدیم مطبوعہ نسخوں (۱۲۶۲ھ تا ۱۲۸۰ھ) کی تلاش ہے۔ اِنھوں نے پروفیسر اکبر حیدری کو اِن قدیم نسخوں سے متعلق لکھا ہے کہ کیا اِن میں سے کوئی آپ کے پاس ہے۔ ندوے کی لائبریری میں یا کہیں اور کوئی نسخہ مل سکتا ہے۔

۲۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط مکتوب الیہ کے کشمیر کے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجا گیا۔ اِس خط سے یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ 'بہارِ عشق' کے ۱۲۶۶ھ کے مطبوعہ نسخے کا عکس مکتوب الیہ کے پاس ہے جسے وہ مکتوب نگار کی خدمت میں بھیجنے کی کوشش کریں گے۔ خط کے عکس سے پتا چلتا ہے کہ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے، مگر اِس کے پشت کا عکس اکبر حیدری صاحب نے نہیں بھیجا جس سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے مقامات کا پتا نہیں چلتا۔ اگلا خط ۱۰ر مئی ۱۹۹۵ء کا ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ

خط بھی گائرہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۳۔ خط کے اوپر مقام اور تاریخ درج ہے۔ 'بہارِ عشق' کا عکس ابھی تک خاں صاحب تک نہیں پہنچا۔ انھوں نے 'زہرِ عشق' کے نسخہ ہائے نظامی بدایونی ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۱ء اور عشرت رحمانی کے نسخہ' لاہور سے متعلق معلومات کے لیے بھی لکھا ہے۔ انھوں نے کسی خطی نسخے کو بھی بھیجنے کی فرمایش کی ہے۔ خط کے پشت کے عکس کے نہ ہونے کی وجہ سے مکتوب الیہ کے پتے کا پتا نہیں چلتا۔

۴۔ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج ہے۔ خاں صاحب کو اکبر حیدری صاحب کی بھیجی ہوئی کتاب یعنی خطی نسخہ ملا، جو اِن کی راے کے مطابق نول کشوری نسخے کی نقل ہے جو اِن کے کام کا نہیں۔ انھوں نے اکبر حیدری صاحب کو یہ اطلاع دی ہے کہ اِن کے مطلب کے دو نسخے پٹنے میں ہیں اور جلد اِن کے عکس انھیں مل جائیں گے۔

خلیق انجم صاحب (جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی)۔ خط کی پشت کا عکس نہیں ہے اس لیے مکتوب الیہ کے پتے کا پتا نہیں چلا۔

۵۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ متن میں مخطوطے کو رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجنے کا ذکر ہے جس کی رسید ہنوز انھیں نہیں ملی۔ خط کے پشت کا عکس نہ ہونے کی وجہ سے مکتوب الیہ کے پتے کا پتا نہیں چلتا۔ متن سے صرف سری نگری کا پتا چلتا ہے۔ خط کے اندرونی طرف سے ڈاک خانے کی دو مہروں کا عکس نظر آتا ہے، مگر انھیں پڑھا نہیں جا سکتا۔

۶۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ 'بہارِ عشق' کا عکس انھیں مل گیا ہے۔ متن سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خاں صاحب کو طفیل ایوارڈ دینے کا اعلان کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی نقوش ایوارڈ کا بھی، لیکن خاں صاحب نے اِس کی رقم سے متعلق لاعلمی ظاہر کی ہے۔ خط کے پشت کا عکس نہ ہونے سے مکتوب الیہ کے پتے کا پتا نہیں چلتا۔

۷۔ مقام و تاریخ اوپر نہیں یہ دونوں نیچے درج ہیں۔ خط کے پُشت کا عکس نہ ہونے کی وجہ سے مکتوب الیہ کے پتے کا پتا نہیں چلتا۔ خط میں کوئی خاص بات درج نہیں۔

اسلم محمود صاحب لکھنؤ میں مقیم ہیں۔ ریلوے میں اعلا عہدے پر فائز تھے۔ انھیں ہر موضوع پر کتابیں جمع کرنے کا شوق ہے۔ راقم ایک رات اِن کے ہاں ٹھہرا۔ اِن کی لائبریری دیکھنے کی چیز ہے، جس میں قریب اٹھارہ ہزار کتابیں ہوں گی۔ پورا ایک ہال الماریوں سے بھرا ہے اور انھیں قرینے سے سجایا گیا ہے۔ کتابیں موضوع کے اعتبار سے رکھی گئی ہیں۔ اِن کی کوٹھی دو منزلہ ہے۔ ۸۸۵- اندرا نگر، لکھنؤ۔ ●●

بنام: الیاس شوقی

(۱)

شاہ جہان پور
۲۳؍مارچ ۲۰۰۱ء[1]

آپ کا خط، جس پر تاریخِ تحریر ۸؍مارچ لکھی ہوئی ہے، مجھے ۱۷؍مارچ کو ملا تھا۔ آپ کی پریشانیوں کا احوال پڑھ کر دُکھ ہوا۔ چوں کہ میں وہاں آہی رہا ہوں، اِس لیے ساری باتیں زبانی ہوں گی۔ میں ۲۲؍اپریل کو اتوار کے دن ممبئی پہنچوں گا راجدھانی سے۔ قیام اِس بار انور قمر کے یہاں رہے گا۔ واپسی ۱۲؍مئی کو ہوگی۔ یہ اطّلاع اتنے پہلے اِس لیے دے رہا ہوں کہ آپ اُن دنوں کہیں اور جانے کا پروگرام نہ بنائیں۔ انور کے یہاں فون کرلیجیے گا، اِس طرح آپ سے ملاقات کا پروگرام طے ہوجائے گا۔ بیگم کو دعائیں۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: الیاس شوقی
شاہ جہان پور
۲۸؍نومبر ۲۰۰۴ء[2]

عزاز الیاس صاحب!

آپ کا خط آج (بل کہ ابھی) ملا۔ بھتیجی کا احوال پڑھ کر بہت تشویش ہوئی، آپ کی پریشانی کا حال معلوم کرکے پہلے بھی دُکھ ہوا تھا، اب پھر افسوس ہوا۔ شادی بیاہ کے معاملات اندھا سودا ہوتے ہیں کبھی کبھی، کسی بات پر جلد یقین کرلینا پریشانی کی بنیاد بن جاتا ہے۔ مجھے دونوں بچیوں سے بہت ہمدردی ہے کہ وہ ہمارے معاشرے میں عورت کی بے بسی کی نمایندگی کررہی ہیں۔ دل دکھتا ہے، مگر کچھ نہیں کرسکتا۔ خود میری لڑکی آٹھ سال تک میرے گھر رہی ہے شادی کے بعد۔ میرا مسئلہ بھی یہی سن کر یقین کرلینے کا تھا۔ آپ سے بہت

ہمدردی ہے مجھے، یوں بھی کہ مجھے اس کا کچھ تجربہ ہے۔

اب جیسے ہی ذرا سی فرصت ملے اور یکسوئی ہو، وہ خط ضرور لکھیے گا جس کا اس خط میں بھی ذکر ہے اور فون پر بھی بات ہوئی تھی۔ وہاں کے حالات آپ کے خط کے سوا اور کسی ذریعے سے صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتے۔ منتظر رہوں گا۔ حالات سے بھی ضرور باخبر رکھیے گا، دل لگا رہے گا۔ خدا آپ کی مدد کرے!! دلھن کو دعائیں۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ اِس خط میں خاں صاحب کا ممبئی جانے کا ذکر ہے وہ ۲۲/اپریل سے ۱۱/مئی ۲۰۰۱ء تک انور قمر کے ہاں قیام کریں گے اور واپسی ۱۲/اپریل کو ہوگی۔ خط کی پشت پر ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں۔ شاہ جہان پور کی ۲۳/مارچ اور ممبئی گرلا کی ۲۷/مارچ ۲۰۰۱ء کی۔ ممبئی کا پتا الیاس شوقی کا یوں درج ہے: ۱/۱۷/۷، ایل. آئی. جی. کالونی، پائپ لائنس روڈ، ویسٹ گرلا ممبئی -۴۰۰۰۷۰

۲ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ اِس خط میں الیاس شوقی صاحب اور خاں صاحب کی شادی شدہ بچیوں کے ساتھ معاشرے کے اُس بُرے سلوک کا ذکر ہے، جس کی وجہ سے وہ ماں باپ کے گھروں میں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ خط ۱/۱۷/۷، ایل. آئی. جی کالونی، پائپ لائنس روڈ، گرلا، ممبئی -۴۰۰۰۷۰ پر بھیجا گیا ہے۔ اِس کی پشت پر ڈاک خانہ شاہ جہان پور اور ممبئی کی دو مہریں بالترتیب ۱۹/نومبر اور ۲۳/نومبر ۲۰۰۴ء کی ثبت ہیں۔

بنام: انیس احمد وارثی

(۱)

شاہ جہان پور
۸/دسمبر ۱۹۹۶ء[۱]

انیس صاحب!

توقع کرتا ہوں کہ آپ نے وہ کتابیں روانہ کردی ہوں گی۔ -/750 میں نے حبیب خاں صاحب کے پاس جمع کردیے تھے، وہ آپ نے لے لیے ہوں گے۔ حساب ذرا ایک بار پھر لگا لیجیے گا۔ میرا خیال کچھ ایسا ہے کہ سو روپے کا کچھ پھیر ہے آپ کے حساب میں۔ -/470 اور -/180 مل کر -/650 ہوں گے۔ دیکھ لیجیے گا۔

باری صاحب آگئے؟ ان سے کہیے کہ میں ۲۱/کو آؤں گا تب احوال پوچھوں گا۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: انیس احمد وارثی
شاہ جہان پور
۲۸/اپریل ۲۰۰۴ء[۲]

انیس صاحب! دُعائیں۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ اِس بار آپ سے ملاقات نہ ہو سکی، اِس کا مجھے واقعتاً افسوس ہے۔ خیر، پھر سہی۔

ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ اسلم بھائی کو مندرجۂ ذیل تین کتابیں میرے حساب میں دے دیجیے گا۔ واوچر پر دستخط میں جب آؤں گا، تو کردوں گا۔

۱- گلزارِ نسیم
۲- سحر البیان

۳- مثنویاتِ شوق

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: انیس احمد وارثی
شاہ جہان پور
۲۸/اپریل ۲۰۰۴ء

عزیز انیس صاحب!

خط ملا۔ کیوں بھائی! بڑھاپے میں میرا گھِراو کرنا چاہتے ہو؟ یہاں شاعروں کی کمی نہیں، دیوان بہتوں کے چھپے ہیں، سب سے معذرت کر کے جان بچاتا رہا، اب سب کو صبر آگیا ہے کہ یہ واقعی ناکارہ ہو چکے ہیں، اب اگر کہیں بھی دو سطریں چھپیں گی تو جان بچانا مشکل ہو جائے گا، ہم وطن تو سب ہیں، اُن میں سے آدھے کے قریب میرے پُرانے اسکولی شاگرد ہیں، خود سوچ لو کہ میرا احوال کیا ہوگا۔ تو میاں! تم بھی میری مدد کرو اور جان بچی رہنے دو۔ بوڑھوں سے یوں بھی فرمایش نہیں کرنا چاہیے۔ وہاں ہوتا تو تمھاری بات ضرور مان لیتا، یوں کہ تم کو بہت عزیز رکھتا ہوں۔ ناراض مت ہونا اور میری بات کو سچ مان لینا، تم سے جھوٹ کیوں بولنے لگا۔ اپنوں سے جھوٹ نہیں بولا جاتا۔ مان لیا نا! جیتے رہو اور خوش رہو، یہی امید بھی تھی۔

کتاب ملی، سرھانے رکھ لی ہے، تھوڑی تھوڑی کر کے پڑھتا رہوں گا، پڑھوں گا ضرور۔ یہ تم نے اچھا کام کیا۔ کئی ایک کام کی باتیں بھی علم میں آجائیں گی۔

ہاں ثاقب صاحب کیا حج کرنے گئے ہوئے ہیں آج کل؟ کب واپسی ہوگی؟ خیریت سے تو ہیں۔

بہت سی دعاؤں اور شکریے کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: انیس احمد وارثی
شاہ جہان پور

۲۴رفروری ۲۰۰۵ء[۳]

عزیزانِ گرامی ثاقب صاحب اور انیس صاحب!

کتاب ملی، دیکھ کر بہت جی خوش ہوا۔ میرا یہ خیال ہے کہ کوئی دوسرا اِس سے بہتر کتاب مرتب نہیں کر پاتا۔ مرحوم کی قدِ آدم تصویر سامنے آجاتی ہے۔ کوئی جہت چھوٹنے نہیں پائی۔ میری طرف سے آپ دونوں صاحبان مبارک باد قبول کیجیے۔ میں اِس میں شامل نہیں ہوسکا، اِس کا واقعتاً افسوس ہے۔ بہت سی دُعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے۔ انیس احمد وارثی صاحب انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر ۲۱۲، ڈی ڈی یو مارگ، نیو دہلی -۱۱۰۰۰۲ کے آرکائیوز کے انچارج ہیں۔ کتابوں، رسائل، اخبارات اور مشاہیر کے خطوط کے سلسلے میں اسکالروں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔

۳۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے۔ انیس احمد وارثی صاحب کے نام انجمن ترقی اردو (ہند) کے پتے پر۔ کتاب ملنے کا شکریہ ادا کیا ہے۔

۴۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ کسی کتاب کے ملنے کا شکریہ ادا کیا ہے ساتھ ہی کتاب کی تعریف بھی کی ہے۔

●●●

بنام: تحسین فراقی، ڈاکٹر

(۱)

۴؍جولائی ۱۹۹۴ء

عزیزِ مکرّم فراقی صاحب!

سلام مسنون۔ مضمون ملا۔ پڑھ کر جی خوش ہوگیا اور آپ کے لیے دل سے بے ساختہ دُعائیں نکلیں[1]۔ بہت گناہ گار ہوں، اس لیے میں کیا اور میری دُعائیں کیا؟ البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے، اور خدا کی رحمت سے ناامّید بھی نہیں۔ جس ذاتِ پاک سے حرام زادگانِ ادب بھی بے تحاشا فیض پا رہے ہوں، اُس سے اگر میں بھی اُمّید باندھ لوں تو بے جا تو نہ ہوگا۔ آپ نے فاروقی صاحب کی بابت پوچھا ہے اگر آپ کی مراد اطہر فاروقی صاحب سے ہے، تو یہ جرنلسٹ ہیں اور جواہر لال نہرو یونی ورسٹی میں ہیں۔ مکتبۂ جامعہ کے جنرل منیجر شاہد علی خاں نے اِن کے سپرد یہ کام کیا ہے کہ مجھ سے متعلق ایک خاص نمبر مرتّب کردیں۔ شاید اُنھی سے آپ کی مراد ہو۔ یہ پڑھ کر مسرّت ہوئی کہ 'تفہیم' پر آپ کچھ لکھیں گے۔ اگر جلد لکھ سکیں تو [کذا] اور اُس کی ایک نقل مجھے بھیج دیں تو ممنون ہوں گا۔ آپ کی تحریر بھی شامل ہوجائے گی۔ میں نے گلزارِ نسیم کو مکمل کرلیا ہے۔ ۸۵ صفحے کی مثنوی ہے، مگر حواشی و متعلّقات کے ساتھ ۶۵۰ صفحے میں سما پائے گی۔ کتابت ہو رہی ہے۔ آپ کے پاس ضرور پہنچے گی۔

اپنی خیریت سے مطّلع کرتے رہیے۔ آپ نے یاد رکھا اور یاد کیا، اِس سے مجھے بہت مسرّت ہوئی اور حالؔی کا مصرع زبان پر آگیا: ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں، یعنی یاد کرنے والے۔ ورنہ یہاں تو مجھ پر تبرّا بھیجنے والوں کی اکثریت ہے۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر تحسین فراقی
شاہ جہان پور[2]

۱۷ر ستمبر ۲۰۰۰ء

عزیزِ مکرّم فراقی صاحب!

آپ کا خط مرقومہ ۳۰ راگست ملا تھا۔ بہت جی خوش ہوا کہ آپ نے یاد کیا۔ خدا پاک آپ کو خوش رکھے۔

اگر وہ شعر کلیم کا ہے تو اس کا ذمّے دار میرا حافظہ ہے۔ مجھے اس پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ خود یہی بات دوسروں کو سمجھاتا رہتا ہوں، مگر خود وہی غلطی کر گیا۔ شاید بشریّت اِسی کو کہتے ہیں اور یہ بھی عطیۂ فطرت ہے، اس لیے یہ انسان کے ساتھ ہمیشہ رہے گی۔ میں آپ کا ممنون ہوں اور شکر گزار کہ اس طرف توجہ منعطف کی۔ آیندہ بھی ایسے مقامات کی نشان دہی ضرور کی جائے، یہ میری درخواست ہے۔ یہ تو دراصل بڑے فائدے کی بات ہے کہ آدمی اپنی فروگذاشتوں سے مطّلع ہوتا ہے۔ ایک بار پھر شکریہ۔

کلیم صاحب کا کلّیات میرے پاس نہیں۔ یہاں کوئی ایسی لائبریری بھی نہیں۔ زمانہ ہوا جب پرتو بیضائی نے تہران سے کلّیاتِ کلیم شائع کیا تھا۔ میرے پاس ڈاکٹر شریف النسا انصاری (حیدر آباد) کا مرتّب کیا ہوا نسخہ ہے، مگر وہ کُل کلام پر حاوی نہیں۔ اگر آپ کلیم کی اس غزل کا مطلع و مقطع لکھ کر بھیج سکیں تو خوب ہو اور اس طرح تصحیح بھی بہتر طور پر ہو سکے گی۔ میں نے کلّیاتِ اقبال اس سلسلے میں دیکھا ہی نہیں، آپ کی بات مان لی ہے۔ آپ ذرا ایک بار کلّیاتِ کلیم پھر دیکھ لیجیے۔ میں اگر دہلی میں ہوتا تو خود ہی دیکھ لیتا۔ پیشگی شکریہ۔

ہاں صاحب! اب ایک ضروری بات: میں نے ہاشمی صاحب کے پاس سحرالبیان بھیجی، رسید نہیں ملی۔ اُن کے فرمان کی تعمیل میں مضمون بھیجا، اُس کی رسید نہیں ملی۔ پھر اُسی مضمون میں اضافہ کرنے کے لیے ایک عبارت بھیجی، اُس کی رسید بھی نہیں ملتی۔ یہ سب کچھ رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجا گیا تھا۔ اب میں حیران ہوں اور پریشان بھی کہ میری کوئی تحریر وہاں نہیں پہنچی۔ ہاں اگر وہ پریشاں نگاری کتاب میں جگہ پانے کی مستحق نہیں، اور یوں رسید بھیجنے میں تکلّف برتا گیا، تو اس میں تکلّف کی کیا بات ہے۔ میں نے تو اپنے خط میں خود ہی لکھ دیا کہ تحریر اگر ٹھیک ٹھاک نہ ہو تو اُسے واپس کر دیا جائے: کالاے بد بریشِ خاوند۔ میں ہاشمی صاحب سے کچھ کہہ نہیں سکتا (گناہ گار ہونا کون پسند کرے گا) آپ از راہِ لطف مجھے مطّلع

کر دیجیے کہ بات کیا ہے۔ میں اس زحمتِ بے جا کے لیے معذرت طلب ہوں، مگر اور کس سے کہوں! جواب کی توقع بھی آپ ہی سے ہے۔

اب روے سخن آپ کی طرف ایک اور رُخ سے ہے۔ دیکھیے بھائی! اگر ''ایک عورت سے محبّت و موانست'' والی روایت ماننے والی ہوتی، تو اس سے ملتی جلتی روایت صاحبِ خوش معرکۂ زیبا کی لکھی ہوئی کیوں نہ قبول کر لی جاتی۔ اصل بات وہی ایک ہے جو دونوں نے اپنے اپنے انداز سے لکھی ہے۔ دونوں حقیقی معنی میں میر حسن کے معاصر نہیں۔ دونوں بہ حیثیت راوی مضبوط و معتبر نہیں، پھر کیسے مان لی جاتی ان کی بات۔ میری ذاتی راے یہ ہے کہ یہ مثنوی، میر حسن نے آصف الدولہ سے توسّل حاصل کرنے کی غرض سے لکھی تھی۔ جو بھی صورت ہو، جب تک ''شہادت'' نہ ملے، میں ایسی کسی روایت کو قبول نہیں کر سکتا؛ خاص کر ایسے تذکروں کی روایت جن کے مولّف خود معاصرانہ حیثیت نہیں رکھتے، معتبر بھی نہیں اور لطفِ سخن کے بھی قائل رہے ہیں۔ میں بہت سے تلخ و تند تجربوں کے بعد قبولِ روایت کے سلسلے میں اس طریق کار کو اختیار کرنے پر مجبور ہوا ہوں۔ ہاں شاہ نامہ بھی یہاں میرے پاس نہیں، بہ ظاہر تو ''منش'' ہی برمحل معلوم ہوتا ہے۔ اسے میں دیکھوں گا۔ آج کل 'کلّیاتِ جعفر زٹلی' بہ لفظہٖ مرتّب کر رہا ہوں مفصّل حواشی کے ساتھ۔ ثقہ حضرات تو بہت منہ بنائیں گے۔ مگر اِس کا اُن کو جمہوری حق حاصل ہے (اخلاقی نہیں)۔ ٹھگوں والا کام مکمّل ہو گیا۔

میں نے رام پور ڈاکٹر شعائر اللہ خاں کو لکھا ہے کہ وہ وہاں کتاب خانے میں محفوظ عکسِ نسخۂ لاہور کا عکس کسی طرح میرے لیے حاصل کر لیں۔ میں اُس کو دیکھنے کے بعد ہی کچھ لکھ سکوں گا۔ تقاضاے احتیاط بھی یہی ہے۔ اس لیے ابھی آپ کو کچھ انتظار کرنا ہوگا۔ چاہتا ہوں یہ کہ جو کچھ لکھوں تو بات قرینے کی ہو اور درست ہو، اور اس سے آپ کو بھی اتفاق ہوگا کہ مجھے اصل نسخے کو پہلے بہ چشمِ خود دیکھ لینا چاہیے۔

اب میں آپ کے خط کا منتظر رہوں گا۔ ایک زحمت اور: کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ہاشمی صاحب کو اس پر آمادہ کر سکیں کہ وہ میری خطا (اگر کوئی ایسی خطا ہو) معاف کر دیں۔ اُن کے اِس بیگانہ آشناپن سے جی دُکھتا ہے۔ اگر آپ یہ کام کر سکے تو آپ کو ثواب ملے گا۔ لیکن ابھی اس دُنیا میں نہیں، اُس دوسری دُنیا میں۔

خط میں اورینٹل کالج کا پوسٹل پن کوڈ ضرور لکھیے

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ یہ ذکر ہے اس مضمون کا جس میں فراقی صاحب نے مظفر حسین برنی کی 'کلیاتِ مکاتیبِ اقبال' جلد سوم پر محاکمہ کیا تھا۔ غالباً فراقی صاحب، رشید حسن خاں کے مجموعۂ مضامین تفہیم پر کچھ نہ لکھ سکے۔ یہ لاہور میں رہتے ہیں۔

۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اِس خط میں کہا گیا ہے کہ ہاشمی صاحب کو سحرالبیان اور ایک مضمون بھیجا اُن کی رسید نہیں ملی۔ کلیاتِ کلیم اور شاہ نامہ میرے پاس نہیں میں آج کل کلیاتِ جعفر زٹلی مرتب کر رہا ہوں۔

بنام: تنویر احمد علوی، ڈاکٹر

(۱)

ایف ۳/۴ ماڈل ٹاؤن، دہلی-۹
۱۱ اکتوبر ۱۹۷۴ء[۱]

برادرم!

آج معلوم ہوا کہ آپ دہلی کالج کی طرف لوٹ آئے۔ علوی صاحب! آپ کی عزّت میرے دل میں پہلے ہی سے تھی، اب دو چند بل کہ صد چند ہوگئی ہے۔ آپ نے آبروے شیوۂ اہلِ نظر کا بھرم رکھ لیا، جس کا اب توڑا ہے اور قلم کی حرکت اور قلم کار کی وقعت کا علم بلند کر دیا۔ ایک شخص نے (جس کے پاس بینک بیلنس بھی کچھ یوں ہی سا ہوگا) پیشے پر وقار کو ترجیح دی اور دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ زندہ باد میرے دوست! میں آج شام کو شاہ جہان پور جا رہا ہوں، ورنہ خود آتا اور بغل گیر ہوتا۔ واپسی پر ملاقات ہوگی۔ بچّوں کو پیار۔ عید کی مبارک باد اور اس سے زیادہ اس قلندری کی مبارک باد۔ لوگ کچھ ہی کہیں، میرے نزدیک آپ نے وہی کیا جو ایک خوددار شخص کو کرنا چاہیے تھا۔ جو شخص ایسے موقعے پر اس کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرے، وہ مردود اور اس پر پھٹکار اور اُن پر ہزار گنا لعنت جو ایسی ناقدری کے ذمّے دار ہیں۔

رشید حسن خاں

حاشیہ:

[۱] مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ متن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے دہلی کے پتے پر لکھا گیا۔ آدھے خط کا عکس کمپوز شدہ خط کے نیچے دیا گیا ہے۔ یہ علوی صاحب کے نام کا پہلا خط ہے جو راقم تک سیّد منظور احمد (میسور) کی وساطت سے پہنچا۔

بنام: جگن ناتھ آزاد، پروفیسر

(۱)

T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University, Delhi-110007
۱۸؍اپریل ۱۹۷۹ء[۱]

مکرمی!

آپ کا خط ری ڈائرکٹ ہوکر موصول ہوا۔ آپ کی اِس عنایت کے لیے تہِ دل سے شکرگزار ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر جگن ناتھ آزاد
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۷؍نومبر ۱۹۸۵ء[۲]

مُحبِ مکرّم!

میں ۲۳؍نومبر کی صبح کو وہاں پہنچوں گا اور دس بجے کے قریب شعبے میں آؤں گا۔ آنکھیں آپ کو ڈھونڈیں گی۔ ملیں گے نا!

۲۴؍کی شام کو واپسی ہوگی۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر جگن ناتھ آزاد
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی-۱۱۰۰۰۷
۱۷رمئی ۱۹۸۷ء[۲]

مُحبِّ مکرّم!

محبت نامہ مرقومہ ۹رمئی موصول ہوا۔ اِس لطفِ خاص کے لیے شکرگزار ہوں۔ میں ۳رجون کے بعد دہلی ہی میں رہوں گا۔ شام کے وقت کسی بھی دن آپ ہوسٹل کی طرف آجائیں تو خوب ہو۔ ملاقات کو واقعی ایک مدّت ہوگئی ہے۔ میں ۶راور ۷رکی شام کو کہیں نہیں جاؤں گا۔

اُدھر میرے آنے کا پروگرام بُلانے والوں پر منحصر ہے، وہ بلاؤں [بلائیں] تو آؤں۔

چوری کا احوال پڑھ کر قلق ہوا، چلیے مالی صدقہ ہوتا ہے جان کا اور صحت کا، تسکین کے لیے یہ خیال بہت ہے۔

کتابیں آپ کی کئی ایک چھپی ہیں اور آپ نے ساتھ لانے کا وعدہ بھی کیا ہے، مگر میں عرض کروں کہ سوانحِ اقبال اگر آپ ساتھ لاسکیں تو خوب ہو، کہ یہ کتاب میرے کام کی ہوگی خاص کر۔

ہاں برادر! میں اب دو سال سے اُتّر پردیش اردو اکادمی کی اُس کمیٹی کا ممبر نہیں، اور لوگ ہیں۔

آپ سے ملاقات کی تمنا کے ساتھ۔

مخلص
رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے نام ہے۔ اُنھوں نے اسے اپنی فائل میں ۲۳راپریل ۱۹۷۹ء کو رکھا ہے، کیوں کہ اِس پر اُن کے دستخط اور تاریخ درج ہے۔

۲ مقام اوپر نہیں، تاریخ آخر میں درج ہے۔ یہ خط پروفیسر جگن ناتھ آزاد شعبۂ اردو، جموں یونی

ورسٹی، جموں (جے اینڈ کے) کے نام لکھا گیا ہے۔ خط کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۳۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بھی دہلی سے لکھا گیا ہے۔ خط کے نیچے پروفیسر جگن ناتھ آزاد شعبۂ اردو جموں یونی ورسٹی، جموں (جے اینڈ کے) کی مہر ثبت ہے۔ مہر میں فون نمبر یوں درج ہیں:

فون: (یو) 42035 (آر) 46574

بنام: جمیل احمد خاں پونچھ والے، ڈاکٹر

(۱)

۸ر دسمبر ۱۹۸۵ء[1]

جمیل صاحب!

آپ کا خط تو کئی دن پہلے ملا تھا، مگر جواب دانستہ تاخیر سے لکھا جا رہا ہے، اِس وجہ سے کہ آپ نے جوابی خط بھی بھیج دیا تھا۔ جوابی خط بھیجنا گویا یہ فرض کر لینا ہوتا ہے کہ اس کے بغیر وہ شخص خط نہیں لکھے گا اور یہ ایک طرح کی بدگمانی ہے۔ آپ کا خط اِسی لفافے میں واپس کیا جاتا ہے اور آیندہ کے لیے ہدایت کی جاتی ہے کہ ایسی بدگمانی کا اظہار اِس طرح نہیں ہونا چاہیے۔

کالرا صاحب یہاں ۱۰ر دسمبر کو آئیں گے اور ۱۲ر تک رہیں گے، میں اُن سے گفتگو کرنے کے بعد آپ کے خط کا جواب لکھوں گا، اطمینان رکھیے۔

آپ سے مفصل ملاقات کا موقع نہیں ملا، اِس کا واقعی افسوس ہے۔

ہاں جموں ریڈیو والوں نے ایک مذاکرہ ریکارڈ کیا تھا، یونی ورسٹیوں میں ادبی تحقیق کے معیار کے بارے میں۔ میں تھا اور کالرا صاحب تھے۔ یہ کہا تھا اُن صاحب نے کہ یہ نشر ہوگا دس پندرہ دن کے بعد۔ آپ ذرا وہاں جا کر اُن سے تاریخ معلوم کر لیجیے نشر ہونے کی اور مجھے اُس تاریخ سے مطلع کیجیے۔ دوسری بات یہ کہ اگر ہو سکے تو آپ کوشش کر کے اُسے ٹیپ کر لیجیے اور اپنے پاس رکھ لیجیے فی الحال۔ اگر وہاں آپ کے پاس اس کا سامان ہو اور اِس کی بھی اطلاع دیجیے فوری طور پر۔

ہاں پتا آپ نے شعبے کا لکھا ہے، مگر آپ تو وہاں رہتے نہیں، پھر خط آپ تک کیسے پہنچے گا؟ اِس سے بھی مطلع کیجیے۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: جمیل احمد خاں
۶؍فروری۱۹۸۶ء[۲]
جمیلؔ صاحب!

پرسوں میرا خط مل گیا ہوگا۔ آپ کا نام میں نے سمینار کمیٹی سے منظور کرادیا تھا۔ وہاں سے دعوت نامہ شعبے کے پتے پر پہنچ جائے گا۔ سمینار ۱۶؍فروری کو ہے۔ قاضیؔ صاحب کے مقالات کا اشاریہ ساتھ لیتے آئیں اور دس پندرہ منٹ میں پڑھنے کے لیے ایک مضمون بھی۔ مثبت اور منفی تحقیق والا حصہ مناسب رہے گا۔

کرایہ آپ کو دونوں طرف کا ملے گا اور مضمون کا معاوضہ بھی ملے گا۔ پروانہؔ کا اور آپ کا خاکہ آپ کے اُستاد کے پاس بھیج دیا گیا ہے۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: جمیل احمد خاں
دہلی
۹؍اپریل۱۹۸۶ء[۳]
جمیلؔ صاحب!

آپ کا بھیجا ہوا کیسٹ مل گیا، شکر گزار ہوں۔ غالب نامہ جولائی تک چھپے گا، مگر اِس شمارے [میں] قاضی عبدالودود سمینار کے مضامین شامل نہیں ہوں گے۔ وہ یا تو اگلے شمارے میں چھپیں گے، یا پھر الگ سے شائع ہوں گے۔ ابھی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ کا کام اچھی طرح ہو رہا ہوگا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۴)

بنام: جمیل احمد خاں
ٹی.بی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۳رجولائی ۱۹۸۶ء[۴]
جمیلؔ صاحب!

آپ کے دو خط ملے۔ آپ کو پہلے میں لکھ چکا ہوں کہ سرسیّد پر مقالہ ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب کا ہے، جو اُن کی کتاب ''بازیافت'' میں شامل ہے۔ آپ خط کو غور سے پڑھتے نہیں ہیں۔ آپ کے مضمون کے چھپنے کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۵)

بنام: جمیل احمد خاں
۴راپریل ۱۹۸۷ء[۵]

عزیزم!

خط ملا۔ آپ کے دو مضامین رسالے میں چھپے ہیں، اِس سے مجھے واقعتاً مسرّت ہوئی۔ آیندہ بھی خیال رکھوں گا۔

آپ نے یہ نہیں لکھا کہ کھڑی کون سی ہے؟

اپریل میں میں دہلی ہی میں رہوں گا۔ اگر لکھنؤ گیا بھی تو دو دن کے لیے جاؤں گا۔ آپ آنے سے پہلے تاریخ کی اطلاع مجھے خط سے دے دیں۔

شہد کا کیا ہوا؟ نقلی نہیں، اصلی۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: جمیل احمد خاں
یکم ستمبر ۱۹۸۸ء[۶]
جمیلؔ صاحب!

آپ کا خط ملا۔ تزکِ جہانگیری اور آئینِ اکبری کے وہ اڈیشن میرے پاس نہیں۔ میری آنکھوں میں تکلیف بڑھ گئی ہے، اِس سے لکھنا پڑھنا بند ہو کر رہ گیا ہے، یوں میں

فی الوقت کچھ نہیں کہہ سکتا۔

خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: جمیل احمد خاں
۵/جنوری ۱۹۹۲ء[7]

جمیل صاحب!

میری طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی، یوں میں ۶/جنوری کو شاہ جہان پور جا رہا ہوں دو ہفتے کے لیے۔ ۲۰ تک واپسی ہوگی، آپ ۲۲/اور ۲۸/جنوری کے درمیان کسی بھی دن آسکتے ہیں۔ ۲۹/کے بعد میں دو ماہ کے لیے بمبئی جاؤں گا۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: جمیل احمد خاں
۲۲/جنوری ۱۹۹۲ء[8]

عزیزم!

میرا خط ملا ہوگا۔ میں ۳۰/جنوری کو بمبئی جاؤں گا، دو ماہ کے لیے۔ واپسی اپریل میں ہوگی۔ تم ایسا کرو کہ مجھے بمبئی خط لکھو یا پھر یہ کرو کہ ایک چیپٹر رجسٹرڈ ڈاک سے بمبئی میرے پاس بھیج دو، میں دیکھ کر ساتھ لیتا آؤں گا، اپریل میں۔ ۱۲/اپریل کے بعد تم یہاں آنا تو ایک چیپٹر ساتھ لیتے آنا۔ میں اُس چیپٹر کو اُسی وقت دیکھ لوں گا۔ اس طرح دو باب ہو جائیں گے۔ اگر ممکن ہو تو دلجیت ورما کو بھی میرا پروگرام بتا دینا۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: جمیل احمد خاں
بمبئی یونی ورسٹی، بمبئی
۲۳/فروری ۱۹۹۲ء[9]

جمیل صاحب!

آپ کا بھیجا ہوا پیکٹ مل گیا۔ میں اِسے اطمینان سے دیکھ لوں گا۔ دس بارہ دن لگیں گے۔ میں ۲/اپریل کو دہلی جاؤں گا اور پھر دو ہفتے کے لیے عید کے سلسلے میں شاہ جہان پور جاؤں گا۔ آپ اپنا دوسرا باب دہلی کے پتے پر بھیج دیجیے گا۔ اس طرح کہ مجھے ۱۵/اپریل کے قریب مل جائے۔ اُس کے بعد آپ مجھے خط لکھ کر اور مجھ سے تاریخ پوچھ کر دہلی آجایئے گا۔ دونوں باب دے دوں گا۔ تب تیسرا باب ساتھ لیتے آیئے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: جمیل احمد خاں
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۷-۱۱۰۰۰
۱۳/اپریل ۱۹۹۲ء[۱۰]

جمیل صاحب!

آج آپ کا بھیجا ہوا تیسرا باب ملا۔ میں کل یعنی ۱۴/اپریل کو لاہور اور اسلام آباد جا رہا ہوں۔ واپسی اِس ماہ کے آخر تک ہوگی۔ واپس آکر اِسے دیکھوں گا۔ پچھلا باب بھی محفوظ ہے۔ اُسی وقت میں خط لکھوں گا۔ جب میں خط لکھوں، تب آپ آئیں۔ کالرا صاحب سے سلام کہیے اور کہیے کہ مخطوطۂ فقہِ ہندی کا انتظار ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: جمیل احمد خاں[۱۱]

جمیل صاحب!

حسبِ وعدہ میں نے دس بجے تک انتظار کیا۔ آپ کو تو ۹ ½ بجے تک آنا تھا۔ اب آپ اپنے دونوں باب گیٹ پر چوکی دار کو دے دیجیے، وہ بہ حفاظت مجھ کو مل جائیں گے۔ اب میں ۲۳/کو آپ کا انتظار کروں گا۔ مجھے غنچۂ فارسی اور رہ نمائے فارسی درکار ہیں۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام اوپر درج نہیں ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ جمیل احمد خاں اس وقت ریسرچ اسکالر تھے۔ خاں صاحب نے لفافے پر اڈریس کے ساتھ ریسرچ اسکالر لکھا ہے۔ لفافے پر ڈاک خانے کی ایک مہر ۱۲؍دسمبر ۱۹۸۵ء کی ثبت ہے۔ خط ڈیپارٹمنٹ آف اردو، جموں یونی ورسٹی، جموں کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۲ مقام اوپر درج نہیں ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بھی دہلی سے لکھا گیا ہے کیوں کہ ایک مہر پر دہلی ڈاک خانے کا پن کوڈ نمبر 110006 ثبت ہے اور دوسری مہر کی تاریخ ۷؍فروری ۱۹۸۶ء کی ہے جو جموں ڈاک خانے کی لگتی ہے۔ یہ خط بھی شعبۂ اردو، جموں یونی ورسٹی، جموں کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۳ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ لفافے پر ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں، دہلی کی مہر ۹؍اپریل ۱۹۸۶ء کی اور جموں کی مہر ۱۲؍اپریل ۱۹۸۶ء کی ہے۔ یہ خط بھی شعبۂ اردو جموں کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۴ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ دہلی ڈاک خانے کی مہر ۳؍جولائی ۱۹۸۶ء کی ہے جب کہ جموں ڈاک خانے کی مہر ۴؍جولائی ۱۹۸۶ء کی ہے۔ یہ خط بھی شعبۂ اردو، جموں یونی ورسٹی، جموں کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۵ خط کے اوپر مقام درج نہیں ہے۔ تاریخ نیچے لکھی ہے۔ خط کے متن سے لگتا ہے یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے جس کی قیمت ۳۵ پیسے ہے۔ دہلی ڈاک خانے کی مہر ۶؍اپریل ۱۹۸۷ء کی ہے۔ یہ خط شعبۂ اردو جموں یونی ورسٹی کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۶ خط کے اوپر مقام درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے جو شعبۂ اردو، جموں یونی ورسٹی، جموں کے پتے پر لکھا گیا ہے۔ اِس پر دو مہریں ثبت ہیں۔ دہلی ڈاک خانے کی ۲؍ستمبر ۱۹۸۸ء کی اور جموں ڈاک خانے کی ۹؍ستمبر ۱۹۸۸ء کی۔

۷ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ یہ خط گورنمنٹ وومن ڈگری کالج اودھم پور جے اینڈ کے کے پتے پر لکھا گیا ہے۔ لفافے کے کونے میں 'ارجنٹ' لکھا ہوا ہے۔

۸ مقام اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بغیر لفافے کے ہے۔ کاغذ کے ٹکڑے کی دوسری طرف خاں صاحب کا جو پتا درج ہے وہ اِس طرح ہے:

R. H. Kahn
Department of Urdu, University of Bombay
Ranade Bhawan, Vidya Nagar
Bombay-400098

اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط بمبئی سے لکھا گیا ہے۔

۹ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط کے متن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جمیل احمد خاں کے پی ایچ. ڈی کے مقالے کی تصحیح خاں صاحب کر رہے ہیں۔ خاں صاحب نے اِس طرح کے سینکڑوں ریسرچ اسکالروں کے مقالوں کی تصحیح کی ہے جو اپنے نگرانوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ یہ ان کا کمال تھا کہ اِنھوں نے کبھی کسی کو انکار نہیں کیا۔ یہ خط بوائز ہاسٹل اولڈ کیمپس، جموں یونی ورسٹی، جموں کے پتے پر لکھا گیا ہے جو کنال روڈ پر واقع ہے۔ اِس خط پر ایک مُہر ڈاک خانہ سانتا کروز بمبئی کی ہے اور دوسری جموں ڈاک خانے کی ۲۸؍فروری ۱۹۹۲ء کی ہے۔

۱۰ مقام لفافے پر مُہر کی صورت میں ثبت ہے۔ یہ خط 'غالب نامہ' (مجلّہ) کے لیٹر پیڈ پر ہے۔ مدیران میں خاں صاحب کا نام اوّل ہے، دوسرے پروفیسر عبدالودود اور تیسرے شاہد ماہلی ہیں۔ مدیر اعلا پروفیسر نذیر احمد ہیں۔ اِس خط میں ۱۴؍اپریل کو خاں صاحب کا لاہور اور اسلام آباد جانے کا ذکر ہے اور واپسی اِس ماہ کے آخر تک۔

لفافے پر ایک مہر بمبئی کی اور دوسری جموں کی ہے۔ تاریخیں دونوں کی صاف نظر نہیں آتیں۔

۱۱ خط پر مقام اور تاریخ درج نہیں ہے۔ یہ خط پوسٹ کارڈ پر لکھا گیا ہے جو عموماً لغت نویسی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

بنام: جی. کے. مانک ٹالا

(۱)

شاہ جہان پور
۲۱/نومبر ۲۰۰۲ء[۱]

مُحبِّ مکرّم مانک ٹالا صاحب! آداب

کل توقیتِ پریم چند کا گراں قدر تحفہ موصول ہوا۔ اِس لطفِ خاص کے لیے منّت پذیر ہوں اور شکر گزار۔ یہ آپ نے بہت کارآمد اور معلومات بخش کتاب مرتّب کی ہے اور مجھ جیسے لوگوں کے لیے یہ بہت کام کی چیز ثابت ہوگی۔ مبارک باد۔

بس ایک بات کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے۔ ص اے پر درگا سہائے سرورؔ کو شاہ جہان پوری لکھا گیا ہے۔ اگر یہ غلطیِ کمپوزنگ نہیں، تو پھر آپ کی نظرِ ثانی کی طلب گار ہے۔

آپ نے یاد رکھا اور یاد کیا، اِس کے لیے بہت ممنون ہوں۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: جی. کے. مانک ٹالا

شاہ جہان پور
۲۱/دسمبر ۲۰۰۵ء[۲]

مُحبِّ مکرّم!

کتاب کا تحفہ ملا اور کتاب کا تحفہ سب سے بڑھ کر قیمتی ہوتا ہے۔ یہ آپ کے ہلکے پھلکے مضامین کا مجموعہ ہے، مگر اِس میں بھی پریم چند سے متعلق کام کی باتیں موجود ہیں اور یہ مضامین پریم چند سے متعلق کام کرنے والوں کے کام آئیں گے۔ آپ عُمر کے اِس حصّے

میں تنہائی کے سایے میں جس طرح کام کیے جاتے ہیں وہ قابلِ داد ہے اور بہتوں کے لیے قابلِ تقلید۔ خدا آپ کو خوش رکھے کہ آپ کے رشحاتِ قلم پڑھ کر جی خوش ہوتا ہے۔

حواشی:

۱۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ مانک ٹالا صاحب نے اپنی کتاب 'توقیتِ پریم چند' بھیجی ہے، یہ تحفہ پا کر خاں صاحب بہت خوش ہوئے۔ اِنھوں نے ایک نظر اِسے دیکھ بھی لیا اور ایک غلطی کی طرف اشارہ بھی کیا ہے جو صفحہ ۱ے پر ہے۔ یہاں درگا سہائے سرور کو شاہ جہان پوری لکھا گیا ہے۔ اصل میں درگا سہائے سرور جہان آبادی ہیں۔

۲۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ مانک ٹالا صاحب کی طرف سے انھیں اُن کے مضامین کا مجموعہ ملا ہے۔ وہ خوش ہوئے ہیں۔ عمر کے جس حصّے میں بیٹھے ہوئے مانک ٹالا صاحب تحریری کام کر رہے ہیں اُس کی داد دی ہے۔ مانک ٹالا ایک اچّھے قلم کار ہیں۔ اُنھوں نے بہت سی کتابیں تحریر کی ہیں۔ ادبی دنیا میں یہ ایک جانا پہچانا نام ہے۔

ممبئی
۷ر اگست ۲۰۰۵ء

برادرم نقوی صاحب!

میں یہاں یکم اگست کو پہنچ گیا - بہ خیریت ہوں - اکتوبر کے پہلے ہفتے میں واپسی ہو گی -

کتاب تو اب تک آپ کو مل چکی ہوگی - اگر بالفرض نہ ملی ہو تو فوراً لکھیے، میں اُس کا فوری طور پر انتظام کر دوں گا -

اں بھائی! اب یہ طے ہوا کہ قصائدِ سودا اور دیوانِ جعفر زٹلی، دونوں کو مرتب کرنا ہے - اگر ممکن ہو تو دیوانِ جعفر کو پہلے - اُس کو کوئی دوسرا مرتب نہیں کر پائے گا - اگر اُس کا کوئی اچھا خطی نسخہ نظر میں ہو تو ضرور مطلع کیجیے گا - مطبوعہ نسخے تو دو میرے پاس ہیں، ایک ۱۲۶۷ھ کا اور ایک ۱۲۸۱ھ کا - یہ کافی ہے - اب تلاش صرف خطی نسخوں کی ہے - میں نے دیکھا تھا کہ ۱۲۰۷ھ کا خطی نسخہ آکسفورڈ کی لائبریری میں ہے (غالباً اسے باڈلین لائبریری کہتے ہیں) اسکی فہرست چھپ چکی ہے - مگر یہ بھول گیا ہوں کہ یہ اندراج کہاں دیکھا تھا - کیا آپ کے ذہن میں ہے؟

سحرالبیان چھپنے کتابت کے لیے دے دی گئی - یہ مجبوری سے اُتر گیا - نسخہ ایک ترقی علی گڑھ مولانا کے پاس ہیں۔ بھجوا دی گئی ہے - جین صاحب نے امریکہ سے تبصرہ بھیجا ہے مفصل - بہت تعریف کی ہے -

خط لکھیے -

رشید حسن خاں

C/o Mr. B. Kumadiya
B/27, ANKUR Housing socity,
ANAND NAGAR,
Santacruz (E),
Mumbai-400055

فون: 610 20 68

अन्तर्देशीय पत्र कार्ड
INLAND LETTER CARD

7/8/98

50TH ANNIVERSARY OF INDIA'S INDEPENDENCE

18 AUG 1998

INDIA

Dr. Haneef Naqvi
Head Department of Urdu,
Banaras Hindu University,
VARANASI पिन PIN
(U.P)

दूसरा मोड़ SECOND FOLD

इस पत्र के भीतर कुछ न रखिए NO ENCLOSURE ALLOWED
पते में पिन कोड लिखें WRITE PIN CODE IN ADDRESS
प्रेषक का नाम और पता :– SENDER'S NAME AND ADDRESS :–

رشید عزیز
[illegible]
B/27، [illegible]
[illegible] (ایسٹ)
BAI पिन PIN 400055

1/8 Aug

بنام: حنیف نقوی، پروفیسر

(۱)

گائر ہال
۲۵؍نومبر ۱۹۸۲ء[1]

حنیف صاحب مکرّم!

میں کل واپس آیا تو ڈاک میں آپ کا خط ملا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ کاتب صاحب تین صفحے لکھنے کے بعد غائب ہیں، یعنی بیمار ہیں۔ اب کیا کروں! یہ کوشش کی جارہی ہے کہ عارضی طور پر کسی نئے کاتب کا انتظام کرلیا جائے۔ اگر ہوسکا، تب مضمون کی کتابت مکمل ہوسکے گی۔ صحیح صورتِ حال سے بعد کو مطّلع کروں گا۔

'اضافہ' مل گیا، شامل ہوجائے گا، مطمئن رہیے۔ معاوضے کے سلسلے میں معلوم ہوا کہ ایک بار کمیٹی میں یہ طے ہوا تھا کہ ۳۰ صفحے سے زیادہ اگر مضمون ہو تو پھر پانچ روپے فی صفحہ معاوضہ دیا جائے گا۔ ۳۰ صفحوں تک -/150 مقرر ہیں۔ چوں کہ میں اُس میٹنگ میں شریک نہیں ہوسکا تھا، اِس لیے مجھے علم نہیں تھا اِس فارمولے کا۔ اب معلوم ہوا، تو آپ کو مطّلع کررہا ہوں۔

پچھلے معاوضے کی پھر یاددہانی کرادی ہے۔ دفتری نظام جیسا آج کل عام طور پر ہوتا ہے، ویسا ہی یہاں بھی ہے، لہٰذا شکایت بے سود ہے۔ میں چند روز کے بعد پھر دریافت کرلوں گا، مطمئن رہیے۔

نوطرزِ مرصّع کا احوال معلوم ہوا، خیر۔ ایک بات اور: مجھے ایک زمانے سے فسانۂ عجائب کے اُس اڈیشن کی تلاش ہے، جس کو ۱۸۶۷ء میں نول کشور نے اخذِ حقوق کے بعد پہلی بار چھاپا تھا۔ یوں تو وہاں سے بیسیوں بار یہ چھپا ہے، اُس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی۔ اگر کبھی اس کے متعلق کچھ علم ہو تو مطّلع ضرور کیجیے گا۔ اور ہاں، فسانۂ عجائب کا احوال آپ نے پوچھا ہے، وہ فی الحال گاوخورد کے ذیل میں آیا ہوا ہے۔ آخر میں کیا ہوگا، اس کا علم نہیں۔ میں اس معاملے میں محض بے بس نکلا اور اِس کا بہت قلق ہے۔

رشید حسن خاں

پس نوشت: ہاں، آف پرنٹس کے لیے کہہ دیا گیا ہے، مل جائیں گے۔

(۲)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

گائر ہال

۱۹؍دسمبر ۱۹۸۳ء

عزیز مکرّم!

آج غالب نامہ پریس کے لیے تیار ہو پایا۔ میں نے پچھلے خط میں وعدہ کیا تھا کہ آپ کو مطلع کروں گا کہ آپ کے مضمون کے کتنے صفحات [میں] شامل ہو سکیں گے۔ اِسی سلسلے میں یہ چند سطریں حوالۂ قلم کر رہا ہوں۔

آپ کے اس مقالے کے ۲۲ صفحات اِس شمارے میں شامل ہیں جو آپ کے نوشتہ سوا تیرہ صفحات کے برابر ہیں۔

میں نے تو یہ چاہا تھا کہ مکمل مقالہ ایک ہی شمارے میں شائع ہو، لیکن آپ کا اصرار تھا کہ ابتدائی صفحات اِس بار ضرور چھپ جائیں، اِس لیے میں نے اپنی رائے پر عمل نہیں کیا۔ بات یہ ہے کہ ایسے اچھے مقالوں کا ایک حصّہ اگر ایک بار چھپ جائے تو پھر دوسری اشاعت تک بہت سے قارئین کے ذہن سے وہ ابتدائی مباحث نکل چکے ہوتے ہیں۔

ایک بات: 'چنگا' کے ذیل میں قریں بنارسی کا ایک شعر یوں آپ کے یہاں ہے:

وہ چنگا ہوا ناگاہ دیگر تمھارا داغ آپہنچا جگر پر

ظاہر ہے کہ مصرعِ اوّل میں ایک لفظ چھوٹ گیا ہے۔ اب اتنا وقت تھا نہیں کہ آپ سے دریافت کر سکتا۔ میں نے جلدی میں آغازِ مصرع میں لفظ 'جو' بڑھا دیا ہے کہ وزن میں تو آجائے۔ صحیح لفظ کیا ہے؟ اگر کوئی اور لفظ ہو تو لکھ دیجیے، آیندہ شمارے میں 'استدراک' کے تحت تصحیح ہو جائے گی۔ اِس خط کی رسید سے مطلع کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۹؍جنوری ۱۹۸۴ء

ہاں صاحب! آپ کے دونوں خط مل گئے ہیں۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کی طرف جانا نہیں ہوا اِن دنوں۔ ۴؍کو جموں جانا ہے، وہاں سے واپسی پر غالباً اُدھر جاؤں گا اور اُسی وقت اضافے اور تصحیح عمل میں آئیں گے۔

آف پرنٹس کا احوال بھی اُسی وقت معلوم ہوگا اور ایک مزید شمارے کی بات بھی اُسی وقت ہوسکے گی۔ یہ خط محض آپ کے خطوں کی رسید کے طور پر لکھ رہا ہوں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

نیّر صاحب سے سلام کہیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۲؍اگست ۱۹۸۴ء

برادرم!

خط ملا۔ غالب نامے کا احوال بھی عجیب ہے، جولائی کے شروع میں وہ مکمل ہو گیا تھا اور دفتر والوں کو صرف پریس بھیجنا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ پریس تو گیا تھا لیکن تاخیر سے، اِس لیے ابھی تک آیا نہیں۔ شاید اِس ہفتے کے آخر تک آسکے۔

جولائی کے شمارے کی دو زائد کاپیوں کے لیے اور جنوری کے شمار کی ایک کاپی کے لیے ہدایت کردی جائے گی۔ میں ۴؍کو وہاں جاؤں گا۔ بھائی! آپ کو خوب اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کس قدر ناکارہ لوگوں سے سابقہ پڑا ہے، مگر بات وہی ہے کہ: باہمیں مردماں۔

بچّے کا احول پڑھا، خدا نے بڑا فضل کیا۔ خدا کرے اب وہ بہ ہمہ وجوہ بھلا چنگا ہو چکا ہو۔ ''حوارئین کے واویلا'' سے میں باخبر ہوں، لیکن بہتر صورت یہی ہے کہ اپنا کام کرتے رہیے اور ایسی چیزوں کی طرف توجہ کم سے کم کیجیے۔ اِن کا یہی علاج ہے۔ کم علمی، حسد اور چودھراہٹ کی خواہش نے یہ صورت پیدا کی ہے۔

ایک بات دریافت طلب ہے: کیا یہ ممکن ہے کہ غالب کے فارسی کلام سے متعلق کوئی

حصہ بہ غرضِ تدوین آپ کو دیا جا سکے، نثر یا نظم، کیا ایسی کوئی صورت نکل سکتی ہے کہ قصہ، قصائد و مثنویات کو آپ مرتب کر سکیں۔ 'پنج آہنگ' بھی ہو سکتی ہے اور مہر نیمروز بھی۔ آخر الذکر بہ درجہ مجبوری۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

دہلی

۱۷/اگست ۱۹۸۴ء[1]

برادرم!

کل آپ کا خط ملا۔ آج صبح ایک آدمی کو خاص طور پر ایوانِ غالب بھیجا ہے اس پیغام کے ساتھ کہ غالب نامہ فوراً آپ کے نام بہ ذریعہ رجسٹری بھیجا جائے۔

مجھے اس بات سے دلی خوشی ہوئی کہ آپ علی گڑھ کے انٹرویو میں شریک ہوں گے۔ دست بہ دعا ہوں کہ خدائے پاک آپ کو کام یاب کرے۔ میری نظر میں آپ ہر لحاظ سے اِس منصب کے اہل ہیں اور حق دار ہیں اور حق بحقدار پہنچنا چاہیے۔

مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ اب ہمارے یہاں قاضی صاحب اور عرشی صاحب جیسے کام کرنے والے موجود نہیں اور اب توقع بھی نہیں پائی جاتی، مگر یہ بھی صحیح ہے کہ کچھ نئے لوگ ایسے ہیں جو تحقیق اور تدوین دونوں کاموں کو انجام دے سکتے ہیں اور اُنھی سے اب کام لینا ہے۔ یہ بھی دو چار سے زیادہ نہیں اور اِس تعداد میں بھی اضافہ اب مشکل معلوم ہوتا ہے۔ (خدا کرے میرا یہ خیال غلط ثابت ہو)۔

غالب کے کلامِ فارسی کی تدوین کو آپ اپنے ذمّے لے لیجیے۔ یہ کام عمر بھر کی کمائی ثابت ہوگا اور مزید شہرت و ناموری کا سبب بھی بنے گا اور ایک اچّھا کام بھی ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ضروری مآخذ کے عکس آپ کو ملنا چاہیے۔ آپ براہ کرم یہ کیجیے کہ ایک فہرست اُن مآخذ کی بنا دیجیے جن کی ضرورت ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ (میرے خط کا حوالہ دے کر) ایک ضابطے کا خط لکھ دیجیے خواہ سکریٹری کے نام، خواہ چیئرمین پبلی کیشن کمیٹی کے نام، کہ آپ اِس کام کو انجام دیں گے، اور یہ کہ آپ کو فُلاں فُلاں عکس درکار ہوں گے۔ یہ خط آٹھ دس دن کے اندر اگر آجائے تو خوب ہو۔ اِسے رجسٹرڈ بھیجیے گا (محض احتیاطاً) ڈائرکٹر غالب انسٹی ٹیوٹ رفعت سروش صاحب کے نام اِسے آنا چاہیے، یعنی لفافے پر پتا اُن کا ہو، اندر خطاب سکریٹری یا چیئرمین سے ہو۔

دیکھیے میرے بھائی! میری ذاتی خواہش ہے اِس کام کو مکمل کرانے کی، اِس لیے یہ ساری کھکھیڑ اٹھا رہا ہوں۔ دفتر کا احوال آپ خوب جانتے ہیں، جو کام دفتر والوں کے حوالے ہوگا، اُس میں غیر ضروری تاخیر لازمی ہے، اِس لیے میری تجویز یہ ہے کہ جس قدر عکس درکار ہوں، اگر آپ اُن کو اپنے طور پر حاصل کرلیں تو یہ کام جلد ہوگا اور بہ حُسن وخوبی، بل کہ یوں کہیے کہ ہو جائے گا، ورنہ ٹلتا رہے گا۔ جس قدر صرف آپ کا اِس پر آئے گا، وہ سب ادارے کی طرف سے برداشت کیا جائے گا، یعنی آپ کو ادا کردیا جائے گا۔ یہ میری ذمّے داری ہوگی۔ میں اِس کی باضابطہ منظوری لے کر درج رجسٹر کرالوں گا اور آپ کو باضابطہ بھی مطلّع کردوں گا۔ جس قدر عکس آپ حاصل کریں گے، اسی طرح وہ سب ملکیت ہوں گے ایوانِ غالب کی لائبریری کی۔ کام کی تکمیل کے بعد وہ لائبریری کے حوالے کردیے جائیں گے۔ بس ایک الجھن ہوگی کہ رام پور کی لائبریری بند پڑی ہے، اُس کا کیا بنے گا، یہ معلوم نہیں۔ خیر، دیکھا جائے گا۔ آپ پہلے منظوری کا خط لکھ دیجیے، تاکہ میں کمیٹی میں پیش کرکے اِن تفصیلات کو ضابطے کے اندر طے کرالوں اور پھر آپ کو باقاعدہ اطلاع دوں۔ کام آپ ابھی سے شروع کردیجیے۔ کیوں کہ پہلے تو اپنے ہاتھ سے آپ کو متن تیار کرنا ہوگا، وہ شروع کردیجیے، اختلاف کا احوال بعد کو طے ہوتا رہے گا۔ جو نسخے یہاں کتاب خانے میں ہیں، وہ آپ حاصل کرسکتے ہیں۔ کچھ نسخے آپ کے پاس بھی ہوں گے، اُن کی بنیاد پر کام شروع کردیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۹/اگست ۱۹۸۴ء

آپ کا لفافہ آج ہی ملا۔ شکر گزار ہوں۔ آپ کا خط اشاعتی سب کمیٹی کی میٹنگ میں پیش کر دیا جائے گا۔ میٹنگ شاید اگلے مہینے کے اواخر میں ہو سکے گی۔ اُس کے بعد باضابطہ آپ کو مطلع کر دوں گا۔ (اِس سال کے لیے اشاعتی سب کمیٹی کا چیرمین میں ہی ہوں)۔

ایک ضروری بات: ایوانِ غالب کی لائبریری میں جو کتابیں آپ کی فہرست میں سے موجود ہیں، وہ سب آپ کو دے دی جائیں گی۔ اب رہے عکس، تو رام پور کی صورت تو یہ ہے کہ ابھی لائبریری میں تالے پڑے ہوئے ہیں۔ جب لائبریری کھلے گی، تب وہاں کے نسخے کے متعلق کچھ کہا جا سکے گا۔

اب رہے علی گڑھ اور پٹنے کے نسخے، وہ سب آپ کو ملنا چاہیے، ضرور ملیں گے: لیکن جیسا کہ میں نے پچھلے خط میں لکھا تھا، اگر آپ بہ طورِ خود عکس حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تو جلد تر اور بہ آسانی مل جائیں گے۔ مثلاً آپ عابد رضا بیدار صاحب کو لکھیں گے یا علی گڑھ میں کسی کو لکھیں گے تو بہ آسانی مل جائے گا۔ خرچ سارا غالب انسٹی ٹیوٹ برداشت کرے گا۔ کراچی والے نسخے کے لیے مشفق خواجہ کی مدد لی جا سکتی ہے، وہ بہت عمدہ آدمی ہیں، فوراً مدد کریں گے۔ یہ کام اگر دفتر والوں پر چھوڑ دیا جائے گا، تو دفتر کا احوال آپ کو خوب معلوم ہے۔ اصل میں یہ کام میں اپنی کوشش سے اور اپنے ذوق کے مطابق کرانا چاہتا ہوں اور اِسی لیے میں نے آپ کے سپرد یہ کام کرنا چاہا ہے۔ جلدی کی ضرورت بھی نہیں، میں خود عجلت کا قائل نہیں۔ فسانۂ عجائب کا احوال آپ کو معلوم ہے۔ آپ دل لگا کر کام کیجیے، میں چاہتا ہوں کہ یہ آپ کا کام تدوین کے معیار پر پورا اُترے اور مثالی کام ہو۔ میں یہ بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ بعض نئے لوگ، ذمّے داری سے زیادہ آشنا ہیں اور زیادہ اہل ہیں، اور ٹھپّا لگے ہوئے دیوالیے اِس کے اہل نہیں کہ اُن کو کوئی اعلا ذمّے داری سونپی جائے۔

مخلص
رشید حسن خاں

پس نوشت:

سیمنار والا مضمون جو ہے وہ اگلے شمارے کے لیے۔ اس بار آپ کا بقیہ مضمون طویل تھا، اس لیے دوسرے مضمون کی شمولیت مناسب نہیں تھی۔ انصار اللہ صاحب کا طویل مضمون مولانا صہبائی پر تھا اُسے بھی روک لیا ہے اگلے شمارے کے لیے۔

ہاں، میری تجویز یہ ہے کہ کلیاتِ نظمِ فارسی دو جلدوں میں ہوں؛ ایک جلد میں غزلیں، رباعیاں، قطعات وغیرہ۔ دوسری جلد میں قصائد اور مثنویات۔ لیکن یہ قطعی تقسیم نہیں۔ کام مکمل ہونے پر صحیح فیصلہ کیا جاسکے گا۔ میری رائے یہ ضرور ہے کہ پہلے آپ غزلوں کا حصّہ شروع کریں۔ اِس میں جھگڑے بھی کم ہیں، نہ ہونے کے برابر۔

(۷)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۱۲/دسمبر ۱۹۸۴ء

عزیزِ مکرّم!

آپ کا خط اب سے پہلے ملا تھا، سخت شرمندہ ہوں کہ جواب بروقت نہیں لکھ سکا، دراصل اِن دنوں دہلی میں قیام ہی کم سے کم رہا۔ معذرت طلب ہوں۔

(۱) میں نے اپنے خط میں یہ بات واضح طور پر لکھی تھی کہ یہاں دفتر کا جو احوال ہے، اُس کے پیشِ نظر یہ ممکن ہی نہیں کہ عکسوں کی فراہمی یہاں سے ہوسکے۔ آپ اگر ان عکسوں کو بہ طورِ خود حاصل کرسکیں تب بات بنے گی۔ عکس بنوانے میں جس قدر خرچ ہوگا، وہ یہاں سے ملے گا۔ جب آپ اپنا کام مکمل کرلیں گے، تب وہ عکس انسٹی ٹیوٹ کے کتاب خانے میں جمع ہوجائیں گے۔ یہی عملی صورت تھی، اور ہے۔ میں نے یہ تجویز یوں پیش کی تھی کہ اِس طرح یہ کام ہوجائے گا، جو میری دلی خواہش ہے۔ اگر یہ کہا گیا کہ دفتر والے سب نسخوں کے عکس فراہم کریں، تو ظاہر ہے کہ یہ کام نہیں ہوسکے گا۔ اِس بنا پر کہ دفتر والے اِس کام کو نہیں کرسکیں گے۔ اُن میں سے کوئی بھی اِس گوں کا نہیں۔ اب آپ جو فیصلہ کریں۔ میرا جی

بہر حال یہی چاہتا ہے کہ آپ اِس کام کو انجام دیں۔ بہت سے دوسرے لوگ کر سکتے ہیں اِس کام کو، مگر اُسی طرح کریں گے جس طرح مثلاً سلیمان حسن صاحب نے فسانۂ عجائب کے متن کو مرتب کیا ہے، یا جیسے بعض بزرگوں نے کچھ کام انجام کو پہنچائے ہیں۔

(۲) بنیادی متن کے صفحہ ۶۶ سے ص ۷۱ تک کی جن تین غزلوں کی تعدادِ اشعار کے متعلق آپ نے دریافت کیا ہے، اِس سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ جس قدر نسخے میرے سامنے ہیں، اُن سب میں تعدادِ اشعار اُتنی ہی ہے جتنی اطہر پرویز والے نسخے میں ہے مثلاً اشاعتِ اوّل (۱۲۵۹ھ مطبعِ حسنی)، اشاعتِ دوم (۱۲۶۳ھ، مطبعِ حسنی)، اشاعتِ ۱۲۶۶ھ (افضل المطابع محمدی) اور سب سے آخر کی نظرِ ثانی شدہ نسخے ۱۲۸۰ھ (افضل المطابع) سب کا احوال ایک سا ہے۔

(۳) بنیادی متن کے ص ۹۲، ۹۳ کی جس غزل کے متعلق آپ نے دریافت کیا ہے، سو وہ غزل مذکورۂ بالا نسخوں میں سے کسی میں نہیں۔

(۴) میں نے بنیادی متن والے دونوں مخطوطے ابھی تک نہیں دیکھے۔ چوں کہ اِن سے متعلق بحث کو دوسری جلد میں آنا تھا، اِس لیے یہ سوچا تھا کہ جب پہلی جلد مکمل ہو جائے گی اور دوسری جلد کا کام شروع ہوگا، اُسی وقت اِس جلد سے متعلق مباحث پر کام شروع کیا جائے گا۔ جب پہلی جلد ہی کی تکمیل نہیں ہو پائی اور ذہن الجھ کر رہ گیا اور ہمت ٹوٹ سی گئی، تو پھر سارا کام وہیں کا وہیں رہ گیا۔ ساری امنگ اور لگن رو بہ خاک ہوگئی۔

آپ مضمون ضرور لکھیے، اِس سے مجھے بھی بہت مدد ملے گی۔ اگر کبھی صورتِ حال بدلی اور اِس کام کو دوبارہ شروع کیا، تو اُس وقت آپ کے اُس مضمون سے استفادہ کروں گا اور متعلق باتیں زیرِ بحث آئیں گی۔ مجھے آپ کے مضمون کا انتظار رہے گا۔ ایک درخواست یہ ہے کہ یہ مضمون جہاں بھی شائع ہو، ایک خط میں اُس رسالے کی نشان دہی ضرور آپ کر دیں، تاکہ میں اُسے حاصل کر سکوں۔ یہ میرے کام آئے گا۔

آپ کی یہ رائے ہے کہ یہ بنیادی متن دراصل تلخیص ہے اور یہ کسی دوسرے شخص کی کہی ہوئی ہے، بہت دل چسپ سوال ہے۔ یہ بات آپ کے ذہن میں ضرور ہوگی کہ اِس متن کے دو نسخے ملتے ہیں، خطّی، جن میں باہم بعض اختلافات بھی ہیں۔ اِس صورت میں یہ سوال پیدا ضرور ہوتا ہے کہ کیا دونوں نے ایک ہی نسخے سے تلخیص تیار کی ہے۔ اِس طرح یہ سب تین

نسخے ہوئے۔ یا دونوں الگ الگ نسخوں سے کام لیا ہے۔ اِس طرح سے کئی نسخے ہوئے۔ اگر ایک ہی اصل کی یہ دو تلخیصیں ہیں تو پھر اختلاف کیوں ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہ تلخیص کیوں تیار کی گئی؟ اُس عہد کے لکھنؤ پر نظر رکھیے تو معلوم ہوگا کہ اُس معاشرے کو اِس سادگی سے دل چسپی نہیں تھی۔

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اِن دونوں خطّی نسخوں میں سے اقدم کون ہے؟ میں نے دیکھے ہی نہیں، تو کیا کہوں۔ لیکن محمود الٰہی صاحب والا جو نسخہ ہے اُس کا مقابلہ اگر اشاعتِ اوّل سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو حصّے دونوں میں مشترک ہیں، اُن میں بھی دونوں میں عبارت کا اختلاف پایا جاتا ہے اور اشعار کا بھی۔ تلخیص میں یہ تو ہوتا ہے کہ اصل عبارت مختصر ہو جاتی ہے اور بعض لفظ بھی بدل سکتے ہیں، مگر یہ کیسے ہوگا کہ عبارت ہی بدل جائے۔

یہ تو طے ہے کہ 'بیانِ لکھنؤ' کا حصّہ بہت بعد کو بڑھایا گیا ہے، اُسی وقت جب سرور نے اِسے حاکمِ وقت کے سامنے پیش کرنا چاہا۔ اور مقدمۂ کتاب کے اجزا میں بھی کئی بار تبدیلیاں ہوئی ہیں اور بعض اجزا کے اضافے کیے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر جو بے جوڑپن نمایاں ہے، وہ انھی اضافوں کا مرہون ہے۔ میں آپ کے اِس خیال سے مکمّل اتفاق کرتا ہوں کہ یہ اضافے ''بدسلیقگی'' کے ساتھ کیے گئے ہیں، لیکن ذمّے دار اِن سب کے سرور ہی ہیں۔

اب تک میرا یہی خیال ہے کہ سرور کو شروع میں محض ایک مختصر اور سادہ سی داستان کہنے کا خیال آیا تھا۔ اُس میں صنعت گری اور نمک مرچ کا اضافہ بعد کو کیا گیا ہے۔

علی گڑھ کا احوال معلوم ہوا۔ تحقیق اور کلاسیکیت کی اب کسی کو ضرورت نہیں۔ یہی کہا جا سکتا ہے۔ افسوس!!

خدا کرے آپ مع متعلّقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
ٹی. بی. ۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷

۲؍جنوری ۱۹۸۸۵ء [5]

برادرم!

نیا سال مبارک!

خط مرقومہ ۲۰؍دسمبر ۸۵ء ملا تھا۔ جواب میں تاخیر یوں ہوئی کہ آنکھوں میں تکلیف بڑھ گئی تھی۔ ڈاکٹر نے پہلے تو ستر روپے فیس لی اور پھر یہ بتایا کہ موتیابند کا آغاز ہے، اور علاج صرف ایک ہے، یعنی آپریشن، جب بھی ہو۔ سخت پریشانی کا احوال رہا۔ پریشانی اِس پر نہیں کہ آنکھیں خراب ہوئیں، پریشانی اِس کی ہے کہ اِس کا حاصل کچھ نہیں۔ میں بڑی شدّت سے یہاں یہ محسوس کرتا رہا ہوں کہ کسی شخص کو اچھے کام کی ضرورت نہیں، بل کہ اب یہ رجحان بڑھ رہا ہے کہ کام کرنے والوں کی ہمت شکنی کی جائے مختلف طریقوں سے؛ کیوں کہ یہ ایک دو سخت جان دوسرے بہت سے کام نہ کرنے والوں کو گویا آئینہ دکھاتے رہتے ہیں اور حقیر بھی سمجھتے ہیں۔ جب سب ایک ہی حمام میں آجائیں گے، تب کہیں سکون ملے گا اور ادبی حرام خوری کا احساس گویا مٹے گا۔ آپ کا خط پڑھ کر بڑی تسکین ہوئی ''مرگِ انبوہ'' والی تسکین۔ اساتذہ نے لکھنا اور پڑھنا چھوڑ دیا ہے، پھر اور کس سے کہا جائے! اظہارِ افسوس کے سوا کیا کیا جائے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک بیماری سی ہے کچھ کیے جانے کی، اُس سے مجبور ہوں؛ مگر اب ہمت گویا ٹوٹنے لگی ہے اور ناامیدی بڑھنے لگی ہے۔

اب اصل بات: محمود الٰہی صاحب نے یہ ستم کیا ہے کہ اپنے نسخے میں اختلافِ نسخ کو شامل نہیں کیا، جو دونوں نسخوں کے مشتملات کی صحیح صورتِ حال سامنے آتی۔ یہ بڑی کمی ہے۔ بس اُنھوں نے یہ لکھا ہے کہ نسخۂ ہاشمی صاحب میں دیباچہ موجود نہیں، جب کہ اُس نسخے میں موجود ہے جو اُن کے سامنے ہے۔ یہ اہم اختلاف ہے اور بہ ظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نسخے دو مختلف نسخوں کی نقل ہیں، ورنہ دیباچہ چھوڑ دیے جانے کا بہ ظاہر کوئی جواز نہیں معلوم ہوتا۔ مطبوعہ نسخے میں وجہِ تالیف کے ذیل میں کان پور آنے کے ذیل میں ''بہ طرزِ نامعقول وجہِ مجہول'' لکھا ہے، جب کہ عام نسخوں میں تلاشِ معاش کے حیلے میں ملتا ہے۔ یہ تلخیص نہیں، تبدیلی ہے اور مصنف ہی اِس کا ذمّے دار ہے۔ کان پور سرور کو بھیجا گیا تھا، وہ خود گئے نہیں تھے، اور وہ بھیجا جانا بہ طورِ سزا کے تھا، ''طرزِ نامعقول وجہِ مجہول'' اُس صورتِ حال کو بہ خوبی ظاہر کرتا تھا، بعد میں جب نصیر الدّین حیدر کے سامنے (بل کہ اُس

سے پہلے غازی الدّین حیدر کے سامنے) اسے پیش کرنے کا خیال اُن کو ہوا ہوگا، تب اُنھوں نے اِس کو بدلا ہوگا۔ اسی طرح مختلف مقامات پر جو تبدیلیاں ہیں، وہ تلخیص کو ظاہر نہیں کرتیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِن کو بدلا گیا ہے۔ پھر یہ دیکھیے کہ محمود الٰہی صاحب والے نسخے کے ترقیمے میں سالِ نقل ۱۲۵۵ھ ہے، گویا طبعِ اوّل سے صرف ۴ سال پہلے۔ یہ طے ہے کہ سرور اکثر تبدیلیاں اِس سے پہلے کر چکے تھے اور بیانِ لکھنؤ کو بھی لکھ چکے تھے اور میر امن والا قضیہ بھی شاملِ دیباچہ ہو چکا تھا۔ عہدِ نصیر الدّین حیدر میں)، نصیر الدین حیدر کے مرنے کے بعد اُنھوں نے بعض مقامات کو پھر بدلا اور بیگمات کے لیے اِسے طنزیہ الفاظ بل کہ توہین آمیز الفاظ ہجوِ ملیح کے طور پر لکھے، جن کو وہ نصیر الدین حیدر کے جیتے جی نہیں لکھ سکتے تھے۔ یہی احوال بندر کی تقریر کا ہے، جو قطعی طور پر نصیر الدّین حیدر سے متعلق ہے۔ غرض کہ ۱۲۵۵ھ میں بہ ظاہر اِس کا کوئی جواز نظر نہیں آتا کہ ایک شخص نہیں، دو دو شخص تلخیص کریں ایسے نسخے کی، جو اُس وقت تک شہرت پا چکا ہو اور بادشاہ کے سامنے پیش بھی کیا جا چکا ہو۔ میری یہ قطعی طور پر رائے ہے کہ سرور نے بالکل شروع میں ایک کہانی کہی تھی داستانی طور پر، اور یہی اُس کی پہلی روایت تھی۔ بعد کو جب اُن کو یہ خیال آیا کہ اِس کو کتاب کی صورت میں حاکمِ وقت کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے اور لکھنؤ واپسی کی صورت بن سکتی ہے، تب اُنھوں نے اس کو قاعدے سے لکھا، اور پھر بار بار لکھتے رہے۔ اُس روایتِ اوّل کی کئی نقلیں ہوئی ہوں گی، اور ایسی ہی ایک نقل کی وہ نقل ہے جو گورکھ پور میں محفوظ رہ گئی اور دوسری نسخۂ ہاشمی صاحب کی صورت میں ملتی ہے۔ چوں کہ اُس وقت تک کتاب چھپی نہیں تھی؛ اِس لیے جس کی جو نقل ملی، اُس نے اُسی کو اصل چیز سمجھا۔

اب رہا فیروز صاحب والا مضمون، تو وہ عدمِ معلومات کی پیدا کردہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اُنھوں نے یہ بھی ستم کیا ہے کہ اِس سلسلے کے ضروری نسخوں کو بھی نہیں دیکھا۔ اگر دیکھ لیتے تو یہ مضمون لکھتے ہی نہیں، یا اس طرح نہ لکھتے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ ۱۲۶۷ھ میں کان پور سے فسانۂ عجائب کا ایک نسخہ شائع ہوا تھا مطبعِ محمدی سے، بہ اہتمام ”حاجی حرمین مولوی محمد حسین“۔ یہ سرور کا نظرِ ثانی کردہ تھا۔ اس کے آخر میں سرور کی نثر خاتمہ موجود ہے، جس میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ [سرور کا ایک مقرر طریقہ یہ رہا ہے کہ جو نسخے اُن کی نظرِ ثانی کے ساتھ چھپے ہیں، اُن کے آخر میں اُنھوں نے نثری عبارت ضرور شامل کی ہے اور اُس میں اس

کی وضاحت کی ہے کہ میں نے اِس نسخے پر نظرِ ثانی کی ہے اِسی طرح جو نیا نسخہ (نظرِ ثانی شدہ) اگر کسی نئے مطبعے میں چھپا ہے، تو دیباچے میں جہاں مطبعوں کا ذکر ہے، وہاں پُرانے مطبعے کا نام نکال کر، اِس نئے مطبعے کا نام بھی لکھ دیا ہے] ۱۲۶۷ھ والے اِس زیرِ بحث نسخے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اِس میں سرورؔ نے اِس قدر تبدیلیاں کی ہیں، کہ یہ گویا ایک نیا نسخہ بن گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ داستانوں کی سرخیاں تک بدل دی ہیں۔ [مگر اس نسخے نے فروغ نہیں پایا، کیوں کہ سرورؔ نے ۱۲۷۰ھ میں جب پھر نظرِ ثانی کی، تو اِن سب تبدیلیوں کو گویا کالعدم قرار دے دیا اور اشاعتِ ثانی ۱۲۶۳ھ کی مطابقت اختیار کی، معمولی ترمیوں کے ساتھ] چوں کہ یہ نسخۂ ۱۲۶۷ھ اِس سے پہلے کے نسخوں سے بہت کچھ مختلف ہو گیا تھا تبدیلیِ عبارت کے لحاظ سے، اِس لیے دو مطبعے دونوں نے یہ کیا کہ اِس نسخے کو اپنے یہاں چھاپ لیا۔

۱۲۷۲ھ میں اِسے چھاپا کان پور ہی کے ایک پریس نے، جس کے سرورق پر یہ مرقوم ہے: ''حسنِ سعیِ فضل حسین عرف محمد فیض لکھنوی سے مطبعِ جمناداس بلدیو سہائے میں چھپی''۔ سرور نے نسخۂ ۱۲۶۷ھ کے آخر میں جو نثرِ خاتمہ لکھی تھی، اور جس میں یہ لکھا تھا کہ میں نے حاجی محمد حسین کے کہنے پر اس پر نظرِ ثانی کی ہے، یہ پوری عبارتِ نثرِ خاتمہ اِس جعلی نسخے میں اُسی طرح چھپی ہے، بس فرمایش کرنے والے کا نام بدل دیا گیا ہے اور یوں لکھ دیا گیا ہے کہ: ''بالفعل اس کے چھاپنے کا قصد دلِ صفا منزل میں لالہ جمناداس ادام اللہ اقضالہم کے کیا، بس کہ لالہ موصوف بہ صفاتِ پسندیدہ معروف ہیں''۔ خط کشیدہ ٹکڑے بدلے ہوئے ہیں، باقی ساری عبارت وہی ہے جو نسخۂ ۱۲۶۷ھ میں ہے۔ یہ کھلا ہوا جعل ہے اور تجارتی غرض سے یہ جعل میں آیا ہے۔

اِس نسخے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف نسخۂ ۱۲۶۷ھ کے مطابق ہے، یہاں تک ہر صفحے کا آخری لفظ بل کہ ہر سطر کا آخری لفظ وہی ہے جو نسخۂ ۱۲۶۷ھ میں ہے، یعنی سطر بہ سطر اور صفحہ بہ صفحہ نقل ہے مطابق اصل کے۔ کاتب نے پوری طرح پابندی کی ہے کہ کسی ایک سطر میں بھی ایک لفظ بھی گھٹنے یا بڑھنے نہ پائے اور وہی مسطر رکھا ہے جو نسخۂ ۱۲۶۷ھ کا ہے۔ آج اگر یہ نسخہ اس طرح چھپا ہوتا تو یہی کہا جاتا کہ فوٹو کاپی ہے اُس نسخے کی۔

دوسری اشاعت وہ ہے جس پر فیروز صاحب نے مضمون لکھا ہے۔ اُنھوں نے ازراہِ

عنایت اپنے نسخے کے دس بارہ صفحوں کے عکس مجھے بھیج دیے تھے اپنے اُستاد محمود الٰہی صاحب کی سفارش پر اور بعد کو میری اور قمر رئیس صاحب کی فرمایش پر۔ اُن کو پڑھ کر اور اُن کا مقابلہ کر کے میں نے قمر صاحب اور محمود الٰہی صاحب کو مطلع کر دیا تھا کہ یہ کوئی نیا نسخہ نہیں۔ یہ نسخہ ۱۲۶۷ھ کی لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف نقل ہے، جس کو اِس طرح چھاپا گیا ہے جیسے سرور کا یہ نظرِ ثانی کردہ نسخہ ہو اور میں نے تاکید کردی تھی فیروز صاحب کو مطلع کر دیا جائے۔ معلوم نہیں اُنھوں نے مطلع کیا یا نہیں، مگر فیروز صاحب کا مضمون جب میں نے پڑھا تو اندازہ ہوا کہ یا تو اُنھیں مطلع نہیں کیا گیا، یا پھر اُنھوں نے ایک ''نئی چیز'' سے دست برداری کو آسانی سے قبول کرنا پسند نہیں کیا۔ یہ مضمون بہ یک وقت ''آجکل'' اور ''اکادمی'' دونوں رسالوں میں چھپا ہے۔ مختصر یہ کہ فیروز صاحب نے جس نسخے پر مضمون لکھا ہے، وہ دراصل نسخۂ ۱۲۶۷ھ کی نقل ہے، جس کو پریس والوں نے اِس طرح پیش کیا ہے، جیسے یہ کوئی ایسا نسخہ ہے جس پر سرور نے نظرِ ثانی کی ہے۔ یہ بھی تجارتی اغراض کے تحت کیا گیا ہے۔ اصل نسخہ ۱۲۶۷ھ والا ہے، جس کو اِن دو مطبعے والوں نے اپنے اپنے یہاں اِس طرح چھاپا ہے کہ دونوں نسخے سرور کے نظرِ ثانی کردہ معلوم ہوتے ہیں؛ مگر یہ کھلا ہوا جعل ہے۔

جین صاحب کے مضمون سے مجھے البتہ ایک نئے نسخے کا علم ہوا، جو دیوانِ جانصاحب کے حاشیے پر ہے۔ میں اس نسخے سے واقف نہیں تھا، اب میں نے اِس کے دو نسخے حاصل کر لیے ہیں اور دونوں فی الوقت میرے پاس ہیں۔ لیکن اب یہ بھی سوچتا ہوں کہ یہ سب کارِ لاحاصل ہے۔ یہ سب میرے بنائے ہوئے خاکے کے مطابق، دوسری جلد کا مال مسالا ہے، اور یہاں پہلی ہی جلد چھپتی نہیں معلوم ہوتی۔ اُسی کا مقدمہ نہیں لکھا گیا، اور اب کیا لکھا جائے گا، جب کہ بہت سی باتیں پچھلے دو سال میں ذہن سے نکل چکی ہیں اور اُن کی جگہ مایوسی نے گھیر لی ہے۔ میں آپ سے سچ کہوں، کہ اب کام کرنے کو جی بالکل نہیں چاہتا۔ اِس ''متاعِ فاسد'' کا یہاں اب کوئی خریدار نہیں۔ تحقیق اور تدوین کی حیثیت اب ''طوافِ کوے ملامت'' کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔ افسوس، صد افسوس!!

معاف کیجیے، خط طویل ہو گیا، آپ کا بہت سا وقت اِس کی نذر ہو گا، اِس کی معذرت۔ اِس کی رسید سے ضرور مطلع کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

ہاں آپ کے خط میں ظفر احمد صدیقی کا کام بھی آ گیا ہے۔ اِن صاحب نے اپنی کتاب مجھے بھیجی تھی ازراہِ لطف۔ ان کی تحریریں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آدمی ذہین بھی ہیں اور سمجھ دار بھی۔ پڑھتے ہیں اور بات کو سمجھتے بھی ہیں۔ جی خوش ہوا اِس کتاب کو پڑھ کر۔ اگر غالب نامہ میرے قابو میں ہوتا تو میں اِس کتاب پر تبصرہ ضرور لکھتا۔ ہاں یہ دُعا ضرور ہے کہ زمانے کی نظر سے یہ بچے رہیں اور سنجیدگی برقرار رہے۔ دیر تک صبر کرنا اور دور تک چلتے رہنا خاصا مشکل کام ہے، خدا اِس کی توفیق عطا کرے۔

(۹)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۵ رستمبر ۱۹۸۵ء [۹]

برادرم!

آپ کا خط ملا تھا۔ نثرِ خاتمہ کی نقل بھیج رہا ہوں۔ دوبارہ نقل کرنا اب میرے لیے مشکل تھا۔ نظر روز بہ روز خراب ہوتی جارہی ہے اور اب رات میں کام نہیں ہوتا؛ اِس لیے پرانی نقل، جو کتابت کے لیے تیار کی گئی تھی، اُسی کو بھیج دے رہا ہوں۔ چوں کہ یہ مسودے کا جز ہے، اِس لیے میری درخواست ہے کہ آپ اِسے واپس ضرور کردیں، تاکہ مسودے میں اپنی جگہ پر یہ شامل رہے۔ میں نے چوتھی اور پانچویں دونوں کی اشاعتوں کی نقل روانہ کی ہے، اِس لیے کہ دونوں میں اکثر قصہ مشترک ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ اِس سے آپ کا مقصد پورا ہوجائے گا۔

ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کہ ''جنگل میں'' والا شعر خود میر امن کا ہے۔ احتیاطاً دریافت کیا تھا۔ مجھے آپ کی اِس راے سے اتفاق ہے کہ ''نہیں محتاج زیور کا...'' یہ شعر اصلاً آبرو ہی کا ہے، بعد کو اس میں تصرف ہوتا رہا اور یہ شکل بن گئی۔

اب ایک بات اور: ''ستھورا، اَچھوانی'' متعارف چیزیں ہیں جو زچہ کو دی جاتی ہے: میر امن نے ''ستھوارا'' لکھا ہے: ''ستھوارا اچھوانی''۔ سب نسخوں میں یہی ہے۔ مولوی عبدالحق والے نسخے میں بھی یہی ہے۔ پلیٹس کے تحت میں ''سٹھورا'' اور ''ستھوارا'' دونوں لفظ موجود ہیں اور فاربس کے تحت میں بھی۔ کیا پوربی اضلاع میں یہ لفظ کبھی سنا گیا ہے؟ میں یہ فرض کرلیتا کہ یہ طباعت کی غلطی ہے، لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں

''سَتھوَ ارا چھوانی'' چھپا ہوا ہے۔ اِس کے غلط نامے میں ''چھوانی'' کی تصحیح کی گئی ہے اور ''اچھوانی'' لکھا گیا ہے، اِس کا واضح طور پر مطلب یہ ہے کہ یہ مقام غلط نامہ تیار کرنے والے کی نظر میں تھا۔ اگر ''ستھوارا'' غلط ہوتا، تو اس کی بھی تصحیح ہوتی، یعنی دونوں لفظوں کی تصحیح ہوتی۔ چوں کہ ایسا نہیں، اِس سے نتیجہ بہ ظاہر یہی نکلتا ہے کہ ''ستھوارا'' بجائے خود درست ہے۔

اور ہاں، یہ شعر کس کا ہے:

اِس دردِ دل سے موت ہو، یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہو، الٰہی شتاب ہو

اِس خط کی رسید بھیجیے تا کہ یہ اطمینان ہو کہ یہ کاغذ آپ تک پہنچ گئے۔

اور بھائی! آپ پنڈتوں کے شہر میں رہتے ہیں، کیا کوئی مہاشے آپ کے شناسا ہیں وہاں، یعنی دانش گاہ میں، یہ دوہا:

''چلتی چکّی دیکھ کر دیا کبیرا روئے
دو پاٹن کے بیچ آ ثابت گیا نہ کوئے

یہ دوہا کبیر ہی کا ہے؟ مجھے یہ بتایا گیا تھا کبھی کہ کبیر سے منسوب بھی کچھ کلام ایسا ہے جو قابلِ اعتبار نہیں۔ اور کیا اِسی طرح ہے؟ کوئی لفظی فرق تو نہیں؟

میری خاطر زحمت گوارا فرمایئے۔ یہاں ہندی کے ایم اے بہت ہیں، پی ایچ ڈی بھی ہیں، مگر... جو پڑھے لکھے ہیں، اُن تک میری رسائی نہیں، اور میں خود ہندی جانتا نہیں۔ آپ کو زحمت نہ دوں تو کیا کروں!

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۳ر اکتوبر ۱۹۸۵ء دلی

برادرم!

خط آپ کا مل گیا تھا۔ جن مقامات پر حاشیے میں آپ نے اختلاف کی نشان دہی کی

ہے، اُن کو میں نے نوٹ کرلیا ہے۔ اِس کے لیے شکر گزار ہوں۔ البتہ یہ عرض کروں کہ اصل نسخے میں ''لال'' ہی ہے ''دلعل'' نہیں۔ اِسی لیے میں نے ''لال'' لکھا ہے۔ ''دلعل'' کے معنی میں ''لال'' بھی لغت میں ملتا ہے، یوں اصل سے انحراف روا نہیں رکھا۔ دوسرے مقام پر میری رائے میں ''مکروہاتِ زمانۂ ناہنجار'' ہی مرجح ہے، ''مکروہات'' کے بعد کاما نہیں آنا چاہیے۔ اطہر پرویز مرحوم کے نسخے میں کاما کا احوال بہت تباہ ہے، اِس لیے اُس نسخے کے کاما پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اصل نسخے میں تو اعراب و علامات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اِن کا احترام تو مرتّبین کا کام ہے۔

میرے پاس ۱۲۶۷ھ والا جو نسخہ ہے، اُس کے آخری صفحے کے بائیں حاشیے پر صفحے کی لمبائی میں چیپی لگی ہوئی ہے، یوں کہ اُتنا حصّہ ضائع ہوگیا ہوگا، ''اور لاجواب'' میں اب جو دیکھتا ہوں تو ''اور'' اسی چیپی کے نیچے ہوگا، یوں چھوٹ گیا۔ ''یہ فقط'' میں ''یہ'' مجھ سے چھوٹ گیا۔ اِس کے لیے آپ کا شکریہ، میں نے اپنے یہاں تصحیح کرلی ہے، اور جب اس حصّۂ متن کی کتابت ہوگی، تو اپنے پیش نظر رکھا جائے گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ کبھی کبھی خط ضرور لکھا کیجیے، انتظار رہتا ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

کبیر کے اُس دوہے کے متعلق تفصیل کا انتظار ہے۔

(۱۱)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

گائڑ ہال

۲۴/اکتوبر ۱۹۸۵ء[۱۱]

برادرم!

آج آپ کا خط ملا۔ میں نے دو تین دن پہلے ہی شعبے کے پتے پر مفصّل خط لکھا ہے آپ کو۔ اِس خط کو محض اِس دوسرے خط کی رسید سمجھیے۔ کبیر کے دوہے کے لیے شکر گزار ہوں۔ اِسی حوالے سے یہ درجِ کتاب ہوگا۔ اردو کے اُس شعر کی تلاش ضروری ہے۔ آپ نے جو اختلافات عبارتِ خاتمہ سے متعلق میرے کاغذ کے حاشیے پر لکھے تھے، اُن کے متعلق

اُس خط میں لکھ چکا ہوں۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور یہ خط آپ کو مل جائے۔

رشید حسن خاں

اور ہاں، آج معلوم ہوا کہ حیدر آباد میں مجاہد صاحب پروفیسر ہو گئے اور جموں میں عابد پیشاوری صاحب۔

(۱۲)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

گائر ہال

یکم نومبر ۱۹۸۵ء [۱۲]

برادرم!

آج ہی آپ کا خط ملا۔ اشعار کی تلاش کے لیے شکر گزار ہوں۔ میری فرمایش پر آپ جس طرح اور جس قدر زحمت گوارا کرتے ہیں، اُس کا نقش میرے دل پر ہے۔ مجھے آپ کی اِس بات سے مکمّل اتفاق ہے کہ پروفیسری اب وجہِ اعزاز اور وجہِ تخصیص نہیں رہی۔ ایسے ایسے لوگ اِس منصب پر سرفراز ہو چکے ہیں کہ اب اِس لفظ کو سابقے کے طور پر استعمال کرنا سودا کے الفاظ میں ''مبتذل بند'' بننا ہے۔ آپ کے فیصلے سے مجھے اتفاق ہے، اچھا ہی کیا آپ نے کہ انٹرویو میں شرکت نہیں کی۔

اب ایک ضروری مشورہ طلب بات:

پرسوں اربابِ بست و گشاد سے مفصّل گفتگو کے بعد یہ امکان پیدا ہو گیا ہے کہ فسانۂ عجائب اشاعت سے روشناس ہو جائے شاید۔ ابھی ''شاید'' ہے، مگر قوی امکان ضرور ہے۔ اب جو کئی مشکلیں درپیش ہیں، اُن میں سے ایک تو یہ ہے کہ مقدّمہ میں نے اُس وقت لکھا نہیں تھا۔ پہلا صفحہ لکھا تھا کہ وہ جھگڑا بدنیتی والا شروع ہو گیا تھا۔ قلم رُک گیا تھا۔ اب اس دو تین برس کی مدّت میں بہت کچھ ذہن سے نکل گیا ہے۔ خیر، اس کا علاج تو یہ ہو سکتا ہے کہ اب وہ مختصر ہو۔ مگر دوسری مشکل اصلی ہے اور وہ ہے فائنس کا مسئلہ۔ فائنس والوں کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔ اس کی ضمانت ہے 700 صفحات، خرچ اِس پر تیس ہزار کے لگ بھگ آئے گا۔ اتنی رقم کے دینے میں وہ آنا کانی کریں گے (یہ معلوم ہوا ہے) اب اختصار کس طرح ہو۔ یہی ہو سکتا ہے کہ حواشی میں سے بعض اجزا کو کم کیا جائے، تا کہ بہ قدر سو صفحے

کے ضخامت کم ہو جائے۔ ہاتھ پتھر تلے والا معاملہ ہے یہ، اور بے چارگی کا مرحلہ ہے یہ۔ اختلافِ نسخ کا ضمیمہ ۲۵ سطری مسطر کے نوّے صفحوں میں آیا ہے۔ یہاں مشورہ یہ دیا گیا ہے کہ اِس حصّے کو گویا کالعدم قرار دے دیا جائے۔ ترکیب یہ بتائی گئی ہے کہ اصل مسئلہ اِس کتاب میں ''بیانِ لکھنؤ'' کا ہے، اس مکمل حصّے کو، یعنی متن کے شروع کے تیس بتّیس صفحوں کے اختلافِ نسخ کو برقرار رکھا جائے۔ یہ ۱۵، ۱۶ صفحوں میں آجائے گا۔ باقی اجزا کو نکال دیا جائے، متن کے ہر صفحے پر اختلافِ نسخ کے نمبر شمار پڑ چکے ہیں، اس کے لیے یہ طے کیا جارہا ہے کہ اُن پر سفید الگا دیا جائے۔

تدوین کے اصول کو اگر سامنے رکھا جائے تو یہ ناقابلِ قبول صورت ہے، مگر میں یہاں مجبورِ محض ہوں۔ اگر اس پر راضی نہیں ہوتا ہوں تو یہ یوں ہی رکھا رہے گا اور میرے رٹائرمنٹ کے بعد خدا جانے اِس کی کیا گت بنائی جائے گی۔ ۱۵، ۲۰ صفحے دوسرے ضمیموں میں سے کم کیے جائیں۔ اس طرح سو صفحوں کا حساب برابر ہو۔ یوں لاگت میں کمی آسکتی ہے اور کاغذ پر یہ دکھایا جاسکتا ہے کہ اب اس سے زیادہ کفایت شعاری ممکن نہیں۔

اب آپ مجھے برادرانہ اور مخلصانہ مشورہ دیجیے کہ کیا کروں؟ اور ہاں، یہ بات آپ ہی تک رہنا چاہیے۔ میں آپ کے مشورے کا منتظر ہوں۔ معروف والے شعر کے متعلق مجھے کچھ کہنا ہے، مگر اس کے بعد کسی خط میں۔

مخلص

رشید حسن خاں

اور ہاں، یہ پتا کیا بدل گیا ہے؟ پچھلے خط میں تو کوئی کٹرا تھا، اب دال منڈی ہے۔ میرا جی چاہا کہ کتابت شدہ دو چار صفحوں کا عکس بھی آپ کو بھیج دوں۔ یہ کتابت ڈیوڑھے پر کرائی گئی ہے، جب کتاب چھپے گی تو رڈیوس ہو کر مناسب سائز بن جائے گا۔ ذرا اِسے دیکھیے۔ آپ دیکھیں کہ جہاں کاما نہیں آسکتا، وہاں دو ایسے لفظوں کے درمیان فصل چھوڑا گیا ہے جن کو میں الگ الگ رکھنا چاہتا تھا۔ پوری کتاب میں اِس کی پابندی کی گئی ہے۔ علامات اور رموزِ اوقاف کو پابندی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ چوں کہ اردو میں عموماً اِن کا رواج نہیں، اِس لیے کچھ لوگوں کو اجنبیت کا احساس بھی ہوسکتا ہے اور بعض حضرات اختلاف بھی کرسکتے ہیں، مگر یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ میں نے از اوّل تا آخر اضافت کے زیر اور تشدید کی ہی مکمل پابندی

کی ہے۔ آپ اِس میں تین طرح کے نشان دیکھیں گے (۱) X جس لفظ پر یہ نشان ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس لفظ سے متعلق ''ضمیمہ تلفظ و املا'' میں بحث کی گئی ہے کہ اِس لفظ پر یہ اعراب کیوں لگائے گئے ہیں یا یہ املا کیوں ہے۔ (۲) + اِس نشان کا مطلب ہے کہ ''ضمیمہ تشریحات'' میں جملے کے کس پہلو پر گفتگو کی گئی ہے یا ایسی کوئی اور بات ہے جو تشریح طلب ہے۔ اور (۳) ○ اس نشان کا تعلق اشعار کے انتساب سے ہے، جس کا ضمیمہ الگ ہے۔ کُل سات ضمیمے ہیں۔

میرا تو خیال یہ ہے کہ اردو میں کسی کلاسکی نصابی متن کو اِس اہتمام کے ساتھ اب تک نہیں چھاپا گیا ہے۔ میرے مخاطب دراصل طلبہ ہیں، جو اب فارسی سے قطعی ناواقف ہیں، اِس لیے بعض ایسے الفاظ پر بھی آپ اعراب دیکھیں گے جو ویسے غیر ضروری معلوم ہوں گے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ آج کا نیا اُستاد بھی اِسی قدر بے چارہ ہے۔ میرے علم کے مطابق دہلی یونی ورسٹی کے کالجوں میں پچھلے دس سال میں جس قدر اساتذہ کا تقرر ہوا ہے، اُن میں سے کوئی ایک بھی متن کو صحت کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا۔ یہ مبالغہ نہیں، حقیقت ہے۔

بہت بُرا احوال ہے میرے بھائی!

اب آپ ذرا اپنی رائے لکھیے

(۱۳)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۴ نومبر ۱۹۸۵ء [۱۳]

برادرم!

آج صبح لفافہ حوالۂ ڈاک کر کے آیا تو دوپہر کو آپ کا خط ملا۔ فوری طور پر پریشانی یہ لاحق ہوئی کہ آپ نے اپنے پچھلے خط میں پتے میں ''دال منڈی'' لکھا تھا، سو میں نے یہ خط اسی پتے پر بھیجا ہے، اب اِس خط میں جو ابھی ملا ہے، آپ نے ''ریشم کٹرا'' لکھا ہے (جو اس سے پہلے بھی آپ لکھ چکے ہیں) اب میں حیران بھی ہوں اور پریشان بھی کہ یہ لفافہ میرا کہاں پہنچے گا؟ اس میں میں نے باغ و بہار کے ۵ کتابت شدہ صفحات کا عکس بھی ملفوف کیا تھا، اور ایک نہایت ضروری مشورہ طلب کیا تھا۔ بھائی! فوراً لکھیے کہ میرا وہ لفافہ ملا یا نہیں، اور یہ کہ اِن دونوں میں سے اصل پتا کیا ہے، ریشم کٹرا، یا دال منڈی۔

خدا کرے یہ خط آپ کو فی الفور مل جائے اور آپ اُس لفافے کا کھوج لگا سکیں۔

یہ شعر باغ و بہار ہی کی ترتیب کے سلسلے میں میں نے پوچھا تھا۔ معروف سے انتساب میری نظر میں صحیح نہیں تھا، جس کی طرف اشارہ اُس خط میں، جسے صبح پوسٹ کیا ہے، کر چکا ہوں۔ یہ لکھا تھا کہ پوری بات اگلے خط پر لکھوں گا، سو خود آپ کا خط آ گیا۔ اب بات واضح ہے۔ فرہنگ والی بات میں نے نوٹ کر لی ہے، انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

خط فوراً لکھیے تاکہ میری پریشانی دور ہو۔

پس نوشت: شاید میں لکھ گیا ہوں کہ عکس باغ و بہار کے صفحوں کا ہے، مجھ سے سہو ہوا، فسانۂ عجائب کے صفحوں کا ہے۔ باغ و بہار کی کتابت بھی شروع ہو چکی ہے، اس کا عکس بعد میں بھیجوں گا۔

(۱۴)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۵؍نومبر ۱۹۸۵ء[1]

برادرم!

آپ کا خط ملا، اطمینان ہوا۔

آپ کا مضمون 'غالب نامہ' میں کیوں نہیں چھپے گا۔ ضرور چھپے گا، مگر ایک مشکل یہ ہے کہ آپ جو یہ چاہتے ہیں کہ جنوری کے شمارے میں آ جائے تو یہ ممکن نہیں ہو سکے گا۔ بات یہ ہے کہ ۲۲؍دسمبر کو سمینار ہے (حسبِ معمول) اور اُس میں روایت کے مطابق غالب نامہ بھی پیش کیا جاتا ہے اور یوں یہ شمارہ ہمیشہ شروع دسمبر تک تیار ہو جایا کرتا ہے۔ اگر آپ ذرا پہلے مجھے لکھ دیتے تو میں اس کا انتظام کر لیتا۔ پروفیسر نذیر احمد اسی ماہ امریکہ گئے ہیں اور ان کے جانے سے پہلے مجلس ادارات کی میٹنگ کر لی گئی تھی تاکہ آخری طور پر اس شمارے کو مکمل کر لیا جائے۔ اب صورت یہ ہے کہ ۸۶ء کی پہلی ششماہی کا شمارہ تو سمینار کے مقالات پر مشتمل ہوگا جیسا کہ ہوتا ہے، اس میں تو جگہ نکل نہیں پائے گی، البتہ دوسرے شمارے میں یہ مقالہ شائع ہوگا۔ اب جیسی آپ کی رائے ہو۔

آف پرنٹس کے متعلق میرا خیال ہے کہ آیندہ شمارے سے پہلے مجلسِ ادارت اِس سلسلے میں اِس بار کو کچھ نہ کچھ ضرور طے کرے گی۔ غالباً ۵ آف پرنٹس دیے جا سکیں گے۔

آپ کا مشورہ صائب ہے۔ ہاں کتاب کا سائز مختصر نہیں ہو سکتا، اختلافِ نسخ کا حصّہ الگ کرنا ہوگا۔ دعا کیجیے کہ اسی طرح یہ کتاب چھپ جائے۔

'اکادمی' مل گیا، مضمون پڑھ لیا۔ صاحب! آپ کے مضمون کی خوبی اور کام یابی یہ ہے کہ اُس نے اس سوال کو بے طرح چھیڑ دیا ہے اور بُری طرح شک پیدا کر دیا ہے۔ مجھے پسند آیا۔ البتہ جب آپ اس پر نظرِ ثانی کریں کبھی، تو اِس پہلو پر ذرا تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے کہ دو مختلف نسخے اس کے کس طرح بن گئے، اگر یہ کسی فرد کی کارگزاری تھی کہ اُس نے اپنے ذوق کے مطابق اِس کو سانچے میں ڈھال لیا تو یا تو وہ ایک دوسرے کی نقل ہیں، تب ٹھیک ہے، یا پھر کوئی اور صورت ہے۔ یہ سوال ذرا تفصیلی بحث کا متقاضی ہے۔

ہاں بھائی! آپ نے اِس تدوین کے طریقِ کار کے متعلق اپنی رائے ظاہر نہیں کی۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ انداز طلبہ اور نئے اساتذہ کے لیے کس قدر مفید ہوگا؟

ایسی بد خطی کی معذرت، رات کا وقت ہے اور نظر جمتی نہیں۔

باغ و بہار کی فرہنگ کتابت کے بعد آپ کے پاس پہنچے گی، لیکن ابھی اُس میں کچھ دیر ہے۔ کاتب صاحب بہت سست قلم ہیں اور میری پابندیاں ستم بالائے ستم کے مصداق ہیں، یوں دیر لگ رہی ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۲۸ر جنوری ۱۹۸۶ء [۱۵]

برادرم!

میں چند روز کے لیے دہلی سے باہر چلا گیا تھا، واپسی میں اب آپ کا خط ملا۔ اِس سے مُسرّت ہوئی کہ برادرِ عزیز شاہ جہاں پور میں پہنچ گئے۔ ۱۹۵۹ء میں وہاں سے آیا تھا، اس کے بعد اِس طویل مدت میں بس ایک دن یا دو دن کے لیے جانا ہوتا ہے، یوں فی الوقت نہیں کہہ سکتا کہ شہر میں مکانوں کا احوال کیا ہے۔ البتہ جیسے ہی شاہ جہاں پور جانا ہوا، کالج جا کر اُن سے ملوں گا اور پھر جو ہو سکے گا، کروں گا۔ کالج میں میرے ایک عزیز شاگرد سہیل اشفاق

ہیں لائبریری میں، آپ بھائی سے کہیے کہ وہ اُن سے مل لیں میرے حوالے سے، وہ وسطِ شہر میں ہیں اور مدد بھی کر سکتے ہیں، بہت معقول نوجوان ہیں، افسانہ نگار بھی ہیں۔ خالد علوی صاحب کالج کے آفس میں ہیں، میرا خیال کرتے ہیں، اُن سے مل لیں، وہ بھی اِس سلسلے میں بہت مدد کر سکتے ہیں۔ میں سہیل اشفاق کو اپنی طرف سے بھی خط کل ہی لکھوں گا۔ خدا کرے اُن کی یہ پریشانی جلد ختم ہو سکے۔

پروفیسر نذیر احمد صاحب ابھی امریکہ سے نہیں آئے ہیں، اُن کے آنے پر مجلسِ ادارت کی میٹنگ ہوگی، تب کوئی بات طے ہو سکے گی۔ جہاں تک میرے ذاتی تعلقات کے اچھے یا خراب ہونے کا تعلق ہے، تو برادر! اُس کی فکر نہ کیجیے، میں نے کبھی اِس پہلو سے سوچا ہی نہیں۔ البتہ نذیر صاحب سے بات مجھے کرنا ہوگی اور وہ میں کرلوں گا۔ غالباً وہ اِس ماہ کے آخر تک آجائیں گے۔ جیسے ہی آئے، کمیٹی کا جلسہ ہوگا اور میں اُس کے بعد فی الفور آپ کو مطلع کروں گا، اُن سے مشورہ ضرور کرلینا چاہتا ہوں، یہ مناسب بھی ہے اور ضروری بھی۔ باغ و بہار مکتبہ جامعہ کی طرف سے شائع ہوگی، پرسوں اِس سلسلے میں قطعی طور پر بات ہوگئی۔ کتابت ہو رہی ہے۔ جب کتابت مکمل ہو جائے گی تب فرہنگ بنے گی اور وہ آپ کے پاس پہنچے گی، آج کل اُس کے بعد الفاظ میں الجھا ہوا ہوں۔ تاخیر جواب کے لیے معذرت طلب ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۱۶ ۷/مارچ ۱۹۸۶ء

برادرم!

آپ کا خط مرقومہ ۲۷/فروری یہاں پہنچا تھا، مگر میں تھا ہی نہیں، بمبئی گیا ہوا تھا، وہاں بمبئی یونی ورسٹی میں Ph.D کے طلبہ کے لیے اصولِ تحقیق و تدوین پر پانچ لکچر دینا تھے۔

اب واپسی ہوئی ہے، یوں جوابِ خط میں تاخیر ہوئی۔

نذیر صاحب ابھی تک نہیں آئے، شاید اِس ماہ کے آخر تک آئیں۔ کل شاہد ماہلی میرے پاس ایک کام کے سلسلے میں آئے تھے۔ آپ کا مقالہ، جواب تک میرے پاس محفوظ تھا، اُن کو میں نے اِس تاکید کے ساتھ دے دیا کہ اِسے فائل میں لگالیں اور قطعی طور پر محفوظ رکھیں۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ یہ معلوماتی اور مفید مقالہ یہیں چھپے۔ اصولاً بھی اِسے یہیں چھپنا چاہیے۔ خط میں جن اشعار کے اضافے کے متعلق آپ نے لکھا تھا، اُن کا اضافہ اُسی مقام پر، یعنی میر کے شعر سے پہلے، کردیا گیا۔

اِس سے مسرّت ہوئی کہ برادرِ عزیز کو مکان مل گیا۔ جب اُدھر جانا ہوا تو اُن سے ملاقات ہوگی، غالباً اگلے مہینے۔

میں چندروز کے بعد ایک اور خط لکھوں گا بعض اشعار کے سلسلے میں۔ کاتب صاحب بیمار ہوگئے ہیں، یوں باغ و بہار کی کتابت رُک گئی ہے۔ صرف پہلے درویش کی سیر کا قصہ لکھا جاسکا ہے اب تک۔

خدا کرے آپ مع متعلّقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۹- ٹیچرس کورٹ، تاترہال،

دہلی یونی ورسٹی، دہلی

۱۵/اپریل ۱۹۸۶ء ۱۷

برادرم!

آپ کا خط ظفر احمد صدیقی صاحب کے لفافے میں ملا تھا، جواب میں بہت تاخیر ہوئی۔ اِس کی معذرت۔

بھائی! میں آپ سے خوب واقف ہوں، مگر صدیقی صاحب سے دور کی بھی شناسائی نہیں، مجھے اُن کے مزاج اور اُن کی طبیعت کا احوال بالکل نہیں معلوم۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک مخلص کی باتوں کو وہ کس نظر سے دیکھیں گے۔ نئے لوگوں سے ڈرنے لگا ہوں کہ وہ

خلوص کی بات کو بھی بہت جلد اعتراض سمجھ کر ناراض ہو جایا کرتے ہیں، حالاں کہ میرا مقصود یہ قطعاً نہیں ہوتا، محض بعض اُمور کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے۔ خط تو میں نے اُن کے نام کا لکھ لیا، لیکن یہ فیصلہ نہیں کر پایا ہوں کہ اُن کو بھیجوں یا نہ بھیجوں۔ غور کرنے کے بعد سمجھ میں یہ بات آئی کہ جس طرح آپ کا خط اُن کے لفافے میں آیا تھا، اُسی طرح اپنا خط اُن کے نام کا آپ کے لفافے میں رکھ دوں اور آپ سے یہ درخواست کروں کہ آپ اِس کا فیصلہ کر لیجیے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اُن کو دے دیجیے، اور اگر مناسب نہ سمجھیں تو پھر اِسے اپنے لفافے میں رکھ کر مجھے واپس کر دیجیے اور اُن سے کچھ نہ کہیے۔ اُس صورت میں اُن کے مقالے کو میں اِسی طرح غالب نامہ کے دفتر میں بھجوا دوں گا۔ دونوں باتیں آپ کی صواب دید کے حوالے ہیں، جیسا چاہیے کیجیے۔

آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔ چھٹیوں میں آپ کہاں رہیں گے؟

مخلص رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
دہلی
۲۱؍اپریل ۱۹۸۶ء [۱۸]

برادرم!

آپ کا خط مرقومہ ۱۵؍اپریل ۸۶ء ملا تھا۔ میں نے اِس سے دو دن پہلے ایک لفافہ آپ کے نام شعبے کے پتے پر بھیجا ہے، جس میں ایک خط ظفر احمد صدیقی صاحب کے نام کا بھی ملفوف ہے۔ کیا یہ لفافہ آپ کو مل گیا؟ توقع کرتا ہوں کہ یہ خط ۲۹؍اپریل سے پہلے آپ کو مل سکے گا۔ یہ بتائیے کہ اگر اِن چھٹیوں کے زمانے میں خط لکھنا ضروری ہو تو کس پتے پر لکھوں؟ آپ تو بنارس میں ہوں گے نہیں۔ ہاں پچھلے خط کے تلف ہو جانے کا افسوس ہے اور تعجب بھی۔ آپ کی ڈاک تو محفوظ رہتی تھی۔ اڈیٹوریل بورڈ کی میٹنگ اب شاید اگلے ماہ ہو سکے گی، نذیر صاحب کا خط ابھی تک نہیں آیا ہے۔ جیسے ہی میٹنگ میں کوئی فیصلہ ہوا، آپ کو فی الفور مطلع کروں گا۔ مجھے خود اس مضمون کی بڑی فکر ہے، لیکن اس سلسلے میں قلم در کف دیگر است۔ بہ ہر حال مجھے مایوسی نہیں، میرا خیال ہے بل کہ یقین ہے کہ ضرور چھپ سکے گا۔

خط بہ حفاظت رکھا ہوا ہے، جس دن اُدھر جانا ہوا، اصل مضمون میں اضافے کر دیے جائیں گے، اطمینان رکھیے۔

اب آپ سے ایک بات مشورہ طلب ہے۔ 'دستنبو' کا چھاپا جانا ضروری ہے مع اردو ترجمہ اور مقدّمہ۔ ترجمے اُس متن کے دو ہو چکے ہیں، کسی ایک پر نظرِ ثانی کر کے اُسے شامل کیا جاسکتا ہے۔ فارسی متن کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ اشاعتِ ثانی یعنی مطبع روہیل کھنڈ بریلی کے نسخے کا عکس چھاپا جائے۔ آپ کی رائے کیا ہے؟ یعنی فارسی متن کا عکس، اردو ترجمہ بعدِ نظرِ ثانی، اور اس سے پہلے ایک مفصّل مقدّمہ جس میں سارے مباحث آجائیں۔ آپ نے ڈاکٹر معین الرحمٰن کی کتاب غالب اور اٹھارہ سو ستاون دیکھی ہے؟ میرے پاس ہے۔ اُس میں اُنھوں نے ان سب تحریروں کو یک جا کر دیا ہے جو غدر سے متعلق غالب کے قلم سے لکھی ہیں۔ اُسے سامنے رکھا جاسکتا ہے۔ کیا اِس ذمّے داری کو آپ قبول کر سکتے ہیں؟ یہ کام کچھ الجھن کا نہیں، صرف مقدّمے کا مسئلہ ہے اور مقدّمے کے مختلف مباحث پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اِدھر اُدھر۔

ہاں مہر نیمروز کا فارسی متن (وہ بھی عکسی) مع اردو ترجمہ و مقدّمہ چھپنا تھا۔ اِس ذمّے داری کو میری درخواست پر ڈاکٹر کبیر احمد جائسی نے قبول کر لیا اور وہ شاید دو چار مہینے میں اسے مکمّل کر لیں گے۔ آپ اگر اِس ذمّے داری کو قبول کر لیں تو خوب ہو۔

آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۱۱ر جولائی ۱۹۸۶ء [۱۹]

مُحبّ مکرّم!

کل آپ کا خط ملا تھا۔ ۷ر جولائی کو یہاں نذیر صاحب موجود تھے، 'غالب نامہ' کے

سلسلے میں، اُنھوں نے مجھے یہ بتایا کہ (غالباً) علی گڑھ میں آپ کی اُن سے ملاقات ہوئی تھی اور اُنھوں نے آپ کے مضمون کے سلسلے میں آپ سے گفتگو کی تھی اور اپنی معذوری کا اظہار کیا تھا اور یہ کہ آپ نے یہ معذرت بہ خوشیِ خاطر قبول کرلی تھی۔ میرے سامنے ہی اُنھوں نے شاہد ماہلی صاحب کو ہدایت کی تھی کہ وہ مضمون آپ کو بہ ذریعۂ رجسٹری واپس کردیا جائے۔ مضمون کی تعریف کررہے تھے۔ میں نے ایک بار پھر کوشش کی، مگر معلوم نہیں کیوں، وہ مجھ سے متفق نہیں ہوسکے۔ جو وجہ بیان کی، وہ کم از کم نہ تو میری سمجھ میں آئی اور نہ میرے لیے قابلِ قبول ہوسکتی تھی، اِس بنا پر کہ خالص غیر علمی وجہ تھی۔

بھائی! اِس معاملے میں آپ سے شرمندہ ہوں، اپنی بے اثری کا اعتراف کرتا ہوں اور معذرت طلب ہوں۔ میں مبتلاے غلط فہمی یوں ہوا نہیں، کہ دو بار موصوف نے کچھ اِس طرح کا اندازِ بیان اختیار کیا تھا جیسے اُن کو اِس مضمون کی اشاعت پر کوئی اعتراض نہیں تھا، اِس بنا پر کہ یہ خالصتاً علمی مقالہ ہے اور اچھا ہے۔ اب اللہ جانے کدھر کی ہوا چلی کہ رُخ ہی بدل گیا! میں ہمیشہ سے سادہ لوح یعنی اِن معاملات میں احمق ہوں، یقین کرلیتا ہوں کہ علمی مسائل علمی سطح پر طے ہوں گے اور بار بار دھوکا کھاتا ہوں۔ فسانۂ عجائب کا زخم دل پر ابھی ہرا ہے، مگر پھر دھوکا کھا گیا اور مبتلاے خوش فہمی ہوگیا۔ بہ راہِ کرم میری معذرت قبول کیجیے۔ یہ مضمون اب تک کہیں نہ کہیں چھپ چکا ہوتا، محض میری وجہ سے تاخیر ہوئی، اِس کے لیے بھی معذرت طلب ہوں۔

باغ و بہار کا کام سُست رفتاری سے جاری ہے، اِس میں کچھ حصّہ تو میری آنکھوں کا ہے، مگر زیادہ حصّہ کاتب صاحب کی خلاف وعدگی کا ہے۔ اُن کو خوب معلوم ہے کہ اُن کے سوا میں کسی اور سے کتابت نہیں کراسکتا، اِس لیے ناز برداری پر مجبور ہوں۔ کل دوسرے درویش کے قصّے کی کتابت مکمّل ہو پائی ہے۔ فرہنگ اور بعض اور اجزا آپ کے پاس تکمیل کے بعد پہنچیں گے، دُعا کیجیے۔

ایک ضروری بات: کتاب میں ایک جگہ پیر میں جوتا پہننے کے لیے ایک لفظ آیا ہے، جسے ''اِڑایا'' بھی پڑھا جاسکتا ہے اور ''اِڑیایا'' بھی پڑھ سکتے ہیں۔ نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں ''اِڑایایا'' ہے، ظاہر ہے کہ واضح طور پر یہاں طباعت کی غلطی ہے، یا تو یہ ''اِڑایا'' ہوگا یا ''اڑیایا''۔ ڈنکن فاربس کے نسخے میں ''اِڑایا'' ہے اور یہی نسخۂ مولوی عبدالحق مرحوم میں ہے۔

''ٹنکیانا'' (گھوڑے کو ٹنکیانا) اور ''بتیانا'' (باتیں کرنا) اِس کتاب میں آئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ''ٹنکیانا'' کا ماضی ''ٹنکیایا'' ہوتا اور ''بتیانا'' کا ''بتیایا'' [جیسے ''گھِگھیانا'' کا ماضی ''گھگھیایا'' بنتا ہے (وغیرہ)] مگر ''اِڑیانا'' یا ''اِڑیایا'' کہیں بھی میری نظر سے نہیں گزرے۔ شاہد احمد دہلوی مرحوم نے میر ناصر علی دہلوی کا جو خاکہ لکھا ہے اور جو اُن کی کتاب گنجینۂ گوہر میں شامل ہے، اُس میں ایک جگہ ''اِڑایا'' اِسی معنی میں آیا ہے اور اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم سے پہلے تک یہ لفظ دہلی میں مستعمل رہا ہے۔ شاہد صاحب موخّر لوگوں میں تھے، مگر بہ ہر حال دہلی میں رہتے تھے اور پُرانے لوگوں کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے؛ یوں فاربس کے نسخے کی قرأت صحیح ٹھہرتی ہے۔

آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ مطالعے کے دوران کہیں یہ لفظ آپ کی نظر سے گزرے ہیں؟ برادر! میں اب سے پہلے یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اِس کتاب کے متن کی تصحیح میں اِس قدر رفو کا کام نکلے گا!

جواب سے فوری طور پر نوازیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

ہاں، میں نے ایک خط آپ کے رفیق کار کو لکھا تھا، جن کا مضمون غالب نامے کے لیے آیا تھا، اُنھوں نے جواب سے سرفراز کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی، حالاں کہ وہ جدیدیت کے مارے ہوئے تو نہیں معلوم ہوتے۔ اُن سے شکایت کرنے کی ضرورت نہیں، یہ تو محض آپ کو لکھ رہا ہوں۔ میری رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں، مگر اب ایسی بھی کج ادائی کیا کہ خط کی رسید بھی نہ بھیجی جائے۔ بہ ہر حال ع: ہیں جواں، اختیار رکھتے ہیں

(۲۰)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۳۰ر جولائی ۱۹۸۶ء

مُحِبّ مکرّم!

کل آپ کا خط ملا۔ آج دفتر میں حاضری دی اور اپنے سامنے آپ کا مضمون نکلوا کر اپنے سامنے رجسٹری کرا رہا ہوں۔ تاخیر کے لیے اگرچہ دفتری عملہ ذمّے دار ہے، مگر پھر بھی

مجھے توجہ کرنا چاہیے تھی، اور یوں میں بھی معذرت طلب ہوں۔

آپ کا وہ شک درست نہیں کہ اِس تبصرے سے کسی نے استفادہ کیا ہوگا۔ یہ الماری میں محفوظ رہا ہے اور میرے ہی سامنے نکالا گیا ہے۔ میں نے بالواسطہ اس کی تصدیق بھی کرلی کہ یہ اس الماری سے یعنی اِس دفتر سے باہر نہیں گیا ہے۔ ازراہِ کرم اِس کی رسید ضرور بھیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۳۱ر جولائی ۱۹۸۶ء [۲۱]

برادرم!

پرسوں شام کو آپ کا خط مجھے ملا تھا۔ کل صبح ہی کوانسٹی ٹیوٹ گیا۔ آپ کا مقالہ الماری میں مقفل تھا، اپنے سامنے اُسے نکلوایا۔ پوچھا کہ تاخیر کیوں ہوئی اِسے واپس کرنے میں، اِس کے جواب میں وہی روایتی دفتری عذر سننے کو ملے۔ اپنے سامنے پیکٹ بنوایا اور ڈائرکٹر کے حوالے کیا کہ آج ہی اس کی رجسٹری کرادی جائے۔ چپراسی اُس وقت وہاں موجود نہیں تھا، ورنہ میں اپنے سامنے بھیج دیتا۔ اُسے کہیں کام سے بھیجا گیا تھا۔ جب یقین ہوگیا کہ آج ہی رجسٹری ہوجائے گی، تب آیا۔

آپ کا وہ شبہ درست نہیں، مضمون الماری میں مقفل رہا ہے۔ محض دفتری کاہلی نے تاخیر کرائی اور کوئی وجہ نہیں تھی۔

ایک بار پھر اس تاخیر کے لیے معذرت طلب ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

ٹی.بی.۹، گائر ہال

دہلی یونیورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۱۰ردسمبر۱۹۸۶ء[۲۲]

مُحبِّ مکرّم!

میں کل ہی شاہ جہان پور سے واپس آیا ہوں۔ یہاں آپ کا بھیجا ہوا رجسٹرڈ پیکٹ محفوظ تھا۔ یہ خط محض بہ طورِ رسید لکھ رہا ہوں۔

ایک بات: آپ نے خط میں لکھا ہے کہ: ''اگر غالب نامے کے اگلے شمارے میں اس کی اشاعت ممکن نہ ہو تو اِسے جلد از جلد... واپس فرمادیں''۔ بھائی! صورتِ حال یہ ہے کہ اب جولائی کا شمارہ شائع ہوگا جو تمام و کمال سمینار میں پڑھے گئے مقالات پر مشتمل ہوگا۔ ہاں دسمبر میں جو شمارہ شائع ہوگا، وہ عام شمارہ ہوگا اور اُس میں یہ مقالہ شامل ہو سکے گا۔ جولائی کے شمارے میں اس کے شامل ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے، اِس بنا پر کہ سمینار کے مقالے ہی خاصی تعداد میں ہیں۔ اب آپ یہ بتائیے کہ میں کیا کروں؟ اکادمی میں بے شک یہ جلد شائع ہوسکتا ہے۔ اگر آپ اس کی جلد اشاعت پسند کریں تو پھر میں اِسے آپ کے لکھنے کے مطابق بہ ذریعۂ رجسٹری فوری طور پر واپس کردوں، اِس طرح یہ جلد تو ضرور چھپ سکے گا۔ براہِ کرم اِس سلسلے میں فوری طور پر مطّلع فرمائیے۔

آپ نے فسانۂ عجائب کا احوال پوچھا ہے، میں کیا عرض کروں، نیّتوں کا احوال صرف خدا کو معلوم ہے، میں اِس قدر عاجز آچکا ہوں اِن منافق صفت قدردانوں سے کہ اب کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ بہ ہر طور آپ جیسے چند قدردانوں اور قدرشناسوں اور محبت کرنے والوں کے سہارے یہ دن بھی گزر جائیں گے۔ ہائے بسمل سعیدی مرحوم! کیا شعر کہا ہے:

یہ وقت پھر نہ رہے گا، رہیں گے یاد یہ دن
ستم کی عُمر زیادہ ہے، زندگی کم ہے

آدمی یونی ورسٹی میں ہو اور پروفیسر نہ ہو تو پھر وہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ بات اب سمجھ میں آئی ہے۔ دُعا کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۹/اپریل ۱۹۸۷ء [۲۳]

محبِّ مکرّم!

ایک زمانے کے بعد خط لکھنے کی توفیق ہوئی ہے۔ اصل میں مجھے انفعال تھا آپ کے مقالے کے سلسلے میں، کہ میں کچھ نہیں کرسکا۔ چار سال کے تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ آیندہ بھی کچھ نہیں کرسکتا، یوں اب میں نے وہاں سے اپنی دل چسپیوں کو گویا سمیٹ لیا ہے۔ فی الحال محض نام کی بات ہے، آیندہ شاید وہ بھی نہ رہے۔

ظفر صاحب کا خط ملا تھا، آج ہی اُن کو بھی جواب لکھا ہے۔ آپ دونوں کی اِس عنایت کے لیے تہِ دل سے مشکور ہوں۔ اِس طرح ملاقات کا ایک موقع نکل آیا ہے۔ مجھے بہ ہرصورت اپنا خیر خواہ اور دُعا گو سمجھیے۔

ہاں باغ و بہار کی فرہنگ بنا رہا ہوں اور وہ آپ کے پاس پہنچے گی حسبِ وعدہ۔ متن کی کتابت ہوچکی ہے، اب حواشی کی کتابت ہورہی ہے۔

اب ایک زحمت: باغ و بہار میں پہلے درویش کی سیر کے آخری حصے میں، جہاں شہ زادی اپنی داستانِ معاشقہ سناتی ہے اور سوداگر بچے کے نوخرید باغ کا ذکر آتا ہے کہ ایک شام کو میں وہاں گئی تھی، اُس مقام پر باغ کی آرایش اور روشنی کے سلسلے میں یہ عبارت ہے:

> ''یہ روشنی کا ٹھاٹھ تھا، جا بہ جا قمقمے، سروِ چراغاں، کنول اور فانوسِ خیال، شمعِ مجلس حیران اور فانوسیں روشن تھیں''۔

اِس عبارت میں ''شمعِ مجلسِ حیران'' میری سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ ہر طرح سے اسے پڑھ کر دیکھا اور ٹکڑے بنائے، بات نہیں بنتی، مفہوم ہی نہیں نکلتا۔ کیا آپ کے ذہن میں کوئی بات آتی ہے؟

خدا کرے آپ معِ متعلّقین بہ عافیت ہوں

مخلص
رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
ٹی. سی. ۹، گائر ہال
دہلی یونیورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۶/مئی ۱۹۸۷ء[۲۴]

مُحبِّ مکرّم!

ابھی آپ کا خط ملا۔ پچھلا خط بھی مل گیا تھا، مگر میں بے طرح مبتلائے آزار رہا۔ گلے میں کبھی کبھی تکلیف ہوجایا کرتی ہے اور اُس سے دو چار دن کے لیے بخار بھی آجایا کرتا ہے۔ یہ صورتِ حال دس پندرہ سال سے ہے، اِس بار بھی یہی ہوا کہ میں دن بھر کے لیے شاہ جہان پور گیا تھا، واپسی میں معلوم نہیں کیا ہوا کہ یہاں آتے آتے وہی پرانی تکلیف عود کر آئی اور اِس بار کچھ زیادہ وقت اُس کی نذر ہوگیا۔ یوں آپ کے خط کا جواب بروقت نہیں لکھ سکا، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔

بھائی! میر امن کی نثر میں اِس قدر اُتار چڑھاو اور بُل عجبیاں ہیں کہ میں بعض اوقات حیران رہ جاتا ہوں اور یوں میں نے اصولاً یہ طے کرلیا ہے کہ میں حواشی میں اپنے قصورِ فہم کا تو اعتراف کرلوں گا اور متعلقہ عبارت کی نشان دہی بھی کردوں گا، مگر امکان بھر اور آخری حد تک کسی طرح کی ترمیم یا تصحیح سے احتراز کروں گا۔ ''شمع مجلس حیراں'' کے سلسلے میں جو تاویل آپ نے کی ہے اور جس طرح تصحیح کی ہے، عین ممکن ہے کہ وہ درست ہو، مگر یہ تصحیح اِس قدر زیادہ ہے اور اِس قدر قیاسی ہے کہ میں اِس کی جرأت نہیں کرسکتا۔ میرے سامنے جو نسخے ہیں اُن میں سے دو نسخے ایک مطبوعہ، ایک خطی، ایسے ہیں جو نسخہ مطبوعۂ فورٹ ولیم کالج سے پہلے کے ہیں اور اُن میں بھی یہ عبارت اسی طرح ہے، یوں الجھن بڑھ گئی ہے۔

اب رہی ''پنڈت خانہ'' کی بات، تو میں عرض کروں کہ میر امن نے کئی جگہ پنڈت خانہ لکھا ہے، ایک جگہ نہیں۔ غلطی ایک جگہ ہو، دو جگہ ہو، چار چھے جگہ اگر ایک لفظ کی تکرار ہو تو پھر اُسے غلطی کہنا مناسب نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں مخطوطۂ گنج خوبی میں میر امن نے اپنے قلم سے واضح طور پر کئی جگہ ''پنڈت خانہ'' لکھا ہے اور دونوں جُز الگ الگ لکھے ہیں۔

یہ لفظ پلیٹس کے لغت میں بھی موجود ہے اور فوربس کے لغت میں بھی ہے۔اگر ''پنڈتخانہ'' لکھا ہوتا تو قوی امکان ہوسکتا تھا کہ ''پنڈتخانہ'' کی شکل بدل گئی ہے، مگر مطبوعہ نسخوں میں اور گنجِ خوبی کے مخطوطے میں ہر جگہ ''پنڈت'' کو الگ اور ''خانہ'' کو الگ لکھا گیا ہے (پنڈت خانہ) اور یوں اُس احتمال کی گنجایش گویا ختم ہوجاتی ہے۔(اور ڈال پر باقاعدہ ط کی علامت التزام کے ساتھ بنائی گئی ہے)۔

آپ نے لکھا ہے کہ ۲۰ر کے بعد آپ بنارس میں نہیں ہوں گے۔اب میں یہ دعا کرتا ہوں کہ میرا یہ خط آپ کو اس سے پہلے ہی مل جائے۔توقع کرتا ہوں کہ آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔آپ نے یہ نہیں لکھا کہ واپسی کب ہوگی۔[میں ''وہ رپورٹ'' دو تین دن کے اندر بھیج دوں گا۔] خاصی تاخیر ہوگئی ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونیورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۵ر جولائی ۱۹۸۷ء

مُحبِّ مکرّم!

توقع کرتا ہوں کہ آج کل آپ بنارس میں موجود ہوں گے۔میں یہاں سے ۷راگست کو ڈی لکس سے چلوں گا۔یہ گاڑی بنارس ۸راگست کی صبح کو، سوا پانچ بجے کے قریب پہنچے گی۔نیّر صاحب کو ایک الگ خط میں اطلاع دے رہا ہوں۔مسرّت اس کی ہے کہ اس طرح آپ سے ملاقات کی ایک صورت بھی نکل آئے گی۔میں لاہور سے ۱۴رجولائی کو واپس آیا تھا۔واپسی ۹ر کو ہونا چاہیے۔میں نے نیّر صاحب کو رزرویشن کے لیے لکھا ہے۔واپسی شاہ جہان پور کو ہوگی۔ذرا آپ بھی دیکھ لیجیے گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
ٹی.بی.۹، گائر ہال
یکم مارچ ۱۹۸۸ء[۲۶]

ہاں بھائی! دُکھ مجھے بھی ہوا تھا، اور بہت؛ اگرچہ انٹرویو سے پہلے ہی نتیجہ معلوم ہو چکا تھا۔ توقع بھی اِسی خفیف الحرکاتی کی تھی۔ دیکھیے صاحب! ہم اور آپ بہ قولِ غالب دکانِ بے رونق کے خریدار ہیں اور اُنھی کے اِس شعر کے مصداق:

یخ فروشم در تموز و کلبہ دور از چار سو است
میرود سرمایہ از کف، تا خریدارے رسد

میں نے تو دو بار یہ تماشا بھی نگاہِ عبرت سے دیکھا تھا کہ صدرِ محترم آئے ہیں تو بستہ اُٹھائے ہوئے دو "فدوی" بھی ہمراہ ہیں۔ انٹرویو کے بعد پھر ایک بار صدر صاحب یہاں آئے اور اِس بار ایک ہی فدوی ہمراہ تھا۔ اِس سے اچّھا کردار تو ڈیرے دار طوائف کا ہوا کرتا تھا۔ ایسے گھٹیاپن کے بعد علم کا وقار کیسے اپنی روشنی پھیلا سکتا ہے۔

آپ مجھی کو دیکھ لیجیے۔ فسانۂ عجائب کا سارا قصہ آپ کو معلوم ہے۔ کیا یہ گھٹیاپن نہیں۔ اصل میں ان حرام زادگانِ ادب کی تقدیریں ہاتھی کے فلان سے لکھی گئی ہیں، اور ہم بے چاروں کی چیونٹی کے فلان سے۔ وہاں بھی کچھ کم جاٹ شاہی نہیں ہے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہار مان لیں۔ ان کا تو مقصد یہی ہے کہ ہم لوگ اُکتا کر قلم ہاتھ سے رکھ دیں۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو یہ اِن کی کام یابی ہوگی۔ اِس لیے ہم ایسا نہیں کریں گے، بل کہ قلم میں سیاہی کچھ اور زیادہ بھر لیں گے۔

مجھ پر تو ایسے حادثے کئی بار پڑ چکے ہیں اور جان جان کر کمینے پن کے مظاہرے کیے گئے ہیں، میں نے ہمّت کبھی نہیں ہاری۔ آیندہ بھی اِسی سخت جانی سے کام لینے کا ارادہ ہے۔ آپ اگر لکھنا پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں، تو نقصان ہمارا آپ کا ہے، اِن کا تو فائدہ ہوگا۔ اِس لیے اِس خیالِ باطل کو دل سے نکال باہر کیجیے۔ ویسے بھی ہماری تحریروں کے پڑھنے والے ہندو پاک میں ملا کر ساٹھ ستّر سے زیادہ نہیں ہوں گے۔ جب اِس قدر کم تعداد کے لیے ہم لکھتے رہے ہیں اور کبھی یہ احساس نہیں پیدا ہوا کہ ہم کرشن چندر نہیں، تو پھر اب ایسے

حادثے کے نتیجے میں یہ احساس کیوں پیدا ہو؟

آپ میرے حالات سے عبرت اور ہمّت دونوں حاصل کیجیے۔ جب میں نے ہار نہیں مانی، تو آپ کیوں مانیں۔ اِس لیے لکھنا پڑھنا حسبِ معمول جاری رہے گا، اِس کی بڑی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ہم لوگ اس کے سوا کچھ اور کر بھی تو نہیں سکتے۔ گروپ ہم نہیں بنا سکتے، اسمگلنگ ہم نہیں کر سکتے، سیاست ہمارے بس کی بات نہیں، حرام خوری سے ہمیں رابطہ نہیں؛ تو پھر لکھنے پڑھنے کے سوا اور کیا کریں گے!

میں آپ کو بس ایک ہی تازہ واقعہ سنانا چاہتا ہوں: میری کتاب ادبی تحقیق کا پہلا اڈیشن ختم ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ اکیڈمی سب کی کتابوں کے دوسرے اڈیشن چھاپتی ہے، میری کتاب بھی اس فہرست میں شامل ہو جائے، بُری سہی، بہت بُری تو نہیں۔ آپ تعجب کریں گے کہ میرے ایک ظاہری کرم فرما نے اگز یکوٹو میں اس کی بہت سلیقے کے ساتھ مخالفت کی، جب کہ میں اُن سے زبانی کہہ چکا تھا، وعدہ کر چکے تھے اور احتیاطاً خط بھی لکھ چکا تھا۔ اب اُن کا نام آپ کو کیا بتاؤں۔ تو یہ ہے احوال، ایسے میں کس کی کس کی شکایت کی جائے گی۔ تو کیا میں ہمّت ہار گیا، جی نہیں۔ ہمّت نہیں ہارا۔

آپ کا خط کئی دن پہلے مل گیا تھا، اس میں آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ کتاب کا پارسل بھیجا ہے۔ انتظار تھا کہ کتاب مل جائے تو رسید بھی ساتھ ہی بھیج دوں، مگر آج کے دن تک کتاب تو ملی نہیں، یوں آج خط کا جواب لکھ رہا ہوں۔

خط لکھتے رہیے کہ حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں اور داستانِ غم سن کر اور سنا کر دل بھی ہلکا ہوتا رہتا ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

میں ۱۲؍مارچ کو دس دن کے لیے بمبئی جاؤں گا، ۲۲؍کو واپسی ہوگی۔ وہاں املا ورک شاپ ہے۔

پسِ نوشت: شبستانِ سرور میرے پاس نہیں، دیکھی ضرور تھی اب یہ یاد نہیں کہ اس میں سرور کے شعر ہیں یا نہیں۔ پرانی بات ہوگئی، اب تو فسانۂ عجائب کی تفصیلات بھی ذہن میں نہیں۔

(۲۷)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۷؍مارچ ۱۹۸۸ء [۲۷]

محبی!

آپ کے خط کے جواب میں ایک خط بھیج چکا ہوں، اُس میں میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ کتاب ابھی تک نہیں ملی۔

اب یہ کہنا کہ ۳؍مارچ کو کتاب کا پارسل مل گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اِس ماہ کے آخر تک شاید میرے تنقیدی مضامین کا مجموعہ بھی چھپ جائے، پریس میں ہے۔ اُس کا نام میں نے ''تلاش و تعبیر'' رکھا تھا۔ اب ''تلاش و تعارف'' کو دیکھ کر، اِس حُسنِ اتحادِ خیال کا دل چسپ احساس ہوا۔

اطمینان رکھیے، کتاب کا مناسب طور پر تعارف میں خود غالب نامہ میں لکھوں گا۔ اِس شمارے سے تعارفِ کتب کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ ایک کے سوا باقی مضامین پہلے سے بھی پڑھے ہوئے تھے، مگر اب ازسرِ نو پڑھ کر ازسرِ نو احساسِ مسرّت ہوا۔ یہ مضامین معلومات بخش ہیں اور قابلِ قدر۔ تلاش و تعبیر آپ کے پاس پہنچے گی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۸)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۸؍جولائی ۱۹۸۸ء [۲۸]

برادرم!

توقع کرتا ہوں کہ اب تک آپ شعبے میں آچکے ہوں گے اور تعطیل ختم ہو چکی ہوگی۔

تلاش و تعبیر کی دو جلدیں بھیج رہا ہوں، ایک آپ کے لیے اور ایک بھائی مولانا کے لیے۔ نیّر صاحب کی کتاب اِس سے پہلے ایک صاحب کے ہاتھ بھجوا چکا ہوں۔

تلاش و تعارف کا تعارف غالب نامہ کے حالیہ شمارے میں شامل ہے، یہ وسطِ

اگست تک آئے گا اور آپ کے پاس پہنچے گا۔
خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۵ر ستمبر ۱۹۸۸ء[۲۹]

برادرم!
میں نے دفتر والوں کو یعنی شاہد ماہلی کو تاکید کردی تھی کہ وہ غالب نامہ کا تازہ شمارہ آپ کے نام ضرور بھیجیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ بھیج دیا گیا، کیا یہ صحیح ہے؟ یوں پوچھ رہا ہوں کہ دفتری باتوں پر بھروسا ذرا مشکل سے ہوتا ہے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۰ر اکتوبر ۱۹۸۸ء[۳۰]

برادرم!
آپ کا ایک خط تو ابھی پرسوں ملا ہے اور ایک خط اس سے پہلے ملا تھا۔ رسالہ پہنچ گیا، اِس سے اطمینان ہوا۔ انسٹی ٹیوٹ کا احوال اب یہی ہو کر رہ گیا ہے، سیاست اور گروپ بازی کا نتیجہ ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے۔ میرا رابطہ اب اس سے محض برائے نام ہے اور شاید یہ بھی زیادہ دیر تک نہیں رہے گا۔
جن تسامحات کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے، اُن کو میں نے نوٹ کرلیا ہے، اِس کا شکریہ۔ یہ محض بے خیالی کا نتیجہ ہے، آیندہ مزید احتیاط کیا کروں گا۔
تبصرہ پسند آیا، اس سے مجھے اطمینان ہوا۔ نیّر صاحب سے سلام کہیے اور ایک سلام دنوں سے واجب الادا ہے قمر جہاں صاحبہ کا، اُسے بھی کسی وقت پہنچا دیجیے گا۔ شبخون

میرے پاس گنڈے دار آتا ہے، وہ دونوں شمارے مجھے نہیں ملے جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ دیکھیے اِدھر اُدھر تلاش کروں گا اور پڑھوں گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
گائر ہال
۸ر جنوری ۱۹۹۰ء [۳۱]

نیا سال مبارک ہو!

عزیزِ مکرّم!

دو کتابوں کا پارسل بھیجا تھا۔ رسید ابھی تک نہیں ملی ہے۔ ایک بھائی مولانا کے نام کا تھا۔ اُن کا ایک مکمل اور طویل خط ضمیمۂ تشریحات کے آخر میں شامل ہے۔

میری بائیں آنکھ کا آپریشن یکم نومبر کو ہوا تھا، ابھی لکھنا پڑھنا پوری طرح شروع نہیں ہوسکا ہے۔ چوں کہ مقدمہ آپریشن سے بس چند روز پہلے ہی لکھا تھا اِس لیے اُس میں کتابت کی کئی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ باقی معمولی غلطیوں کو تو آپ بہ طور خود درست کرلیں گے، بس ایک فاش غلطی کی نشان دہی کر رہا ہوں، اپنے اور مولانا کے نسخے پر اسے درست کردیجیے اور وہ یہ ہے کہ مقدمے کے ابتدائی صفحات میں جہاں نسخۂ نول کشور کا ذکر آگیا ہے، وہاں اُس کا سنہ ''۱۸۸۳ء'' لکھا ہوا ہے، یہ ۱۲۸۳ھ ہے۔ ایک دو اور بھی غلطیاں ہیں، مگر وہ چنداں اہم نہیں، مثلاً ایک حاشیے میں نیّر مسعود صاحب کی کتاب کے حوالے میں ۱۸۸۳ء کے بجائے ۱۷۸۳ء چھپ گیا ہے، یا جیسے ایک جگہ ''دونوں'' کی جگہ ''دنوں'' ہے، وغیرہ۔ رسید بھیجیے اگر ممکن ہو تو اِس سے متعلق کچھ تعارفی سطریں بھی لکھ دیجیے، تاکہ اُسے کتاب نما یا غالب نامے میں بہ ذیل 'تعارفِ کتب' شامل کیا جاسکے۔ ورنہ لوگ تو آج کل ایسی ''غیر دل چسپ'' تحریروں کو پڑھے بغیر ہی رکھ دیتے ہیں، یوں تعارف کی ضرورت ہے، تاکہ یہ تو معلوم ہوجائے کہ اِس کتاب میں ہے کیا۔ خط لکھیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

ہاں نیرؔ صاحب کہاں ہیں۔ کسی نے مجھ سے یہاں یہ کہا کہ وہ رٹائر ہو گئے ہیں اور اب کسی اور جگہ رہنے لگے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

میں ۳۱؍دسمبر کو رٹائر ہو گیا ہوں، مگر ابھی چند ماہ مزید گائر ہال میں رہوں گا، تاکہ دوسری آنکھ کا آپریشن کرا سکوں۔ مولانا کو سلام۔

(۳۲)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۲۶؍جنوری ۱۹۹۰ء [۳۲]

عزیزِ مکرم!

میں یہ خط جموں میں بیٹھا ہوا لکھ رہا ہوں، یہاں ۱۳؍فروری تک رہوں گا۔ دونوں خط آپ کو مل گئے، محفوظ تھے۔ میں ۸؍جنوری کو بمبئی گیا تھا۔ عبدالستار دلوی صاحب کی دعوت پر، وہاں سے ۲۲؍کو واپسی ہوئی اور ۲۳؍کو یہاں چلا آیا۔

میں ۳۱؍دسمبر ۸۹ء کو رٹائر ہو گیا، یعنی نیا سال میرے لیے پیامِ آزادی لایا۔ ویسے تو پہلے بھی کسی طرح کی پابندی نہیں تھی، مگر پابندی نام کی بھی ہو، تو بُری ہوتی ہے۔ فی الحال ۳۱؍دسمبر ۹۰ء تک میرا قیام گائر ہال ہی میں رہے گا۔ اُس کے بعد یعنی اگلے سال غالباً شاہ جہان پور چلا جاؤں گا۔ میری نظر ابھی جمی نہیں، خط بھی بہ مشکل لکھ پاتا ہوں، بس زبانی باتیں بناتا رہتا ہوں۔ آپ کا سمینار ہو گا اور بہت اچھا ہو گا؛ مگر اپنے متعلق قطعیت کے ساتھ کوئی بات نہیں کہہ سکتا، دیکھیے کیا صورت رہتی ہے۔ خیر، مجھ سے بہتر افراد وہاں موجود ہوں گے، غالبؔ خستہ کے بغیر کوئی کام بند نہیں ہوتا۔ نیا چشمہ، جو بننے گیا ہے، دوسری بار، اگر وہ لگ گیا تب ضرور شرکت کروں گا۔ دو بار نمبر بدل چکا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ کب تک یہ صورت جاری رہے گی۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

نیرؔ صاحب سے سلام کہیے۔ اُن کے حصے کی کتاب بھی ضرور پہنچے گی، مگر میری دہلی واپسی کے بعد۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۳)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
ٹی.سی.۹، گائرہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۶رفروری ۱۹۹۰ء[۳۳]

برادرم!

آپ کا خط ملا تھا، میں اِن دنوں بیش تر دہلی سے باہر رہا۔ ''روبھی'' کے متعلق میری رائے وہی ہے جو میں نے لکھی ہے۔ آپ نے اس کی جو تاویل کی ہے، مجھے وہ ذرا دور کی معلوم ہوتی ہے۔ ''روبھی'' ایک لفظ ہے، جو مستعمل بھی رہا ہے اور معناً چسپاں بھی ہوتا ہے، یوں میری رائے میں وہی اُس مقام پر درست ہے۔ اِس کے باوجود، اس پر مزید غور ضرور کروں گا۔

آپ نے اپنے خط میں اپنے یہاں کے سمینار کا تذکرہ کیا تھا، تو بھائی! آج کل میں گفتار کا غازی رہ گیا ہوں، زبانی باتیں بناتا ہوں، لکھنا کم ہوتا ہے۔ یوں کیا وعدہ کروں۔ اِس کے علاوہ، آپ کے سمینار کا جو اصل موضوع ہے، اُس پر مضمون لکھنے کے بجائے، میں نے تو پوری کتاب پیش کر دی ہے، جو مثال اور معیار کا کام دے سکتی ہے، کیا اب بھی الگ سے مضمون لکھنے کی ضرورت ہے؟

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔
غالب سے متعلق آپ کی کتاب کا انتظار رہے گا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۴)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۰رستمبر ۱۹۹۰ء[۳۴]

نقوی مکرم!

پوسٹ کارڈ ملا، شکریہ۔ میرا پتا بدلتا تو آپ کے پاس اطلاع ضرور پہنچتی۔ میں

۳۱ر دسمبر تک یہیں رہوں گا۔ اُس کے بعد کا ابھی کچھ طے نہیں۔ دو جگہ سے پیش کش ہے، مگر اب کسی بھی نوع کی وابستگی بہ طرزِ ملازمت مجھے منظور نہیں۔

باغ و بہار کتابت شدہ رکھی ہوئی ہے یعنی متن مع ضمائم فرہنگ۔ بس مقدمہ لکھنا باقی [ہے] اور اس میں تاخیر کا اصل سبب بس یہی ہے کہ نظر ابھی تک اچھی طرح جمتی نہیں، مسلسل کام نہیں کر سکتا۔ نومبر میں دوسری آنکھ کا آپریشن ہوگا۔ اُس کے بعد شاید صورتِ حال بہتر ہو سکے گی۔

مولانا کا شکریہ، مگر اُن سے کہیے کہ جب اُن کا مضمون چھپ کر آجائے تو اُس کی ایک کاپی مجھے ضرور بھیجیں، یوں کہ 'آجکل' میرے پاس آتا نہیں، اور میں بے خبر رہوں گا۔ خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۵)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۰ر ستمبر ۱۹۹۰ء[۳۵]

برادرم!

خط حوالۂ ڈاک کر کے آیا تو خیال آیا کہ شاید یونی ورسٹی بند ہو چکی ہو منڈل کمیشن کے پھیر میں۔ یوں یہ اطلاع دے رہا ہوں کہ شعبے کے پتے پر آپ کے خط کا جواب بھیج چکا ہوں۔ میں دسمبر تک گائر ہال ہی میں رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۳۶)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۳ر جولائی ۱۹۹۱ء[۳۶]

برادرم!

آپ کا خط آج ہی ملا۔ میں یوں تو پہلے سے بہتر ہوں، مگر نقاہت کچھ ایسی جاگزیں ہو گئی ہے کہ کسی کام کا نہیں رہا ہوں۔ دن بھر کمرے میں پڑا رہتا ہوں۔ ذرا سی دور چلنے سے تکان کا شدید احساس ہوتا ہے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ مہینوں سے نہیں جا سکا ہوں اور فی الحال

اس کی صورت بھی نظر نہیں آتی۔ لکھنا پڑھنا بس یوں ہی سا رہ گیا ہے۔ سب سے بڑی فکر باغ و بہار کی ہے، اس کی کتابت مکمل رکھی ہوئی ہے، مقدمے کی کتابت بھی شروع ہو چکی تھی، بس آخر کے ۲۰، ۳۰ صفحے لکھنا تھے کہ قلم ہاتھ سے چھوٹ گیا، سو اب تک وہ کام وہیں پر ہے۔ لکھنے یا پڑھنے بیٹھتا ہوں تو ذرا سی دیر کے بعد سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ بس خطوں کے جواب تک لکھنا اور پڑھنا محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

آپ کی کتاب پر کچھ لکھنا میرے لیے باعثِ مسرّت ہوگا، مگر فی الحال اُس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ کم سے کم دسمبر تک یہی صورت رہے گی۔ پرسوں ماہانہ چک اپ کے لیے پھر جانا ہے۔ دوا کھاتے کھاتے اور پرہیز کرتے کرتے عاجز آچکا ہوں۔ سوائے اُبلی ہوئی سبزی کے، سب کچھ ممنوع ہے۔ مولانا کا مسوّدہ یوں ہو گیا کہ اُسے پڑھ تو پہلے ہی لیا تھا اور رائے بھی قائم کر لی تھی، بس لکھنے کا کام باقی تھا، یوں وہ کام اب ہو گیا۔ میری طرف سے مولانا کو مبارک باد دے دیجیے گا۔

اکیڈمی کا احوال پہلے ہی کون سا بہتر تھا؟ جواب اس پر افسوس کیا جائے۔ دفتر کا احوال بہت بُرا ہے۔ نسیم صاحب والا مسوّدہ واپس آیا تھا، وہ رکھا ہوا ہے، اب اِس عمر میں طفلانہ بیت بازی کیا کروں۔ میں نے ان کو مطلع کر دیا تھا کہ اب وہ اُسے کسی اور شخص کے پاس بھیج دیں اور چوں کہ اُن کے آدمی دہلی آتے رہتے ہیں، اس لیے کسی کے ہاتھ اُسے میرے پاس سے منگا لیں۔ ڈاک سے بھیجنا میرے بس کی بات نہیں۔ اتفاق سے انجمن سے ایک صاحب آ گئے تھے، مولانا کا مسوّدہ اُن کو دے دیا کہ میاں ذرا اِسے سی سا کر اور لپیٹ لپاٹ کر بھیج دیجیے۔ یوں وہ کام ہو گیا، ورنہ وہ بھی ابھی تک یوں ہی رہتا۔ اور ابھی تو اکیڈمی ہی وجود سے محروم ہے، کئی مہینے لگیں گے اُس کی تشکیل اور پھر آغازِ کار میں۔ یوں بھی ابھی جلدی کی کوئی بات نہیں۔ مولانا کو خط اِس لیے لکھا تھا کہ دفتر کا احول یہ ہے کہ وہاں کسی کو خبر نہیں رہتی کہ کب کون سا خط یا کون سا مسوّدہ آیا تھا اور وہ ہے کہاں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ نئی کتاب کا مژدہ آپ نے سنا کر جی خوش کر دیا۔ شاید کل پرسوں تک آ جائے، اُس کی رسید پہنچے گی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۷)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۱ر جولائی ۱۹۹۱ء [۳۷]

برادرم!

جس دن میں نے خط لکھا تھا، اُس کے دوسرے تیسرے دن کتاب بھی مل گئی۔ انتساب کے متعلق کیا عرض کروں۔ میں اپنے تئیں اِس قابل نہیں سمجھتا کہ اتنی اچھی کتاب کا انتساب مجھ جیسے ہیچ مداں کے نام کیا جائے۔ یہ صرف آپ کی نوازش ہے اور اِس کے لیے شکر گزار ہوں۔

مضامین سب اگرچہ پہلے کے پڑھے ہوئے ہیں، مگر اب یک جا طور پر انھیں آہستہ آہستہ ایک بار پھر پڑھوں گا۔ صحت کا احوال ابھی تک قابلِ اطمینان نہیں۔ ہر ماہ چک اَپ کے لیے جانا پڑتا ہے اور یہ سلسلہ دسمبر تک تو چلتا ہی رہے گا، اُس کے بعد دیکھیے ثبات و قرار کی صورت کس انداز سے رونما ہوتی ہے۔ ہوسٹل میں کھانے کی مشکلیں اپنے انداز کی ہیں، اُن کا حل بھی کیا ہوگا۔ بہ ہر حال می گذرد۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

نقوش ایوارڈ کے لیے مولانا کو میری طرف سے مبارک باد دے دیجیے۔ اب تک تو واپس آگئے ہوں گے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۸)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۲ر جولائی ۱۹۹۱ء [۳۸]

برادرم!

کل ہی ایک خط کتاب کی رسید کا بھیج چکا ہوں۔ یہ بتائیے کہ مندرجۂ ذیل اشعار کے شاعر کا نام معلوم ہے:

(۱) خواہ تم پانو گھِسو، یا کہ رکھو سر بہ سجود

بات پیشانی کی جو کچھ ہے، وہ پیش آنی ہے
(۲) نہ جانوں کس پری رو کی نظر ہوئی
ابھی تو تھا بھلا چنگا مرا دل

جواب فوری طور پر لکھیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

اور ہاں چمنستانِ شعرا آپ کے پاس ہے؟ میرے سامنے موجود نہیں۔ اور لائبریری جا نہیں سکتا ابھی؛ کیا شفیق نے تذکرے کے آخر میں مندرجۂ ذیل شعر کو اُن اشعار کے ذیل میں لکھا ہے جس کے انتساب کا اُسے علم نہیں تھا:

کمال ابرو مرے گھر کیوں نہ آوے
کہ جس کے واسطے کھینچے ہیں چلّے

(۳۹)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۷ار دسمبر ۱۹۹۱ء [۳۹]
مخبی!

عزیزہ لبنیٰ کی شادی کا دعوت نامہ ملا۔ بہت مسرّت ہوئی کہ آپ ایک بڑی ذمّے داری سے سبک دوش ہوسکیں گے۔ میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھی پہنچا دیجیے۔ دعا کرتا ہوں کہ دولھا، دلھن دونوں ہمیشہ خوش وخرّم رہیں۔ یاد آوری کا شکریہ۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴۰)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۲ر ستمبر ۱۹۹۳ء [۴۰]

برادرم!

طبیعت رو براہ نہیں رہتی، اب بائیں گھٹنے میں درد رہتا ہے۔ اِکسرے میں معلوم ہوا کہ نیچے کی ہڈّی بڑھ گئی ہے۔ دو مہینے سے روز دو گھنٹے کے لیے ہیلتھ سنٹر جاتا ہوں مشینی علاج کے لیے۔ یوں گلزارِ نسیم کا کام بھی چوپٹ ہو رہا ہے۔ سال بھر کی مسلسل کوشش کے بعد اب کلکتے کی ایشیاٹک سوسائٹی سے عزّت اللہ بنگالی کے اصل فارسی متن کا عکس مل سکا ہے اور دوسرا انڈیا آفس لندن سے، کہ وہ تو پرسوں ہی ملا ہے۔

قطران کے لغت کا بس نام لیا گیا ہے، وہ اب تک کہیں ملا نہیں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اس کے وجود کا احوال سودا کے تذکرۂ شعرا جیسا ہے۔ لغت ملا نہیں، نام کیا ملتا۔ اس کا کوئی نام نہیں لیا گیا، بس قطرن کا لغت کہا گیا ہے۔

ہاں پہلے یہ کہہ دوں کہ قاضی صاحب نے اپنی زندگی میں مآثرِ غالب کو نظرِ ثانی کے بعد شائع کیا تھا، اُسے دیکھیے، اُس میں وہ جملہ صاف طور پر مل جائے گا۔ میرے پاس وہ نہیں۔ مختار الدین آرزو صاحب سے کل ملاقات ہوئی تھی غالب انسٹی ٹیوٹ میں، وہ کہہ رہے تھے کہ عابد رضا بیدار صاحب نے اُن سے فرمایش کی ہے مآثرِ غالب کو مرتب کرنے کی۔

آزیدن، آژیدن، آزدن، اَزدن، آژدن فارسی کا مصدر ہے جو برہانِ قاطع میں موجود ہے، اِس کے معنی ہیں: خلانیدنِ سوزن و امثالِ آن ست و استرہ زدن" رنگ کردن کے معنی میں بھی آتا ہے۔ پہلے مصرعے کے معنی صاف ہیں: مخالفوں کی آنکھوں کو تیرے چھید دے۔ دوسرا مصرع مبہم سا ہے۔ اگر "کفِ" کے بجائے "کف" پڑھا جائے تو تاویل کے ساتھ معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ (دوستوں) کے ہاتھ کو سونے سے رنگ دے (یعنی بھر دے)۔ نذیر صاحب سے بھی مشورہ کیا، وہ بھی اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکے۔

پیدایش اور زیبایش سے متعلق یاد پڑتا ہے کہ قاضی صاحب نے "غالب بہ حیثیت محقق" میں گفتگو کی ہے۔ کتاب میرے پاس ہوتی تو دیکھ لیتا۔ آپ ذرا نظر ڈال لیجیے۔ شادی مکتب نشینی کسی ایرانی کے کلام میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ تو محض ہندستانی طرزِ کلام ہے۔ "خوشتر" کی جگہ "خوبتر" لانے کی ضرورت نہیں۔ خوش تر سے بھی مصرع باوزن رہے گا۔ یہاں تسکینِ اوسط کا زحاف آیا ہے۔ مفعولُ فاعلاتن مفعول فاعلن۔ اصل وزن: مفعول فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلن۔ فاعلات زحاف کے اثر سے فاعلان بن جائے گا اور مفاعیل

مفعول بن جائے گا۔ میرا بھی خیال یہی ہے کہ یہ مصرعہ ہے اور "روز سیاہ" ہوگا یا یہ کہ ہونا چاہیے۔ قاضی صاحب نے "غالب بہ حیثیت محقق" میں لکھا ہے کہ قطران کا لغت عہدِ جہاں گیر تک موجود تھا، یوں کہ فرہنگ جہانگیری کے مولف [نے] اپنے مآخذ میں اس کا کام لیا ہے، مگر میرا خیال یہی ہے کہ اُسے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ جب عہدِ جہانگیر تک موجود تھی تو اُس کے علاوہ کوئی اور بھی تو اس سے واقف ہوتا، مگر کوئی واقف نہیں ملتا۔ ہاں بھائی! 'نقدِ غالب' ابھی مل گئی۔ اِس میں ص ۲۱۴ پر زیبائش و پیدائش کی بحث موجود ہے، آپ اُسے دیکھ لیجیے۔ آپ کے پاس تو ہوگی۔ لیجیے نیت صادق تھی تو وہ بھی مل گئی۔ اس میں جملہ یوں ہے: "دیوان مجیک و دقیقی... پیش من بخواند و ہر معنی کہ او را مشکل بود از من پرسید"۔ یہ جملہ تو بالکل صاف چھپا ہوا ہے۔ معلوم نہیں آپ کے پیش نظر نسخے میں کس طرح مغشوش ہوگیا۔ میرے سامنے غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء ہے، یعنی علی گڑھ میگزین کا غالب نمبر، جو بعد کو 'نقدِ غالب' کی شکل میں کتابی صورت میں شائع ہوا۔ مآثر غالب پہلی بار اس میں شائع ہوئی تھی۔ امثال و حکم (علی اکبر دہخدا) میں اِسے اس طرح لکھا گیا ہے:

"صلاح ما ہمہ آنست کو تراست صلاح (اگر بمذہب تو خونِ عاشق است مباح"۔ یعنی پورا شعر مندرج ہے۔

مولانا سے سلام کہیے۔ یاد رکھیے اور یاد کرتے رہیے۔ خط کی رسید سے ضرور نوازیے۔

رشید حسن خاں

مطلع حافظ کا ہے۔ دیوان مرتبہ قزوینی و قاسم غنی میں یوں مندرج ہے:

اگر بمذہب تو خون عاشقت مباح
صلاحِ ما ہمہ آنست کاں ترا ست صلاح

(۴۱)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۹ر ستمبر ۱۹۹۳ء [۴۱]

نقوی صاحب!

ابھی آپ کا خط ملا۔ ارے صاحب! میں آپ کے خط کا جواب بھیج چکا ہوں، شعبے کے پتے پر، سوالات کا جواب بھی لکھ چکا ہوں۔ اگر اب بھی نہ ملا ہو تو لکھیے، سارے جوابات پھر

سے لکھ دوں گا۔

مذہبِ عشق بارہا چھپ چکی ہے، آخری بار لاہور سے چھپی تھی۔ مجلسِ ترقیِ ادب کی طرف سے، یہ نسخہ میرے پاس ہے۔ اس کے کسی خطی نسخے کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں۔ ہاں اگر کہیں اس کی اشاعتِ اوّل (فورٹ ولیم کالج) مل جائے تو بے شک کام کی چیز ہوگی۔

خط لکھیے

رشید حسن خاں

(۴۲)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

گائر ہال

۸/ اکتوبر ۱۹۹۳ء [۴۲]

نقوی صاحب مکرّم!

میں نے آپ کو دو خط لکھے شعبے کے پتے پر۔ پہلے خط میں آپ کے سوالات کے جوابات تھے۔ اُس کے بعد آپ کا خط آیا، جس سے معلوم ہوا کہ میرا خط نہیں ملا۔ میں نے پھر خط لکھا، اُس کا جواب نہیں آیا۔ اب میں حیران ہوں کہ معاملہ کیا ہے!

از راہِ لطف لکھیے کہ میرا پہلا خط ملا تھا یا نہیں۔ نہیں ملا، تو میں وہ سارے جوابات از سرِ نو لکھ کر بھیج دوں۔ یہ خط گھر کے پتے پر بھیج رہا ہوں۔ کیا آپ ۳۰/ اکتوبر کو لکھنؤ آئیں گے؟ میرا تو ارادہ ہے۔ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت: گھر کا پتا یاد نہیں رہا، مجبوراً پھر شعبے کے پتے پر بھیج رہا ہوں۔

(۴۳)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۲۴/ جنوری ۱۹۹۴ء [۴۳]

عزیزِ مکرّم!

خط ملا تھا، مگر میں سمینار کے بعد سے برابر مبتلائے بخار ہوں، سخت نقاہت ہے۔ آج بہت ہمّت کر کے بیٹھ ہی گیا اور آپ کی مطلوبہ عبارت نقل کر دی۔ خیال رکھا ہے کہ نقل مطابق

اصل رہے۔ دوسری سطر میں ''۱۹ء'' لکھا ہوا ہے، یعنی شروع کے اعداد موجود نہیں۔ دسویں سطر میں صرف ''ء'' لکھا ہوا ہے، اس پر کوئی عدد نہیں۔ حاشیے پر دو جگہ جو کچھ تحریر ہے، وہ بھی اصل کے مطابق ہے کہ اُس میں بھی یہ لفظ اور عبارت حاشیے پر ہے۔ یہ، جگہ؛ اِن دونوں لفظوں میں ہائے ملفوظِ آخر کے نیچے شوشہ اصل تحریر میں موجود ہے۔ انیسویں سطر میں ''نام کتاب'' اصل کے مطابق ہے (کتابت ہونا چاہیے)۔

ص ۱۷ میں اور اُس کے بعد کی خالی سطر میں جو حصّہ قلم زد ہے، وہ میری ذمّے داری ہے، اصل تحریر سے اُس کا تعلّق نہیں۔ کاما اور فل اسٹاپ ہر جگہ اصل کے مطابق لگائے گئے ہیں۔ یہی احوال قوسین کا ہے۔ اِس عبارت پر کوئی عنوان نہیں۔

ڈاک کا احوال آج کل بدتر ہے، اگر یہ خط آپ تک پہنچ جائے تو اِس کی رسید ضرور بھیجیے۔ مولانا سے میرا اسلام کہیے۔

ہاں بھائی! آپ کے تلمیذِ رشید اور میرے لیے برادرِ عزیز نسیم صاحب کا طویل مضمون اکیڈمی میں پڑھا۔ اُنھوں نے بہت محنت کی ہے، مگر ریت میں دودھ بہایا ہے۔ اُن سے میری طرف سے کہیے کہ حیدری صاحب کو تو لکھنے کا ہیضہ ہوا ہے، وہ سارا دن لکھتے ہی رہتے ہیں۔ کہاں تک محاسبہ کریں گے اور وہ تو ایسا ہی لکھتے تھے، لکھتے ہیں اور لکھتے رہیں گے۔ بہت محنتی ہیں، مگر طبعِ رسا اور ذوقِ سلیم سے فطرت نے اُن کو محروم رکھا ہے۔ میں نے تو کئی برس سے اُن کی تحریروں کو پڑھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں اُن کے سوا اور سب کم پڑھے لکھے لوگ بستے ہیں، جو لکھ دو، سند رہے گا۔ اور یہ بھی کہ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔ اِن کی فضل نگاری اور ہمارے خاں صاحب کی حاشیہ نگاری نے تحقیق کو بہت ڈراونی چیز بنا دیا ہے۔ خدا ہم سب پر رحم کرے۔

رشید حسن خاں

(۴۴)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۳ر فروری ۱۹۹۴ء [۴۴]

برادرم!

میں نے عین عالمِ ناسازیِ طبع میں قاضی صاحب کی اُس عبارت کو نقل کر کے بھیجا تھا۔ خط میں نسیم صاحب کے مضمون سے متعلق بھی بعض باتیں لکھی تھیں (مطبوعۂ اکیڈمی)۔

اب ۲۸ر جنوری کا خط کل ملا، اُس سے معلوم ہوا کہ میر الفافہ نہیں پہنچا۔ حیرت ہے۔ جین صاحب کا پرسوں خط آیا کہ میں نے جو خط ۲۱ر دسمبر کو لکھا تھا، وہ اُنھیں ۱۹ر جنوری کو ملا۔ یہ حال ہے ڈاک کا۔ خیر، اب میرے پڑوسی اور آپ کی دانش گاہ کے ایک قدیم طالبِ علم، جو بنارس ہی میں رہتے ہیں، وہاں آرہے ہیں۔ ان کے ہاتھ اصل شمارہ ہی بھیجے دے رہا ہوں۔ اِسے آپ نقل کر لیجیے اور ویسے بھی دیکھ لیجیے۔ کئی چیزیں کام کی ہیں۔ اِنھی کے ہاتھ واپس کر دیجیے۔ میں اب ٹھیک تو ہوں، مگر نقاہت سے نجات ابھی تک نہیں مل سکی ہے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ قمر جہاں صاحبہ اور مولانا صاحب سے سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۴۵)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

گائر ہال

۲۲ر فروری ۱۹۹۴ء [۴۵]

برادرم!

آپ کا ۱۴ر فروری کا پوسٹ کارڈ مجھے آج ۲۲ر فروری کو ملا۔ ایں ہم غنیمت است۔ طبیعت ابھی تک رو بہ راہ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب یہی احوال رہے گا۔

آپ نے قاضی صاحب کی یادداشت کی بابت پوچھا ہے، محاصر کے شمارہ ۱۷ میں اس کی پہلی قسط شائع ہوئی تھی، صفحات: ۲۶۔ پھر معاصر کے شمارہ ۱۸ میں قسط ۳ شائع ہوئی، صفحات: ۳۵۔ اِس کا مطلب ہے کہ قسط ۲ کہیں اور چھپی تھی۔ ۱۸ میں مطالعات کے عنوان سے ایک مضمون ہے، مگر وہ بھی یادداشتیں ہی ہیں۔ صفحات: ۴۴۔

یہ خط گھر کے پتے پر بھیج رہا ہوں، معلوم نہیں پہنچے گا کہ نہیں، اور پہنچے گا تو کب پہنچے گا۔

رشید حسن خاں

(۴۶)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

گائر ہال

۲۸ر ستمبر ۱۹۹۴ء [۴۶]

برادرم!

دنوں سے خیر و عافیت معلوم نہیں ہوئی۔ دسمبر میں غالب سیمنار ہے، آج دعوت نامہ آیا تو یہ بات معلوم ہوئی۔ اُدھر میرا جانا مہینوں سے نہیں ہوا ہے۔ کیا آپ آئیں گے؟ اگر آنا ہو تو معیار و تحقیق کا وہ شمارہ ضرور ساتھ لیتے آیئے جو میں نے سردار جی کے ہاتھ بھیجا تھا۔ وہ اب ہاتھ سے بے ہاتھ ہو گئے ہیں، یوں کہ ایک دوسرے ہوسٹل میں رزیڈنٹ ٹیوٹر بن کر چلے گئے ہیں، لہٰذا اب اُن سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔

خدا کرے آپ مع مولانا کے بہ خیر ہوں۔ اُن سے میرا اسلام ضرور کہہ دیجیے۔

مخلص رشید حسن خاں

(۴۷)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۰/اکتوبر ۱۹۹۴ء

نقوی صاحب!

خط آپ کا ملا تھا۔ تاخیر یوں ہوئی کہ میں آج کل گلِ بکاولی کے چکّر میں بے طرح پھنس گیا ہوں۔ بیسیوں خطّی نسخے دیکھے ہیں، لیکن فارسی قصہ گل بکاولی کے کاتب نے جس علمی انداز سے کم سوادی کے کمالات دکھائے ہیں، اُن سے حیران رہ جاتا ہوں۔ لطیفہ یہ ہے کہ مصنف بھی کچھ کم باکمال نہیں، فارسی کو ریختہ بنا دینے میں اُسے یدِ طولا حاصل ہے اور لفظوں کو اِس طرح عربیاتا ہے کہ لطف آجاتا ہے۔ اور عربی کے انداز پر جمعیں تو ایسی بناتا ہے کہ واہ واہ!

آپ کے اس لفافے میں بھائی مولانا کے نام کے دو کاغذ بھی ہیں، یہ اُنھیں فوری طور پر دے دیجیے اور جس طرح بھی ہو، اُن سے فوری طور پر جواب بھجوا دیجیے۔ ”عرض دیدہ شد“ کے متعلّق میری رائے یہ ہے کہ یہ جائزے کا نشان ہے۔ پرانے کتب خانوں میں بھی کتاب خانے کا جائزہ لیا جاتا تھا وقتاً فوقتاً، یا اُس وقت جب کسی نئے بادشاہ یا امیر کی باری آتی تھی اُس کی ملکیت کے سلسلے میں۔ جائزے کے بعد ہر کتاب پر یا خاص خاص اہم کتابوں پر لکھ دیا جاتا تھا۔

ایک خیال اور بھی ذہن میں آتا ہے، کہ شاید یہ کسی نئی کتاب کی پیش کش کا نشان ہو۔

رسالہ تحقیق (سندھ یونی ورسٹی) کا تازہ شمارہ آیا ہے، اِس میں مختارالدین صاحب کا ایک مضمون مآثرِ غالب یا آثارِ غالب سے متعلق ہے۔ اگر آپ کو دلچسپی ہو تو اُسے بھجوادوں۔

رشید حسن خاں

(۴۸)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۵/نومبر ۱۹۹۴ء[۴۸]

نقوی صاحب!

رسالۂ تحقیق کے متعلقہ صفحات کا عکس بھیج رہا ہوں۔ ڈاک کی گڑبڑی سب پر روشن ہے، یوں ملتے ہی اِس کی رسید بھیجیے گا۔

مولانا کا لفافہ مل گیا۔ اُنھیں مزید مبتلاے زحمت کیا گیا ہے۔ اِس طرح اُنھیں دوسروں کو راہِ راست پر لانے کا ثواب ملے گا اور مجھے اُس کا وسیلہ بننے کی وجہ سے اُتنا ہی ثواب ملے گا۔

لرزاں تھی زمیں یہ دیکھ کہرام　　　تھی سبزے سے راستہ مو براندام

''تھے'' بھی پڑھ سکتے ہیں: تھے سبزے سے راست مو براندام۔ میں نے ''تھی'' رکھا ہے۔ آپ کی راے کیا ہے؟

رشید حسن خاں

خطوطِ غالب مرتبہ مہیش پرشاد ہے آپ کے پاس؟
مولانا صاحب کا لفافہ اُنھیں دے دیجیے۔ شکر گزار ہوں گا۔

(۴۹)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۲/مارچ ۱۹۹۵ء[۴۹]

نقوی صاحب! آداب

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے اور یہ خط آپ تک ضرور پہنچ جائے گا۔
میں نے نواب مرزا شوق کی تینوں مثنویوں (فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق) کو

مرتب کرنے کا خاکہ بنایا ہے۔ کام بھی شروع کردیا ہے۔ آپ اِس سلسلے میں میری کیا مدد کرسکتے ہیں؟ مجھے فی الوقت اِن مثنویوں کے قدیم اڈیشنوں کی ضرورت ہے، یعنی ۱۲۶۲ھ سے لے کر ۱۲۸۰ھ تک کے نسخوں کی۔ یہ کہیں بھی ہوں، ان کے عکس بنوائے جاسکتے ہیں۔ آپ کے یہاں یہ نسخے ضرور ہوں گے۔ میری خاطر زحمت گوارا کیجیے اور تلاش کر دیجیے۔ بہت ممنون ہوں گا۔ چشم براہ ہوں۔

رشید حسن خاں

بھائی مولانا کہاں ہیں۔ ایک جواب طلب خط شعبے کے پتے پر بھیجا تھا۔ آج تک جواب نہیں ملا۔ ذرا میری سفارش تو کر دیجیے۔

(۵۰)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۰/اپریل ۱۹۹۵ء ۵۰

نقوی صاحب!

معلوم نہیں آپ آج کل کہاں ہیں۔ غالباً موسمِ گرما کی تعطیلات شروع ہوچکی ہوں گی۔

آپ نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ ہمارے مولانا صاحب آمادۂ سفر ہیں اور کئی جگہ جائیں گے، ساتھ ہی یہ بشارت بھی دی تھی کہ وہ جہاں جائیں گے، یہ بھی دیکھ لیں گے کہ شوق کی کون سی مثنوی وہاں ہے اور کس سنہ کی۔

اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ سفر سے واپس آئے یا نہیں، یوں اُن کو خط نہیں لکھ سکتا۔ آپ مطلع کیجیے کہ وہ کہاں ہیں اور اُنھوں نے اپنا وعدہ کس حد تک وفا کیا ہے۔ اگر وہ وہاں ہوں تو میری طرف سے درخواست کر دیجیے کہ وہ فوری طور پر خط لکھیں۔ یہ بھی معلوم کر لیجیے کہ وہ تعطیلات میں کہاں رہیں گے۔ اُن کو خط لکھوں تو کس پتے پر۔ آدمی مولوی کے پھیر میں آجائے تو پھر وہ اپنے اختیار میں نہیں رہتا۔ سُو وہی میرا احوال ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵۱)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۵رمئی ۱۹۹۵ء [۵۱]

برادرم نقوی صاحب!

۲۶راپریل کا خط مجھے آج ۵رمئی کو ملا۔ توقع کرتا ہوں کہ اب تک صورتِ حال واضح ہو چکی ہوگی اور گھر پر سب لوگ بہ عافیت ہوں گے۔

نذیر صاحب سے متعلق جس کتاب کا آپ نے حال پوچھا ہے، تو میں اُس سے بالکل بے خبر ہوں۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ مجھ سے کسی نے کچھ کہا بھی نہیں تھا۔ اگر کسی سے ملاقات ہوئی تو معلوم کروں گا اور آپ کو مطلع کروں گا۔

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵۲)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۲رنومبر ۱۹۹۵ء [۵۲]

نقوی صاحب!

میں نے گلزارِ نسیم کی دو جلدیں رجسٹری سے بھیجی تھیں آپ کے نام، شعبے کے پتے پر؛ ایک آپ کے لیے اور ایک بھائی مولانا کے لیے۔ اب اس کو دو ہفتے ہونے کو آئے ہیں، رسید اب تک نہیں ملی، یوں تشویش ہے۔ صورتِ حال سے مطلع کیجیے۔

مولانا کہاں ہیں؟

رشید حسن خاں

میں ۳۱رجنوری تک گائر ہال میں رہوں گا۔ اس کے بعد میرا پتا یہ ہوگا:

رشید حسن خاں

167-BAROOAZI-II, (باڑوزئی دوم)

SHAHJAHN PUR (U.P.) Pin: 242001

(۵۳)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۲ر دسمبر ۱۹۹۵ء[۵۳]

برادرم نقوی صاحب!

آج آپ کا خط مرقومہ ۴ر دسمبر ملا، شکریہ۔ جس حادثے کا آپ نے ذکر کیا ہے، اُس کا احوال پڑھ کر بہت دُکھ ہوا۔ بے حد غم انگیز واقعہ ہے۔ خداے پاک مرحومین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر کی توفیق، اگرچہ ایسے حالات میں صبر ہوتا نہیں اور ہو بھی نہیں سکتا۔

یہ کیا دستِ اجل کو کام سونپا ہے مشیّت نے
چمن سے توڑنا پھول اور ویرانے میں رکھ دینا

میرا وہ خط بھی مل گیا ہوگا جس میں میں نے گلزارِ نسیم کے ص ۴۰۵ اور ۴۰۷ سے متعلق دو تصحیحات لکھی ہیں اور آپ نے اپنے نسخے میں تصحیح بنا لی ہو گی اور مولانا کو مطلع کر دیا ہوگا کہ وہ بھی اپنے نسخے میں اُسے شامل کر لیں۔

ہاں بھائی! ظاہر ہے کہ شاہ جہان پور جا کر پہلے کی طرح تو کام نہیں ہو پائے گا، دہلی میں ہوں تو سو طرح کی آسانیاں حاصل ہیں، وہاں یہ سب مفقود ہوں گی۔ کیا ہوگا، اُس کا احوال معلوم نہیں۔ بہ ہر طور مثنویاتِ شوق تو مکمل ہو ہی جائیں گی۔ پھر کیا کام ہو سکے گا، اس کو خدا بہتر جانتا ہے۔ سودا والا کام میرے ذوق کا ہے اور اُسے میں کرنا بھی چاہتا ہوں، لیکن وہاں بیٹھ کر ضروری نسخوں کے عکس حاصل ہو سکیں گے، اِس میں بہت شبہ ہے اور اس کے بغیر وہ کام نہیں ہو سکتا۔ ویسے غرائب اللّغات بھی میری فہرست میں ہے، مگر وہ ذرا الجھا ہوا کام ہے، اُس کا خاکہ بنانا پڑے گا۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ مآثرِ غالب کا انتظار ہے۔

مولانا کا خط بھی رسید کا مل گیا۔

رشید حسن خاں

(۵۴)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۶ر دسمبر ۱۹۹۵ء [۵۴]

برادرم نقوی صاحب!

آپ کا خط، جس پر تاریخِ تحریر ۱۳ر نومبر درج ہے، مجھے آج ۶ر دسمبر کو ملا۔ کل ہی میں ایک خط لکھ چکا ہوں دربارۂ تصحیحات، اور اُس سے پہلے ایک خط لکھا تھا اور اُس خط سے پہلے گلزارِ نسیم کا پیکٹ بھیجا تھا۔ آپ کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز آپ کو نہیں ملی۔ سخت تعجب ہے، اور تشویش بھی۔ بھائی! ذرا ڈاک والے سے پوچھیے، کچھ کہیے اور مجھے رسید سے نوازیے۔ کتاب آپ کو سب سے پہلے بھیجی گئی تھی۔

مآثرِ غالب مجھے نہیں ملی۔ آپ بھیجتے تو ملتی۔ اب فوری طور پر بھیج دیجیے۔ شاہ جہان پور کا پتا پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ جنوری کے بعد اُسی پتے پر مراسلت ہونا چاہیے۔ مولانا صاحب سے بھی کہہ دیجیے گا، اُن کی کتاب بھی آپ ہی کے پیکٹ میں ہے۔

رشید حسن خاں

اطہر فاروقی فارغ التحصیل ہو چکے اور J.N.U. سے چلے گئے، اب سنا ہے کہ اپنے وطن میں الکشن لڑا رہے ہیں۔ مجھے نہ تو اُن کا احوال معلوم ہے اور نہ اُن کے اُس کام کا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اُنھوں نے کیا کیا ہے اور کیا کریں گے۔ مجھ سے مہینوں سے ملاقات نہیں ہوئی اور اب شاید ہی ہو سکے کہ میں دہلی میں رہوں گا ہی نہیں۔

(۵۵)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۷ر جنوری ۱۹۹۶ء [۵۵]

برادرم!

۹ر جنوری کا خط یہاں کل پہنچا۔ ایں ہم غنیمت است۔ آپ بھی خوب ہیں۔ ایسے عالم میں خط ملا ہے کہ میں گویا ٹکٹ بدست بیٹھا ہوں۔ کل سے یہاں انجمن کے تین کارکن آئیں گے کتابوں کی پیکنگ کے لیے۔ پھر ٹرانسپورٹ کمپنی سے طے کرنا کتابیں وہاں بھیجنا ہوں گی۔ اب ایسے میں نیشنل آرکائیوز کا کیا انتظام ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی وہاں میرا کوئی واقف کار نہیں اور جب تک کسی ادارے، یعنی یونی ورسٹی وغیرہ کا خط ساتھ نہ ہو، وہ لوگ کم التفاتی سے کام لیتے ہیں یہ سب سنی سنائی ہے۔ یہاں ایسا کوئی ایک شخص میرے بس میں نہیں جس

سے ایسا خط منگوا سکوں اور جسے وہاں بھیج سکوں۔ آدمی ایسا چاہیے ہے جو بار بار جا سکے اور پیروی کر سکے۔ طالبِ علم کوئی مصیبت کا مارا مجبوراً آجایا کرتا تھا، اب وہ سلسلہ بھی نہیں رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کروں اور کیسے بھیجوں۔ خط میں نے سامنے میز پر رکھ لیا ہے۔ ۳۱؍جنوری تک اگر کوئی ''مردِ صالح'' ہاتھ آگیا تو اُس سے کہوں گا۔ اگر آپ اپنی یونی ورسٹی کی طرف سے خط بھجوا سکیں تو یہ کام نسبتاً آسانی کے ساتھ ہو سکے گا۔ میرا حال یہ ہے کہ اِدھر اُدھر آجا تو پاتا ہی نہیں اور یکم فروری کو عازمِ شاہ جہان پور ہو جاؤں گا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ کیا کروں! بہ ہر صورت ابھی دس بارہ دن تو ہیں، میری کوشش ہوگی کہ کسی ایسے فرد کو تلاش کر لیا جائے جو اِس کام کو کر سکے۔ شعبے سے نہ میں کہوں گا اور نہ وہ کچھ کریں گے۔

اب آپ تو دُعا کیجیے کہ مردے از غیب بروں آید و کارے لکھنؤ والی بات سچ ثابت ہو اور میں کوشش کرتا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵۶)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷-باڑوزئی-دوم
شاہ جہان پور، یو. پی
پن: ۲۴۲۰۰۱
۱۳؍اپریل ۱۹۹۶ء [۵۶]

نقوی صاحب! آداب

خط ملا تھا۔ بھائی! وہ شکایت نہیں تھی، محض مزاح المومنین تھا بھائی مولانا سے۔ آپ نے یہاں کچھ زیادہ سنجیدگیِ طبع سے کام لے لیا۔ اس کی مسرّت ہے کہ سیمینار کام یاب رہا۔ مولانا سے زبانی اس کام یابی پر اظہارِ مسرّت کر چکا ہوں۔

ایک ضروری بات: شعر الہند کا موخر اڈیشن میرے پاس ہے، یہ معلوم کرنا ہے کہ پہلا اڈیشن کب چھپا تھا؟ اس کی بہت ضرورت ہے اور جلد تر۔ کیا آپ اس سلسلے میں مدد کر سکتے ہیں۔

چشم براہ ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵۷)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
شاہ جہان پور
یکم نومبر ۱۹۹۶ء [۵۷]

نقوی صاحب! آداب

دنوں سے آپ کا خط نہیں ملا۔ میں نے ایک خط لکھا تھا، اُس کا جواب بھی نہیں ملا۔ میں نے لکھا تھا کہ مثنویاتِ شوق کے بعد اب سحرالبیان کو مرتّب کرنا ہے۔ بنارس میں اس مثنوی کے دو خطّی نسخے ذخیرۂ لالا سری رام میں ہیں، اُن کا احوال دریافت کیا تھا۔ میں نے یہ التزام کیا ہے کہ خطّی نسخے صرف ۱۲۳۰ھ تک کے قابلِ استفادہ رہیں۔ بعد کے اکثر نسخے مطبوعہ (طبعِ اوّل) یا نسخوں کی نقلیں ہیں۔

یہ بھی دریافت کیا تھا کہ اِس سلسلے میں آپ کے علم میں کوئی خاص نسخہ ہے؟

بھائی! اِس کام کو تو مجھے کرنا ہے، اس لیے آپ سے طالبِ مدد ہوں۔ بنارس کے نسخوں کے حال سے مطّلع کیا جاؤں اور آپ کی معلومات سے بھی بہرہ اندوز ہوں۔ از راہِ لطف اِس خط کے جواب سے نوازیے، چشم بہ راہ ہوں۔

بھائی مولانا کہاں ہیں اُن سے میرا سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۵۸)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷-بارُوزئی شاہ جہان پور (یو۔ پی)
پن: ۲۴۲۰۰۱
۲۵ر نومبر ۱۹۹۶ء [۵۸]

نقوی صاحب!

خط مل گیا۔ آپ نے علی گڑھ جانے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اُس سے میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ صرف مولانا وہاں جائیں گے یا آپ بھی، یا صرف آپ۔ جو بھی صورت ہو، وہ اپنا نسخہ ضرور بھیج دیجیے، شاید کام کا ہو، کبھی کبھی بعض موخّر نسخے بھی کام آجاتے ہیں۔ کیا

غالب سمینار میں آپ سے ملاقات ہوگی؟

رشید حسن خاں

(۵۹)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
شاہ جہان پور
۸؍دسمبر ۱۹۹۶ء [۵۹]
مخلصی!

سحر البیان کا نسخہ مل گیا، شکریہ۔ دیکھوں گا اِسے، شاید کچھ کام کا نکل آئے۔
غالب انسٹی ٹیوٹ سے میرا اب کچھ واسطہ نہیں، اِس لیے مجموعۂ مضامین کے لیے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہاں کا احوال اب دوسرے انداز پر ہے۔ البتہ میں نے خلیق انجم صاحب کو خط لکھا ہے آج ہی، اِس کے لیے۔ انجمن غالب کے دوسوسالہ جشنِ یادگار کے سلسلے میں کچھ کتابیں غالب سے متعلق چھاپے گی، اُس سلسلے میں اِس کی گنجایش نکل سکتی ہے۔ اس لیے میں نے لکھا ہے، جواب آتے ہی آپ کو مطلع کروں گا۔

اب ایک دوسری بات: ''بہشت'' کو کہیں مونث دیکھا ہے اساتذہ کے یہاں؟ آصفیہ میں میر کا ایک شعر اس سلسلے میں منقول ہے، اُس کے سوا اور کہیں یہ لفظ بہ تذکیر میری نظر سے نہیں گزرا (حالیہ استعمال سے بحث نہیں)۔ سحر البیان میں ایک جگہ ایک نسخے میں جو اہم نسخہ ہے، ''اُسی کی بہشت'' ہے۔ مولانا جب آئیں تو اُن سے کہیے گا کہ مجھے بھی اُن کے خط کا انتظار ہے۔

رشید حسن خاں

(۶۰)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷-باڑوزئی-دوم
شاہ جہان پور
۳؍فروری ۱۹۹۷ء [۶۰]

برادرم نقوی صاحب!

آپ کا خط ملا تھا۔ آپ نے بشارت دی تھی کہ تسنیم صاحب مثنوی کے اُس خطی کا عکس بھیجیں گے، اُسی کا انتظار تھا۔ بارے پرسوں وہ بھی موصول ہوگیا۔ میں اِس عنایت کے لیے دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ آپ نے بڑا کام کیا۔ تسنیم صاحب کو بھی خط لکھا ہے جو اِسی لفافے میں ہے، وہ اُن کو دے دیجیے۔

بعض بہت دل چسپ باتیں سامنے آرہی ہیں۔ اب تک پانچ خطی نسخوں کے عکس میرے پاس آئے ہیں (مزید آنا ہیں) اُن میں سے اب تک کی معلومات کے مطابق قدیم ترین نسخہ ۱۲۰۶ھ کا ہے۔ کراچی سے مشفق خواجہ نے انجمن کے نسخے کا عکس بھیجا ہے جو ۱۲۰۹ھ کا ہے اِن سب کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اِن میں سے کوئی نسخہ ایسا نہیں جسے بنیادی نسخے کا درجہ دیا جا سکے۔ جو عکس اب تک آئے ہیں، اُن میں سب سے بہتر نسخہ تو وہی ہے ۱۲۳۹ھ کا جو آپ نے بھیجا ہے، بہ لحاظِ کاتب۔ اب تک کی صورت یہ ہے کہ مجموعی طور سے سب سے بہتر نسخہ، نسخۂ فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۵ء) ہے۔ مزید نسخوں کا انتظار ہے؛ مگر اب عکس حاصل کرنا مشکل تر ہوگیا ہے۔ لائبریریاں عکس دینے سے صاف منع کر رہی ہیں، خاص کر سرکاری کتاب خانے۔ کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ میں ۱۵رفروری کو تقریباً ایک ماہ کے لیے بمبئی جاؤں گا، واپسی پر اِس کام کو شروع کروں گا۔

مگر اِن نسخوں کے دو فائدے بڑے ہیں۔ ایک الحاقی اشعار کی بحث میں اِن کی اہمیت اصلی ہے اور دوسرے بعض الفاظ کے سلسلے میں مثلاً نسخۂ فورٹ ولیم میں حمد میں بہشت مونث ہے (اُسی کی بہشت) سب خطی نسخوں میں تذکیر ہے: اُسی کا بہشت۔ میر کے ایک شعر کے سوا، جسے آصفیہ میں لکھا گیا ہے، تانیث کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ اِس سے بہ ظاہر خیال یہی ہوتا ہے کہ مذکر یہاں مرجح ہے (اِس کا فیصلہ تو خیر بعد کو ہو سکے گا)۔

آپ نے جس قدر زحمت گوارا کی، اُس کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار۔ یہ بڑا کام ہوگیا۔ ہاں، بھائی مولانا کہاں ہیں؟ کیا کچھ ناراض ہیں؟

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

ہاں صاحب! ایک نازک تر بات کہنا ہے۔ تسنیم صاحب سے تو کہہ نہیں سکتا، کہ پردۂ تکلف ہے ابھی درمیان، اور یوں بھی ایسی بات میں اُن سے نہیں کہہ سکتا، معلوم نہیں وہ کیا سوچیں۔

آپ کو بلا تکلّف لکھ سکتا ہوں، اِسی لیے لکھ رہا ہوں۔ عکس کی تیاری میں اور پھر اُسے بھیجنے میں صرف تو ہوا ہوگا اور وہ نسیم صاحب ہی نے کیا ہوگا اگر آپ مجھے اپنے طور پر، بالکل اپنے طور پر یہ معلوم کر کے لکھ دیں تو میں آپ کو وہ رقم بھیج دوں۔ اِس میں آپ تکلّف سے کام نہ لیجیے گا۔ آیندہ بھی تو ایسے کام ہوں گے اور میں زحمت دیتا ہی رہوں گا۔ میرا خیال ہے کہ میرا یہ استفسار غیر مناسب تو نہیں! آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔ بلا تکلّف ہر بات لکھ دیجیے گا۔

(۶۱)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

شاہ جہان پور

۳۰/اپریل ۱۹۹۷ء [الف]

نقوی صاحب!

خط ملا تھا۔ طبیعت میری ابھی تک ٹھیک نہیں ہو سکی ہے، سارا کام نذرِ تعطّل ہے۔ آپ کی کتابیں پاس ہی میز پر رکھ لی ہیں، مگر ابھی تک اُنھیں پوری طرح پڑھ نہیں سکا ہوں۔ میرا ارادہ مئی میں کسی وقت ۱۰/مئی کے بعد بمبئی جانے کا ہے، ساتھ لے جاؤں گا اور تب خواندگی صحیح طور پر ہو سکے گی۔

خدا بخش لائبریری کے نئے ڈائرکٹر کے اخلاق کا عالم یہ ہے کہ اُنھوں نے میرے ضروری خط کی رسید دینا بھی ضروری نہیں سمجھا، ایسے میں اُنھیں کیا خط لکھا جائے۔

بھائی مولانا کے خط کی بشارت، جو آپ نے دی تھی، وہ تو بے نور ہی رہی۔

ہاں بھائی! چھٹیوں میں آپ کا پروگرام کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ خط لکھوں تو کس پتے پر۔ اس سے فوری طور پر ضرور مطلع کیجیے۔ شاید اِس کی ضرورت پڑے کسی وقت۔ میں اگر بمبئی گیا تو دو ڈھائی ماہ وہاں ضرور رہوں گا۔ مولانا سے بروقت ملاقات ''سلامِ نیاز مندانہ'' کہیے۔

رشید حسن خاں

(۶۲)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۶۷- باڑوزئی - دوم

شاہ جہان پور
۵؍جولائی ۱۹۹۷ء ۶۲

نقوی صاحب!

دو باتیں دریافت طلب ہیں۔ (۱) حوالہ اب یاد نہیں آتا، مگر یہ اچھی طرح یاد ہے کہ کہیں پڑھا تھا کہ آپ کے پاس میر حسن کی مثنوی گلزارِ ارم کا ۱۲۱۴ھ کا خطی نسخہ ہے، جس میں ایک شعر یوں ہے:

غرض یہ کچھ اُدھر ہی کا کرم ہے   کہ تاریخ اِس کی ''گلزارِ ارم'' ہے

کیا یہ درست ہے؟ میری مشکل یہ ہے کہ میر حسن نے اپنی کسی مثنوی کا نام تاریخی نہیں رکھا بہ شمولِ سحر البیان۔ دوسرا مصرعہ دوسرے نسخوں میں کسی اور طرح ہے۔ جس میں لفظِ ''تاریخ'' شامل نہیں۔ میرا خیال یہ تھا کہ کاتب نے گلزار ارم لکھا ہوگا یا خود میر حسن نے لکھا ہوگا، اِس بنا پر کہ بہت سے لفظوں میں آج کی طرح ذال اور زے کا التزام ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا (جیسے: گزشتہ، گذشتہ۔ گزرنا، گذرنا وغیرہ) اس املا کو مفید مطلب فرض کرکے اِس نام کو تاریخی مان لیا گیا اور اِس سے اِس کے سنہِ تکمیل کا تعیّن کر لیا گیا۔ خیال میرا اب بھی یہی ہے۔ اِس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے۔

(۲) میرا خیال یہ ہے کہ غالب وہاں اور یہاں کے مخفف کو وھاں اور یھاں آخر تک مانتے رہے۔ عرشی صاحب نے انتخابِ غالب کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، وہ میرے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔ دو وجہوں سے: ایک تو یہ کہ اس انتخاب کے ۲۰ مصرعوں میں یہ لفظ نہیں آئے ہیں، مرزا صاحب نے بس ایک جگہ وھاں کو واں بنایا؛ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ مکاتیبِ غالب ہی میں بیتاب کے کلام پر اصلاح کے تحت وھاں کو برقرار رکھا گیا ہے اور یہ اصلاح لازماً اُس تاریخ کے بعد کی ہے۔ جس تاریخ میں انتخاب رام پور بھیجا گیا تھا۔ یوں زمانے کے لحاظ سے بھی وھاں اور یھاں صحیح ٹھہرتے ہیں۔ میں نے اس سے متعلق ایک تحریر لکھی ہے جو عن قریب چھپے گی، آپ کی رائے معلوم ہو جائے تو اطمینان ہو۔

(۳) غالب سمینار (دسمبر) میں آپ جائیں گے؟

(۴) ہمارے مولانا صاحب کہاں ہیں، اُنھوں نے تو بھلا ہی دیا ہے۔ نسیم صاحب سے سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۶۳)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۶۷+-باڑوزئی-دوم
شاہ جہان پور
۱۵ر ستمبر ۱۹۹۷ء [۶۳]

برادرم نقوی صاحب!

پورے دو ماہ بعد پرسوں بمبئی (ممبئی) سے واپسی ہوئی ہے۔ سفر کی غرض وہی علاج اور دوا دارو۔ ٹسٹ سب ہو گئے۔ کینسر کا شبہہ غلط نکلا۔ T.B. کا علاج، جو پہلے سے جاری تھا، ابھی مزید اکتوبر تک جاری رہے گا۔ اب بہتر ہوں۔ سحرالبیان کا کام چند روز بعد شروع کر سکوں گا۔ آپ کے دونوں خط ڈاک میں محفوظ تھے۔ میں تھا ہی نہیں، یوں رسید میں تاخیر ہوئی۔ مولانا غریب خانے پر تشریف لائے تھے میری عدم موجودگی میں۔ اُن سے نہ ملنے کا افسوس رہا۔ کیا اُن کا حالیہ پتا مل سکتا ہے؟ یہ زحمت بھی گوارا کیجیے۔

کاتب نے ''گلزار ارام'' لکھا ہے اور اِس سے تاریخ نہیں نکلتی۔ بہ ہر طور دوسرے نسخے دیکھ کر ہی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ بہ ہر طور ان دونوں اوراقِ عکسی سے مجھے بہت مدد ملے گی۔ اِس زحمت فرمائی کے لیے بہ دل ممنون ہوں۔

وھاں اور یھاں کے سلسلے میں آپ کی رائے پڑھ کر اطمینان ہوا۔ تعجب ہے کہ عرشی صاحب نے یاں اور وہاں کو ترجیح دی ہے ایک کم زور بنیاد پر، اِس کا مجھے بہت تعجب ہے۔
خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

کیا دہلی سے دعوت نامہ آیا؟ مجھے اِس کی فکر یوں ہے کہ یہی ایک وسیلۂ ملاقات اب رہ گیا ہے۔

رشید حسن خاں

(۶۴)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷-باڑوزئی-دوم
شاہ جہان پور

۱۱ر نومبر ۱۹۹۷ء[۶۴]

نقوی صاحب!

سحرالبیان کے حصۂ آغاز ہی میں منقبتِ حضرت علیؓ میں یہ شعر بھی ہے:

دیارِ امامت کے گلشن کا گل
بہارِ ولایت کا باغ سُبُل

نسخۂ فورٹ ولیم کالج کے متن میں "باغ سنبل" ہے، مگر غلط نامے میں اِس کی تصحیح کی گئی ہے اور "سُبُل" لکھا گیا ہے۔

سبل، جمع ہے سبیل کی، اور اردو میں یہ لفظ اِس معنی میں مستعمل رہا ہے۔ اقبالؔ کے یہاں بھی ہے۔ مثالیں میرے پاس محفوظ ہیں؛ مگر اِس شعر میں اس کا مفہوم متعیّن نہیں ہوتا۔ کیا اس لفظ کے کچھ اور معنی بھی ہیں؟

بھائی مولانا سے بھی پوچھ لیجیے، عربی کا معاملہ ہے۔ اُن سے میرا اسلام بھی کہیے۔

عزیزِ مکرّم نسیم صاحب سے کہیے کہ دہلی جاتے ہی گلزارِ نسیم بھجوادوں گا اُن کے نام۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۶۵)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہاں پور

۲۶ر نومبر ۱۹۹۷ء[۶۵]

نسیم صاحب! آداب

اب سے تین دن پہلے آپ کی بھیجی ہوئی کتاب مثنوی اسرارِ محبت موصول ہوئی تھی۔ آپ نے یاد رکھا، اِس کے لیے بہ دل ممنون ہوں اور شکر گزار۔

میں نے اِس مثنوی کو غور سے پڑھا اور آپ کی محنت پر آفریں کہی۔ آپ کا یہ پہلا کام ہے جو کتابی صورت میں سامنے آیا ہے (میرے علم کی حد تک)۔ اِس کو دیکھ کر ہر وہ شخص جسے تدوین سے تعلق خاطر ہے، آپ کی صلاحیتِ متن فہمی اور صلاحیتِ تدوین کا اعتراف کرے

گا۔ آپ نے واقعتاً اچھا کام کیا ہے۔

مگر اِس سلسلے کی ایک مشکل ہے۔ جو شخص اچھا کام کرتا ہے، اُس سے بہت سی توقعات وابستہ کی جاتی ہیں۔ اب آپ سے بھی ایسی ہی توقعات وابستہ کی جائیں گی اور اُن کو پورا کرنا آپ کا فرض قرار پائے گا۔ میں بھی اب آپ سے اِس کی توقع کروں گا کہ آپ کسی اہم کلاسکی متن کو مرتّب کریں گے دیوانِ سودا کے علاوہ۔ آپ ابھی عُمر کی اُس منزل پر ہیں جہاں سے آگے کی بہت سی منزلیں نظر آتی ہیں۔ دعا کرتا ہوں کہ خداے پاک آپ کو توفیق عطا کرے اور شوقِ بے نہایت، کہ ہم سب کی توقعات کو پورا کرسکیں۔ اب آپ تین بار آمین کہیے۔ گلزارِ نسیم کا بھیجنا مجھے یاد ہے، دہلی جاتے ہی اِسے بھیجوں گا۔ میرے پاس فسانۂ عجائب کی ایک دو جلدیں زائد ہیں؛ اگر یہ کتاب آپ کے پاس نہ ہو تو مطلع کیجیے، اِسے بھیج دوں گا اگر آپ پسند کریں گے۔ کراچی سے انتخابِ ناسخ کی کئی جلدیں آئی تھیں، یہاں کسے دیتا۔ بھائی مولانا سے پوچھیے کہ وہ اِس بے کارسی کتاب کو اپنے پاس رکھنا پسند کریں گے؟ شاید اُن کے پاس یہ ہوگی نہیں۔

رشید حسن خاں

اب روے سخن نقوی صاحب کی طرف ہے۔ اُنھیں یہ خط دکھا دیجیے اور یہ حصّہ پڑھوا دیجیے۔ ہاں صاحب! آپ کی تاویل خوب ہے، مگر مجھے اب بھی تامّل ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ مولانا صاحب آپ سے ''بڑی حد تک متفق ہیں''؛ یعنی چھوٹی حد تک متفق نہیں۔ مزید غور کروں گا اس پر۔ چوں کہ آپ نے عمدہ تاویل کی ہے (بالکل مولوی صاحبان کی طرح) اِس لیے اُس کی سزا بھگتیے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ہر مشکل میں اپنے مخلصین سے مشورہ ضرور کرتا ہوں، سو یہاں وہی صورت ہے۔ سحرالبیان تو آپ کے پاس ضرور ہوگی۔ ذرا اس شعر کو دیکھیے:

گر آواز سُن صید کی کچھ کہے   تو باز آئے چتک کہ بہری رہے

(۱) ''کہے'' کا فاعل کون ہے؟ ممدوح یا کوئی اور۔ دوسرے مصرعے کا الجھاو کیا کہتا ہے۔ ''بہری'' وہی ''بحری ہے'' کیا مطلب یہ ہے اُس کے (ممدوح کے) ڈر سے صید کی آواز سن کر چتک بہری ہو جاتی ہے۔ (مارے خوف کے) اور ''باز آئے'' کا مفہوم ہے کہ باز آجائے شکار کے ارادے سے اور باز یہاں محض لفظی رعایت کا کام کر رہا ہے۔ یہی ہے یا کچھ اور۔

اور اب حضرت مولانا (بالفضلِ اولیٰنا) ع: ''کہ ہے ذات تیری غفور الرّحیم''۔ اصل میں اِسی طرح ہے یہ ٹکڑا قرآنِ پاک میں کئی جگہ آتا ہے، من جملہ دیگر مقامات کے سورۂ 'مائدہ' کے رکوع ۹ میں اِنَّ اللّٰہ غفورٌ رَّحیم۔ سورۂ احقاف کے رکوع ۱: وھو الغفور الرّحیم۔ سورۂ حدید، آخری رکوع: واللّٰہ غفورٌ رَّحیم ـــــ اب یہ فرمایئے کہ شعر میں کون سا املا اختیار کیا جائے۔ جواب جلد تر مطلوب ہے۔

رشید حسن خاں

(۶۶)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- بارُوزئی- دوم
شاہ جہان پور
یکم جنوری ۱۹۹۸ء [۶۶]

نقوی صاحب! آداب
نیا سال مبارک ہو!

آپ کا خط مل گیا۔ میں پرسوں دہلی سے آیا ہوں۔ ۱۲؍جنوری کو بمبئی کے لیے روانہ ہوں گا۔ تب تک آپ کا جواب مجھے ضرور مل جائے گا، ابھی اِتنا وقت ہے۔ شمیم صاحب کی یہ ذمّے داری تھی کہ وہ خط پہلے آپ کو دیتے۔ خیر۔ مولانا کے جانے کا مجھے بہت افسوس ہے۔ خدا کرے وہ وہاں خوش رہ سکیں۔

ہاں صاحب! قرآنِ پاک میں غفورٌ رَّحیم متعدّد مقامات پر آیا ہے، مثلاً سورۂ 'مائدہ' رکوع ۲؛ 'الحجرات' آیت ۱۳؛ 'الحدید' رکوع نمبر ۱۹، سورۂ 'توبہ' رکوع نمبر ۹، وغیرہ۔ دو مقامات پر ''غفورٌ الرّحیم'' بھی آیا ہے: ''انّہ ھوالغفورٌ الرّحیم'' پارہ ۲۴، آیت ۵۳؛ ''وھوالغفورٌ الرّحیم'' سورۂ 'احقاف' رکوع ۱، آیت ۸ [میرے سامنے تاج کمپنی لاہور کا نسخہ ہے]۔ سحرالبیان کے نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں ''غفور الرّحیم'' ہے۔ میں نے ابھی اُسے بدلا نہیں۔ آپ کا جواب آجائے تو دیکھوں گا۔ اِس سلسلے میں اپنی رائے سے مطلع کیجیے، مگر ذرا جلد۔

ہاں بھائی! میرے ذہن نے دھوکا دیا، ''تخم الغمی'' درست ہے۔ رضوی صاحب یہی کہتے تھے۔ چٹک والا شعر اب بھی صاف نہیں ہوا۔ اصل میں میر حسن نے رعایتِ لفظی کے

پھیر میں متعدد شعروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہے۔ بے نظیر کی مکتب نشینی یعنی تعلیم کے تحت لکھا ہے:

عطارد کو آنے لگی اُس کی ریس ہوا سادہ لوحی میں وہ خوش نویس

اب یہاں سادہ، لوح اور خوش نویس کے تلازمے نے یہ صورت پیدا کی ہے۔ ہاں صاحب! آصف الدولہ کی سخاوت کے بیان میں، لکھنؤ کے مشہور قحط اور امام باڑے کے حوالے سے لکھا ہے:

محلّے محلّے کیا حکم یہ، کہ باڑے کی اِس غم کے کھولیں گرہ

محلّے اور باڑے کی مناسبت ظاہر ہے، مگر دوسرا مصرعہ اُلجھ گیا ہے۔ باڑے کی گرہ کھولنا کا مفہوم کیا ہے؟ ''غم کی'' پڑھ لیجیے، تب بھی وہی بات رہے گی۔ مشکل یہ ہے کہ میر صاحب دہلوی تھے؛ جب لکھنوی پھیر میں آتے ہیں تو خود اُلجھ جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اُلجھاتے ہیں۔ ذرا باڑے والے شعر پر غور کیجیے گا۔

موسیقی کی اصطلاحوں میں موصوف نے بہت خلط ملط کیا ہے۔ وہ اِس فن سے بہت دور کی واقفیت رکھتے تھے (بالکل میری طرح) اس لیے جہاں جو چاہا لکھ دیا۔ جوگن کے کاندھے پر بین رکھ دی اور پھر یہ بھی لکھا:

گئی بین کی آسماں پر گمک اُٹھا گنبدِ چرخ سارا دھمک

گمک کا تعلّق طبلے سے ہے، بین سے نہیں۔ غرض آج کل مَیں اِن اصطلاحی لفظوں میں بے طرح اُلجھا ہوا ہوں۔

اِس کے ساتھ ہی ایک اور خط بھی بھیج رہا ہوں۔ دونوں خطوں کی رسید سے مطّلع کیجیے۔ یہ دوسرا وہی خط ہے جس کی آپ نے فرمایش کی ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۶۷)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- بازوزئی - دوم
شاہ جہان پور

یکم جنوری ۱۹۹۸ء[67]

نقوی صاحب!

ایک ذریعے سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی آپ کا شعبہ چھوڑ کر علی گڑھ چلے گئے۔ کیا یہ سچ ہے؟ اور اِس لیے گئے کہ اُن کو ریڈر شپ نہیں ملی اور ملنے کی توقع بھی نہیں رہی۔ کیا یہ بھی درست ہے؟

اگر ایسا ہے تو یہ آپ کے لیے، آپ کے شعبے کے لیے اور سب سے بڑھ کر آپ کی یونی ورسٹی کے لیے شرم کی بات ہے۔ اس پر جس قدر افسوس کیا جائے، کم ہے۔ صدیقی صاحب جیسا لائق، پڑھا لکھا اور کلاسکی ادب سے واقف شخص اب آپ کو کہاں ملے گا۔ پورے ہندستان میں ایسے شاید ایک دو ہی شخص ہوں گے۔ مجھے آپ پر افسوس ہوتا ہے کہ برسوں کے بعد بھی نہ آپ خود پروفیسر بن سکے اور نہ مولانا کو ریڈر بنوا سکے۔ یہ مانتا ہوں کہ آپ بہت پڑھے لکھے شخص ہیں۔ ادبی تحقیق میں آپ کا بڑا مرتبہ ہے۔ کلاسکی ادب پر آپ کی نظر قابلِ رشک ہے۔ آپ نے اب تک تحقیق کا نہایت عمدہ کام کیا ہے، ایسا کام جیسا دوسرے نہیں کر سکے؛ مگر ایسے علم، لیاقت اور ایسی کارکردگی کا حاصل کیا جو خود بھی ترقی نہ کر سکے اور دوسروں کو ترقی نہ دلا سکے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے آپ کی یونی ورسٹی پر، کس قدر مجرمانہ طرزِ عمل ہے وہاں کے اربابِ کار کا۔ نیّر صاحب کے انتقال کو کئی برس ہو گئے، آج تک پروفیسر شپ کا تقرر نہیں ہو سکا۔ اب یہ تازہ حادثہ، یعنی صدیقی صاحب کا جانا تو ایسا واقعہ، نہیں، بل کہ حادثہ ہے کہ اس پر آپ کو اور آپ کی یونی ورسٹی کو جس قدر بُرا کہا جائے، وہ کم ہوگا۔ کیسے لائق شخص کو آپ نے چلے جانے دیا۔ اب ایسا دوسرا اُستاد ملے ہی گا نہیں۔ آپ کے سبب اردو کے طلبہ کا اور خود اردو ادب کا بڑا نقصان ہوا ہے۔ آپ وہاں کرتے کیا ہیں، وائس چانسلر صاحب سے آپ نے بات نہیں کی؟ وائس چانسلر اِس قدر غیر معقول تو ہوں گے نہیں کہ اِتنے بڑے نقصان کو بہ خوشی گوارا کر لیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ کے علم و فضل کا میں کیا کروں گا، جب آپ ایک لائق شخص کو ریڈر نہیں بنوا سکے اور اپنی پروفیسری کے لیے بھی کچھ نہیں کر سکے۔ آپ پروفیسر بنتے، تب مولانا ریڈر بنتے۔ کچھ ہوا ہی نہیں۔ مجھے آپ سے اِس کی توقع نہیں تھی کہ آپ اپنے شعبے کا اور اپنے طلبہ کا اِتنا بڑا نقصان گوارا کر لیں گے اور کچھ نہیں کر سکیں گے۔ توبہ توبہ!! مجھے بہت تکلیف پہنچی ہے اور مجھے آپ سے

بہت شکایت ہے۔

رشید حسن خاں

(۶۸)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہان پور
۱۰؍مارچ ۱۹۹۸ء[۶۸]

نقوی صاحب! آداب

چند روز کم دو مہینے کے بعد واپسی ہو سکی ہے۔ میں یہاں ۷؍مارچ کو بعدِ دوپہر پہنچا۔ بمبئی میں قیام کا اصل مقصد علاج تھا، جس کا سلسلہ دنوں سے جاری ہے اور ابھی جاری رہے گا۔ یہاں آکر دانتوں کی نئی تکلیف کا شکار ہو گیا، صبح سے ڈاکٹر ہی کے یہاں گیا ہوا تھا۔ صحت کا احوال بس یوں ہی سا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ نہ ہمّت ابھی تک ٹوٹ سکی ہے اور نہ حوصلے میں کمی ہوئی ہے، اگر چہ حالات خاصے ہمّت شکن ہیں۔

آپ کے دونوں خط مل گئے، کتاب بھی مل گئی۔ اِس لطفِ خاص کے لیے بہ دل ممنون ہوں اور شکر گزار۔ آپ کے خط کا ایک اقتباس (بلفظہٖ) میں نے ضمیمۂ تشریحات میں شامل کیا ہے کل ہی، آپ کے حوالے سے۔ اُس سے مجھے مدد ملی۔ شکر گزار ہوں۔ تسنیم صاحب کو گلزارِ نسیم انجمن سے بھجوائی تھی، رسید نہیں ملی، کیا اُن تک کتاب نہیں پہنچی؟ اِس کی مجھے فکر ہے۔ آپ ذرا اُن سے پوچھ لیجیے گا۔ دو سمیناروں کے دعوت نامے یہاں رکھے ملے، کیا کرتا، گویا بعد از وقت ملے، اور بروقت ملتے، تب بھی شاید نہ جا پاتا۔ میری ساری کوشش یہ ہے کہ کسی طرح سحرالبیان کا کام سمٹ جائے۔ اس پر بہت محنت کی ہے اور اِس کے ۱۲ نسخے بہ مشکل جمع ہوئے ہیں۔ انڈیا آفس کے نسخے کا عکس تو اسی ہفتے مجھے مل سکا ہے۔ اگر یہ کام رہ گیا، تو اس کا غم ہمیشہ رہے گا۔ اسی لیے ۷؍کو آتے ہی اس کام میں لگ گیا۔ بمبئی میں بھی اِسی کام کو کرتا رہا۔ بہت سے کاغذات ساتھ اِسی لیے لیتا گیا تھا۔ آپ لوگوں کا گہرا تعاون ہمت بڑھاتا ہے اور یوں قلم کی سیاہی خشک نہیں ہونے پاتی۔ رہی ناقدری، سو ایسے کاموں کی قدر ہمیشہ سے بس یوں ہی سی تھی۔ اس کا کیا غم۔ پھر ہم لوگ [آپ بھی اور میں بھی] ہم

سب کے لیے تو کام کرتے بھی نہیں، گنتی کے چند افراد ہمارے مخاطب ہوتے ہیں۔ شاید اِسی لیے کم معیاری سے دور رہتے ہیں۔ یہ نہایت عمدہ بات ہے۔

جین صاحب کا پتا اگر آپ کو کسی وقت معلوم ہو سکے تو ضرور لکھیے گا۔ اوائلِ دسمبر میں میں صرف اُن سے ملنے کے لیے لکھنؤ گیا تھا۔ اُن کے چلے جانے کا مجھے بہت دُکھ ہے۔ ایسے جی لگا کے کام کرنے والے اب ہمارے یہاں کتنے ہیں؟ بھائی مولانا کے دو خط آئے ہیں۔ ایک خط میں کچھ وعظ بھی کہا ہے اور آخرت کی وعید و وعدے کی یاد دلائی ہے۔ خیر، یہ بھی سہی، اُن کو ذرا اطمینان سے خط لکھوں گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ میرے لیے دُعا کرتے رہیے۔

رشید حسن خاں

(۶۹)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہان پور
۲۴ رمارچ ۱۹۹۸ء[۶۹]

برادرم!

خط ملا تھا، جس سے علی گڑھ کے سفر کا احوال معلوم ہوا۔ غنڈا گردی اب وہاں انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ میں نے یہ سنا ہے کہ ہوسٹلوں میں ایسے غنڈے پناہ گزیں رہتے ہیں اور کوئی اُنھیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ قومی درس گاہ کا یہ حال عبرت ناک ہے اور افسوس ناک۔ مگر اِس کی حیثیت مرگِ انبوہ والی ہے، بیش تر یونی ورسٹیوں کے حالات اس سے بہتر نہیں۔ مجھے اس حادثے کا حال پڑھ کر بہت افسوس ہوا، خاص کر اُس مقالے کے جانے کا؛ مگر بہ قولِ عرفیؔ: شکر کہ نا گفتہ بجاست۔ [گفتہ کر رفت زکف، شکر کہ نا گفتہ بجاست]

نسیم صاحب کا خط مل گیا تھا۔ اُنھوں نے دیوانِ بیانؔ کے لیے لکھا تھا، مگر اُنھوں نے بہت دیر میں خبر لی۔ اسلم پرویز صاحب نے اپنی ایک طالبہ کے لیے وہ سب مجھ سے لے لیے تھے، جو بیان کا دیوان مرتب کر رہی ہے۔ کاش نسیم صاحب نے اُسی زمانے میں لکھا ہوتا! اِس طرح یہ کام قاعدے قرینے کا ہو جاتا۔

سحرالبیان کا کام (متن کا) کل شام تک ۱۲۰۰ اشعار تک پہنچا؛ یعنی ضمیمۂ تشریحات، ضمیمۂ تلفظ و املا اور ضمیمۂ اختلافِ نسخ کے ساتھ۔ ساتھ ہی اشعار کی کمی بیشی کا گوشوارہ بھی۔ اختلافِ نسخ کا احوال یہ ہے کہ مثنوی کے ہر مکمّل صفحے کے ساتھ، اشعار کے اختلافاتِ متن کا بھی پورا ایک ورق ہوجاتا ہے۔ میں نے اتنے اختلافاتِ متن اس سے پہلے کسی کتاب کے نہیں دیکھے تھے۔ بہت سے مقامات پر تو قطعیت کے ساتھ متن کا تعیّن مشکل ہوجاتا ہے۔ کاتب اِس قدر کم سواد، اور جو کم سواد نہیں وہ بے احتیاط کہ غلط نویسی کی معیاری مثالیں سامنے آتی ہیں اور یہ طے کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ جو ۱۱ خطّی نسخے میرے سامنے ہیں (دو کو چھوڑ کر) اُن میں سے کس کا ناقل زیادہ غلط نویس ہے۔ بہت پریشان گن نکلا یہ کام! اور ہاں الحاقی اشعار کی بھی کمی نہیں، خاص کر بیانِ وصل میں۔ ہمارے آپ کے وہ جو بہ قولِ خود "تحقیق کا بھوت" ہیں (اکبر حیدری صاحب) اُنھوں نے سحرالبیان کے نسخۂ ندوہ کو شائع کیا ہے اور ایسے جملہ الحاقی اشعار کو عظیم بازیافت سمجھ کر شاملِ متن کرلیا ہے اور بڑے افتخار کے ساتھ۔ نقوی صاحب! یہ صاحب تو قطعی طور پر پیدل ہیں۔ میں اُن کو ناقابلِ اعتبار تو بہت پہلے سے مانتا تھا، مگر اِس قدر کورے ہیں، یہ اب معلوم ہوا جب اُن کے کسی کام کو [مجبوراً، واللہ باللہ مجبوراً] سامنے رکھنا پڑا۔ اِتنی بار لاحول کا ورد ہوا ہے کہ اب یہ لفظ ہی بے معنی معلوم ہونے لگے ہیں۔ آدمی کا وہ حال ہے کہ: کل کی خبر نہیں۔ مجھے بھی اپنے کل کی خبر نہیں؛ مگر لاتقنطوا پر ایمان ہے، اِس لیے مایوس نہیں ہوں۔ اگر سحرالبیان مکمّل ہوگئی تو پھر بہ شرطِ حیات و بقائے صحت ارادہ ہے غرائب اللّغات کو مرتب کرنے کا۔ اُس مصنف کے ساتھ بڑی زیادتی کی گئی ہے۔ میں لاہور کے ذخیرۂ شیرانی سے اِس کے ایک قدیم نسخے کا عکس لیتا آیا تھا۔ خدا بخش کے نسخے کا عکس بھی اُسی زمانے میں لے لیا تھا۔ کراچی سے ایک عکس لایا تھا۔ مقصد اِس فضول گوئی کا یہ ہے کہ اگر اِس کا کوئی نسخہ آپ کی نظر میں ہو، یا نظر میں آئے، تو ضرور مطّلع کیجیے گا۔ رضا لائبریری کے نسخوں کا حال مجھے معلوم ہے، مگر اُس سم سم کا قفل کون کھولے! بہ ہر حال، اِس کام کو بھی کرنا تو ہے۔

خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے کہ آپ کے خطوں سے ہمّت بڑھتی ہے اور کام کرتے رہنے کا ولولہ تیز تر ہوجاتا ہے، ورنہ چاروں طرف حالات اور اسباب خاصے ہمّت شکن ہیں۔

رشید حسن خاں

(۷۰)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہان پور
۳۱/مارچ ۱۹۹۸ء ۷۰

برادرم!

الیاس صاحب آج علی الصباح آئے تھے۔ شکر گزار ہوں، اگرچہ ایسی باتیں دل میں رکھنے اور دل پر نقش کر لینے کی ہوتی ہیں۔ آپ کے لیے دل سے دُعا نکلی۔ مجھے تو اصل خوشی اِس کی ہے کہ اشتہاری طالبانِ دنیا پر کیا گزری ہوگی اور حریفوں کے دل کس قدر دُکھے ہوں گے۔ اصل بات تو یہ ہے۔

رشید حسن خاں

(۷۱)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہان پور
۱۸/اپریل ۱۹۹۸ء ۷۱

برادرم!

۱۲/اپریل کا خط آج ملا۔ میرا خط مل چکا ہوگا۔ ہاں آپ کی کتاب کئی دن پہلے مل گئی تھی۔ رائے بینی نرائن کے تعارف سے متعلق چند سطریں آج ہی نیا دور کو بھیجی گئی ہیں۔ اکیڈمی سے اطلاعی خط کل آیا ہے۔

۲۶/دور نہیں، یقین ہے کہ کام حسبِ منشا و مراد انجام کو پہنچے گا۔ مجھے اِس پر بہت اطمینان ہوا کہ برسوں کے بعد بالآخر انٹرویو کی تاریخ طے ہوگئی۔ آپ تک اطلاع بھی اب تک آچکی ہوگی۔ ۲۶/ کے بعد خط ضرور لکھیے گا۔ مولانا کا خط بھی آج ہی ملا ہے۔

رشید حسن خاں

(۷۲)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۶۷-باڑوزئی-دوم
شاہ جہان پور
۲۷/اپریل ۱۹۹۸ء[۲]

برادرم
کل ۲۶ تاریخ تھی، آپ نے یہی تاریخ لکھی تھی انٹرویو کی۔ میں بے طرح منتظر ہوں حصولِ معلومات کے لیے اور اچھی خبر سننے کے لیے۔ فوری طور پر خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۷۳)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷-باڑوزئی-دوم
شاہ جہان پور
۹/مئی ۱۹۹۸ء[۳]

برادرم نقوی صاحب! آداب

آج ہی خط ملا۔ الیاس صاحب نے اطلاع دے دی تھی، مگر اصل بات آپ کے خط سے معلوم ہوئی۔ جی ہاں، یہ کھلی ہوئی سازش تھی اور خلافِ توقع نہیں تھی۔ اُسے "امام باڑا" بنانے کی تیاری دنوں سے کی جا رہی ہوگی۔ کالرا صاحب کی روش پر دُکھ ہوا؛ اُن سے مجھے یہ توقع نہیں تھی۔

بمبئی ضرور جانا پڑے گا، جون میں جاؤں گا۔ ہاں برادر! یہ M.P.S. کیا ہوتا ہے، پرسنل پرموشن سے مراد ہے؟

لکھنؤ کے میر صاحبان آج کل مجھ سے بے حد ناراض ہیں۔ اِس طرح بُرا کہہ رہے ہیں جیسے میاں مشیر ہر سیہ پڑھا کرتے تھے۔ پیش پیش ہیں میرے عزیز دوست نیر مسعود صاحب۔ وہی شیعہ سنّی بات، مگر کھل کر نہیں کہتے، پھیر دے کے کہتے ہیں۔ نجم الغنی خاں کے ایک حوالے اور شرر کے ایک حوالے سے ناراض ہیں کہ بھلا ایسے لوگ بھی راوی ہو سکتے ہیں۔ نیر صاحب نے چھ صفحے کا خط مجھے بھیجا ہے، شاید اُسے چھپنے بھی بھیجیں۔ خط کیا ہے، گالی نامہ ہے۔ یہ لوگ تو اصل بات نہیں کہہ رہے ہیں گھما پھرا کے کہہ رہے ہیں؛ ذرا

طوفان اُتر جائے تب میں کچھ عرض کروں گا۔ ابھی یہ نہیں چاہتا کہ انعام کے موقعے پر شیعہ سنّی قضیہ اُٹھے۔ یہ آپ نے انعام دلا کر بہتوں کو برافروختہ کردیا ہے۔ خیر، دیکھا جائے گا۔ اب آپ ایک اچھا سا خط لکھیے کہ کلفت دور ہو۔ تسنیم صاحب کا خط آیا تھا، جواب لکھ دیا تھا، اُن کو ملا ہوگا۔

رشید حسن خاں

(۷۴)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہان پور
۲۳؍مئی ۱۹۹۸ء

برادرم!

۱۸؍مئی کا خط مل گیا، شکریہ۔

رضا لائبریری میں پڑھے لکھے حضرات کو بلایا جاتا ہے، پھر بھلا میرا نام کیوں آنے لگا۔ صحت کا حال آج کل کچھ یوں ہی سا ہے۔ دن بھر کے لیے دہلی جانا تھا، رزرویشن کرالیا تھا، عین وقت پر طبیعت کا احوال ایسا ہوا کہ نہیں جاسکا۔ ٹکٹ یوں ہی رکھا رہ گیا۔ بمبئی جانا بھی اب فی الحال مشتبہ ہوگیا ہے۔ ایک تو یہ موسم، اور دوسرے میری طبیعت، افسردگی کا عالم ہے اور کچھ بے آرامی بھی۔ اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور بالضرور ساتھ رہتا۔ بمبئی اگر گیا بھی تو برسات کے بعد سوچوں گا۔

مولانا صاحب اگر ہاتھ آجائیں تو میرا سلام کہہ دیجیے اور یہ کہ میں ہنوز دُعا گو ہوں۔

خدا کرے آپ اِس موسم میں بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

ہاں یہ لکھ چکا ہوں کہ رائے بینی نرائن پر چند تعارفی سطریں نیادور کو بالواسطہ بھجوادی تھیں۔ وہاں سے کوئی خط نہیں آیا، معلوم نہیں نئے اڈیٹر صاحب کا احوال کیا ہے۔

(۷۵)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہان پور
۱۹/جون ۱۹۹۸ء ۷۵ ھ

برادرم نقوی صاحب!

۱۶/جون کا خط ملا، شکریہ۔ میرا بمبئی جانا اب اگست کے مہینے میں ہو سکے گا۔ وہاں جو میرے میزبان ہیں، اُنھوں نے ایک نئی کمپنی میں ملازمت شروع کی ہے، یوں پُرانا گھر چھوڑنا پڑے گا۔ نیا گھر جولائی کے آخر تک مل سکے گا، یوں اگست کے تیسرے یا چوتھے ہفتے میں جانا ہو سکے گا۔

آپ نے سحرالبیان کے متعلق دریافت کیا ہے۔ اُس کا احوال یہ ہے کہ متن مرتب ہوگیا، اُس کے چھیوں ضمیمے [تشریحات، اشعار کی کمی بیشی، تلفّظ و املا، الفاظ اور طریقِ استعمال، اختلافِ نسخ اور فرہنگ] مکمل ہوگئے۔ مقدّمے کا آغاز ہے۔ آج اُس کی بارہ فصلوں میں سے ایک فصل اُن خطّی اور مطبوعہ نسخوں کے تعارف میں جن سے تدوین میں مدد لی گئی ہے، مکمل ہوگئی ہے۔ اِس کا آخری صفحہ آج صبح ہی لکھا گیا، علی الصباح ۵ بجے کے قریب۔ ۴ بجے کام کرنے بیٹھا تھا (دن میں بجلی غائب ہوجاتی ہے)۔ میرا خیال ہے کہ آیندہ چھے ماہ میں مقدّمہ مکمل ہوجائے گا۔ ابھی سے یہ فکر پیدا ہوگئی ہے کہ اِس کے بعد کس کام کا آغاز ہو۔ سودا کے قصائد کرنا چاہتا ہوں، مگر اُس کے سب اہم خطّی نسخوں تک رسائی نہیں۔ عکس اب لائبریری والے بھیجتے نہیں اور میں اب لمبے لمبے سفر کر نہیں سکتا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کوئی کام شروع ضرور کرنا چاہتا ہوں، خاص کر یوں کہ:

موجیم کہ آسودگیِ ما، عدمِ ماست
ما زندہ ازانیم کہ آرام نگیریم

مشغولیت نہ ہو تو ذہن... شیطان کا کارخانہ بن جاتا ہے اور بیماریاں اپنی تفصیلات کو ذہن پر حاوی کرنے لگتی ہیں۔ ایک ذرا غیر متعلّق سی بات یاد آگئی، مولانا عبدالسلام خاں نیازی (دہلوی) نے جوشؔ صاحب سے ایک بار کہا تھا: جوشؔ! تمھارا دماغ، شیطان کی کھڈّی ہے (کھڈّی کا ایسا استعمال نظر سے گزرا ہی نہیں) آپ ہی کوئی مشورہ دیجیے۔

اب دو اور باتیں: دہلی سے مثنویاتِ شوق کی ایک جلد نمونتاً آئی۔ معلوم ہوا کتاب

چھپ گئی۔ میں نے رجسٹرڈ خط بھیجا ہے خلیق انجم صاحب کو کہ مندرجۂ ذیل سات حضرات کو فوری طور پر ایک ایک جلد بھجوا دیجیے، اُن میں آپ کا نام بھی ہے۔ اُن کے خط کا منتظر ہوں۔ اگر ۱۵ دن کے اندر کتاب نہ ملے، تو مجھے ضرور مطلع کیجیے گا، پھر کچھ کروں گا۔ دہلی سے چلا آیا تو ایسی معمولی باتوں میں الجھن ضرور پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ جب وہاں تھا، تو ایسا نہیں ہو پاتا تھا۔

دوسری بات: آپ نے لکھا ہے کہ ایوانِ اردو کے تازہ شمارے میں دو تین خط چھپے ہیں۔ میرا رسالہ اس بار ڈاک کی نذر ہو گیا۔ ایوانِ اردو بھی اور شب خون بھی۔ ایسا ہوتا نہیں تھا۔ آپ از راہِ لطف اُن خطوں والے حصّے کو لفافے میں رکھ کر مجھے بھیج دیجیے؛ دیکھوں تو کون کون ہے۔ شاید کوئی شناسا ہو۔ وہ حصّہ آپ کے لیے بے کار ہی ہوگا۔ طبیعت بس یوں ہی سی ہے۔ آپ یاد کرتے ہیں تو جی خوش ہو جاتا ہے۔

رشید حسن خاں

(۷۶)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہان پور
۲۳ر جون ۱۹۹۸ء[۷۶]

برادرم نقوی صاحب!

یہ خط فوری طور پر جواب طلب ہے۔

تذکرۂ ہندی کا مولوی عبدالحق مرحوم والا نسخہ میرے پاس ہے، اُس میں میر حسن کے ترجمے میں یہ عبارت بھی ہے:

"... مثنویہائے متعدّد بسلک نظم کشیدہ، خصوصاً در مثنویِ آخر کہ سحرالبیان نام دارد، ید بیضا نمودہ..."۔

آپ نے اپنی کتاب میں سحرالبیان والے جملے کی جگہ نقطے لگا دیے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کے پاس اِس تذکرے کا اکبر حیدری والا نسخہ بھی ہے، کیا اُس میں یہ عبارت اِسی طرح ہے؟

بات یہ ہے کہ میر حسنؔ نے تو مثنوی کا کوئی نام رکھا نہیں تھا۔ اُن کے ایک شعر میں یہ لفظ آیا ہے، مگر بہ طورِ نام نہیں، بہ طورِ کلمۂ صفت آیا ہے۔ یہ نام بعد والوں نے رکھا ہے۔ اگر ہندی کی یہ عبارت درست ہے، تو یہ قدیم ترین حوالہ ہوگا۔ اِس وقت میں مقدّمے کا یہی حصّہ لکھ رہا ہوں۔

ایک بات اور: گلزارِ ابراہیم مکمّل صورت میں آپ کے پاس ہے، کیا اُس میں میر حسنؔ کے ترجمے میں مثنوی کا نام سحرالبیان آیا ہے؟ میرے پاس تو وہی زور صاحب والا نسخہ ہے۔

افسوسؔ نے اپنے دیباچے میں یہ نام لکھا ہے، مگر وہ ۱۲۱۷ھ کی بات ہے۔ مصحفیؔ کا حوالہ اُس سے پہلے کا ہے [ہندی کی تدوین کا زمانہ اصلاً ۱۲۰۹ھ تک اور معمولی اضافے کے ساتھ ۱۲۱۲ھ تک ہے]۔ چشم بہ راہ ہوں۔

میرا خط مل گیا ہوگا جس میں مثنویاتِ شوق کے چھپنے کی اطلاع دی ہے۔

نیادور آیا؛ مگر وہ تبصرہ اس میں نہیں، صرف ایک تبصرہ ہے۔ شاید اگلے ماہ آئے گا، طوالت کی بنا پر۔

رشید حسن خاں

(۷۷)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
ممبئی
۷/اگست ۱۹۹۸ء

برادرم نقوی صاحب!

میں یہاں یکم اگست کو پہنچ گیا۔ بہ خیریت ہوں۔ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں واپسی ہوگی۔

آپ کیسے ہیں۔ کتاب تو اب تک مل چکی ہوگی۔ اگر بالفرض نہ ملی ہو تو فوراً لکھیے، میں اُس کا فوری طور پر انتظام کردوں گا۔

ہاں بھائی! اب یہ طے ہوا ہے کہ قصائدِ سوداؔ اور دیوانِ جعفر زٹلی، دونوں کو مرتّب کرنا ہے۔ اگر ممکن ہو تو دیوانِ جعفر کو پہلے۔ اُس کو کوئی دوسرا مرتّب نہیں کرپائے گا۔ اگر اُس کا کوئی اچھا خطّی نسخہ نظر میں ہو تو ضرور مطلع کیجیے گا۔ مطبوعہ نسخے تو دو میرے پاس ہیں۔ ایک

۱۲۶۱ھ کا اور ایک ۱۲۷۱ھ کا۔ یہ کافی ہیں۔ اب تلاش صرف خطی نسخوں کی ہے۔ میں نے کہیں دیکھا تھا کہ ۱۲۰۶ھ کا خطی نسخہ آکسفورڈ کی لائبریری میں ہے (غالباً اسے باڈلین لائبریری کہتے ہیں) اس کی فہرست چھپ چکی ہے۔ مگر یہ بھول گیا ہوں کہ یہ اندراج کہاں دیکھا تھا۔ کیا آپ کے ذہن میں ہے؟

سحرالبیان دہلی میں کتابت کے لیے دی گئی۔ یہ بوجھ سر سے اُتر گیا۔ مثنویاتِ شوق علی گڑھ مولانا کے پاس بھی بھجوادی گئی ہے۔ جین صاحب نے امریکہ سے تبصرہ بھیجا ہے مفصل، بہت تعریف کی ہے۔ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

پتا: C/o Mr. B. Kumar
B/27, ANKUR HOUSING SOCIETY, ANAND NAGAR
Cantacruz (E), Mumbai-400055, Ph. 6102068

(۷۸)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
بمبئی
۱۵ر ستمبر ۱۹۹۸ء [۷۸]

برادرم نقوی صاحب!

آپ کا خط مجھے کل ملا، ممنون ہوں۔ یہاں ڈاکٹروں کے پھیر میں آگیا ہوں، کئی ٹسٹ ہو چکے ہیں۔ پہلے ریڈیوگرافی ٹسٹ ہوا، پھر سی ٹی اسکین ٹسٹ [یہ اکیلا ٹسٹ تین ہزار روپے کا تھا] پھر خون کے تین مختلف ٹسٹ، غرض دو تین ہفتے یہی ہوتا رہا۔ اب پندرہ دن کی دوا دی ہے، اس کے بعد پھر ایک خاصا مہنگا ٹسٹ ہوگا۔

میں یہاں سے ۲۶ر ستمبر کو چلوں گا اور دہلی ہوتا ہوا ۲۷ر ستمبر کی شام کو شاہ جہان پور پہنچوں گا۔ آپ جس قدر فکر مند ہیں میرے لیے، اس کا مجھے احساس ہے اور غم گساروں کا ایسا ہی خلوص سہارا دیتا رہتا ہے اور جینے کی تمنا کو بڑھاتا رہتا ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

ہاں بھائی! اصل کام رہ گیا۔ میں نے یہ چاہا تھا کہ شمیم صاحب نے چوں کہ سودا کے کلام کو دیکھا ہے آپ کی نگرانی میں، یوں اگر ایک مختصر سی فہرست اہم نسخوں کی پہلے بن جائے تو پھر آسانی ہوگی کہ اُن کے حصول کی کوشش شروع کی جا سکے گی۔ اس لیے اگر ہو سکے تو ۸، ۱۰

اہم نسخوں کی فہرست بنادیجیے، سب نسخے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ یہی بتاتا ہے کہ اہم نسخے نسبتاً کم ہوتے ہیں، خطّی نسخے بہت ہوتے ہیں اور میں صرف اہم نسخوں سے سروکار رکھنا چاہتا ہوں۔ تو پہلے فہرست بن جائے کہ ان نسخوں سے استفادہ ضروری ہے، تب اُن کے حصول کا کام شروع کرسکوں گا۔ اِس سلسلے میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ پہلے فہرست بنادیجیے، اُسے میں دیکھ کر کام شروع کرسکوں گا۔ ہاں وہ انصاراللہ صاحب والا مضمون بھی آپ کو بھیجنا ہے اُسے بھی بھیج دیجیے، تاکہ ابتدائی خاکہ بن جائے۔ ضرورت پڑنے پر علی گڑھ میں خود جاسکتا ہوں، ویسے بھائی مولانا تو وہاں ہیں ہی، اُن سے مدد ملے گی، مگر پہلے فہرست تو بن جائے۔

اب آپ مجھے شاہ جہان پور کے پتے پر خط لکھیے، یعنی لفافہ اور انصاراللہ صاحب والا مضمون اور فہرست بھجوایئے۔ سحرالبیان اب کے کمپیوٹر کتابت سے چھپے گی۔ دہلی سے نمونہ آگیا ہے شروع کے ۸ صفحات کا، قابلِ اطمینان ہے۔ آپ کے خط کا منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۷۹)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۶۷- باڑوزئی- دوم

شاہ جہان پور

۲۲/اکتوبر ۱۹۹۸ء ۹ بجے

ایک دل چسپ بات: بمبئی میں اِس بار وہاں کے ممتاز اخبار انقلاب کے لیے ایک صاحب نے انٹرویو لیا۔ یہ صاحب شعبے میں لکچرر بھی ہیں۔ ایک سوال یہ کیا گیا تھا کہ آپ کی نظر میں اِس وقت اردو میں قابلِ ذکر محقق کون کون ہیں۔ میں نے تین نام لیے، اُن میں ایک نام آپ کا تھا۔

کل اخبار کا وہ شمارہ آیا جس میں انٹرویو چھپا ہے، اُس میں ڈاکٹر ''حنیف نقوی'' کی جگہ ''ڈاکٹر حنیف کیفی'' چھپا ہوا ہے۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں اِس ستم ظریفی پر! مجھے یقین ہے کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں، انٹرویو لینے والے برخودار کی نادانی ہے، کہ وہ کیفی ہی سے واقف ہیں۔ یہ ؤ ہی بہ قدرِ ہمت والی بات ہے۔ یہ بات یوں لکھی گئی کہ آپ بھی لطف اندوز

ہوں۔ اور ہاں اِسی انٹرویو میں میں نے کہا تھا کہ زبان کا تحفّظ اصل چیز ہے، اوّلین چیز ہے۔ اس میں ''تحفظ'' صورت بدل کر ''تلفظ'' بن گیا ہے: ''زبان کا تلفظ اصل چیز ہے''۔ اب میں سر پیٹ رہا ہوں کہ لوگ کیا سوچیں گے، مگر اب کیا ہوسکتا ہے! اب مخطوطوں ہی کو بُرا کیوں کہا جائے۔ میں ٹھیک ہی ہوں اور بے طرح مصروف ہوں، دعا کیجیے مگر بعدِ نمازِ تہجد، کہ قبول ہوسکے۔

رشید حسن خاں

(۸۰)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- بازوزئی- دوم
شاہ جہان پور
۲۴ر اکتوبر ۱۹۹۸ء [۸۰]

نقوی صاحب! آداب

میرا خط ملا ہوگا۔ آج صبح ٹیلی فون والوں نے مطّلع کیا کہ نمبر بدل دیا گیا ہے، اس لیے یہ خط فوری طور پر لکھ رہا ہوں۔ نیا نمبر ہے: 27802۔ نسیم صاحب کے خط کا جواب بھی کل ہی حوالۂ ڈاک کیا گیا ہے۔ اُن سے کہہ دیجیے گا، حنیف نقوی اور حنیف کیفی والا لطیفہ کل کے خط میں لکھ چکا ہوں۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت: معاف کیجیے گا، غلطی ہوگئی، صحیح فون نمبر ہے: 27804

(۸۱)

بنام پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- بازوزئی- دوم
شاہ جہان پور
۹ر نومبر ۱۹۹۸ء [۸۱]

برادرم نقوی صاحب! آداب

پلیٹس کے لُغت میں یہ لفظ موجود ہے:

"انجھا ['Ur;Z] S. M. Interval, postponement, Adjournment"

اس کے بعد ''انجھا پڑ جانا'' لکھا ہے بہ معنی: اَنتر پڑ جانا۔ (انتر، بہ معنی وقفہ، ناغہ)۔ شعر میں یہی معنی مراد ہیں۔ کراچی کے اردو لغت میں پلیٹس کی اِسی عبارت کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

گویتے کے نام سے میں واقف نہیں، کہیں نظر سے بھی نہیں گزرا۔

کلّیاتِ جعفر کا کام کیسے شروع ہوگا؟ نسخے ابھی تک سب نہیں مل سکے ہیں۔ پھر ناشر کا مسئلہ ہے۔ انجمن تو اُسے چھاپ نہیں سکتی۔ کچھ اور انتظام کرنا ہوگا۔ وہ انتظام ہو جائے، تب کچھ کیا جائے۔

اب یہ طے کرنا ہے کہ کون سا کام شروع ہو۔ فی الوقت تو سحرالبیان کے مقدّمے کا وہ حصّہ لکھ رہا ہوں جسے چھوڑ دیا تھا۔ اِس میں اُس نسخے کی بحث بھی آئے گی جسے وحید قریشی صاحب نسخۂ مصنّف مانتے ہیں۔ اِس میں مہینا بھر تو لگے ہی گا۔ اتوار کو، یعنی کل رام پور میں تھا، شمس صاحب کی فرمایش کی تعمیل میں۔ آنے والے اتوار کو دہلی جانا ہے، انجمن کا سالانہ جلسہ ہے اور ذوق سمینار بھی ہے، اُس میں کچھ زبانی کہنا ہے۔ اگا سکر صاحب نے رسید میرے پاس بھیج دی ہے آپ کے مضمون کی۔ آئینۂ حیرت ذہن میں ہے، ابھی سامنے آیا نہیں۔ لاہور سے اقبالیات کا تازہ شمارہ آیا ہے، اِس میں رسالۂ غالب (کراچی) پر تبصرہ بھی ہے، اس میں آپ کا مضمون بھی ہے جس میں چار فارسی خطوط کا متن آپ نے شائع کیا ہے۔ مبصّر نے ''دو تحقیقی تسامحات'' کا ذکر کیا ہے۔ ایک تو یہ حسام الدین حیدر خاں کے دیوان کو غیر مطبوعہ لکھا گیا ہے، جب کہ وہ چھپ چکا ہے مرتبۂ اکبر حیدری۔ اس خیال سے کہ یہ رسالہ شاید آپ کے پاس نہ آیا ہو، متعلّقہ ورق لفافے میں رکھے دے رہا ہوں۔ اِس کی رسید ضرور بھیجیے گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

جب خط لکھ چکا تب یہ خیال آیا، اس لیے اس خط کو بھی ملفوف کر رہا ہوں۔

(۸۲)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۶۷- باڑوزئی- دوم
شاہ جہان پور
۱۱رنومبر ۱۹۹۸ء [۸۲]

برادرم!

کل ایک خط لکھ چکا ہوں۔ آج ڈاکٹر وحید قریشی کی کتاب ''میر حسن اور اُن کا زمانہ'' (طبعِ لاہور، ۱۹۵۹ء) میں ایک حوالہ دیکھا ہے:

''انچھا برس کلاونت، جو ابنائے تان سین سے تھا، اُس سے (سالار جنگ) گوے سبقت لے گئے تھے'' (ص ۲۷۹)

اِس کے لیے حوالہ دیا ہے: ہنر و ہنرورانِ اودھ، ص ۵۸: سیّد اسرار حسین خاں، طبع اوّل ۱۹۳۶ء۔ جس کتاب کا بہ طورِ ماخذ حوالہ دیا گیا ہے، وہ میری نظر سے نہیں گزری، مگر لکھنؤ میں مل جائے گی، لکھنؤ تو آپ جاتے ہی رہتے ہیں۔ کسی خاندانی گویّے سے بھی شاید معلوم ہو سکے۔ لیکن منقولہ شعر میں اصلاً وہی معنی مراد معلوم ہوتے ہیں جو پلیٹس نے لکھے ہیں۔ یہ ایہام مزید برآں۔ پلیٹس کی عبارت کل والے خط میں لکھ چکا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۸۳)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی- دوم
شاہ جہان پور
۱۳رجنوری ۱۹۹۹ء [۸۳]

محبّی! آداب

ابھی خط ملا، مبارک باد کا شکریہ۔ میری بھی تمنا ہے کہ یہ سال آپ کے لیے مسرّت اور مزید ادبی فتوحات ساتھ لے کر آئے۔

میں فروری کے وسط میں یا پھر اواخر میں بمبئی جاؤں گا۔ سردی یہاں اِس قدر شدید ہے کہ اِس خط کا لکھنا آسان نہیں معلوم ہوتا۔ انگلیاں گلی جا رہی ہیں۔ کوئی کام نہیں ہو پا رہا ہے، ہاں بس یہ ہوا ہے کہ ایک ہفتہ پہلے سحر البیان کا مقدّمہ مکمّل ہو گیا۔ اب سارا کام

مکمّل ہو چکا ہے۔ یہ ابھی طے نہیں کر سکا ہوں کہ اِس کے بعد کیا کروں۔ بے کار نہیں بیٹھنا چاہتا۔ فرصت کے دن اب کم رہ گئے ہیں، جو ہیں، اُنھیں کام میں لایا جائے، یہ ضروری ہے۔ بھائی مولانا بے تعلّق ہو کر رہ گئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس جزیرۂ علم کی روایتی فضا راس آ گئی ہے۔ اُن کی گم شدگی کا غم بھی ہے اور افسوس بھی۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۸۴)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی- دوم
شاہ جہان پور
۸/اپریل ۱۹۹۹ء [۸۴]

برادرم! آداب

۶/اپریل کا خط عین عالمِ انتظار میں ملا، آپ کا احوال پڑھ کر پریشانی بڑھ گئی۔ خدا کرے جلد تر صحت اپنے انداز پر واپس آ جائے۔

میں ۱۶/اپریل کو بمبئی جاؤں گا، واپسی جون میں ہوگی، وہی پُرانی کہانی ہے۔ سارے ٹسٹ اِس بار از سرِ نو ہوں گے۔ آپ میرے لیے دعا کیجیے۔

ارے بھائی! میرے الفاظ کا مطلب یہ نہیں تھا، اگر یہی مطلب نکلتا ہے تو اسے میری تحریر کا نقص سمجھیے۔ ذاتی طور پر میں تحقیق کی حد تک خوش عقیدگی کا قائل نہیں، اس میں خواب بھی شامل ہیں اور کشف و کرامات بھی۔ اور اس باب میں میں غیر مقلّد ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ شیرانی صاحب سچے مسلمان تھے، مگر خواب کو اُنھوں نے استدلال کے لیے نہیں مانا سچے محقق کی طرح۔

لکھنؤ کا احوال معلوم ہوا۔ اس میں آپ کی غیر حاضری کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پچھلے سال بھی یہی ہوتا اگر آپ وہاں نہ ہوتے۔ گھٹیا پن اور غیر ادبی نسبتیں بُری طرح کارفرما ہیں آج کل وہاں۔ شُرورِ انفسنا والا احوال ہے۔ بھائی مولانا کو کتاب بھیجی، اُن کی بے نیازی نے رسید بھیجنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ اُس جزیرۂ علم میں جو کچھ نہ

ہو، وہ کم ہے۔ خیر، آیندہ را احتیاط۔

ہاں برادر! بات آپ کی درست ہے کہ مضامین کے آخر میں تاریخ درج ہونا چاہیے تھی (جیسے آخری مضمون کے آخر میں مندرج ہے) یہ فروگذاشت ہے۔

حافظ والا مضمون حافظ سمینار میں پڑھا تھا جو ایرانی قونصل خانے (بمبئی) کی طرف سے ہوا تھا۔ وہاں واقعتاً منتخب افراد تھے ہندستانی بھی اور ایرانی بھی۔ یہ مضمون ایک فارسی رسالے میں بھی چھپ چکا ہے۔ اس کا ترجمہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی نے کیا تھا۔

ہاں بھائی! کہیں جعفر زٹلی کا کوئی اچھا خطی نسخہ آپ کی نظر میں ہے؟ ہو تو ضرور بالضرور مطلع کریں۔ ابھی کناڈا سے بیدار بخت صاحب نے ایک عمدہ خطی نسخے کا عکس بھیجا ہے۔ کئی نسخے جمع ہو گئے ہیں، مگر ابھی گنتی پوری نہیں ہو پائی ہے۔ انڈیا آفس کے دو نسخوں کا انتظار ہے۔ ذخیرۂ سری رام میں تو کوئی نسخہ نہیں؟ آپ کے نسخۂ سحر البیان کا پیکٹ بنا کر رکھ لیا ہے، پھر خیال آیا کہ اب تو بس چند ماہ کی بات ہے، سحر البیان چھپ کر آہی جائے گی، تب دونوں نسخے ایک ساتھ بھیجوں گا۔

سودا والے کام کا ڈول نہیں ڈال پایا، نسخوں کے عکس کیسے ملیں گے؟ اگرچہ میں اسی کو پہلے کرنا چاہتا تھا اور کرنا چاہتا ہوں۔ کیا نسیم صاحب کے پاس کوئی نسخہ یا عکس ہے؟ نسخۂ جانسن کہاں ملے گا؟ پہلے تو مجھے ڈاکٹر محمود حسن نے دے دیا تھا، اب اُس کی توقع نہیں۔ اِس کام کو کرنے کی تمنا بہت ہے۔ آپ کا خط جو یہاں آئے گا، میرے پاس بمبئی بہ حفاظت پہنچ جائے گا۔

رشید حسن خاں

(۸۵)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۶۷- باڑوزئی - دوم

شاہ جہان پور

۲۳/ جولائی ۱۹۹۹ء [۸۵]

نقوی صاحب! آداب

آج ہی آپ کا خط ملا۔ گپتا صاحب کے مضمون کی یہ خوبی آپ کی نظر میں آئی کہ

آغاز کیا ہے اپنی کتاب کے اشتہار سے۔ گپتا جی جو ٹھہرے۔ لیکن آدمی بہت عمدہ ہیں، کام آنے والے اور مخلص۔ اب ایسے لوگ کم یاب ہیں۔ میں اُن کا بہت لحاظ کرتا ہوں۔

جی ہاں، آپ کی تحریر پڑھ لی تھی اور فاروقی صاحب کی وضاحت بھی۔ کچھ دنوں سے وہ ہمہ دانی کے پھیر میں بے طرح آ گئے ہیں اور یوں اصرارِ بے جا بڑھ گیا ہے۔ یہ اُن کی بڑی کم زوری ہے۔ لغت اُن کا موضوع نہیں، مگر ہے۔ مرحوم عابد پیشاوری کی طرح وہ قیاس پر پوری عمارت تعمیر کر لیتے ہیں۔ میں اِسی لیے ایسی تحریروں میں دخل نہیں دیتا۔ اِن کی ذہانت اور وسعتِ مطالعہ سے انکار نہیں، مگر اصرارِ بے جا بہت ہے۔ آپ خواہ مخواہ اِس پھیر میں پڑے، اپنا کام کرتے رہیے۔

اب اصل بات۔ سحر البیان میں بے نظیر کے گھوڑے کی تعریف میں ہے:

مرصّع کے سازوں سے کوتل سمند کہ خوبی میں روح الفرس سے دوچند

سات خطّی نسخوں میں اِسی طرح ہے۔ نسخۂ فورٹ ولیم کالج اور پانچ دوسرے نسخوں میں ''روح القدس'' ہے۔ متن کی بنیاد نسخۂ فورٹ ولیم کالج کو بنایا گیا ہے اور اُس میں ''روح القدس'' ہے۔ مصحفی کے شعر میں دوسرے کا مفہوم کیا ہوگا [روح الفرس نے پیرہن اپنا قبا کیا] گھوڑے کا پیرہن کسے مانیں گے۔ پہلے مصرعے میں صفائے جلد آیا ہے [اُس کی صفائے جلد کے عالم کو دیکھ کر] کیا اِسی نسبت سے روح الفرس کی جلد مراد ہوگی۔ پھر یہ کہاں مرقوم ہے کہ محمد شاہ کے گھوڑے کا نام روح الفرس تھا۔ آپ ذرا ایک بار پھر ساری باتوں پر غور کر کے اپنی رائے دیجیے۔ یہ اچھا ہے کہ یہ بات ابھی معلوم ہوگئی کہ ابھی متن اور حواشی میں تبدیلی کی گنجایش ہے۔ میں نے فی الوقت ''روح القدس'' رکھا ہے، یعنی رکھا تھا۔

ہاں ''فَرَس'' کے ایک معنی اردو لغت (کراچی) میں یہ ہیں: ''ستاروں کے روشن مجموعے کا نام جس کی شکل گھوڑے کی جیسی ہے''۔ سند میں ایک عبارت مولوی وحید الدین سلیم کی بھی ہے: ''ستاروں کے اُن مجموعوں میں جو توئین، اسد، سُنبلہ اور فرس کے نام سے موسوم ہیں، چار سدیم اِسی شکل کے دکھائی دیتے ہیں''۔ حوالہ ہے: مضامینِ سلیم جلد سوم، ص ۱۲۹۔ یہ کتاب میرے پاس نہیں۔ اس لحاظ سے تو ''روح الفرس'' بامعنی قرار پاتا ہے۔ وہ محمد شاہ کے گھوڑے کا نام تھا یا نہیں، یہ دریافت طلب ہے ـــــ میں ۲۹ر جولائی سے یکم اگست تک دہلی میں رہوں گا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ میں داغ دہلوی پر سمینار ہے۔ آپ کا خط آجائے تو

کچھ قطعی فیصلہ کروں۔ ذرا دیکھ لیجیے نقوی صاحب نے اس سلسلے میں کوئی اور حوالہ تو نہیں دیا۔

ہاں ڈاکٹر معین الرحمان (لاہور) نے دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ کے نام سے ایک خطّی نسخے کو عکسی صورت میں چھاپا ہے۔ میرا خیال، بل کہ یقین ہے کہ یہ وہی نسخۂ لاہور ہے جو پنجاب یونی ورسٹی لائبریری میں تھا اور جس کا تعارف قاضی صاحب اور عرشی صاحب اور سیّد عبداللہ نے کرایا تھا۔ یہ اب وہاں سے غائب ہو چکا ہے۔ میرے پاس اس کی دو کاپیاں ہیں، معین صاحب نے بھیجی ہیں۔ مضمون کی فرمائش ہے سخت۔ میرے لیے اُس کے مندرجات میں تامّل کے مقامات بہت ہیں۔ خیر، ایک صفحہ لکھ کر بھیج دوں گا، تبصرہ پھر کبھی۔ اگر آپ ادھر آئیں کسی موقعے پر تو ایک نسخہ آپ کی نذر کروں۔ میں دو نسخے رکھ کر کیا کروں گا۔ اگر الیاس صاحب کبھی بنارس گئے تو اُن کے ہاتھ بھیج دوں گا۔ چھاپا بہت اچّھا ہے اور پردہ پوشی بھی خوب کی گئی ہے، مگر... میں نے خط میں تو لکھ دیا ہے کہ میاں! یہ تو وہی نسخۂ لاہور معلوم ہوتا ہے، جواب آیا: ہاں اُسی جیسا ہے، بالکل ویسا ہی ہے۔ شاید ایک ہی طرح کے دو خطّی نسخے تھے۔ باقی آپ خود سوچ لیجیے۔ اربابِ شعبہ سے خاص کر نسیم صاحب سے میرا سلام کہیے۔ ان کے دیوانِ درد کا کیا ہوا؟

رشید حسن خاں

(۸۶)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۶۷- باڑوزئی - دوم

شاہ جہان پور

۲۵ر جولائی ۱۹۹۹ء [۸۶]

نقوی صاحب! آداب

میرا خط ملا ہوگا، آج یہ خیال آیا کہ کیا یہ مناسب ہوگا کہ آپ بہ راہِ راست، یا پھر بھائی مولانا کی معرفت نورالحسن نقوی صاحب سے پوچھ لیں کہ روح الفرس جو محمد شاہ کے گھوڑے کا نام تھا، تو یہ بات کہاں مرقوم ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ سحرالبیان میں اِس مع حوالہ لکھوں۔ حوالے کے بغیر اِس بات کو کون مانے گا۔

ہاں "فَرَس" ستاروں کے ایک مجموعے کا بھی نام جو گھوڑے کی شکل کا ہے۔ یہ بات

خط میں لکھ چکا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۸۷)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۲۲/اگست ۱۹۹۹ء [۸۷]

نقوی صاحب! مرقعِ غالب مل گئی۔ فون کیا تھا، آپ تھے نہیں۔ شکر گزار ہوں۔ گوشوارۂ غالب کا کام شروع کردیا ہے، چاہتا ہوں کہ اب یہ مکمّل ہی ہوجائے۔ چند صفحے بھیج رہا ہوں، طریقۂ کار کے متعلق آپ کی رائے مطلوب ہے۔ شروع کے صفحے چھوٹ گئے یہیں اور عکس نہیں بن پایا، دوبارہ اُنھیں بھیج نہیں پایا، آخر میں ''بادشاہ'' کی بحث ناتمام ہے، اگلے صفحے پر بھی آئے گی۔ کل سے سارا دن اِسی کام کی نذر کررہا ہوں۔ چاہتا یہ ہوں کہ چھے مہینے میں یہ مکمّل ہوجائے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

ہاں وہ ''رَوح'' کو دیکھا تھا؟

رشید حسن خاں

(۸۸)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہان پور
۱۳/ستمبر ۱۹۹۹ء [۸۸]

برادرم نقوی صاحب!

۳/ستمبر کا خط آپ کا ملا تھا۔ مرقعِ غالب کو کھولتے اب ڈرتا ہوں، عکس جن صفحات پر ہے۔ اُن کا کاغذ (جو خاصا موٹا ہے) درکنے لگا ہے۔ اُسے اب میں نے بند کرکے رکھ دیا ہے۔ ویسے ہی کام چلاؤں گا۔ مگر اُسے ابھی بھیجوں گا نہیں، معلوم نہیں کسی وقت ضرورت پڑ جائے۔ کام کے مکمّل ہونے پر ہی بھیج سکوں گا۔ مگر بھیجوں گا ضرور۔

بوڑھا اور بوڈھا کی تفریق میں آپ کی نکتہ آفرینی خوب ہے، مگر مجھے اُس سے اتفاق

نہیں۔ مرزا صاحب نے کئی جگہ اِس قماش کی دورنگی سے کام لیا ہے۔

اُن سارے صفحات کو (۵۰ صفحے تھے) میں نے کالعدم قرار دے دیا۔ اُسے مسوّدہ سمجھا اور نقشِ اوّل۔ از سرِ نو لکھنا شروع کیا ہے۔ اِس نظرِ ثانی کے بعد کل سترواں صفحہ مکمّل کیا ہے۔ آپ اسے دیکھ کر ضرور خوش ہوں گے۔

ابھی غالب انسٹی ٹیوٹ کا انعام نامہ ملا، جس کی خانہ پُری کرنا ہے۔ آسانی کے ساتھ تو بس ایک ہی نام ذہن میں آیا، تحقیق کا، باقی سب میں نے دوسروں کے لیے چھوڑ دیے، کیا کرتا۔ وہ ایک نام کس کا ہے، یہ آپ خود ہی سمجھ گئے ہوں گا۔ خدا کرے دوسرے بھی سمجھیں۔

ہاں مجھے ایک خط کا علم ہے کہ وہ بہ خطِ غالب نہیں۔ مکتوب بہ نام کلب علی خاں۔ جو خلیق انجم صاحب کی کتاب میں ص ۱۳۰۵ پر ہے۔ اگر اس کے سوا کوئی اور خط بھی آپ کی نظر میں ہوں، تو ضرور مطلع کیجیے۔ ان راجا بیکانیر کے نام کا جو خط ہے، اس پر ذرا سا شک ہے مجھے، مگر یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اُس کا آخری حصہ تو یقیناً کسی اور کا لکھا ہوا ہے۔ آپ ذرا اُسے دیکھ لیجیے۔ کتاب تو آپ کے پاس ہوگی۔ آپ کی رائے کیا ہے۔ یہ دوسری جلد میں ص ۱۰۵۷ پر ہے۔

نامہ ہائے غالب کے جن دو لفظوں کا آپ نے حوالہ دیا ہے، وہ یوں شامل نہیں ہو سکتے اس گوشوارے میں کہ وہ تحریریں بہ خطِ غالب نہیں۔ میں نے ''بہ خطِ غالب'' کا التزام کیا ہے، دوسری مطبوعہ تحریروں کو شامل نہیں کیا اِس گوشوارے میں۔

میرا ارادہ یہ ہے کہ میں ۱۷ اکتوبر کو اتوار کے دن ۱۱ بجے کے آس پس لکھنؤ پہنچوں اگر گاڑی لیٹ نہ ہوئی، وہیں سے اسٹیشن چلا جاؤں گا۔ گھنٹا بھر بس بیٹھ سکوں گا۔ آپ بھی آجائیں تو خوب گزرے گی۔

رشید حسن خاں

(۸۹)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۶۷- باڑوزئی- دوم

شاہ جہان پور

۲۹ر ستمبر ۱۹۹۹ء ۸۹

برادرم نقوی صاحب! آداب

میرا پچھلا خط ملا ہوگا۔

جینؔ صاحب کا خط پرسوں ملا، جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ وہ ۱۲؍اکتوبر کو شاہ جہان پورؔ سے گزریں گے لکھنؤؔ جاتے ہوئے اور یہ کہ میں اُن سے اسٹیشن پر مل سکتا ہوں۔ ۱۷؍کو لکھنؤؔ جانے کا پروگرام تھا، مجھے معلوم نہیں تھا کہ ۱۸؍ سے دسہرا ہے اور اُن دنوں میں سفر کرنا شاید بہتر نہ ہو۔ اِس لیے اب میں نے یہی طے کیا ہے کہ میں اُن سے ۱۲؍ اکتوبر کو یہیں اسٹیشن پر مل لوں گا۔

اب دوسری بات: غالبؔ نے کئی جگہ اللّٰہ، الٰہی، الٰہ لکھا ہے۔ میں نے مولانا کو خط لکھا، وہ شاید علی گڑھؔ میں ہیں نہیں، جواب نہیں آیا۔ عربی گرامر کے لحاظ سے الٰہی اور اللہ پر مد کیا آسکتا ہے، اُسی طرح جس طرح حروفِ مقطعات پر آتا ہے؟

مرزا صاحب نے ایک خط میں لکھا ہے:

> ''جس طرح اللہ میں مشدّد لام کو دو لام کے قائم مقام قرار دیا ہے، الٰہ اور الٰہی میں الفِ ممدودہ کو دوسرا الف کیونکر سمجھیں، قیاس کام نہیں کرتا، اتفاقِ سلف شرط ہے...''

(بہ نام تفتہؔ، غالبؔ کے خطوط، ص ۳۵۸)

دو لام کے قائم مقام قرار دینے سے مد کا جواز کیسے نکلے گا، یہی صورت الٰہ اور الٰہی کی ہے۔ لام کے بعد حرفِ مدّہ تو ہے نہیں، پھر مد کس طرح آئے گا، اِس سلسلے میں آپ کی رائے کیا ہے۔

میں نے حصۂ اوّل کے اُن صفحات کو کالعدم قرار دے دیا جو پہلے لکھے تھے، دوبارہ اُسے شروع کیا اور حصۂ اوّل مکمل ہوگیا، جس میں مفرد الفاظ کا گوشوارہ ہے۔ ۹۴ صفحات میں آیا ہے یہ حصہ۔ اب پرسوں سے دوسرا حصہ شروع کیا ہے ''اصول اور طریقِ کار'' والا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۹۰)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۶۷- باڑوزئی- دوم

شاہ جہان پور
۵/اکتوبر ۱۹۹۹ء ۹۰

نقوی صاحب! آداب

کل آپ کا خط ملا۔ میں اب ۱۲/اکتوبر کو جین صاحب سے یہیں اسٹیشن پر مل لوں گا، لکھنؤ آنے کا ارادہ جو تھا، وہ ختم ہوگیا۔ یہ بات میں اِس سے پہلے کے خط میں لکھ چکا ہوں، اب اُسی کی تکرار کر رہا ہوں۔ بھائی مولانا کا خط بھی کل ملا۔ اُن کے لکھنے کے مطابق الٰہ، الٰہی، اللّٰہ؛ درست نہیں۔ الہ، الہی، اللہ ہی صحیح ہے۔

''جرنیل'' میرے گوشوارے میں شامل ہے۔ مرزا صاحب نے جو اپنی سرگذشت لکھ کر بھیجی تھی اور جس کے ایک صفحے کا عکس مرقعِ غالب کے آخر میں ہے، اُس میں یہ لفظ تین بار آیا ہے۔

ہاں ''رزیدنڈ'' اور ''رزیدنڈی'' نئے لفظ ہیں، یہ اُن کی پیشِ نظر دستی تحریروں کے کسی عکس میں شامل نہیں؛ اِن دونوں لفظوں کو آپ کے حوالے سے درجِ گوشوارہ کرلیا گیا، شکریے کے ساتھ۔ ہاں ''رپوٹ'' (رپوٹ) ایک خط میں آیا ہے دوبار، اور اُس ایک خط کے حوالے سے درجِ گوشوارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اس خط میں رپوٹ اور گورنمنٹ، دونوں لفظوں میں 'ٹ' کے لیے تین نقطے ملتے ہیں: ث۔ ممکن ہے یہ عکس کی خرابی ہو، لیکن اِسی خط میں لفٹنٹ میں بھی دونوں جگہ یہی صورت ہے: ''لفثنث''۔ خیر، فی الحال یہ بات زیرِ بحث بھی نہیں۔ اِسے پھر کبھی دیکھا جائے گا۔

جہاں تک بوڑھا اور بوڈھا کا تعلق ہے تو ممکن ہے استعمالِ عام میں یہی صورت رہی ہو، مگر مرزا صاحب کی تحریروں میں اِس طرح کا فرق نہیں ملتا۔ اُنھوں نے کئی لفظوں کو دو طرح لکھا ہے، مثلاً: روانہ، روانا؛ اِس لیے اِسے بھی اُنھی لفظوں میں شمار کرنا بہتر ہوگا۔ ہمارے یہاں شہر میں اب تک گڑھا اور گڈھا کسی معنوی امتیاز کے بغیر پُرانے لوگوں کی زبان سے سننے میں آجاتے ہیں۔ اور ''علی گڈھ'' لکھ کر علی گڑھ کہنے والا بھی کم نہیں۔ کتابت میں ذہن، پُرانی روش کی طرف بھاگتا ہے اور تلفّظ میں زبان، چلن کی طرف راجع ہوتی ہے۔

''دست آویز'' فارسی کی اصل صورت ہے (برہانِ قاطع) ''دستاویز'' اُس کی مہنّد صورت ہے، یہ پہلے خیال تھا، اب فرہنگِ فارسی (ڈاکٹر معین) میں یہ لفظ سامنے آیا تو

معلوم ہوا کہ فارسی میں دست آویز نے دستاویز کی شکل اختیار کرلی تھی پہلے ہی۔ اِس فرہنگ میں ''دست آویز'' اور ''دستاویز'' دونوں ہیں۔ بہ ہر صورت، گوشوارے میں اِس لفظ کا اضافہ کرلیا گیا آپ ہی کے حوالے سے۔

میں اگلے کام کے طور پر دیوانِ جعفر زٹلی کو منتخب کرنا چاہتا تھا؛ کل انڈیا آفس لندن سے وہاں کے ایک قدیم نسخے مکتوبہ ۱۸۲۳ء کا عکس آیا، ایسا غلط نسخہ زندگی میں پہلی بار دیکھا۔ بدنصیب نے دعوی کو دعوع لکھا ہے، اس سے اندازہ کرلیجیے۔ اب اس خیال کو چھوڑنا پڑے گا۔ ذخیرۂ اشپرنگر (جرمنی) کے ایک نسخے کے عکس کا انتظار ہے، اگر وہ بھی ایسا ہی ہوا تو پھر اس کام کو تہ کرکے رکھ دوں گا۔ ہاں بھائی! ایک بات مشورہ طلب ہے: ''مصطلحاتِ ٹھگی'' کے نام سے ۱۸۳۲ء میں ایک کتاب مرتب ہوئی تھی، جس کے تین خطی نسخے حیدرآباد میں ہیں اور ایک لندن میں۔ کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ ۱۸۳۴ء میں یہ چھپی بھی تھی، مگر میں نے اسے نہیں دیکھا۔ ابھی حیدرآباد سے ایک صاحب نے، جو محض اناڑی معلوم ہوتے ہیں، اِسے غارت کرکے چھاپا ہے۔ بہت پہلے سے میرا ارادہ اِسے مرتب کرنے کا تھا۔ آپ کی رائے کیا ہے۔ مجاور حسین رضوی صاحب حیدرآباد میں ہیں اس وقت، اُن کو میں نے خط لکھا ہے ایک نسخے کے عکس کے لیے۔ الٰہ آباد سے ان کا خط آیا تھا، کچھ خوش نہیں تھے اور یہ بات انھوں نے چھپائی بھی نہیں وجہِ ناخوشی اُس معروف رباعی کا انتساب ہے خواجۂ اجمیری سے: شاہ است حسین... میں نے ایک مضمون میں اس انتساب کو قبول کرنے میں تامّل ظاہر کیا تھا، وہ مضمون میری اس کتاب تدوین تحقیق روایت میں شامل ہے، اُس پر ناراض ہیں، مگر لکھا یہ ہے کہ کچھ لوگ برہم ہیں۔ اِس قوم کا بہ ظاہر کوئی علاج نظر نہیں آتا۔ ہر بات میں وہی شیعہ سنّی جھگڑا، جب کہ میرے حاشیۂ خیال میں بھی ایسی کوئی بات نہیں۔ عقیل صاحب کا بھی خط آیا تھا، وہ بھی خوش نہیں۔ بریشم قلندر!! سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ نوٹس ہی نہ لیا جائے اور اپنا کام کیا جائے۔ یہ میں لکھ چکا ہوں کہ انجمن ترقیِ اردو کراچی نے مثنویاتِ شوق کو چھاپنا شروع کردیا ہے، مشفق خواجہ صاحب کا خط آیا تھا۔ خدا کرے یہ خط بروقت مل جائے۔ خیر، تو مصطلحاتِ ٹھگی کے سلسلے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ یہ کام کرنے کا ہے نا!

یو پی اکیڈمی کی لائبریری میں نسخۂ انڈیا آفس کا عکس ہے، بہت پہلے یہ وہاں منگایا گیا تھا، کیا آپ کے توسّط سے اُس کی عکسی نقل مل سکے گی؟ آپ اپنے لیے کہیں گے، تب انکار نہیں ہوگا، اِس کا زیادہ امکان ہے۔

رشید حسن خاں

(۹۱)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- بازوزئی- دوم
شاہ جہان پور
۱۴/ اکتوبر ۱۹۹۹ء[۹۱]

برادرم نقوی صاحب!

ابھی خط ملا۔ جین صاحب کا خط مظفر نگر سے آیا ہے، رام پور میں اُن کی بیگم کے ہاتھ اور کولھے پر کھولتے پانی کا حمام لوٹ گیا، یوں وہ مظفر نگر چلے گئے، ۱۵، ۲۰ دن وہاں رہیں گے، لکھنؤ آئیں گے تو، مگر کب، ابھی یہ طے نہیں۔ اُن کا مظفر نگر کا پتا ہے:

معرفت رمیش چندر ایڈوکیٹ
276/1 سول لائن نارتھ، مظفر نگر-251001 (یو پی)

دس پندرہ دن شاید وہاں اُنھیں رہنا پڑے گا۔

مولانا کا خط مل گیا۔ نامہ ہای فارسیِ غالب میرے پاس ہی نہیں، بہت دن ہوئے سرسری طور پر دہلی میں دیکھی تھی، ذہن میں یہ تھا کہ اُس میں کوئی دستی تحریر نہیں، یادداشت نے دھوکا دیا (حسبِ معمول)۔ آپ کا شکر گزار ہوں۔ اِن چاروں لفظوں کو گوشوارے میں آپ کے حوالے سے درج کیا گیا ہے۔

ریوٹی سمجھ میں نہیں آیا، پورا جملہ اگر آپ لکھ دیں تو اس کا بھی اضافہ ہو جائے۔ لندن سے جعفر زٹلّی کے دیوان (۱۸۲۳ء) کا عکس آیا ہے، دیکھ کر سر پیٹ لیا، ساری محنت اکارت گئی، احسان الگ۔ اللہ کے بندے نے ایک مصرع بھی تو صحیح طور پر نہیں لکھا۔ دعوی کو دعوع لکھا ہے، اسی سے اندازہ کر لیجیے۔ "ہر کہ دعوع کند"۔ مولانا کو شکریے کا خط لکھ دیا ہے وہاں سے بھی عکس منگانا ہے، رشوت کے مال کا انتظام کر رہا ہوں لائبریری کے لیے۔ کتاب المعرّبات کا ایک خطی نسخہ، جو بیروت کے قدیم ترین نسخے کی نقل ہے، صدیقی صاحب نے

منگایا تھا، میں اُسے رکھ کر کیا کروں گا، لائبریری کو بھیج دوں گا۔ اس طرح عکس شاید آسانی سے مل جائیں۔ خط لکھیے ''ریوٹی'' سے متعلق۔

ہاں، کیا آپ نے رسالہ قواعد میر دیکھا ہے؟ ہے کہیں، خواجہ عبدالرؤف عشرتؔ نے چھاپا تھا، اُس کی ضرورت پڑ گئی ہے اور بہت۔ ذرا دیکھ لیجیے، ہے تو جعلی کام، مگر اسی لیے تو دیکھنا ہے۔

رشید حسن خاں

(۹۲)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی

۱۶۷- باڑوزئی- دوم

شاہ جہان پور

۲۰/ اکتوبر ۱۹۹۹ء [۹۲]

برادرم!

آج ہی خط ملا۔ آپ نے میرے لیے حسبِ معمول بہت زحمت گوارا کی، مگر اُس عکس سے میرا زیادہ فائدہ ہوا، کئی اور لفظ میرے کام کے مل گئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تاریخ معلوم ہوئی؛ اِس سے یہ پتا چلا کہ شروع ہی مرزا صاحب اضافی صورت میں ے پر ہمزہ نہیں لکھتے تھے، اِس کی کئی مثالیں ہیں۔ جینؔ صاحب کا خط بھی آج ہی ملا۔ ہماری زبان بھی آج ہی آیا، آپ نے دیکھا، ایک صاحب نے اپنے مضمون میں فرمایا ہے کہ ''مرزا محمد حسن قتیل'' وہی ہیں ''جنھوں نے برہانِ قاطع نام کی کتاب لکھی تھی... اور غالبؔ نے... اس کا جواب قاطع برہان کے نام سے لکھا تھا''۔ نہ مضمون نگار کو ہوش اور شعور اور نہ چھاپنے والوں کو فکر۔ کیا ہوگا، معلوم نہیں۔ ایسے جاہل اور کم شعور شخص نے دریاے لطافت پر مضمون لکھا ہے۔ کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ ٹھیک ہے، بادلِ ناخواستہ نیر مسعود صاحب کو خط لکھوں گا۔ کتاب کی ضرورت اور اس کے حصول کی تمنا سب کچھ کرا سکتی ہے۔ مولانا کا خط آگیا تھا۔ زکام، بخار، کھانسی، قبض؛ سب نے مل کر بے آرام کر دیا ہے اور بے قابو۔ اِدھر بھی کبھی تو پھیرا کر لیجیے، آخر گزرتے تو ہیں اِدھر سے، پھر دن بھر رُک بھی سکتے ہیں۔ کتنی باتیں کرنا ہیں آپ سے۔ چھوٹے نقوی صاحب نے مکان بدل لیا، یوں دور ہو گئے ہیں اور ملاقات کی سبیل کوئی

نہیں رہی۔ اب لکھنؤ جائیں تو واپسی میں قیام کر لیجیے۔

رشید حسن خاں

پس نوشت:

غالب کی کوئی اور دستی تحریر آپ کی نظر میں ہے؟ جا گیر غالب والی کتاب آپ نے دیکھی ہے؟ اُس میں کوئی دستی تحریر ہے؟ نامہ ہائے فارسی میں کوئی اور تحریر عکسی صورت میں ہے؟

(۹۳)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہان پور
۱۷ر جنوری ۲۰۰۰ء [۹۳]

برادرم!

ڈاک سے پرسوں ایک کتاب ملی پرتو روہیلا (اسلام آباد) کی، اُنھوں نے ترمذی صاحب کی کتاب نامہ ہای فارسی غالب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، (یعنی فضول کام کیا ہے)۔ خیر، میں نے سب سے پہلے یہ دیکھا کہ اُس میں مرزا صاحب کا وہ خطی دستاویزی خط ہے کہ نہیں جس کا عکس آپ نے بھیجا تھا اور جس سے میں نے کئی لفظ املاے غالب میں درج کیے ہیں۔ ایسا کوئی عکسی خط اِس میں شامل نہیں۔ اصل کتاب کے متعلق میں نے آپ کو لکھا تھا کہ وہ میرے پاس نہیں۔ میں نے املاے غالب میں آپ ہی کے حوالے سے اُس خط کا حوالہ دیا ہے۔ ترمذی صاحب کا جو مقدّمہ اِس کتاب میں ہے، اُس میں بھی ایسی کسی تحریر کا ذکر نہیں۔ اب مجھے ذرا سی تشویش ہوئی۔ تو بھائی! فوری طور پر یہ بتایئے کہ صحیح صورتِ حال کیا ہے۔ اصل کتاب میں مرزا صاحب کے اُس خط کا عکس شامل ہے؟ ترمذی صاحب نے اپنے مقدّمے میں، یا کہیں اور اُس کا حوالہ دیا ہے؟ چشم براہ ہوں۔

کیا آپ نے شمیم صاحب سے کہہ دیا تھا کہ وہ فون کر لیں؟ فون تو ان کا آیا نہیں۔ مجبوراً سید کا خط آج لکھوں گا۔ خدا کرے والدہ محترمہ کی طبیعت اب رو براہ ہو چکی ہو۔

یہاں سردی اور بجلی کی کٹوتی نے لکھنے پڑھنے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ دہلی جانا تھا، نہیں گیا۔ وہاں دنیا میں اردو کی ترقی کا اعلان نامہ تیار کیا جائے گا۔ مجھے تلوک چند محروم کی وہ تصحیف یاد آئی:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
رہنے کو گھر نہیں ہے، سارا جہاں ہمارا

اِس کی کسی کو فکر نہیں کہ یو۔ پی میں اردو کا احوال کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ یورپ اور عرب ممالک میں اردو والوں کو نئی منڈیاں مل رہی ہیں، اس لیے وہیں کا راگ الاپیں گے۔ خیر، جو چاہیں کریں۔ ہم آپ کیا کر سکتے ہیں، اِس کے سوا کہ آپ خط لکھیے مجھے اور میں اُس خط کا حوالہ دوں، اور بس۔

رشید حسن خاں

(۹۴)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہان پور
۲/اپریل ۲۰۰۰ء [۹۴]

نقوی صاحب مکرّم!

میں ایک مہینے کے بعد ۲۸/مارچ کو یہاں آیا۔ آپ کے خط سے والدۂ محترمہ کے انتقال کی اطلاع ملی۔ بیمار تو وہ دنوں سے تھیں اور عُمرِ طبعی کو پہنچ چکی تھیں، پھر بھی ماں، تو ماں ہوتی ہے۔ آپ کو جس قدر صدمہ پہنچا ہو، کم ہے۔ میں اِس غم میں آپ کا شریک ہوں۔

تحسین فراقی کا مضمون جب بھی ملے گا، اُس کی نقل میں بھیج دوں گا۔ معین صاحب اگر سادہ زبان میں اعتراف کر لیتے تو اچھا ہوتا۔ علاوہ بریں، اُنھیں صرف عکس چھاپنا چاہیے تھا۔ نقلِ کاتب شامل کر کے اُنھوں نے غلطی کی، یوں کہ بہت سی غلطیوں کا اضافہ کر دیا۔ میں نے اُنھیں کئی صفحے کا خط لکھا تھا اُن کے خط کے جواب میں، جس میں ایسی بہت سی فروگذاشتوں کی نشان دہی کی تھی۔ مگر اُن کی سرشاریِ بازیافت نے اُنھیں سنبھل کر اور سوچ

سمجھ کر کام کرنے کی توفیق نہیں بخشی۔ بہ ہر طور، یہ مفید کام ضرور ہو گیا کہ اصل نسخے کا مکمل عکس سامنے آ گیا۔ یہ بھی بڑی بات ہے۔ میں نے املاے غالب میں اِس عکسی حصّے کا کئی جگہ حوالہ دیا ہے، مگر نسخۂ لاہور کے نام سے، نسخۂ خواجہ کے نام سے نہیں۔ میں کیوں شریکِ جرم بنوں۔

میں دن بھر کے لیے جے پور جاؤں گا، ۱۰؍اپریل کو واپسی ہوگی۔ ہاں خدا بخش لائبریری (پٹنہ) میں مئی میں فیض پر سیمینار ہے، دعوت نامہ آیا ہے، مگر ہمّت نہیں پڑتی۔ دیکھیے کیا رہتا ہے، غالباً نہیں جاؤں گا۔

توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۹۵)

بنام: پروفیسر حنیف نقوی
۱۶۷-باڑوزئی-دوم
شاہ جہان پور
۴؍جولائی ۲۰۰۲ء ۹۵

کئی بار کوشش کی، فون پر رابطہ نہیں ہو سکا۔ آپ سے ان نظموں سے متعلق گفتگو ہو سکی ہے۔ از راہِ لطف اپنی رائے سے مطّلع کیجیے کہ آپ کی یادداشت میں کسی شاعر کے یہاں اِن میں سے کوئی نظم ہے:

میں محض احتیاطاً اِس لفافے کو رجسٹری سے بھیج رہا ہوں، آپ اِسے سادہ ڈاک سے بھیجیے گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔
ہاں، بیٹی کے داخلے کا کیا ہوا؟

رشید حسن خاں

حواشی:

۱؎ یہ خط گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ خط لفافے میں بند ہے اور اس پر پچاس پیسے کی ٹکٹیں لگی ہوئی ہیں۔ ڈاک خانے کی ایک مہر ۲۳ر نومبر کی ثبت ہے۔

۲؎ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ اوپر پتا درج نہیں ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط لفافے میں تھا۔ لفافے کے بائیں طرف کے نچلے کونے میں انگریزی میں یہ پتا لکھا ہے:

It undelivered please return to
Ghalib Institute
Aiwan-e-Ghalib Marg
New Delhi-110002

ڈاک خانے کی مہر دھندلی ہے، مگنی فائی گلاس کی مدد سے بھی نہیں پڑھی گئی۔

۳؎ خط کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے گائر ہال سے لکھا گیا ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خط سیدھا ''ہاں صاحب!'' سے شروع کیا گیا ہے۔ لفافے پر دہلی ڈاک خانے کی ۲۱ر جنوری ۱۹۸۴ء کی مہر ثبت ہے۔ لفافے پر ۵۰ پیسے کی ٹکٹ لگی ہے۔ پتا بنارس ہندو یونی ورسٹی شعبۂ اردو لکھا ہے۔

۴؎ یہ خط کاغذ کے دو ٹکڑوں پر تحریر ہے اور یہ ٹکڑے لفافے میں بند ہیں۔ مقام اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ لفافے پر ایک مہر دہلی کی اور دوسری ۸ر اگست وارانسی کی ثبت ہے۔ ٹکٹ نہرو کی تصویر والی پچاس پیسے کی لگی ہوئی ہے۔

۵؎ اِس خط میں رشید حسن خاں صاحب نے حنیف نقوی صاحب کو پنج آہنگ یا مہر نیم روز کو تدوین کرنے کا اصرار کیا ہے۔ لفافے پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۷ ار اگست کی ہے۔ دوسری مہر وارانسی ہے۔ ٹکٹ کی قیمت ۵۰ پیسے اور تصویر سارس کی ہے۔

۶؎ اِس خط کے متن سے پتا چلتا ہے کہ رشید حسن خاں صاحب ایوانِ غالب کی اشاعتی کمیٹی کے چیئر مین ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ حنیف نقوی صاحب غالب کے کلّیاتِ فارسی کو دو حصّوں میں تدوین کریں۔ لفافے پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۳۰ر اگست کی ہے اور دوسری وارانسی کے یکم ستمبر ۱۹۸۴ء کی ہے۔ ٹکٹ ۵۰ پیسے نہرو کی تصویر والی ہے۔

۷؎ یہ خط دو صفحوں کے بوسیدہ کاغذ پر مشتمل ہے۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ڈاک خانے کی ایک مہر ۱۵ر دسمبر کی ہے اور دوسری صاف نہیں ہے۔ اِس خط میں فسانۂ عجائب کے نسخوں سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

۸؎ اصل میں ڈاکٹر حنیف نقوی کا لکھا ہوا خط ۲۰ر دسمبر ۱۹۸۴ء کا ہے۔ خاں صاحب سے سہو ہوا

ہے۔ وہ خط کے اوپر تاریخ ۲؍جنوری ۱۹۸۵ء لکھتے ہیں۔ خط کی شروعات نیا سال مبارک سے کرتے ہیں اس لیے راقم نے ۱۹۸۵ء کے بجائے اِسے ۱۹۸۴ء کردیا ہے۔ اس خط میں فسانۂ عجائب کے مختلف نسخوں کا ذکر ہے، جو مختلف مطبعوں میں سے مختلف وقتوں میں چھپے ہیں۔ یہ خط بُرے رنگ کے چار بوسیدہ ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔ مگر تحقیقی نقطۂ نگاہ سے اِس کی اپنی اہمیت ہے۔ اِس خط سے خاں صاحب کی بے دلی اور فسانۂ عجائب کے جلد نہ چھپنے کی بات ظاہر ہوتی ہے۔ لفافے پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۳؍جنوری ۱۹۸۵ء کی ہے۔ وارانسی کے ڈاک خانے کی مہر ۵؍جنوری ۱۹۸۵ء کی ہے۔ ٹکٹ یعنی لفافہ ۵۰ پیسے کا ہے۔

۹ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں۔ اِس میں باغ و بہار کے چند لفظوں سے متعلق وضاحت طلب کی گئی ہے۔ ایک شعر لکھ کر دریافت کیا گیا ہے کہ یہ شعر کس کا ہے اور ایک دوہے سے متعلق بھی ایسا ہی لکھا گیا ہے کہ کیا یہ کبیر کا ہے۔ شعر کو حنیف صاحب نے نقل کردیا ہے اور ساتھ میں اُس کے شاعر کا نام بھی لکھ دیا ہے۔ شعر اس طرح ہے:

یا موت ہو رقیب کو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

(نواب الٰہی بخش خاں معروف)

خط کاغذ کے ایک ٹکڑے کی دونوں طرف لکھا ہوا ہے اور لفافہ ساتھ نہیں ہے۔ حنیف نقوی صاحب کو خاں صاحب کا جب بھی کوئی خط ملتا وہ اُس کے لفافے پر یا باہر خط کی تاریخ ڈال دیتے تھے۔

۱۰ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں ہے۔ میر امّن کی باغ و بہار کے چند لفظوں سے متعلق معلومات طلب کی گئی ہیں۔ پہلے خط میں کبیر کا جو دوہا درج کیا گیا تھا اُس سے متعلق معلومات کا خاں صاحب کو انتظار ہے۔ لفافے پر ڈاک خانے کی ایک مہر پر ۲۶؍اکتوبر ثبت ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے کا ہے۔

۱۱ اِس خط میں حیدرآباد میں مجاہد صاحب اور جموں میں عابد پیشاوری صاحب کے پروفیسر ہونے کی اطلاع ہے۔ خط پر ڈاک خانے کی مہر صاف نہیں ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے والا ہے۔

۱۲ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں۔ خط کے اوپر ذاتی لکھا ہوا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ فسانۂ عجائب کے چھپنے کی صورت نکل آئی ہے لیکن اِس کی ضخامت زیادہ ہے۔ جو اس کتاب کو چھاپنا چاہتے ہیں وہ اس کی ضخامت پر راضی نہیں وہ اسے کم کرنا چاہتے ہیں۔ خاں صاحب مجبوراً اس کے ۱۰۰

صفحے کم کرنا چاہتے ہیں ورنہ کتاب چھپ نہیں پائے گی۔ اِس لیے انھوں نے حنیف صاحب سے رائے مانگی ہے۔ خط کے متن سے ثابت ہوتا ہے کہ اِس کے سو صفحات کم کیے گئے، وہ اصل صفحات کہاں ہیں اُن کا کچھ پتا نہیں۔ اِن کے فرزندوں کو اِس بات کا علم نہیں۔ لفافے پر ڈاکٹر حنیف نقوی C/K-69/27 ریشم کٹرا وارانسی لکھا ہوا ہے۔ یہ شاید اُن کے گھر کا پتا ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے کا ہے۔

۱۳ مقام اور تاریخ درج نہیں۔ پسِ پُشت پر متن کے بات کو درست کر دیا ہے۔ خط کے متن میں باغ و بہار کے کتابت شدہ صفحات کا ذکر ہے۔ خط پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۴/نومبر ۱۹۸۵ء کی ہے جب کہ وارانسی والے ڈاک خانے کی مہر ۶/نومبر ۱۹۸۵ء کی ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے کا ہے۔ پتا وہی ریشم کٹرہ والا ہے۔

۱۴ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں۔ لفافوں پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے، اس لیے یہ مان لیا جاتا ہے کہ یہ خطوط دہلی یونی ورسٹی کے گائر ہال کے کمرہ نمبر T.C.9 سے ہی لکھے گئے ہیں۔ اِس خط میں فسانۂ عجائب کے اختلافِ نسخ کو الگ کرنے کی بات لکھی گئی ہے، تبھی تو کتاب چھپ سکتی ہے۔ خاں صاحب خط کے آخر میں تاریخ ماہ اور سال لکھتے ہیں مگر صدی نہیں لکھتے۔ راقم نے اوپر تاریخ کے ساتھ صدی بھی لکھ دی ہے۔ خط پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۹/جنوری ۱۹۸۶ء کی ہے اور حنیف صاحب نے اِس خط کی تاریخ لفافے پر ۲۸/جنوری ۱۹۸۶ء لکھی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ خط کا لفافہ بدل گیا ہے۔ لفافے پر پتا شعبۂ اردو بنارس ہندو یونی ورسٹی، وارانسی-۲۲۱۰۰۵ درج ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے والا ہے۔

۱۵ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں۔ اِس میں دو اہم اطلاعات ہیں۔ ایک پروفیسر نذیر احمد امریکہ سے نہیں لوٹے، دوسرے باغ و بہار مکتبہ جامعہ کی طرف سے شائع ہوگی۔ خط پر دو مہریں ڈاک خانوں کی ثبت ہیں اور لفافہ ۵۰ پیسے والا ہ۔ خط میں سہیل اشفاق صاحب کا ذکر ہے جو شاہ جہان پور کے کالج کی لائبریری میں کام کرتے ہیں اور افسانہ نگار بھی ہیں۔

۱۶ یہ خط ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷ سے لکھا گیا ہے۔ خط کے اوپر مقام اور تاریخ درج نہیں۔ خاں صاحب کی مہر لفافے کی پشت پر ثبت ہے۔ لفافے پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۱۱/مارچ ۱۹۸۶ء کی ثبت ہے۔ وارانسی والی مہر دھندلی ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے والا ہے۔

۱۷ یہ خط حنیف نقوی صاحب کے نام کا ہے۔ ٹی.سی.۹، گائر ہال دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ مقام اوپر اور تاریخ اوپر نیچے دونوں جگہ درج ہے۔ یہ خط لفافے میں معِ ظفر احمد صدیقی صاحب

کے خط کے رکھا گیا تھا۔ لفافہ ساتھ نہیں۔ نقوی صاحب اِس وقت بنارس ہندو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں کام کرتے تھے اور ظفر احمد صدیقی صاحب بھی اس وقت وہاں ہی تھے۔ رشید حسن خاں صاحب کا صدیقی صاحب سے تعارف نہیں تھا۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی (علی گڑھ) کا میں تہِ دل سے شکرگزار ہوں اِس خط کو بھیجنے کے لیے۔

۱۸ خط کے اوپر مقام کا پتا پورا درج نہیں۔ صرف دہلی اور تاریخ درج ہے۔ اِس خط پر ڈاکٹر حنیف نقوی کا پتا C/K-69/27، دال منڈی روڈ، وارانسی لکھا ہوا ہے۔ ڈاک خانے کی مہر دھندلی ہے۔

۱۹ تاریخ اوپر نہیں نیچے درج ہے۔ خط میں باغ و بہار کے الفاظ سے متعلق وضاحت طلب کی گئی ہے۔ خط میں حنیف نقوی صاحب کے مضمون کی غالب نامہ میں اشاعت نہ ہونے کی معذرت بھی کی گئی ہے۔ لفافے پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۱۲/ جولائی کی ثبت ہے۔ وارانسی کے ڈاک خانے کی مہر ۱۵/ جولائی ۱۹۸۶ء کی ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے والا ہے۔

۲۰ خط کے اوپر مقام اور تاریخ درج نہیں۔ حنیف نقوی صاحب والا مضمون ایوانِ غالب سے واپس رجسٹری کر دیا گیا ہے۔

۲۱ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں۔ ایک ہی لفافے میں ۳۰/ اور ۳۱/ جولائی کے دونوں خط رکھے ہیں۔ لفافے پر ۳۱/ جولائی ۱۹۸۶ء کی دہلی ڈاک خانے کی مہر ہے۔ وارانسی والی پر دھندلی ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے والا ہے۔

۲۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ فسانۂ عجائب ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ لفافے پر دہلی ڈاک خانے کی ۱۱/ جنوری کی مہر ہے۔ کسی پرانے لفافے کو ٹیپ لگا کر دوبارہ تیار کیا گیا ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے والا ہے۔

۲۳ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں ہے۔ باغ و بہار ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ حواشی کی کتابت ہو رہی ہے اور فرہنگ تیار ہو رہی ہے۔ لیکن کچھ جملوں سے متعلق خاں صاحب اب بھی وضاحت طلب کر رہے ہیں۔ ہاں غالب نامہ کے اراکین کی مجلس میں شرکت کرنا بند کر دیا ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے والا ہے۔ دائیں طرف اوپر سے نیچے کی تحریر حنیف نقوی صاحب کی ہے۔

۲۴ خط کے اوپر مقام درج ہے تاریخ نہیں۔ اس خط میں باغ و بہار کے ایسے دو نسخوں کا ذکر ہے جو فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے مطبوعہ نسخے باغ و بہار (۱۸۰۴ء) سے پہلے کے ہیں۔ ان میں سے ایک نسخہ ہندی مینول ہو سکتا ہے جو ۱۸۰۱ء میں ٹائپ میں چھپا تھا اور دوسرا خطی۔ لفافے پر ڈاک خانے کی ایک مہر ۱۹/ مئی ۱۹۸۷ء کی ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے والا ہے۔

۲۵۔ تاریخ اوپر درج نہیں ہے۔ لفافہ ۵۰ پیسے کا ہے۔ اس پر دس پیسے کی ایک اور ٹکٹ لگی ہے۔ اس طرح لفافہ ۶۰ پیسے کا ہو گیا ہے۔

۲۶۔ خط کے اوپر صرف گائر ہال لکھا ہے تاریخ نہیں۔ خط کی پشت پر رشید حسن خاں، ٹی. سی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۱۱۰۰۰۷ کی مہر ثبت ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ اِن لینڈ لیٹر صرف ۳۵ پیسے کا ہے۔ اس خط میں خاں صاحب کی کتاب ادبی تحقیق کے پہلے اڈیشن کی ختم ہونے کی بات کہی گئی ہے۔

۲۷۔ یہ خط دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ خط کے سرنامے پر مقام و تاریخ درج نہیں۔ خط کے پشت پر خاں صاحب کے اڈریس کی مہر ثبت ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے اور اِس کی ڈاک قیمت ۳۵ پیسے ہے۔

۲۸۔ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں۔ خط کی پُشت پر حنیف صاحب اور رشید حسن خاں صاحب کے مکمّل پتے درج ہیں۔ اس میں خاں صاحب کی کتاب تلاش و تعبیر کے شائع ہونے کا ذکر ہے۔ خط پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۸ر جولائی کی ثبت ہے اور وارانسی کے ڈاک خانے کی مہر ۳ر اگست ۱۹۸۸ء کی ہے۔ اِن لینڈ لیٹر ۳۵ پیسے کا ہے۔

۲۹۔ خط کے سرنامے پر مقام و تاریخ درج نہیں ہے۔ خط پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۶ر ستمبر ۱۹۸۸ء کی ہے۔ وارانسی ڈاک خانے کی مہر دُھندلی ہے۔

۳۰۔ سرنامے پر مقام و تاریخ درج نہیں۔ خط پر دو مہریں ڈاک خانے کی ثبت ہیں۔ دہلی کی ۲۱ر اکتوبر کی اور وارانسی کی ۲۶ر اکتوبر کی۔

۳۱۔ خط کو پانی لگنے سے خستہ ہو گیا ہے۔ تحریر معمول سے موٹی ہے۔ اِس کی وجہ خاں صاحب کی آنکھ کا آپریشن ہے۔ خاں صاحب کی آنکھ کا آپریشن یکم نومبر ۱۹۸۹ء کو ہوا تھا۔ دو ماہ گزرنے کے باوجود وہ ابھی ٹھیک نہیں ہوئے۔

۳۲۔ خط پر مقام و تاریخ درج نہیں۔ اِس خط میں خاں صاحب نے لکھا ہے کہ وہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو ملازمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں اور اب آزاد ہیں۔ ۱۳ر فروری تک اُن کا قیام جموں یونی ورسٹی کے گیسٹ ہاؤس میں رہے گا۔ شعبۂ اردو میں لکچر دینے آئے ہیں۔ یہ پروگرام تین ہفتوں کا ہے۔ راقم نے اِس پروگرام میں شرکت کی ہے۔ شام کے وقت گیسٹ ہاؤس میں روز ملاقات ہوتی تھی۔ راقم، ڈاکٹر مہندر لال پروانہ اور ہمارے استاذی عابد پیشاوری روز حاضر ہوتے تھے۔ لفافے پر ڈاک خانے کی ۳ر فروری کی مہر ثبت ہے۔ حنیف صاحب نے لفافے پر موصولہ

۳رفروری ۱۹۹۰ء لکھا ہے۔

۳۳۔ خط کے اوپر تاریخ درج نہیں ہے۔ خط کے اوپر ڈاک خانے کی مہر ۲رمارچ کی ثبت ہے۔ لفافہ ۶۰ پیسے کا ہے۔

۳۴۔ خط کے اوپر اور نہ پُشت پر خاں صاحب نے اپنا پتا لکھا ہے۔ تاریخ آخر میں درج ہے۔ باغ و بہار کتابت شدہ رکھی ہوئی ہے۔ مقدّمہ لکھنا باقی ہے۔ خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ خط کو پانی لگ چکا ہے اور خستہ حالت میں ہے۔ ڈاک خانے کی کوئی مہر صاف نہیں۔

۳۵۔ خط پہ مقام و تاریخ درج نہیں۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ۳۵ پیسے والا ہے۔

۳۶۔ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں۔ ہاں خط کی پشت پر خاں صاحب کی گائر ہال والی مہر ثبت ہے اور حنیف صاحب کے شعبے کا پتا بھی۔ خاں صاحب کی صحت ٹھیک نہیں رہتی۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۱۴رجولائی کی ہے اور وارانسی والی دُھندلی ہے۔

۳۷۔ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں۔ اِس میں ڈاکٹر حنیف نقوی کی نئی کتاب کا ذکر ہے جو خاں صاحب کے نام معنون کی گئی ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۲رجولائی ۱۹۹۱ء کی ثبت ہے۔ خاں صاحب کے پتے کی مہر بھی ثبت ہے، جو گائر ہال والا ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے والا ہے۔

۳۸۔ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں۔ اِس خط میں تین اشعار کے انتساب سے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔ آخری شعر کے سامنے نقوی صاحب نے دیوانِ جہاں تحت فردیات ص ۳۳۴، چمنستانِ شعرا ص ۵۶۴ اور پشت پر ایک شعر اور شاعر کا نام بھی درج کیا ہے۔ خط کی پشت پر ۲۴رجولائی ۱۹۹۱ء کی دہلی ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے۔ وارانسی والی مہر دُھندلی ہے۔ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے۔

۳۹۔ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں۔ لفافے کی پشت پر ۱۸ردسمبر ۱۹۹۱ء کی مہر ثبت ہے۔ لفافہ ایک روپے کا ہے۔

۴۰۔ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں۔ متن میں گلزارِ نسیم کے اصل فارسی نسخے عزت اللہ بنگالی اور نسخۂ لندن کے ملنے کا ذکر ہے۔ خاں صاحب کے گھٹنے کے نیچے کی ہڈی بڑھ گئی اور اِنھیں تکلیف ہو رہی ہے۔ نقوی صاحب کی وضاحتوں کے جواب درج کیے گئے ہیں۔ خط کی پشت پر دو مہریں ثبت ہیں دہلی ڈاک خانے کی ۲۳رستمبر کی اور وارانسی کی ۲۵رستمبر ۱۹۹۳ء کی۔

۴۱؎ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۳۰؍ستمبر کی ہے اور دوسری مہر ۳؍اکتوبر ۱۹۹۳ء کی لگ رہی ہے۔ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے۔

۴۲؎ تاریخ اوپر درج نہیں۔ خاں صاحب نے اِس خط سے قبل دو خط لکھے جن میں سے ایک کا بھی جواب نہیں ملا۔ خط کی پشت پر ایک مہر ۱۲؍اکتوبر ۱۹۹۳ء کی صاف دکھائی دیتی ہے۔ دوسری دُھندلی ہے۔

۴۳؎ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں۔ متن میں نسیم صاحب کے مضمون کی تعریف کی ہے اور اکبر حیدری صاحب کی تحریروں کو فضول نگاری کی سند عطا کی ہے۔ خط لکیر دار کاغذ پر تحریر ہے۔ اِس کا لفافہ غائب ہے۔

۴۴؎ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ یہ خط سادے کاغذ پر ہے۔ اس پر شعبے اور دال منڈی دونوں پتے درج ہیں۔ یہ خط بھی بغیر لفافے کے ہے۔ کسی کسی خط میں قمر جہاں صاحبہ اور مولانا صاحب کو سلام لکھا ہے۔ یہ دونوں بھی بنارس میں رہتے ہیں۔

۴۵؎ تاریخ اوپر درج نہیں۔ نقوی صاحب کے چند سوالوں کے جواب دیے گئے ہیں۔ خط پر ۲۶؍فروری اور ۲۸؍فروری کی ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے اور ۷۵ پیسے کا ہے۔

۴۶؎ تاریخ اوپر درج نہیں۔ دسمبر میں غالب سمینار ہونے کا ذکر ہے۔ خط شعبے کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ ڈاک خانے کی مہریں دُھندلی ہیں۔ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے۔

۴۷؎ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ ''گلِ بکاولی'' کے بیسیوں خطی نسخے دیکھنے کا ذکر ہے۔ فارسی قصۂ گل بکاولی کے مصنف کے علمی انداز اور کمالات کی داد دی ہے۔ یہ خط سادے کاغذ پر ہے۔ لفافہ ساتھ نہیں۔

۴۸؎ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ خاں صاحب کے دستخط کے نیچے ۵؍نومبر ۱۹۵۴ء لکھا ہے۔ اصل میں ۱۹۹۴ء ہے۔ یہ قلم کا سہو ہے۔ یہ خط بھی سادے کاغذ پر ہے۔

۴۹؎ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ متن میں نواب مرزا شوق کی تینوں مثنویوں (فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق) کے مرتب کرنے کا ذکر ہے۔ اِن مثنویوں کے قدیم نسخوں کے عکس خاں صاحب کو مطلوب ہیں۔ حنیف صاحب سے مدد مانگی ہے۔ اِن لینڈ لیٹر کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۱۳؍مارچ کی ثبت ہے۔ دوسری مہر دُھندلی ہے۔

۵۰؎ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ خط اِن لینڈ لیٹر ہے۔ قیمت ۷۵ پیسے ہے۔ خط پر دو مہریں ثبت

ہیں۔ دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۱ر اپریل ۱۹۹۵ء کی ہے۔ دوسری مہر دُھندلی ہے۔

۵۱؎ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ حنیف صاحب نے نذیر صاحب سے متعلق کسی کتاب کے بارے میں معلوم کیا ہے۔ جس کے بارے میں خاں صاحب کو آج تک معلوم نہیں۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے۔ ڈاک خانے کی دو مہریں اِس پر ثبت ہیں۔ دہلی ڈاک خانے کی مہر ۶ر مئی ۱۹۹۵ء کی ہے۔ دوسری دُھندلی ہے۔

۵۲؎ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ خط میں ۳۱ر جنوری ۱۹۹۶ء تک گائر ہال میں رہنے کا ذکر ہے۔ اُس کے بعد خاں صاحب شاہ جہان پور منتقل ہو جائیں گے ہمیشہ کے لیے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے۔ خط کی پشت پر ڈاک خانے کی دو مہریں ہیں۔ دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۴ر نومبر ۱۹۹۵ء کی ہے۔ دوسری صاف نہیں۔

۵۳؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ مثنویاتِ شوق کا کام جاری ہے۔ دہلی چھوڑنے کا انھیں قلق ہے کیوں کہ وہاں دہلی والی آسانیاں فراہم نہیں ہوں گی۔ خط کی پشت پر ڈاک خانے کی دونوں مہریں دُھندلی ہیں۔

۵۴؎ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ کتابیں اور خطوط حنیف صاحب کو نہ ملنے کا ذکر ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے۔ خط پر تین مہریں ہیں۔ ایک مہر ۱۲ر دسمبر ۱۹۹۵ء کی ہے۔ دو دُھندلی ہیں۔

۵۵؎ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں۔ ۳۱ر جنوری تک گائر ہال میں رہنے کا ذکر ہے۔ خط کی پشت پر دو مہریں ثبت ہیں ایک پر ۲۲ر جنوری ۱۹۹۵ء کی ہے۔ دوسری دُھندلی ہے۔

۵۶؎ یہ پہلا خط ہے جو حنیف صاحب کو شاہ جہان پور سے لکھا گیا۔ سمینار کی مبارک باد دی ہے۔ شعر الہند کے قدیم اڈیشن کے حاصل کرنے کی بات کی گئی ہے۔ ڈاک خانے کے دو مہریں ثبت ہیں۔ دہلی کی مہر صاف نہیں ہے۔ وارانسی کی مہر ۱۵ر اپریل ۱۹۹۶ء کی ہے۔

۵۷؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خاں صاحب مثنویاتِ شوق کے بعد سحر البیان مرتب کر رہے ہیں۔ اس کے دو قدیم نسخے بنارس میں ہیں، اس لیے نقوی صاحب سے مدد مانگی ہے۔ خط پر ڈاک خانے کی ایک مہر ۷ر نومبر کی اور دوسری ۱۰ر نومبر کی ہے۔

۵۸؎ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ حنیف صاحب سے اپنا نسخہ بھیجنے کی تاکید کی ہے۔ ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں۔ ایک مہر ۲۸ر نومبر کی ہے۔

۵۹؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ سحر البیان کا نسخہ اُنھیں مل گیا ہے۔ خط میں ایک لفظ جواب طلب

ہے۔ خط کی پشت پر دو مہریں ڈاک خانے کی ثبت ہیں، ایک مہر ۱۲؍دسمبر ۱۹۹۶ء کی ہے، دوسری صاف نہیں۔

۶۰۔ مقام اوپر درج ہے، تاریخ نیچے۔ نسیم صاحب کا مثنوی کا بھیجا ہوا عکس خاں صاحب کو مل گیا۔ وہ اِس کا حرف ادا کرنا چاہتے ہیں۔ حنیف صاحب سے دریافت کرتے ہیں۔ کچھ باتیں جواب طلب ہیں۔ لفافے پر تین مہریں ڈاک خانوں کی ثبت ہیں۔ شاہ جہان پور والی ۳؍فروری کی اور ۵؍فروری کی، وارانسی والی صاف نہیں ہے۔

۶۱۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ۱۰؍مئی کے بعد بمبئی جانے کا پروگرام ہے اور دو ڈھائی ماہ وہاں رہیں گے، جو خاں صاحب نے اس خط میں تحریر کیا ہے۔ دہلی کے ڈاک خانے کی مہر صاف نہیں ہے۔ وارانسی کی مہر یکم مئی ۱۹۹۷ء کی ہے۔

۶۲۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اس خط میں بہت سی باتیں جواب طلب لکھی ہیں۔ میر حسن کی مثنوی گلزارِ ارم سے متعلق بھی معلومات طلب کی ہیں۔ خط پر تین ڈاک خانے کی مہریں ہیں، لیکن صاف نہیں۔

۶۳۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ دو ماہ بمبئی رہنے اور ٹسٹ کروانے سے خاں صاحب کا کینسر کا شبہ جاتا رہا۔ صرف T.B ہے اور اس کا علاج پہلے سے جاری ہے۔ غالب کے وھاں اور یھاں کی بحث جاری ہے۔ خط پر ڈاک خانے کی دونوں مہریں صاف نہیں۔

۶۴۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اس خط میں دو ایک باتیں جواب طلب ہیں۔ مولانا سے مراد ظفر احمد صدیقی صاحب ہیں اور نسیم صاحب سے مراد ڈاکٹر نسیم احمد صاحب جواب پروفیسر ہو چکے ہیں اور بنارس ہندو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ خط پر ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں جن میں سے شاہ جہان پور والی ۱۲؍نومبر اور وارانسی والی ۱۵؍نومبر ۱۹۹۷ء کی ہے۔

۶۵۔ یہ خط ڈاکٹر نسیم احمد اور ڈاکٹر حنیف نقوی کے نام مشترکہ ہے۔ نسیم صاحب کی تدوین کی ہوئی مثنوی اسرارِ محبت اور وارانسی کی مہر یکم دسمبر ۱۹۹۷ء کی ہے۔ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے۔

۶۶۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ بہت سے سوالات کے جواب طلب کیے ہیں۔ شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۵؍جنوری ۱۹۹۸ء کی ہے۔ جب کہ وارانسی کے ڈاک خانے کی مہر ۸؍جنوری ۱۹۹۸ء کی ہے۔

۶۷۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ خط کے متن میں ظفر احمد صدیقی صاحب کا بنارس سے چلے

جانے پر افسوس ظاہر کیا ہے اور نقوی صاحب سے شکایت بھی، کہ نہ تو اُنھوں نے اپنے لیے کچھ کیا نہ ظفر صاحب سے متعلق۔ شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۵/جنوری کی ہے اور وارانسی والی ۸/جنوری ۱۹۹۸ء کی۔

۶۸ے مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خاں صاحب نے سحرالبیان کے ۱۲/نسخے جمع کیے ہیں۔ نسخوں کی اتنی بڑی تعداد خاں صاحب ہی کا کمال ہے۔ خاں صاحب اس کام کو جلد پورا کرنا چاہتے ہیں۔ شاہ جہان پور ڈاک خانے کی مہر ۱۱/مارچ کی ہے۔ وارانسی والی دُھندلی ہے۔

۶۹ے مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ سحرالبیان کا کام جاری ہے۔ غرائب اللغات کے تین نسخے لاہور، کراچی اور خدا بخش کے خاں صاحب نے جمع کر لیے ہیں۔ رام پور کے نسخے کا انتظار تھا وہاں قُفل لگا ہوا ہے۔ راقم خاں صاحب کے انتقال کے بعد اُن کے گھر گیا تھا، اُن کی میز پر کاغذ کے چند پُرزے دیکھے۔ اُن پر ۵ یا ۶ نسخوں سے متعلق لکھا تھا کہ جمع کر لیے گئے ہیں اور کچھ کام شروع بھی کر لیا تھا۔ خدا نے مہلت نہیں دی۔ شاہ جہان پور اور وارانسی کے ڈاک خانوں کی مہریں ۲۵/اور ۲۶/مارچ کی ثبت ہیں۔

۷۰ے مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ باہر بھی نہیں۔ شاہ جہان پور ڈاک خانے کی مہر ۳۱/مارچ ۱۹۹۸ء سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا۔ وارانسی کے ڈاک خانے کی مہر ۲/اپریل ۱۹۹۸ء کی ہے۔

۷۱ے نقوی صاحب کی کتاب کے ملنے اور اُن کے انٹرویو کی تاریخ کے طے ہونے کا ذکر ہے۔ مولانا ظفر احمد صدیقی صاحب کا خط بھی خاں صاحب کو آج ہی ملا ہے۔ خط کی پشت پر شاہ جہان پور کی ۱۸/اپریل اور وارانسی ڈاک خانے کی ۲۳/اپریل کی مہریں ثبت ہیں۔

۷۲ے مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ڈھائی سطری خط ہے جس میں ۲۶/تاریخ کے انٹرویو کے نتیجے سے متعلق خاں صاحب خبر سننے کو بے تاب ہیں۔ خط پر تین مہریں ڈاک خانے کی ثبت ہیں۔ صرف شاہ جہان پور والی ۲۷/اپریل کی ہے، باقی دو دُھندلی ہیں۔

۷۳ے مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نقوی صاحب کے انٹرویو میں کالرا صاحب نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ اِس لیے خاں صاحب کو دکھ ہوا۔ نیر مسعود صاحب نے بھی اِنھیں چھے صفحے کا خط لکھا ہے جو خاں صاحب کی شخصیت کے خلاف لگتا ہے۔ لفافے پر مہر شاہ جہان پور کی ۹/مئی ۱۹۹۸ء کی ہے۔

۷۴ے مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خاں صاحب کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ خط پر دو مہریں ثبت ہیں

ایک ۲۳؍ مئی ۱۹۹۸ء کی ہے، دوسری دُھندلی ہے۔

۷۵۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ سحرالبیان کا متن اور چھیوں ضمیمے تیار ہو چکے ہیں اور مقدّمے کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ بقول خاں صاحب چھے ماہ میں مکمل ہو جائے گا۔ سودا کے قصائد مرتب کرنا چاہتے ہیں مگر اصل نسخے نہیں ملتے۔ ڈاک خانے کے دو مہریں ہیں ایک ۱۹؍ جون کی اور دوسری ۲۲؍ جون ۱۹۹۸ء کی۔

۷۶۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اِس میں مثنویاتِ شوق کے چھپنے کی اطلاع ہے۔ سحرالبیان سے متعلق چند سوال جواب طلب ہیں۔ شاہ جہان پور ڈاک خانے کی مہر دھندلی ہے وارانسی والی ۲۷؍ جون ۱۹۹۸ء کی ہے۔

۷۷۔ یہ خط ممبئی سے لکھا گیا ہے۔ اس میں مثنویاتِ شوق، ظفر احمد صدیقی صاحب کو بھیجے۔ سحرالبیان کی کتابت ہونے اور دیوانِ جعفر زٹلی کے مرتب کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ خاں صاحب کے پاس دو نسخے موجود ہیں۔ خطّی نسخوں کی تلاش جاری ہے۔ خط پر تین مہریں ثبت ہیں۔ وارانسی کی مہر ۱۸؍ اگست ۱۹۹۸ء کی ہے۔

۷۸۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اِس خط میں حنیف نقوی صاحب سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ نسیم احمد صاحب سے کہہ کر سودا کے قصائد سے متعلق اہم نسخوں کی فہرست تیار کروائیں تا کہ اُنھیں حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اِن لینڈ لیٹر اب ڈیڑھ روپے کا ہو گیا ہے۔

۷۹۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اِس خط میں بمبئی کے ممتاز اخبار انقلاب کے لیے لیے گئے خاں صاحب سے انٹرویو کا ذکر ہے جس میں چند باتیں غلط چھپی ہیں۔ یہ خط کاغذ کے ایک ٹکڑے پر ہے۔ لفافہ ساتھ نہیں۔

۸۰۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اس خط میں ٹیلی فون نمبر بدلنے اور نسیم صاحب کے خط کے جواب دینے کا ذکر ہے۔

۸۱۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ کلیاتِ جعفر کے سبھی نسخے ابھی تک جمع نہیں ہو پائے، اس لیے خاں صاحب نے ابھی تک کام شروع نہیں کیا۔ خاں صاحب سحرالبیان کا مقدمہ لکھ رہے ہیں۔ اس خط میں بہت ساری معلومات ہیں۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ قیمت اس کی ایک روپیہ ہے۔ پتا اس پر کوئی درج نہیں۔ یہ خط لفافے میں رکھا ہوا ہے۔

۸۲۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط پر شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۱۰؍ نومبر ۱۹۹۸ء کی ہے جب کہ وارانسی کے ڈاک خانے کی مہر ۱۱؍ نومبر ۱۹۹۸ء کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاں

صاحب نے اصل خط پر تاریخ ۱۱ر نومبر کی ڈالی اور ۱۰ ر نومبر کو اِسے حوالۂ ڈاک کر دیا۔

۸۳ے مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ سحر البیان سے متعلق تمام کام مکمل ہو چکا ہے، مقدمہ بھی مکمل ہو چکا ہے۔ خط پر دو مہریں ثبت ہیں۔ ایک مہر صاف نہیں۔ وارانسی والی مہر ۲۵ر جنوری ۱۹۹۹ء کی لگتی ہے۔

۸۴ے مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ جعفر زٹلی کا ایک خطی نسخہ بیدار بخت نے کناڈا سے خاں صاحب کو بھیج دیا۔ انڈیا آفس کے دو نسخوں کا انھیں انتظار ہے۔ سودا کے کام کو ابھی شروع نہیں کیا۔ حسیم صاحب اور حنفی صاحب سے نسخوں کی فرمایش کی ہے۔ شاہ جہان پور ڈاک خانے کی مہر ۱۲ر اپریل کی ہے جب کہ وارانسی والی دُھندلی ہے۔

۸۵ے مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ فاروقی صاحب اور عابد پیشاوری صاحب کی تحقیق کو خاں صاحب قیاسی قرار دیتے ہیں کبھی کبھی۔ خط میں کچھ سوالات جواب طلب ہیں۔ یہ خط نقوی صاحب کے نام کا ہے۔ اس میں ایک جملہ آیا ہے ''ذرا دیکھ لیجیے نقوی صاحب نے اس سلسلے میں کوئی اور حوالہ تو نہیں دیا''۔ شاید کسی اور کا نام لکھنا چاہتے تھے کہ قلم سے ''نقوی صاحب'' لکھا گیا ہو۔ اگلا خط پڑھا تو معلوم ہوا یہ صاحب نورالحسن نقوی ہیں۔ شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۲۴ر جولائی ۱۹۹۹ء کی ثبت ہے۔

۸۶ے مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ روح الفرس کی تفصیل کے لیے خاں صاحب کافی پریشان ہیں اور بار بار نقوی صاحب کو اس کی وضاحت اور حوالے کے لیے خط لکھتے ہیں۔ خط میں اُنھوں نے یہ بات لکھ دی ہے کہ یا خود یا مولانا ظفر احمد صدیقی صاحب کی معرفت نورالحسن نقوی صاحب سے اِس کی وضاحت حاصل کر لیں۔ یہ ہے تحقیق۔

۸۷ے مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ اِس خط کا لفافہ ساتھ نہیں ہے۔ گوشوارہ غالب کا کام جاری ہے۔ خاں صاحب کا خیال ہے کہ چھے ماہ میں یہ کام مکمل ہو جائے گا۔

۸۸ے مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ بہت سے سوالوں کے جواب طلب ہیں۔ بہت سی باتوں کے ساتھ خاں صاحب متفق نہیں۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے انعام نامہ کے لیے خاں صاحب نے حنیف نقوی صاحب کا نام تجویز کیا ہے۔ تحقیق کے سلسلے میں۔ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۹۹ء کو خود لکھنؤ جائیں گے۔ نقوی صاحب سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔ شاہ جہان پور ڈاک خانے کی مہر ۱۷ر ستمبر ۱۹۹۹ء کی ہے۔ دوسری دُھندلی ہے۔

۸۹ے مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ لکھنؤ جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے، کیوں کہ ۱۲ر ستمبر کو جین صاحب شاہ جہان پور کے اسٹیشن سے گزریں گے، انھوں نے خاں صاحب سے ملنے کی خواہش

ظاہر کی ہے۔ املاے غالب سے متعلق چند وضاحتیں طلب کی ہیں نقوی صاحب سے۔ اِن لینڈ لیٹر دو روپے کا ہو گیا ہے۔ شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۲۹ر ستمبر ۱۹۹۹ء کی ہے۔ دوسری دُھندلی ہے۔

۹۰ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ دیوانِ جعفر زٹلی اور مصطلحاتِ ٹھگی کے نسخے خاں صاحب جمع کر رہے ہیں۔ غالب کے الفاظ کا گوشوارہ بھی تیار کر رہے ہیں۔ یہ معلوماتی خط ہے۔ شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۱۲ر اکتوبر کی ہے۔ دوسری دُھندلی ہے۔

۹۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ لندن سے جعفر زٹلی کا دیوان کا عکس منگوایا، مگر وہ ناقص ہے، خاں صاحب خوش نہیں۔ جن لفظوں کی وضاحتیں نقوی صاحب نے کی ہیں، خاں صاحب نے گوشوارے میں اُنھی کے حوالے سے نقل کی ہیں۔ خط پر ڈاک خانے کی مہر صاف نہیں ہے۔ خاں صاحب نے ایک جملے میں ''ہے ہی'' نہیں کو ''ہئی'' نہیں لکھا ہے۔

۹۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ جو نسخہ نقوی صاحب نے بھیجا، خاں صاحب اُسے پا کر خوش ہوئے۔ نئے الفاظ کا اضافہ ہوا۔ خاں صاحب کی صحت ٹھیک نہیں رہتی۔ شاہ جہان پور ڈاک خانے کی مہر ۲۲ر اکتوبر کی اور وارانسی والی ۲۳ر اکتوبر کی ہے۔

۹۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ املاے غالب کا کام جاری ہے۔ خاں صاحب نے جو چیزیں املاے غالب میں شامل کی ہیں، نقوی صاحب کے حوالے کے ساتھ کی ہیں۔ شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۱۷ر جنوری ۲۰۰۰ء کی ہے جب کہ دوسری مہر ۱۸ر جنوری ۲۰۰۰ء کی ہے۔

۹۴ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط میں نقوی صاحب کی والدہ صاحبہ کے انتقال کا ذکر ہے۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ سے خاں صاحب کو فیض سیمینار کا دعوت نامہ موصول ہوا ہے، مگر اُنھوں نے نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ خط پر شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۵ر اپریل کی ہے اور وارانسی کی مہر ۶ر اپریل ۲۰۰۰ء کی ہے۔

۹۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط کاغذ کے ٹکڑے پر ہے۔ لفافہ رجسٹری کا ہے۔ رجسٹر نمبر ۸۵۲ بتاریخ ۳ر جولائی ۲۰۰۲ء درج ہے۔ ٹکٹ ۲۲ر روپے کے لگائے گئے ہیں۔ ٹکٹوں پر دو مہریں شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی ثبت ہیں جن پر ۳ر جولائی ۲۰۰۲ء درج ہیں۔ ●●

بہ نام: ڈاکٹر خلیق انجم
[illegible]، دہلی [illegible]
۷ر جولائی ۱۹۸۸ء

ذاتی

خلیق صاحب گرامی!

① آپ کا خط ملا۔ شکریہ۔ اگر اسکا مقصد محض یاد دہانی ہے تو میں
آپکو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کتاب [illegible] نہایت ایمانداری کے ساتھ
اسے واپس کر دینے کا مصمم ارادہ ہے۔
اور [illegible] [illegible] پر اس کی [illegible] تو [illegible] بھیج
دوں گا — [illegible] [illegible] پیش [illegible] [illegible]
[illegible] روز۔

[illegible]

① [illegible] نیازمند [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
کیا صورت ہو گی؟

② کتاب پر جتنی ہماری زبان میں بن رہا، اسکی شکایت یونہی زیادہ ہے۔
کیسے کیسے نقطہ ہائے دو پہری کے فرمودات قابلِ اعتنا ٹھہرے ہیں اور
مخلصین کی تحریریں محض ما رو کا نامۂ اعمال قرار پائیں! یہ کس
مسلک و مذہب میں روا ہے؟

③ زیدی صاحب سے پیٹ گفتگو کر لی ہے اور اُن کو آمادہ بھی کر لیا ہے مقدمے کی
کتابت کیلئے۔ اب آپ اُن سے بات کر سکتے ہیں، اُسے فائنل کر لیجئے،
تاکہ کتابت شروع ہو سکے۔ آپ اور [illegible] [illegible] بات کر لیں [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
نے میری درخواست پر مکمل کر دیا ہے۔ [illegible] ۱۲ [illegible] [illegible] — اب [illegible]
تیار ہے، ذرا سا بھی کام باقی نہیں رہا۔ اسکی داد دیجیے — خدا کیجیے۔

[illegible]
۷ر جولائی ۱۹۸۸ء

بنام: خلیق انجم، ڈاکٹر

(۱)

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۷؍جولائی ۱۹۸۸ء[۱]
خلیق صاحب مکرّم!

آپ کا خط مل گیا۔ اگر اِس کا مقصد محض یاددہانی ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کتاب محفوظ ہے اور نہایت ایمان داری کے ساتھ اُسے واپس کردینے کا مصمّم ارادہ ہے۔ اگر واقعتاً فوری طور پر اُس کی ضرورت ہے تو میں اُسے یقیناً بھیجا دوں گا — مگر ابھی میرا کام مکمّل نہیں ہوا ہے، چند روز اور میرے بھائی، فقط چند ہی روز۔

اب میری سُنیے:

(۱) آپ کی زیارت کا اشتیاق مجھ سے ہے کہ تحریر میں اُس کا اظہار سما نہیں سکتا۔ کیا صورت ہوگی؟

(۲) کتاب پر تبصرہ ہماری زبان میں نہیں آیا، اِس کی شکایت نہیں، فریاد ہے! کیسے کیسے نطفہ ہائے دوپہری کے فرمودات قابلِ اعتنا ٹھہریں اور مخلصین کی تحریریں گناہ گاروں کا نامۂ اعمال قرار پائیں! یہ کس ملّت و مذہب میں روا ہے؟

(۳) زیدی صاحب سے میں نے گفتگو کرلی ہے اور اُن کو آمادہ بھی کرلیا ہے مقدّمے کی کتابت کے لیے، اب آپ اُن سے بات کرکے، اُسے فائنل کرلیجیے، تاکہ کتابت شروع ہوسکے۔ آپ کو صرف معاوضے کی بات کرنا ہے، تاکہ درمیانی نرخ طے ہوسکے۔ اب جس طرح آپ چاہیں۔ ہاں، وہ سفیدا لگانے والا سارا کام اور صفحات نمبر کا سارا کام زیدی صاحب نے میری درخواست پر مکمّل کردیا ہے۔ یہ بڑا کام ہوگیا۔ اب مکمّل صفحے تیار ہیں، ذرا سا بھی کام باقی نہیں رہا۔ اِس کی داد دیجیے۔ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

گائر ہال

۲؍اگست ۱۹۸۸ء

خلیق صاحب!

آپ کا خط ملا تھا، مگر اُس کے فوراً بعد میں ''وائرل فیور'' کا ایسا شکار ہوا کہ پلنگ سے اٹھنا درکنار، کروٹ بدلنا بھی مشکل ہوگیا تھا۔ بخار اب جا کر اُترا ہے، مگر ناتوانی کا عجب حال ہے: ہر قدم پر ہے یقیں یاں رہ گیا، واں رہ گیا۔ آج بہ مشکل یہ خط لکھ رہا ہوں۔ چند روز آرام کا مشورہ دیا گیا ہے۔ یوں ایک صاحب کو ساتھ لے کر، جمعے کی صبح کو شاہ جہان پور جاؤں گا چند روز کے لیے، واپسی غالباً ۱۱؍ یا ۱۲؍ کو ہوگی۔ واپس آکر آپ کے وعدۂ ماحضر سے فائدہ اٹھا سکوں گا۔ شکریہ پیشگی۔

بھائی! اس سے بڑا اطمینان ہوا جو آپ نے لکھا ہے کہ ''چند روز میں میں خود جم کر تبصرہ کروں گا''۔ اب میں توقع کرتا ہوں کہ وہ ''چند روز'' کی مدت پوری ہوچکی ہوگی یا جب تک میری واپسی ہوگی تو پوری ہوجائے گی۔

رشید حسن خاں

زیدی صاحب سے ملاقات کی تفصیل معلوم ہوگئی، اطمینان ہوا۔ اب میرے واپس آتے ہی اُس کام کو اُن سے شروع کرادوں گا۔ آج کل وہ بھی چھٹی پر ہیں۔

(۳)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۳۱؍اگست ۱۹۹۸ء

خلیق صاحب!

تغافل اور اِس قدر! تبصرہ کہاں ہے؟

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
یکم ستمبر ۱۹۸۸ء

خلیق صاحب!

ایک خط کل میں نے بھیجا ہے۔ ۱۶ راگست بابائے اردو مولوی عبدالحق کا یومِ وفات ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم لوگ یہاں اُن کو بھلاتے جا رہے ہیں۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ ہر سال اگست کے مہینے میں ہماری زبان میں مرحوم پر ایک مضمون بہ طورِ التزام شائع ہوا کرے۔ اُن کی بے مثال خدمات کا اعتراف لازم ہے۔ کم سے کم ہماری نئی نسل والے تو اُنھیں یاد کرلیا کریں اور اُنھیں معلوم ہوتا رہے کہ وہ کیا چیز تھے، کس قدر عظیم المرتبت شخص تھے۔ اُن کو یاد کرنے کا سلسلہ اسی ماہ سے شروع کر دیا جانا چاہیے۔ یعنی ستمبر کے کسی بھی ہفتے میں، آپ کے ایک نوٹ کے ساتھ، مرحوم پر ایک تحریر شائع ہو۔

کراچی سے دائرے کا جو تازہ شمارہ آیا ہے، اُس میں اِسی تقریب سے ایک خاکہ نما مضمون مرحوم سے متعلق چھپا ہے، مضمون دل چسپ ہے اور اُن کی آخری عمر سے متعلق بعض دل چسپ ترین باتوں کو بیان کرتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اِس سال کی یادگار کے طور پر اُسے نقل کر سکتے ہیں۔ رسالہ تو آیا ہوگا۔ اگر نہ ہو تو میں بھیج سکتا ہوں۔

میری تجویز مستقل تجویز کی حیثیت رکھتی ہے، جب بھی انجمن کا کوئی جلسہ ہوا تو اُس میں آپ اِسے میری طرف سے پیش کر دیجیے، تاکہ یہ ایک مستقل سالانہ سلسلہ بن جائے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۴ ستمبر ۱۹۸۸ء

خلیق صاحب!

دیوانِ غالب کے تصحیح کردہ اوراق بھیج رہا ہوں۔ یہ کام مکمل ہوگیا ہے۔ اِس سلسلے میں ضروری بات یہ ہے کہ کسی اچھے کاتب کو تصحیح کے کام پر لگائیے۔ اِس سلسلے میں دو باتیں بہ طورِ خاص مدِّ نظر رہیں:

(۱) جن مقامات پر × کا نشان ہے، اُن مقامات پر سفیدا لگایا جائے، چھیلا نہ جائے، چھیلنے سے کاغذ خراب ہو جائے گا اور نشان پڑ جائے گا۔ سفیدا اچّھا والا ہو۔

(۲) اکثر مقامات پر چیپی لگے گی، یہ رفو کا کام احتیاط طلب ہے۔ اُن سے کہیے کہ صفائی سے چھوٹی چھوٹی چیپیاں لگائیں۔ لفظوں کو مٹائیں نہیں، کھرچیں بھی نہیں، چیپی لگائیں۔

میں نے امکان بھر کوشش کی ہے کہ صرف ضروری مقامات پر تصحیح کی جائے، اگر تصحیح کے بغیر کام چلتا ہوا نظر آیا، تو پھر اُسے علیٰ حالہٖ چھوڑ دیا ہے۔ اصل معاملہ کاما کا ہے۔ تعجب ہے کہ اس مطبوعہ نسخے میں کسی صاحب نے کئی جگہ لفظوں کو اپنے طور پر بدل دیا ہے، معلوم نہیں یہ کون باکمال یا بے کمال بزرگوار تھے؟ نسخۂ عرشی اور نسخۂ نظامی پریس دونوں سے مقابلہ کیا گیا ہے۔

نسخۂ حمیدیہ کے انتخاب کے حصّے کی اگر کتابت ہوگئی؟ تو اُسے بھیج دیجیے۔ ہاں، کاتب صاحب جب تصحیح بنالیں، تو پھر اِن اوراق کو میرے پاس بھیج دیجیے گا، اُس کی تصحیح کو میں خود دیکھوں گا۔ اگر نسخۂ حمیدیہ والے منتخب حصّے کی کتابت نہ کرائی ہو، تو میرا خیال یہ ہے کہ نئی کتابت کچھ ایسی ضروری نہیں۔ اُسی موجودہ کتابت کو استعمال کیا جاسکتا ہے، بہت تھوڑا سا حصّہ ہے، یوں اُس سے کچھ قباحت لازم نہیں آئے گی۔ آپ کا خط مل گیا، میں پرسوں دو دن کے لیے شاہ جہان پور جا رہا ہوں، آتے ہی رپورٹ لکھ کر بھیج دوں گا، یعنی اگلے ہفتے میں کسی دن، ضرور بالضرور۔

اشد ضروری: قدوائی صاحب کی دعوت کا کیا رہا؟ یہ تو مُفت میں ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے، کچھ کیجیے، اگر یہ دعوت چھوٹ گئی تو ہم سب گناہِ کبیرہ کے ملزم ہوں گے اور خدائے پاک کی ناراضی کے مستحق ٹھہریں گے۔ بس اگلے ہفتے اِس کو رکھا دیجیے۔ ضرور۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۴ر نومبر ۱۹۸۸ء

مکرّمی! سکریٹری صاحب انجمن ترقّیِ اردو (ہند)

یہ سال مولانا آزاد صدی کا ہے، آپ خوب جانتے ہیں کہ کچھ دنوں سے ہر سطح پر مولانا آزاد کو بے طرح نظر انداز کرنے کا ایک منظم انداز فروغ پا رہا ہے، جب کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ مولانا آزاد نے اِس ملک کی آزادی میں بے مثال حصّہ لیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اردو میں اعلا ادبی ذوق کے فروغ میں مولانائے مرحوم کی تحریروں نے ایسا حصّہ لیا ہے، جس کی مثال لانا آسان نہیں۔

میری تجویز یہ ہے کہ انجمن ترقّیِ اردو اِس سلسلے میں مولانا کی یاد کو روشن رکھنے کے لیے اور اُن کی ادبی خدمات کا اعتراف کرنے کے لیے ایک سلسلۂ مطبوعات شروع کرے، اُسی طرح کا جس طرح مثلاً یورپ میں ''گب میموریل سیریز'' ہے۔ انجمن میں کتابیں تو چھپتی ہی رہتی ہیں، بہ آسانی یہ کیا جا سکتا ہے کہ انھی میں سے چند منتخب کتابوں کو ''مولانا آزاد میموریل سیریز'' کے طور پر شائع کیا جائے۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۲ر نومبر ۱۹۸۸ء

خلیق صاحب!

جین صاحب کا خط آ گیا ہے، عبرت ناک حد تک دل چسپ ہے۔ تنقیدی مضامین لکھنا نہیں آتا، پھر بھی ''احساسِ کم تری کے تحت'' چھپوانا ضروری ہے۔ اِسے پڑھ لیجیے اور ذخیرے میں جمع کر لیجیے، اِس کا تین بار پڑھنا ضروری ہے۔

اب ان کی کتاب کے متعلق جو مناسب طریقۂ کار ہو وہ اختیار کر لیجیے۔ مجھ سے دوبارہ

پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی صواب دید پر چھوڑتا ہوں۔
قدوائی صاحب والی دعوت کا کیا ہوا؟ یہ تو قومی نقصان ہو جائے گا اور اگلی دعوتیں ختم۔
رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۶؍جنوری ۱۹۸۹ء

خلیق صاحب مکرّم!
غالباً اب آپ پاکستان سے واپس آ چکے ہوں گے۔ دیوانِ غالب کی تیسری بار تصحیح کی گئی۔ اب چند صفحے الگ سے میں نے دیے ہیں، جن میں مزید تصحیح بنتا تھی، دُہرے دائروں کے ساتھ۔ اب ان چند صفحات کو آپ دیکھ لیجیے، یعنی دُہرے دائروں کی تصحیح کو۔
میں ۲۰؍جنوری کو پٹنہ جاؤں گا، ۲۶؍جنوری کو واپسی ہوگی۔ ۲۶؍ کے بعد قدوائی صاحب والی دعوت رکھ لیجیے۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
۳؍فروری ۱۹۸۹ء

خلیق صاحب!
اِسے دیکھ لیجیے۔ یہی تجویز میں نے پیش کی تھی، اِس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔
رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۶؍اکتوبر ۱۹۸۹ء

خلیق صاحب!

اِس تحریر کو دیکھ کر زیدی صاحب کو دے دیجیے۔ میں تصحیح بنا دوں گا۔ آپ کے پیغام دربارۂ ڈاکٹر کا انتظار ہے۔ اس تحریر میں اضافے وغیرہ کا حق آپ کو حاصل ہے۔

رشید حسن خاں

اور ہاں، جین صاحب والے معاملے پر ایک بار پھر غور کر لیجیے تبصرے اور مبصر کی وقعت کم نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر آپ چاہیں گے تو میں ذرا بھی اعتراض نہیں کروں گا۔

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۲۳/دسمبر ۱۹۸۹ء[۱۱]

خلیق صاحب مکرّم!

کتابیں مل گئیں۔ گرد پوش دیکھ کر آنکھیں روشن ہو گئیں، اِس کا خاص کر شکریہ۔ ویسے بھی اِس کتاب کی طباعت میں جس قدر دل چسپی آپ نے لی ہے، اُس کا شکریہ کیا ادا کروں، وہ دل پر نقش ہے۔

مگر میرے بھائی! کاغذ دیکھ کر دل بُجھ گیا۔ آپ نے کئی بار کہا تھا کہ یہ کتاب عمدہ تر کاغذ پر چھپے گی، مگر چھپی کم تر پر۔ آپ اِس سے اتفاق کریں گے کہ بالفرض اگر یہ کتاب آپ کی ہوتی، تو اس کاغذ پر تو ہرگز نہیں چھپ سکتی تھی۔ اور اگر چھپتی، تو اُسے دیکھ کر آپ کا ردِ عمل کیا ہوتا؟ بس وہی میرا ہے۔ اِدھر انجمن نے جو دو کتابیں چھاپی ہیں، اتفاق سے وہ اس وقت میرے سامنے ہیں، مثلاً دیوانِ شاکر ناجی، اس میں زمین آسمان کا نہیں، اندھیرے اُجالے کا فرق ہے۔ بہت جی دُکھا اور آدھی مسرّت کتاب چھپنے کی ختم ہو گئی۔ پھر یہ کہہ کے دل کو سمجھا لیا کہ کوئی دوسرا شخص تو شاید اس طرح بھی اِس کتاب کو نہ چھاپتا۔ ظاہر ہے کہ اِس کے بعد حرفِ شکایت کا محل ہی نہیں رہتا۔

مزید ستم ظریفی یہ ہوئی کہ کتاب پر سنہِ اشاعت ۱۹۹۰ء ہے۔ اب اگلے سال اس کا نمبر آسکے گا، مگر یہ ضمنی اور غیر اہم بات ہے۔ اصل بات کاغذ کی ہے اور خلیق صاحب! مجھے اِس کا دُکھ ہے۔ آپ کی محبت کا اور آپ کے مخلصانہ طرزِ عمل کا معترف ہوں اور قدر شناس،

اِسی لیے یہ شکایت بھی پیدا ہوئی ہے، ورنہ ایک لفظ نہ کہا جاتا۔ بہ ہر حال، کتاب چھپ گئی، اس کے لیے میں بہ دل ممنون ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

پسِ نوشت: اور میرے بھائی! جلد تو اِس قدر گھٹیا بندھی ہے کہ دوبار کتاب اُٹھانے میں نکل جائے گی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس طرف تو توجّہ قطعی طور پر نہیں ہو پائی۔ اور آخر میں تصویر جو آپ نے بنوائی تھی، وہ بھی موجود نہیں۔

صاحب! یہ کتاب تو غریب کی جورو بن کر رہ گئی ہے۔ آپ اس سے تو اتفاق کریں گے کہ یہ کتاب اِس قدر بے نیازی کا ہدف بننے کے تو لائق تھی نہیں۔ اب سوائے اظہارِ تاسّف کے یہ آپ کا نیاز مند کر بھی کیا سکتا ہے، لہٰذا صبر کرتا ہوں لیکن بہت دُکھ کے ساتھ۔

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۲۱ر مئی ۱۹۹۰ء [۱۲]

خلیق صاحب مکرّم!

آپ کے خط کا انتظار رہا، کہ آپ کو اسلم بھائی کے واسطے سے ڈاکٹر سے وقت لینا تھا۔ میں ۲۲ر کو شاہ جہان پور جاؤں گا۔ واپسی ۲۸ر مئی کو ہوگی۔ اب آپ ۲۸ر مئی کے بعد کی کوئی بھی تاریخ لے لیجیے، تاکہ اُس الجھن سے نجات کی صورت نکل سکے۔

مخلص

رشید حسن خاں

باری صاحب میرے پاس آئیں گے، آپ اگر چاہیں تو اُن کے ہاتھ ہی خط بھیج سکتے ہیں، یا پھر ڈاک سے۔

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۱۹/اکتوبر ۱۹۹۰ء [13]

خلیق صاحب مکرّم!

پُرزہ کاغذ ملا، شکریہ اِس پُرسش کا۔

میں ۱۶ دن کے بعد پرسوں آیا ہوں۔ بچّی کی شادی تھی۔ دعوت نامہ آپ کو اور اسلم بھائی کو بھیجا تھا۔ غالباً آپ دونوں کو نہیں ملا۔ خیر، توقّع کرتا ہوں کہ یہ خط ضرور مل جائے گا۔

میں اُدھر آنا چاہتا ہوں، بس ذرا موسمی اثرات سے نجات پالوں تو آؤں۔ زکام ہے اور بخار۔

سمینار کا دعوت نامہ بھی ملا تھا۔ الگ سے کیا خط لکھوں، اِسی پرچے میں معذرت طلب کرتا ہوں۔ میں نے قاضی صاحب کی کتابیں بہت پہلے پڑھی تھیں اب ذہن میں کوئی بات نہیں اور اُن کا اخبار میں نے کبھی دیکھا تک نہیں۔ از راہِ لطف میری معذرت قبول کیجیے۔

اختر انصاری نمبر کیا چھپ گیا؟ اگر چھپ کر آ گیا ہو تو لطفِ خاص سے نوازیے۔ مزید ممنون ہوں گا۔ اسلم بھائی نے کہا تھا کہ وہ ڈاکٹر سے پوچھ کر لکھیں گے، اُن کے خط کا بھی انتظار ہے۔ اگر ملاقات ہو تو کہیے کہ دسمبر کے آخر کی کوئی تاریخ طے کریں۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۷/جولائی ۱۹۹۱ء [14]

خلیق صاحب مکرّم!

باوجودِ کوشش شریکِ جلسہ نہیں ہوسکا، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ ہمّت نے ساتھ نہیں دیا، چلنے میں ابھی ناتوانی کا شدید احساس ہوتا ہے، ویسے ٹھیک ہوں۔ خیر، پھر سہی۔ ملاقات کا ایک موقع ہاتھ سے نکل گیا، اِس کا افسوس ہے۔

اسلم بھائی کے ہاتھ دوسرا مضمون بھی برائے کتابت بھجوادیا تھا، مگر ابھی تک پہلے مضمون

ہی کی کتابت نہیں آئی۔ حبیب خاں کے خط سے یہی معلوم ہوا۔ ذرا تقاضا تو کیجیے۔ میں نے تو آپ کی اس فرمایش کی خاطر جلدی کی ہے کہ ان دونوں کو شاملِ نصاب ہونا ہے۔ کتابت آجائے تو اُس کی تصحیح کروں۔ جیسے ہی کتابت شدہ صفحے آئیں، آپ باری صاحب کے ہاتھ بھجوا دیجیے، تاکہ یہ کام جلد تر نپٹ جائے۔ اور ہاں زیدی صاحب کے یہاں بھی تقاضا کرانا ہے۔ مجبوری کی عطا کردہ غیر حاضری کی ایک بار پھر معذرت۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۳/اکتوبر ۱۹۹۱ء [۱۵]

خلیق صاحب مکرّم!

خط ملا، شکریہ۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے، مجھے دل سے منظور ہے۔ آپ کا دعوت نامہ کافی سے بھی زیادہ ہے؛ مگر آپ کے خط نے ایک اور اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ۵/نومبر کو سمینار ہوگا اور ۳/نومبر کو میرے لڑکے کی شادی ہے۔ اب بتائیے کیا کروں۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر، مگر اب اِس کا علاج بتائیے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ سمینار دو تین دن بعد ہو اور میں شادی کے دوسرے ہی دن یہاں آجاؤں اور آپ کے ساتھ چلوں۔ میں کل جمعے کو صبح ۱۱ بجے انجمن آؤں گا آپ سے اِسی مسئلے پر بات کرنے کے لیے۔ آپ ہوں گے نا!

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۸/اکتوبر ۱۹۹۱ء [۱۶]

خلیق صاحب!

اختر صاحب کے ہاتھ ایک خط کل بھیج چکا ہوں، ایک ضروری بات رہ گئی تھی۔ بات یہ ہے کہ کوئی بھی کام آپ کی توجہ اور نگرانی کے بغیر صحیح طور پر نہیں ہو پاتا، اس لیے میرے بھائی،

ذرا نگیٹو کی خبر لے لیجیے گا۔ صفحات بھیج تو دیے تھے آپ نے میرے سامنے ہی نگیٹو بننے کے لیے، یوں اب تک غالباً بن گئے ہوں گے۔ اب اخترؔ صاحب ۱۸ر نومبر کو آئیں گے، انھیں کے ہاتھ بھجوا بھی دیجیے۔ اِس سے مجھے بہت مدد ملے گی۔ آپ کے التفاتِ خاص کی ضرورت ہے، بہت زیادہ شکریہ پیشگی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۲۱ر جنوری ۱۹۹۲ء[۱۶]

خلیق صاحب مکرم!

میں پچھلے ہفتے سے بیمار پڑا ہوں۔ کم زوری بہت تھی۔ اب کچھ ٹھیک ہو رہا ہوں۔ آپ کو ایک تو یہ اطلاع دینا ہے کہ بمبئی یونی ورسٹی نے دو ماہ کے لیے یکم فروری سے ۳۰ر مارچ تک ''وزیٹنگ فیلو'' کی حیثیت سے بلایا ہے۔ ۳۰ر [جنوری کو] جانے کا ارادہ ہے۔

دوسری اطلاع یہ دینا ہے کہ اِس کا قوی امکان پیدا ہو گیا ہے کہ مزید ایک سال کے لیے گائر ہال میں قیام رہے۔ مگر ابھی یہ بات آپ ہی تک رہنا چاہیے۔ اپریل میں جب واپسی ہوگی تو مجھے ایک سال کے پیشگی ڈیوز (پچھلے سال کی طرح) جمع کرنا ہوں گے، چھے ہزار روپے۔ آپ ہی اِس کا انتظام کریں گے (پچھلے سال کی طرح) چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں۔

اب تیسری بات: باغ و بہار کی زیارت کب نصیب ہوگی۔ یہ صاحب جو خط لا رہے ہیں، ۲۹ر کو پھر میرے پاس آئیں گے۔ آپ اِنھی کے ہاتھ اپنا خط بھیج دیجیے۔ بمبئی میں معرفت شعبۂ اردو پتا رہے گا۔

اور ہاں، سب سے اہم بات تو رہی جا رہی ہے۔ آپ نے مشفق خواجہ صاحب سے بات کر کے مقدمۂ کلامِ ناسخ کا مسئلہ طے کیا تھا۔ میں نے آتے ہی ایک نسخے کی تصحیح اور ترمیم [کر] کے حبیب خاں صاحب کو بھیج دیا، کیوں کہ انھوں نے کہا تھا کہ ایک معتبر شخص

کراچی جا رہے ہیں، بہ حفاظت پہنچ جائے گا۔ مگر اس کی خبر نہیں ملی۔ قایدِ اعظم اکیڈمی کے دعوت نامے کا کیا بنا؟ دعوت نامہ میں نے حبیب خاں کو دے دیا تھا۔ خط فوراً لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۵/جون ۱۹۹۳ء [۱۸]

خلیق صاحب!

خط ملا، مبارک باد کا شکریہ۔ میں بدھ کے دن، یعنی ۹/جون کو صبح دس بجے کے قریب انجمن میں آؤں گا۔ گوڑ صاحب واپس آ گئے؟

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۹/جون ۱۹۹۳ء [۱۹]

خلیق صاحب مکرّم!

احمر لاری کی کتاب میرے پاس تھی، اُسے بھیج رہا ہوں۔ حسرت سے متعلق کوئی اور چیز میرے پاس نہیں۔ سب سے زیادہ مواد تو ہماری زبان کے پچھلے شماروں میں ہے جن میں نفیس، لطیف اعظمی اور شفقت رضوی کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ شاعری سے متعلق نگار کا حسرت نمبر کام کی چیز ہے اور اُس سے بھی بہتر اردو ادب (علی گڑھ) کا حسرت نمبر۔ یوسف حسن خاں نے اردو غزل میں باقی باتیں لکھ دی ہیں۔ اتنا مسالا بہت ہوگا۔

عبیدہ بیگم کی کتاب ابھی خالی نہیں ہو سکی ہے۔ مذہبِ عشق سے متعلق اس سے کام لیا جا رہا ہے "گلزارِ نسیم" کے سلسلے میں۔ مجھے یاد ہے کام مکمّل ہوتے ہی بھیج دوں گا۔

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
۱۷ر ستمبر [۲۰]
محبی!

آپ کہاں ہیں؟ بہت انتظار رہا۔ کیا جموں گئے تھے؟ میں کل ۱۸ر مئی کو شاہ جہان پور جاؤں گا ڈاکٹر نے اجازت دے دی ہے۔ A.C میں رزرویشن کرایا ہے۔ واپسی جولائی میں۔ فرحت اللہ بیگ والا مضمون ساتھ لے جا رہا ہوں ذرا ذرا سا کر کے اُسے بروقت بھیج دوں گا اور یہاں آتے ہی دونوں کا مقدّمہ لکھ دوں گا۔

نذیر صاحب والا کام یقین ہے آپ کے ذہن میں ضرور محفوظ ہوگا۔ جب بھی اُن سے ملاقات ہو، وہ شاید ہفتے میں ایک بار آتے ہیں۔ اُس ویرانے میں آپ کے خط بل کہ خطوں کا انتظار رہا کرے گا۔ آپ کی محبت کا نقش میرے دل پر مرتسم ہے۔

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۵ء [۲۱]
خلیق صاحب!

بیمار ہوں، بخار ہے دس دن سے، تیز بخار رہتا ہے۔ بہ مشکل آج آیا تو معلوم ہوا کہ آپ بیمار ہیں۔ اگر ذرا بھی دم ہوتا تو خود آتا۔ فون کیا تو آپ سو رہے تھے۔ خدا کرے آپ جلد تر صحت یاب ہو جائیں اور یہ خوش خبری جلد تر ملے۔

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۸ر دسمبر ۱۹۹۵ء [۲۲]

خلیق صاحب!

خط ملا۔ فارم کے خانوں کے مطابق تفصیل لکھ دی ہے۔ اِسے آپ ہی لکھ سکیں گے، یوں کہ انگریزی کا معاملہ ہے۔ تاریخ پیدائش دو ہیں اصلی اور تعلیمی یا سرکاری۔ کون سی لکھی جائے گی؟ اِس زحمت کو گوارا کیجیے، شکریہ۔ بمبئی میں ملاقات ہوگی۔

ہاں میں ۱۲ر جنوری کو اُدھر آؤں گا، جیسا کہ آپ سے زبانی طے ہوا تھا۔ اختر صاحب کو بلا رکھیے گا، دوپہر کے کھانے کا بھی انتظام رکھیے گا۔

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۱۸ر مئی ۱۹۹۶ء [۲۳]

خلیق صاحب!

خط ملا، شکریہ۔ یہاں کاغذوں میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم کا ایک مضمون نکل آیا، جو میرے علم کی حد تک غیر مطبوعہ ہے۔ اور مرحوم ہی کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ موضوع بہت دل چسپ ہے۔ اسے بھیج رہا ہوں۔ یہ ہماری زبان میں مناسب رہے گا، اگر اس کی کتابت صحیح طور پر ہو سکے۔

اگر جلسہ جولائی میں کرنا ہے تو پھر ہر صورت میں جولائی کے پہلے ہفتے میں کیجیے گا۔ دوسرے ہفتے سے نیا تعلیمی سال شروع ہو جائے گا، یوں بعض لوگوں کو مشکل ہو سکتی ہے۔ موسم کے لحاظ سے بھی پہلا ہی ہفتہ مناسب رہے گا کہ بارش کم ہوگی، پھر تار بندھ جائے گا۔

ایک دوسرے لفافے میں کل ''غلط نامہ'' حسبِ ہدایت بھیج چکا ہوں۔ یہ لفافہ اختر صاحب کے نام ہے۔ ذرا اُسے دیکھ لیجیے گا۔

فسانۂ عجائب کے طلبہ اڈیشن میں پہلے فرہنگ شامل نہیں تھی۔ اِس چیز کی کمی تھی، اِس بار فرہنگ کو بھی شامل کرلیا جائے تو خوب ہو۔

یہاں ۲۴ گھنٹے میں کم سے کم ۴ گھنٹے اور اکثر ۷ اور ۸ گھنٹے بجلی غائب رہتی ہے۔ درجۂ حرارت: ۴۱، ۴۲۔ یہ مزے ہیں یہاں رہنے کے۔ پسینا پسینا رہتا ہوں اور نا کردہ گناہ

ہوتا ہوں۔

مثنویاتِ شوق کے حواشی کی اگر کتابت مکمل ہوگئی ہو تو بھجوا دیجیے تا کہ تصحیح بنائی جاسکے۔آج کل مقدمہ لکھ رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

دو پمفلٹ بھی ملفوف ہیں، شاید آپ کی دل چسپی کے ہوں۔

ہاں، ڈاکٹر صدیقی کے مختصر حالات مقالاتِ صدیقی کے شروع میں شامل ہیں۔اور مکتبے نے ابھی جو انشاے غالب چھاپی ہے، اُس میں بھی۔

(۲۴)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۹رجون ۱۹۹۸ء[۲۴]

خلیق صاحب! آداب

۳۱رمئی کی رات میں ڈائریا ہوا اور ایسا کہ ڈاکٹر کو گھر آنا پڑا۔احوال یہ تھا کہ جیسے کام تمام ہوا، خواب میں بشارت ہوئی کہ ابھی اوپر سے حکم صادر نہیں ہوا ہے، یوں کہ سحر البیان کی تکمیل باقی ہے۔اُس کی تکمیل کے بعد دیکھا جائے گا۔اب ٹھیک ہوں، مگر نقاہت کا عالم ہے، چلا نہیں جاتا۔

میرے سینے میں بھی کچھ تکلیف ہے۔اب کے انجوگرافی کرانا ہے۔مولانا آزاد والے پیسے مل جائیں گے تو فوری طور پر یہی ہوگا۔دیکھیے کب ملتے ہیں، شاید اِس ماہ کے آخر تک کچھ ہو۔

(۱) آپ کا خط آیا تھا کہ ۱۵ کتابیں بھیج رہا ہوں، آئیں بس دو جلدیں۔یہ ٹھیک ہے کہ میں نے دو جلدوں کا لکھا تھا، مگر میرا خط پہلے کا تھا۔آپ نے اُس کے بعد لکھا تھا اور آخر کا حکم، پہلے کے حکم کو ختم کر دیا کرتا ہے۔اب از راہِ لطف ۴، ۴ کے پیکٹ میں تین دنوں میں باقی ۱۳ جلدیں بھجوائیے۔میرے پاس جو دو جلدیں تھیں آج ہی اُن میں سے ایک جلد گیان چند جین کو امریکہ بھیجی ہے۔-/167 کے ٹکٹ لگے ہیں۔

(۲) اب زیادہ ضروری بات: اِس کتاب کی تیاری میں آٹھ آدمیوں نے میری مدد کی

ہے ایک پیسا لیے بغیر۔ مجھ سے پیسے لیتے تو انجمن ہی کو دینے پڑتے۔ ان کی تفصیل میرے مقدّمے کے آخر میں موجود ہے۔ اِن لوگوں نے مختلف نسخوں کے عکس بھیجے ہیں، بغیر معاوضہ۔ اِس لیے اِن کا حق ہے کہ اِن کو ایک ایک کتاب اعترافِ اعانت کے طور پر بھیجی جائے۔ بھائی! اپنی نگرانی میں، اپنی طرف سے یہ آٹھوں کتابیں بھجوا دیجیے۔

(۱) عابد رضا بیدار، محلّہ کٹرا (KATRA) رام پور۔ اِنھوں نے خدا بخش سے دو نسخوں کے عکس بھیجے تھے۔

(۲) ڈاکٹر شعائر اللہ خاں، اِنھوں نے رضا لائبریری سے تین نسخوں کے عکس بھیجے تھے، انگوری باغ، رام پور۔

(۳) شمس بدایونی 73- Phool Walan, Bareilly-243001۔ اُنھوں نے نظامی بدایونی اور دو دیگر حضرات سے متعلق ضروری تحریروں کے عکس فراہم کیے اور زہرِ عشق کے نسخۂ نظامی سے متعلق کاغذات بھیجے۔

(۴) علی عرفان زیدی (محلّہ کٹ کوئیان Kat-Koiyan, H. Urooj Zaidi Road، رام پور یو. پی 244901) زہرِ عشق نسخۂ نظامی کو جو نایاب سا ہو گیا ہے، فراہم کیا۔

(۵) شمس الرحمٰن فاروقی ۔ نسخۂ نظامی (زہرِ عشق) کی دوسری اشاعت (۱۹۱۹ء) کا بہت عمدہ عکس بنوا کر بھیجا۔

(۶) اسلم محمود صاحب (چیف کمرشیل منیجر، ناردن ریلوے، بڑودا ہاؤس، نئی دہلی-۱) نے لکھنؤ کے آرکائیوز میں مقدمۂ زہرِ عشق کے سرکاری دستاویزات کی تلاش میں حصّہ لیا۔

(۷) حنیف نقوی (DSC/ 250 A, Dal Mandi Road، وارانسی 221001) ذخیرۂ لالا سری رام دہلوی (بنارس ہندو یونی ورسٹی لائبریری) سے ایک نسخے کا عکس بھیجا۔

(۸) کالی داس گپتا رضا: ایک پرانا نسخہ فراہم کیا۔

(۹) آٹھواں نام گیان چند جین کا تھا، مگر میں اپنے دو نسخوں میں سے ایک نسخہ اُن کو بھیج چکا ہوں۔

رسائل میں تبصرے کے لیے جہاں آپ چاہیں اور جس کو چاہیں۔ پچھلی بار قومی آواز، تیر نیم کش، ترسیل، کتاب نما، آج کل اور ہماری زبان میں اچھے تبصرے آئے تھے۔ اِن کو ضرور بھیجیں۔ ترسیل: ڈاکٹر یونس اگاسکر، بمبئی (اڈیٹر)۔ صدر شعبۂ اردو، بمبئی یونی ورسٹی، بمبئی، تیر نیم کش: عارف حسن خاں، اسٹریٹ ۲۰، دولت باغ، مراد آباد (یو پی)

ہاں ایک جلد شاہد علی خاں کو بھی بھجوا دیجیے گا کتاب نما کے لیے اور دو آج کل کے لیے۔ اسلم بھائی سے میرا سلام کہیے، کیا وہ کتاب نما میں تبصرہ کر دیں گے؟

اب باتیں ختم ہوئیں۔ خلیق صاحب! کتاب دیکھ کر آنکھوں کی روشنی بڑھ گئی۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے کہ دکانِ بے رونق کے خریدار ہیں۔ ایسی کتاب چھاپی ہے کہ فلاں اور فُلاں کی شق ہو جائے گی۔

ہاں بھائی! وہ سارا کیا دھرا ڈاکٹر اکبر حیدری کا تھا، اور سارا شاخسانہ اس ایوارڈ کا، اتنی بڑی رقم میر صاحب کے بجائے خاں صاحب کو مل جائے، یہ تو بڑی بے انصافی ہے۔ ہے نا!

یہ خط محض احتیاطاً رجسٹری سے بھیج رہا ہوں۔ جواب فوری طور پر لکھیے، آپ کا خط پا کر میری آدھی بقیہ نقاہت بھی کافور ہو جائے گی۔ آدھی تو کتاب کو دیکھ ختم ہو گئی ہے۔ کیسی عمدہ کتاب چھاپی ہے، زندہ باد، پائندہ باد۔

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۳۰ ستمبر ۲۰۰۰ء ۲۵

خلیق صاحب! آداب

رجسٹرڈ لفافہ مل گیا تھا، شکر گزار ہوں۔ رسید میں تاخیر یوں ہوئی کہ میری طبیعت کچھ یوں ہی سی ہو گئی تھی۔ تاخیر کی معذرت۔

ہاں برادر! پچھلے لفافے میں اسلم بھائی کے نام کا بھی خط تھا، وہ آپ نے اُن کو ضرور دے دیا ہو گا اب اُن سے یہ کہہ دیجیے کہ اُس خط کے جواب کا ہنوز منتظر ہوں۔ ممنون ہوں گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں،

(۲۶)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
شاہ جہان پور
۲۶؍مئی ۲۰۰۱ء[۲۶]

خلیق صاحب! آداب

خط ملا۔

(۱) اسلم بھائی نے جو کچھ کہا، درست نہیں۔ وہ میری بات کو سمجھ نہیں پائے۔ میں نے گپتا صاحب کی کتاب ذوق کے لیے لکھا تھا، سو وہ مل گئی۔ لطیفہ یہ ہے کہ یہ کتاب اُنھی نے بھیجی ہے۔ خوب ہیں ہمارے اسلم بھائی۔ بہ ہر طور، گپتا صاحب پر جو بھی کتاب ہو اُس کی ضرورت نہیں۔ گپتا صاحب کی کتاب کی ضرورت تھی اور وہ مل گئی۔ اُس کے لیے شکر گزار ہوں۔

(۲) میں اور آپ سے ناراض ہوں گا، توبہ کیجیے سات بار۔ ایسی ہی باتیں آدمی کو گنہ گار کر دیا کرتی ہیں۔ کیا ساری دنیا مرگئی ہے جو میں اپنے احبابِ خاص سے ناراض ہوں گا۔ اِس وہم کو دل سے نکال دیجیے، اب بھی اور آیندہ کے لیے بھی۔ بمبئی کے قیام کے آخری دنوں میں پیشاب کی شکایت پیدا ہوئی جو اِس عُمر کا گویا لازمی تقاضا ہے۔ علاج شروع ہو گیا وہیں، یہاں آکر بھی علاج برابر جاری ہے۔ کوشش یہ ہے کہ آپریشن کی نوبت نہ آئے، دوا ہی سے کام بن جائے۔ اس بنا پر جون میں حاضری نہیں دے سکوں گا اور یہ مجبوری ہوگی۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۷)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
شاہ جہان پور
۱۰؍جولائی ۲۰۰۱ء[۲۷]

خلیق صاحب!

مشفق خواجہ کا خط آپ کے نام ملفوف ہے۔ از راہِ لطف اِس کے بہ حفاظت پہنچ جانے کی رسید سے مطلع فرمائیے، ممنون ہوں گا۔

میں پہلے سے فی الوقت دس فی صدی کے قریب بہتر ہوں، علاج جاری ہے۔ لُغت کے کام کا تقاضا آپ نے کیا؛ وہ کام ہو رہا ہے۔ خاصا اُلجھا ہوا کام ہے: مکمّل نقل، پھر حوالوں کا اضافہ، پھر نظرِ ثانی، پھر ترمیم و اضافے یا کمی۔ خیال ہے کہ ۲ یا ڈھائی مہینے میں یہ کام مکمّل ہو جائے گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۸)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۲۴ ستمبر ۲۰۰۱ء[۲۸]

برادرم!

آپ کا خط ملا تھا مع کمپوز شدہ صفحات۔ اِسے کہتے ہیں: ہتھیلی پر سرسوں جمانا۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے۔

دوسری قسط بھیج رہا ہوں۔ اِس کی رسید فی الفور عنایت ہو۔

ہاں برادرم! عبدالرّشید صاحب شاید مجھ سے کچھ ناراض ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو اُن سے کہیے کہ غصّہ تھوک دیں۔ اُن کی خوبی یہ تھی کہ صفحے میں بس دو یا بہت سے بہت تین تصحیح طلب مقام ہوتے تھے۔ اب کے یہ اوسط بہت بڑھ گیا ہے اور مجھے کم سے کم دو پروف پڑھنا ہوں گے۔ اُن سے میرا اسلام کہیے اور کہیے کہ اپنے پچھلے انداز ہی کو اپنے ساتھ رکھیں۔

پاسپورٹ پچھلے ہفتے بن کر آ گیا ہے، اِسے نوٹ کر لیجیے۔

اِس کام کی پسندیدگی کا شکریہ، جی خوش ہوا۔ مگر اسلم بھائی نے کچھ نہیں کہا؟ کیا اُن کی رائے آپ کی رائے سے مختلف ہے؟ مجھے تو اُن کی رائے کا انتظار ہے اور رہے گا۔

دیکھیے بھائی! اگر اِس کتاب کو انجمن نے باضابطہ سبسڈائز نہیں کیا تو طلبہ کا ذرا بھی

فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ کی رائے کیا ہے؟ اصل چیز تو وہی ہے۔

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۱۳؍ستمبر ۲۰۰۱ء [۲۹]

خلیق صاحب!

فون پر آپ نے کہا تھا کہ کل فون کروں گا، میں اُس کل کا انتظار کر رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۱۶؍فروری ۲۰۰۳ء [۳۰]

خلیق صاحب!

جس تعلّقِ خاطر کے ساتھ آپ اِس کام کو اِس قدر تیزی سے مکمّل کرا رہے ہیں، اُس کے لیے ممنون ہوں اور شکرگزار۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام اور نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ ۱۹۸۸ء میں رشید حسن خاں صاحب کی کتاب تلاش و تعبیر (تنقیدی مضامین) دلّی اردو اکادمی سے چھپ کر منظرِ عام پر آئی تھی۔ اِس خط میں شاید اِسی کتاب کے مقدّمے کی کتابت سے متعلّق گفتگو ہے۔ نمبر کے جملے میں لفظ ''مجھ'' آیا ہے۔ خاں صاحب نے اِس کا املا مجھ ے'' کیا ہے۔ ایسا اِس سے پہلے اِن کے کسی خط میں نظر سے نہیں گزرا۔

۲۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۳۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط مکمل طور پر ایک سطری بھی نہیں ہے۔ آج تک کے جمع شدہ خطوں میں یہ سب سے مختصر خط ہے۔

۴۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں رشید حسن خاں صاحب نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ۱۶ر اگست کو بابائے اردو مولوی عبدالحق کا یومِ وفات ہے۔ انجمن اس سلسلے میں ہر سال ماہِ اگست میں ہماری زبان میں ایک مضمون شائع کرے تاکہ اُن کی خدمات کا اعتراف ہوجایا کرے اور نئی نسل اُن کی ادبی خدمات سے واقف ہوتی رہے۔

۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خاں صاحب نے دیوانِ غالب کی تصحیح مکمل کر دی ہے۔ نسخۂ عرشی اور نسخۂ نظامی پریس دونوں سے مقابلہ کر کے۔

۶۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں رشید حسن خاں صاحب نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو نئے دور میں ایک منظم انداز کے طور پر نظر انداز کیا جارہا ہے۔ اس لیے اس صدی میں اِن کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے "منتخب کتابوں کو مولانا آزاد میموریل سیریز" کے طور پر شائع کیا جائے۔

۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں دیوانِ غالب کی تصحیح اور خود کے پٹنہ جانے کا ذکر ہے۔

۹۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط صرف ایک سطری ہے۔ ۱۲ر جنوری ۱۹۸۹ء والے خط میں خاں صاحب نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ دیوانِ غالب کی تیسری بار تصحیح کی گئی ہے۔ اب دُہرے دائروں والے چند صفحات کو آپ خط دیکھ لیں۔

۱۰۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ مکتوب ۶ر اکتوبر ۱۹۸۹ء کا ہے۔ اِس وقت خاں صاحب دہلی میں تھے۔

۱۱۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں خاں صاحب نے اپنی کتاب کے چھپنے، گھٹیا قسم کے کاغذ اور جلد بندھی کا اظہار بڑے دُکھ سے کیا ہے۔ کتاب پر سنہ اشاعت ۱۹۹۰ء درج ہے۔ جب کہ یہ خط ۲۳ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو لکھا گیا ہے۔ ۱۹۹۰ء میں خاں صاحب کا مشہور تدوینی کارنامہ فسانۂ عجائب شائع ہوا تھا، بہ یک وقت پاکستان اور ہندستان سے۔ ہند میں خلیق انجم صاحب کا اور پاک میں مشفق خواجہ صاحب کی سعی کا نتیجہ ہے یہ کارنامہ۔

۱۲۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے ۲۱ر مئی ۱۹۹۰ء لکھی ہے۔ ۲۲ر مئی ۱۹۹۰ء کو شاہ جہان پور جانے کی اطلاع دی گئی ہے اور واپسی ۲۸ر مئی کو ہوگی۔

۱۳؎ یہ خط ٹی سی. ۹، گائر ہال دہلی سے ۱۹؍اکتوبر ۱۹۹۰ء کو لکھا گیا ہے۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ آخر میں درج ہے۔ متن سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے ڈاکٹر خلیق انجم صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقیِ اردو (ہند) کے نام۔

۱۴؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ اوپر نیچے دونوں جگہ درج ہے۔ خاں صاحب اُس زمانے میں ٹی سی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی میں قیام پذیر تھے، اس لیے یہ خط وہاں سے ہی لکھا گیا ہوگا۔

۱۵؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط ٹی سی. ۹، گائر ہال دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ یہ خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے۔ اِس خط میں رشید حسن خاں کے بیٹے کی شادی ۳؍نومبر ۱۹۹۱ء کو ہونے کا ذکر ہے۔

۱۶؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط غالب نامہ کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔

۱۷؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں چار باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اوّل یہ کہ خاں صاحب دو ماہ کے لیے یکم فروری سے بمبئی یونی ورسٹی میں ''وزیٹنگ فیلو'' کے لیے جا رہے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ گائر ہال میں مزید ایک سال کے قیام کی منظوری ہو جائے گی۔ تیسری باغ و بہار کی اشاعت کب ہوگی۔ چوتھی قائد اعظم اکیڈمی (پاکستان) سے دعوت نامہ آیا ہے اُس کا کیا بنا۔

۱۸؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ رشید حسن خاں صاحب اُن دنوں ٹی سی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی میں قیام پذیر تھے۔

۱۹؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ گلزارِ نسیم کا کام خاں صاحب نے دہلی یونی ورسٹی میں بیٹھ کر کیا ہے۔ اس لیے یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۲۰؎ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے مگر سال درج نہیں۔ یہ خط جنوری ۱۹۹۶ء سے پہلے کا ہے، کیوں کہ خاں صاحب نے شاہ جہان پور کے لیے ''ویرانے'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ وہاں وہ رونق نہیں جو دہلی میں ہے۔

۲۱؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط ٹی سی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی کے پتے پر سے لکھا گیا ہے۔

۲۲؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۳؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے۔ اس میں مثنویاتِ شوق کے مقدّمہ لکھنے کا ذکر ہے۔

۲۴؎ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ رشید حسن خاں صاحب کی صحت ٹھیک نہیں انجوگرافی کرانے کی سوچ رہے ہیں۔ اِن کی کتاب مثنویاتِ شوق بہ یک وقت انجمن ترقیِ اردو (ہند) اور انجمن ترقی

اردو کراچی (پاکستان) سے چھپی ہے اسی سال ۱۹۹۸ء میں۔ اِس خط میں آٹھ آدمیوں کو یہ کتاب بھیجنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اُن کے مع پن کوڈ اڈریس لکھ دیے ہیں۔ کتاب دیکھ کر رشید حسن خاں صاحب بہت خوش ہوئے ہیں۔ کتاب کے عمدہ چھپنے کی مبارک باد دی ہے اور شکریہ بھی ادا کیا ہے۔

۲۵ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور سے خلیق انجم صاحب کو لکھا گیا ہے۔

۲۶ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ اِس خط میں رشید حسن خاں صاحب نے اپنے بمبئی کے قیام کا ذکر کیا ہے۔

۲۷ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ لفافے میں مشفق خواجہ کراچی (پاکستان) کا خط بھی ملفوف ہے جو خلیق انجم صاحب کے نام ہے۔ مشفق خواجہ برِصغیر ہند و پاک کے اوّل درجے کے محققین میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے خاں صاحب کی بہت سی کتابیں پاکستان سے شائع کی تھیں۔ خواجہ صاحب خاں صاحب کے تدوینی کاموں کے لیے قلمی اور مطبوعہ نسخے اندرون و بیرونِ ممالک سے فراہم کیا کرتے تھے۔

۲۸ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ اس خط میں کمپوز شدہ صفحات کا ذکر ہے۔ یہ کتاب املاے غالب ہے کیوں کہ املاے غالب ہی اسی سال چھپی ہے۔

۲۹ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم جنرل سکریٹری انجمن ترقّیِ اردو (ہند)۔ رشید حسن خاں جنوری ۱۹۹۶ء میں شاہ جہان پور منتقل ہو گئے تھے۔

۳۰ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور سے ڈاکٹر خلیق انجم جنرل سکریٹری انجمن ترقّیِ اردو (ہند) دہلی کے نام بھیجا گیا ہے۔

□□□

بنام: دلجیت ورما، ڈاکٹر

(۱)

ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی
۱۵/اگست ۱۹۹۱ء

عزیزم!

خط مل گیا۔ آثر صاحب کی لغت نویسی پر میں نے کچھ نہیں لکھا تھا، ہاں ۵۲ء، ۵۳ء میں رسالۂ الحمرا (لاہور) میں اُن سے بعض الفاظ کے تلفظ پر بحث ضرور چھڑ گئی تھی، جو سال بھر تک چلتی رہی تھی۔ الحمرا کے وہ شمارے معلوم نہیں کیا ہوئے۔

مجھے شعبے نے ریفریشر کورس کے سلسلے میں اکتوبر میں بلایا ہے۔ تاریخیں ابھی نہیں بھیجی ہیں۔ جب میں آؤں، تو آپ وہاں آکر مجھ سے مل لیں۔ اُسی وقت میں آپ کے سوالوں کے جوابات دے دوں گا۔ کاغذ پر سب کچھ لکھنا تو اِس وقت میرے لیے بہت مشکل ہے۔ تاریخیں آپ شعبے سے معلوم کر لیجیے۔ اعظمی صاحب یا کالرا صاحب سے آپ پوچھ سکتے ہیں۔ غالباً اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں میرا آنا ہوگا۔ مگر آپ اِسے معلوم کر لیجیے گا۔

مخلص رشید حسن خاں

(۲)

بنام: دلجیت ورما
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی
۶/جنوری ۱۹۹۲ء

عزیزم ورما صاحب! ابھی ساڑھے گیارہ بجے آپ کا خط ملا۔ یکم جنوری کو میں اچانک شدید بیمار ہو گیا، اس قدر کہ پلنگ سے نہیں اُٹھ سکا چار دن تک۔ گھبرا کر اور ڈاکٹری ہدایت کے مطابق آج ۶/جنوری کو شاہ جہاں پور جا رہا ہوں ۲۰/جنوری کو واپسی ہوگی اور پھر میں ۳۰/کو باہر جاؤں گا۔ آپ کی پریشانی پر معذرت طلب ہوں۔ مگر آپ کا کام اِس سے رُکے گا

نہیں۔ میں واپس آکر آپ کے دو یا تین باب ایک ساتھ دیکھ لوں گا، اس طرح آپ کا نقصان نہیں ہوگا۔ ہاں زحمت کا افسوس رہے گا کہ آپ آئے اور میں نہیں مل سکا۔ مگر اشد مجبوری کی حالت میں جا رہا ہوں۔ اب آپ یہ بتایئے کہ کب آئیں گے۔ آپ کا خط مجھے ۲۰ر یا ۲۲ر تک مل جانا چاہیے۔ کالرا صاحب سے میرا حال کہہ دیجیے گا۔ اگر ممکن ہو تو جمیل کو بھی اطلاع دے دیجیے گا۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: دلجیت ورما
167-Baroozai-II
Shahjahan pur (UP)
Pin: 242001
۵ر فروری ۱۹۹۶ء

عزیزم!

ظہور صاحب یکم فروری کو آئے تھے، سب کاغذات اُن کے حوالے کر دیے گئے۔ اب تم اس کی رسید بھیجو کہ تم نے وہ کاغذات حاصل کر لیے ہیں۔ اگر کچھ پوچھنا ہو تو لکھ کر پوچھ سکتے ہو۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: دلجیت ورما
شاہ جہان پور
۶ر مارچ ۱۹۹۶ء

عزیزم!

ابھی تمھارا خط ملا۔ بہ طورِ عموم ''خاں'' لکھتے ہیں۔ اسی طرح لکھنا چاہیے۔ اثرستاں میرے پاس نہیں اور یہاں ایسی کوئی لائبریری نہیں جہاں مل سکے۔ مجبوری ہے۔

ہاں اُن لوگوں کا خط آیا تھا، میں نے منظوری کا خط بھیج دیا ہے۔ ڈاک کا احوال آج کل ٹھیک نہیں۔ معلوم نہیں پہنچا یا نہیں۔ بہ ہر حال میں منظوری کا خط بھیج چکا ہوں۔

خدا کرے تم ٹھیک ہو، اپنی بیگم سے میری بہت سی دُعائیں کہو۔

شہد اگر خالص مل سکے تو لے کر رکھ لینا دو بوتل۔ یہ میری دوا ہے۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: دلجیت ورما

شاہ جہان پور

۶ر جون ۱۹۹۶ء

عزیزم دلجیت!

تم نے کوئی خط نہیں لکھا۔ تمھارے مقالے کا کیا ہو۔ جمع کیا یا نہیں۔ اِن سب باتوں سے مطّلع کرو۔ خدا کرے گھر میں سب اچھے ہوں۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: دلجیت ورما

167 باڑوزئی دوم،

شاہ جہان پور (یوپی) 242001

۱۱ر جنوری ۱۹۹۷ء

عزیزم!

دن ہوئے جب تمھارا خط آیا تھا، میں اُس کا جواب نہیں لکھ سکا تھا، یوں کہ میں بیش تر باہر رہا۔ ڈیڑھ مہینا تو بمبئی ہی میں رہا۔ آج اُس خط کی یاد آئی۔

توقّع کرتا ہوں کہ تم معِ متعلّقین بہ عافیت ہوگے اور تم کو ڈگری مل چکی ہوگی۔ میں نے اپنی رپورٹ بہت پہلے بھیج دی تھی۔

اپنی خیریت سے مطّلع کرو۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: دلجیت ورما

شاہ جہان پور

۲/اپریل ۱۹۹۷ء

عزیزم دلجیت! دُعائیں۔

میں ۱۴/فروری سے ۲۷/مارچ تک بمبئی میں رہا، بہ غرضِ علاج۔ اب بھی زیرِ علاج ہوں۔ دن بھر دوا کھاتا رہتا ہوں۔ شاید چھے ماہ تک، یا پھر اُس سے بھی زیادہ علاج جاری رہے گا۔ چار ماہ بعد بمبئی پھر جانا ہوگا چک اَپ کے لیے۔ تمھارے خط کا اِسی لیے بروقت جواب نہیں لکھ سکا، میں یہاں تھا ہی نہیں۔

شہد مل گیا۔ جی خوش ہوا اور تمھارے لیے دل سے دُعا نکلی کہ تم ہمیشہ خوش رہو۔ توقع کرتا ہوں کہ تمھاری ایک رپورٹ آچکی ہوگی اور تم کو ڈگری مل چکی ہوگی۔ یہ میرے لیے بہت مسرّت کی بات ہوگی۔ ڈگری ملنے پر مجھے اطلاع ضرور دینا۔ اگر مل چکی ہو، تب اِس کی اطلاع دینا۔ تاراچند نے بہت پریشانی اُٹھائی ڈھونڈنے میں، میں تھا نہیں۔ اُن سے میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کرنا۔

بیگم کو دُعائیں۔ خط لکھتے رہا کرو۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: دلجیت ورما

شاہ جہان پور

۳۰/اپریل ۱۹۹۷ء

عزیزم!

۱۴/اپریل کا خط ملا۔ ڈاکٹر ہونے کی مبارک باد قبول کرو۔ میرا خیال ہے کہ J.K میں Ph.D کے بعد گریڈ بڑھ جاتا ہے اور ترقّی بھی ہوسکتی ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ اب تم ذرا احتیاط کے ساتھ پڑھنا شروع کرو، مطالعہ کرو، تاکہ آگے چل کر کہیں شرمندگی نہ ہو۔

تم نے اقبال کے شعر میں ''ورقِ تجلّی'' لکھا ہے، یہ ''برقِ تجلّی'' ہے۔ ایسی غلطی تم سے نہیں ہونا چاہیے تھی۔ یہ خط محض اِسی لیے لکھ رہا ہوں۔ خدا کرے تم بہ عافیت ہو۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: دلجیت ورما

شاہ جہان پور

۲۷ر مئی ۲۰۰۰ء[۱]

عزیزم دلجیت!

ایک زمانے کے بعد تمھارا خط ملا، کتنی خوشی ہوئی ہے، بیان نہیں کرسکتا۔ پُرانی یادیں تازہ ہوگئیں اور برادرم کالرا صاحب کی یاد دیر تک آتی رہی۔ میرے لیے تم اُن کی نشانی ہو، تم اُنھی کے واسطے سے مجھ تک پہنچے تھے۔ میں نے کئی بار سوچا بھی کہ دلجیت معلوم نہیں کہاں ہے، اور یہ کہ اِس طرح اُنھوں نے کیوں بھلا دیا۔ اب اِس خط سے معلوم ہوا کہ بھلایا نہیں تھا، حالات کا دباو تھا اور کچھ زندگی کی اُلجھنیں، جو ہر معقول شخص کے ساتھ رہتی ہیں اور شاید رہیں گی کہ وہ زندگی کا حصّہ ہوتی ہیں۔

سب سے پہلے تمھاری نئی ملازمت کی مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے خاص کر مُسرّت یوں ہے کہ تمھارا تحقیقی مقالہ تمھارے کام آیا اور اُس کی بنیاد پر تم کو ترقّی ملی۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کرو۔

ہاں بچّے کی صحت کا احوال پڑھ کر پریشانی ہوئی۔ تم ایسے علاقے میں ہو جہاں اچھے ڈاکٹر ہوں گے نہیں اور جو حال تم نے لکھا ہے، اُس میں باقاعدہ علاج اور اُس سے پہلے ہر طرح کی چیک اَپ ضروری ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ بچّہ جلد تر صحت یاب ہو اور تمھاری الجھن ختم ہو۔ اپنی بیگم سے میری بہت سی دعائیں کہو۔ اب جب تم جمّوں آجاؤ گے، تبھی ملاقات ہوسکے گی۔ اب مہینا دو مہینے کے بعد خط لکھتے رہنا کہ رابطہ برقرار رہے اور حالات معلوم ہوتے رہیں۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے پتے سے لکھا گیا ہے۔ خط کے اوپر خاں صاحب کی مہر لگی ہوئی ہے۔ خط کے متن سے پتا چلتا ہے کہ ۵۲ء، ۵۳ء میں اثر لکھنوی کے بعض الفاظ کے تلفظ پر رسالہ الحمرا

(لاہور) میں بحث چھڑ گئی تھی جو سال بھر چلی۔ مگر وہ شمارے خاں صاحب کے پاس محفوظ نہیں رہے۔ اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں اپنے آنے کی اطلاع دی ہے۔ اُس وقت خاں صاحب ایک ماہ کے لیے یہاں تشریف لائے تھے۔

۲۔ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے پتے سے لکھا گیا ہے۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ خط میں خاں صاحب کے اچانک بیمار ہونے اور شاہ جہان پور جانے کا ذکر ہے۔

۳۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔ پروفیسر ظہور الدین صدرِ شعبۂ اردو، جموں یونی ورسٹی کے ہاتھوں کچھ کاغذات بھیجنے کا ذکر ہے کہ وہ دلجیت صاحب کو ملے یا نہیں، رسید طلب کی ہے۔

۴۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔ دلجیت ورما نے خاں صاحب سے 'اثرستان' طلب کی۔ وہ اُن کے پاس نہیں تھی۔ اپنی مجبوری اور کسی خط کی منظوری کی اطلاع دی ہے۔

۵۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط میں دریافت کیا گیا ہے کہ کیا آپ کا مقالہ جمع ہوا ہے یونی ورسٹی میں یا کہ نہیں۔ دلجیت ورما اِس وقت اثر لکھنوی کی نثری خدمات پر کام کر رہا تھا۔

۶۔ خط میں خاں صاحب نے ڈیڑھ ماہ بمبئی میں رہنے اور اپنی رپورٹ بھیجنے کی اطلاع دی۔ رپورٹ اسکالر کے مقالے سے متعلق تھی۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۔ یہ خط غالب نامہ (مجلّہ) کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔ خط میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ بہ غرضِ علاج خاں صاحب قریب ۴۱ دن بمبئی میں رہے۔ علاج چھے ماہ یا اس سے زیادہ بھی جاری رہ سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ دریافت کیا ہے کہ پی ایچ. ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی یا کہ نہیں۔ ملنے پر اطلاع دی جائے۔

۸۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض ہونے پر رشید حسن خاں صاحب نے دلجیت ورما صاحب کو مبارک باد دی ہے۔ ساتھ ہی ایک غلطی کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے۔ ورما صاحب اس وقت اسکول ٹیچر تھے۔ اُس کے گھر کا پتا یوں خط پر تحریر ہے:

Mr. Daljeet Verma
R/o Gehar P/o Chapaki
Teh: Hira Nagar, Distt: Kathua, Pin:184144 (J.K)

۹۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ڈاکٹر دلجیت ورما اب گورنمنٹ ڈگری کالج میں ملازم ہو گئے بہ حیثیت لکچرر اس لیے اُنھیں مبارک باد کا خط لکھا۔ دیر سے یاد کرنے پر خوشی کا اظہار کیا گیا ہے۔

•◆•

بنام: راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر

(۱)

ٹی.سی.۹، گائرہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۱ر دسمبر ۱۹۷۸ء[۱]

مکرّمی!

میں نے اپنی کتاب ادبی تحقیق امیر عارفی صاحب کے توسّط سے ارسال کی ہے۔ کوئی صاحب حیدرآباد جارہے تھے، جو اُن کے شناسا ہیں اور حیدرآباد میں اُن کے گھر بھی جائیں گے؛ اُن کے ہاتھ حسینی شاہد صاحب کے لیے ایک جلد اور ایک جلد آپ کے لیے بھیجی گئی ہے۔ خدا کرے کتاب بہ حفاظت پہنچ جائے۔

میرا جی لگا رہے گا۔ براہِ کرم کتاب ملتے ہی اُس کی رسید سے مطّلع فرمایئے گا۔ چشم براہ رہوں گا۔

الیکشن مبارک ہو اور نیا سال بھی۔

غالباً آپ کی کتاب حسینی شاہد صاحب کے پاس پہنچ گئی، ذرا معلوم کرلیجیے گا۔ اور حسینی صاحب سے میرا سلام کہہ دیجیے گا۔ خط وہ لکھتے نہیں، اس لیے کروں کیا۔

رشید حسن خاں

---

۱ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ خاں صاحب نے گوڑ صاحب کو اپنی کتاب ادبی تحقیق بھیجنے کی اطلاع دی ہے۔ حسینی شاہد صاحب کے لیے بھی ایک جلد بھیجی ہے۔

بنام: رفاقت علی شاہد (پاکستان)

(۱)

شاہ جہان پور
۴ر فروری ۲۰۰۱ء[1]

رفاقت علی صاحب! آداب
آپ کی بھیجی ہوئی کتاب ملی[2]، اِس کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار۔ آپ نے اِس کتاب کے لیے لکھا ہے کہ اِسے ''آپ کے استفادے کے لیے ارسال کر رہا ہوں''۔ اِس کے لیے خاص کر مشکور ہوں، ضرور استفادہ کروں گا۔

فسانۂ عجائب[3] سے متعلق ''میرے معروضات'' رسالۂ آج کل نئی دہلی میں اُنھی دنوں شائع ہو چکے ہیں جس میں سبھی باتیں زیرِ گفتگو آ گئی ہیں، آپ اُسے دیکھ سکتے ہیں۔ اب اس پر مجھے کچھ اضافہ نہیں کرنا ہے۔ آپ نے سحر البیان کے نسخۂ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کا عکس بھیجا تھا، مجھے اُس سے بہت مدد ملی تھی۔ آپ کی اِس زحمت فرمائی کے لیے بہت ممنون ہوں۔

صحت میری ٹھیک نہیں رہتی۔ ہاشمی صاحب سے اور میرے کرم فرما وحید قریشی صاحب سے اگر ملاقات ہو تو میرا اسلامِ نیاز کہیے گا۔ ہاشمی صاحب سے کہیے گا کہ املاے غالب مشفق خواجہ صاحب نے چھاپی ہے، میں نے آپ کا نام لکھا دیا تھا اُس فہرست میں جن کو کتاب میری طرف سے بھیجی جانا تھی۔ اگر اب تک نہ پہنچی ہو تو خواجہ صاحب سے معلوم کرلیں کہ چھپی یا نہیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

حواشی

ا۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا یوں لکھا ہے: جناب رفاقت علی شاہد، مکان نمبر 94، بلاک 2، D/2، قائداعظم ٹاؤن (گرین ٹاؤن) لاہور -54770، پاکستان۔ خط کی پشت پر دونوں ملکوں کے ڈاک خانوں کی ایک ایک مہر ثبت ہے۔ مکتوب نگار کا اپنا پورا پتا بھی پشت پر درج ہے۔ یہ Aerogramme خط ہے جس کی قیمت چھے روپے ۵۰ پیسے ہے۔

۲۔ یہ میری کتاب ''اردو مخطوطات کی فہرستیں (رسائل نہیں)''، جلد اوّل کا ذکر ہے جو میں نے رشید صاحب کو ارسال کی تھی اور اِس پر نادانی سے یہ لکھ دیا تھا کہ آپ کے استفادے کے لیے ارسال کر رہا ہوں۔

۳۔ رشید صاحب نے فسانۂ عجائب کے مقدّمے میں وضاحت کی ہے کہ فسانۂ عجائب کے اختلافِ نسخ کے صرف ابتدائی غالباً ۴۵ صفحات کتاب میں شامل کیے گئے ہیں، ضخامت بڑھ جانے کے سبب بقیہ اختلافِ نسخ حذف کر دیے گئے ہیں۔ میں نے دریافت کیا تھا کہ فسانۂ عجائب کی طباعتِ ثانی میں حذف شدہ اختلافِ نسخ کی شمولیت کی کیا صورت ہے۔

○○○

بنام: رفعت شمیم صاحب

(۱)

۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۲۷/اگست ۱۹۹۱ء[۱]

شمیم صاحب! آداب

آپ کا خط مرقومہ ۲۳/جولائی، کئی پھیر کھانے کے بعد مجھ تک پہنچا۔ پڑھ کر جی خوش ہوا۔ آپ نے میرے متعلق جو حُسنِ ظن قائم کیا ہے، وہ خود آپ کی معقولیت اور خوش ذوقی پر دلالت کرتا ہے۔ اِس خط میں بس کمی یہ ہے کہ آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا، حالاں کہ یہ ضروری بات تھی۔ اب کے خط میں ضروری تفصیلات ضرور لکھیے۔ اور ہاں، جس پہلے خط کا آپ نے حوالہ دیا ہے، وہ مجھے نہیں ملا تھا۔ یاد پڑتا ہے کہ الیاس شوقی صاحب نے ایک بار آپ کا نام تو لیا تھا، مگر باضابطہ تعارف نہیں کرایا تھا۔ میری نئی کتاب فسانۂ عجائب آئی تھی، کیا یہ آپ کی نظر سے گزری؟ اب باغ و بہار کا نمبر ہے۔ شاید دو تین مہینے میں چھپ جائے گی۔ فسانۂ عجائب لاہور سے بھی چھپی ہے ادارۂ نقوش کی طرف سے۔ آپ یہاں ہوتے تو تحفتاً آپ کو پیش کرتا، اِس سے مجھے صحیح معنی میں مسرّت حاصل ہوتی۔ پہلے کتاب کا چھپنا مشکل ہوتا تھا، اب کتاب کا چھپنا تو اُتنا مشکل نہیں رہا، مگر اب اصل مشکل یہ پیدا ہوگئی ہے کہ قاری کو تلاش کیا جائے۔ سنجیدہ کتابوں کے پڑھنے والے اب کم سے کم ہوتے جا رہے ہیں اور یونی ورسٹیوں کے اساتذہ نے تو پڑھنا بالکل چھوڑ دیا ہے؛ اس بنا پر جب کسی خوش ذوق کا پتا لگتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اُس کو کتاب دی جائے۔ اِس کا واقعی افسوس ہے کہ یہاں آپ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ۱۸/اپریل کو دل کا شدید دورہ پڑا تھا، اب تک اُس کے اثرات سے نجات حاصل نہیں کرسکا ہوں۔ مہینا بھر نرسنگ ہوم میں رہا، اور اب بھی برابر دوا جاری ہے اور چک اَپ ہوتا رہتا ہے۔ یوں لکھنے پڑھنے کا کام رُک سا گیا ہے۔ دُعا کیجیے کہ جلد تر صحت بحال ہو۔

آپ کے پتے سے میں یہ اندازہ نہیں کرسکا کہ آپ کس جگہ ہیں۔ وہاں کے ناموں سے میں آشنا نہیں، بس لنڈن کا نام سنا ہے یوں کہ وہاں دو بڑے کتاب خانے ہیں، بل کہ تین۔ ذرا یہ تو لکھیے کہ آپ لنڈن سے کتنی دور ہیں۔ میرے ایک عزیز ترین شاگرد ناصرالدین احمد لنکا شائر میں ہیں، یوں اس مقام کا نام ذہن آشنا ہے۔ میرا پتا اِس خط میں درج ہے۔ اب آپ بہ راہِ راست مجھے خط لکھ سکتے ہیں۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: رفعت شمیم صاحب

B/27، انکر ہاؤسنگ سوسائٹی

آنند نگر، سانتا کروز (ایسٹ)

ممبئی 055 400

۱۷/اگست ۱۹۹۸ءؔ

محبی شمیم صاحب!

میں یہاں یکم اگست کو پہنچا۔ یہاں گھر کے بدلنے کا مسئلہ درپیش تھا، آٹھ دن اِسی میں نکل گئے، تب کہیں جا کے یہ طے ہو پایا کہ ابھی سال چھے مہینے یہیں رہنا ہے۔ پچھلے تین دنوں سے طبیعت کچھ یوں ہی سی تھی، موسمی اثرات تھے شاید۔ اب ٹھیک ہوں۔ آپ کی یاد بے اختیار آئی اور آتی رہی تھی۔ یہاں آکر بھوشن نے آپ کا خط دیا جو آپ نے اُن کو لکھا تھا۔ بھائی! آپ نے آخر شاہ جہان پور خط کیوں نہیں لکھا؟ میری مشکل یہ تھی کہ میرے پاس آپ کا پتا نہیں تھا، یوں کہ پچھلی بار آپ سے طے ہوا تھا کہ آپ خط لکھیں گے، اُس میں پتا بھی لکھیں گے، تب میں خط لکھ سکوں گا۔

میری نئی کتاب مثنویاتِ شوق چھپ کر آ گئی۔ اردو کی سب سے فحش مثنوی بہارِ عشق بھی اِس میں شامل ہے، جس میں وصلِ بالجبر کی جملہ تفصیلات کو نظم کیا گیا ہے، اور زہرِ عشق بھی ہے، جو غم کی داستان ہے۔ اِس کے مقدّمے میں (جو طویل ہے) میں نے لکھنؤ کی

عزاداری اور عیاشی کے اسباب پر ذرا سی گفتگو کی ہے؟ اِس ذرا سی گفتگو پر سارے لکھنؤ کے میر صاحبان برہم ہیں اور با جماعت تبرّا بھیجنے میں مصروف ہیں۔ آپ یہاں ہوتے تو بڑا مزہ آتا۔ کتاب آپ کے لیے محفوظ کرلی ہے، کبھی تو اِدھر کا پھیرا ہوگا۔

شوقی صاحب سے ملاقات ہوئی، آج بھی اُنھیں آنا ہے، بس آتے ہی ہوں گے۔ آپ کے ڈراموں کا احوال کیا ہے اور آج کل مصروفیت کیا ہے۔ یہاں کا پتا آپ کے پاس ہے اور فون نمبر بھی، اب جلدی سے اچّھا سا خط لکھیے اور اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔ فون نمبر ہے: 6102068۔ بیگم صاحبہ سے میرا اسلام کہیے، اور اِدھر اُدھر کوئی اچھی صورت نظر آجائے تو میری طرف سے بھی درود پڑھ لیجیے گا۔ اب آپ یہاں کب آئیں گے؟

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: رفعت شمیم صاحب

شاہ جہاں پور

۲۴رفروری ۱۹۹۹ء

شمیم صاحب! آداب

ایک مدّت کے بعد آپ کا خط ملا تھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ آپ چھے مہینے تک اسلامی کیمپ میں قیدی بنے رہے۔ خوب ہے یہ بھی۔ ارے بھائی! آپ وہاں گئے ہی کیوں تھے۔ وہ سرزمین اب بریلویوں، دیوبندیوں اور جماعتِ اسلامی والوں کے لیے ہے، یہی عقل سے پیدل لوگ وہاں بہ خیر و خوبی رہ سکتے ہیں۔

میں ٹھیک ہوں۔ خیال یہ ہے کہ اپریل کے آخر میں بمبئی جاؤں گا۔ تب تک آپ کا ایک خط تو شاہ جہاں پور کے پتے پر آسکتا ہے۔ از راہِ لطف اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔ میں حسبِ معمول اپنے کاموں میں مصروف بل کہ مبتلا ہوں۔ چوں کہ کچھ اور نہیں کرسکتا، اسی لیے قلم گھِستا رہتا ہوں۔ شوقی صاحب نے سارے روابط توڑ لیے ہیں، اِس طرح کہ وہ نہ خط لکھتے ہیں اور نہ خط کا جواب دیتے ہیں۔ مجھے آپ کے مفصّل خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

ہاں بمبئی کا پتا بدل گیا ہے اور فون نمبر بھی۔ اب جب آپ کا خط آئے گا تو دونوں باتیں لکھوں گا۔

(۴)

بنام: رفعت شمیم صاحب
شاہ جہان پور
۱۱ر فروری ۲۰۰۰ء

مُحبِّ مکرّم!

آپ کے دو خط پیش نظر ہیں۔ ایک وہ جو بمبئی سے بھیجا تھا، اور دوسرا وہ جو لندن سے بھیجا ہے۔ جواب میں تاخیر دانستہ کی گئی۔ وجہ یہ تھی کہ میں آج کل ٹھگوں کی زبان کا مکمل لُغت مرتّب کر رہا ہوں اور اُس کے لیے ہنری ولیم سلیمن کی ایک انگریزی کتاب رامسیانا کی ضرورت ہے جو انڈیا آفس لندن کی لائبریری میں ہے اور اُس وقت تک اور کہیں اُس کا پتا نشان نہیں ملا تھا۔ اُس کا لائبریری نمبر منگایا، پھر چاہتا تھا کہ آپ کو لکھوں کہ اس کا عکس حاصل کر لیجیے میرے لیے؛ اتنے میں اطلاع ملی کہ دہلی میں برٹش کونسل کے ایک ذخیرے میں وہ موجود ہے۔ یہ اطلاع پرسوں ملی۔ کل دہلی ایک کرم فرما کو لکھا کہ اُس کا عکس بنوا دیں۔ اب وہ اُلجھن ختم ہوئی اور یوں اب خط لکھنے بیٹھا ہوں۔

کتابیں دونوں ملی تھیں۔ آپ نے خوب کام کیا ہے۔ مجھے دونوں کتابیں پسند آئیں۔ فن کی داد تو اہلِ فن دیں گے، میں تو عام قاری ہوں اور عام قاری کے طور پر لطف اندوز ہوا، یوں آپ کا یہ کام داد طلب ہے۔ چھپی بھی خوب ہیں، بہت دیدہ زیب۔ اب آپ کی مزید کتابوں کا انتظار رہے گا۔ آپ نے یاد رکھا اِس کے لیے ممنون ہوں۔

شوقی صاحب کا خط بھی آیا تھا اور فون بھی۔ اِس ہفتے میں وہ ایک نئے حادثے سے دوچار ہو گئے۔ تنخواہ لے کر کالج سے نکلے تھے، یعنی بینک سے، بیگ میں سب رقم تھی، وہ کوئی راہ زن چھین کر چمپت ہو گیا۔ یہ بات اُنھوں نے فون پر بتائی تھی، بہت افسردہ لہجہ تھا۔ مجھے بہت قلق ہوا اور بہت افسوس ہوا۔ اِسے کہتے ہیں کوڑھ میں کھاج۔

آپ کا علاج وہاں شاید بہت اچھی طرح نہیں ہو پائے گا، آپ علاج کے لیے تو یہیں آ جائیے۔ مہینے دو مہینے میں بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس طرح آپ سے ملاقات کی

صورت بھی نکل آئے گی، میری صحت بس ٹھیک ہی ہے۔ جب تک قلم کی سیاہی خشک نہ ہو، طبیعت ٹھیک ہے۔ بھائی! دل لگا رہتا ہے، مہینے میں ایک خط ضرور لکھیے۔ منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: شمیم صاحب
شاہ جہان پور
۴؍اپریل ۲۰۰۰ء[1]

شمیم صاحب!

آپ کا خط مرقومہ ۲۹؍فروری مجھے اب ملا ہے جب میں حیدرآباد، ممبئی اور دہلی کے سفر سے واپس آیا ہوں۔ مہینا بھر سے زیادہ باہر رہا۔ شوقی صاحب سے برابر ملاقات ہوتی رہی۔ آپ کی نوازشِ خاص کے بہت مدّاح تھے اور آپ کے تو وہ ہمیشہ سے قائل رہے ہیں۔ ہاں، اُس گم شدہ یعنی چوری شدہ تصویر کی ایک کاپی میرے پاس محفوظ ہے، اگر ضرورت ہوئی تو میں اُن کو دے دوں گا۔

جس لُغت کا آپ نے ذکر کیا ہے، شاید وہ میرے مطلب کا نہیں ہوگا۔ میں ٹھگوں کی زبان کا لغت مرتب کر رہا ہوں جو اردو میں ہوگا۔ آپ کا لغت ظاہر ہے کہ انگریزی زبان کے الفاظ پر مشتمل ہوگا اور اُن کا صرف یہاں نہیں ہو سکے گا۔ ہاں اردو الفاظ کا لغت ہوتا تو بڑے کام کا ہوتا۔

میری دو کتابیں چار پانچ مہینے میں چھپیں گی، دونوں آپ کے پاس پہنچیں گی۔ مثنویاتِ شوق کی پسندیدگی کا شکریہ، مجھے اب اطمینان ہوا کہ یہ کام کچھ ڈھنگ کا ہوا ہے۔ کبھی کبھی خط لکھتے رہا کیجیے۔

رشید حسن خاں

---

1. رفعت شمیم صاحب لندن کے کسی کُتب خانے میں کام کرتے ہیں اور مصنف بھی ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابیں رشید حسن خاں صاحب کو بھیجی ہیں اور خاں صاحب نے بھی اپنی کتابیں انھیں بھیجی ہیں۔ یہ پانچوں خطوط الیاس شوقی صاحب بمبئی والے نے لندن سے عکس منگوا کر راقم کو جموں بھیجے ہیں۔ میں تہِ دل سے اِن کا شکر گزار ہوں۔

بنام: رفیع الدین ہاشمی، پروفیسر

(۱)

ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۴؍دسمبر ۱۹۹۲ء[1]

مُحبِّ مکرّم! سلامِ مسنون۔

سیّارہ کے حالیہ شمارے میں اقبالیات سے متعلق مطبوعات پر آپ کا مضمون پڑھا۔ میں نے پہلے بھی مختصر سا ایک خط اِس سلسلے میں آپ کو لکھا تھا، جو غالباً محفوظ نہیں رہ سکا آپ کے پاس۔ ایک بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مجھے آپ سے مکمّل اتفاق ہے کہ اقبال اکادمی پاکستان نے اردو فارسی کلّیات جو شائع کیے ہیں ''کلامِ اقبال کے ایسے دیدہ زیب اڈیشن کبھی شائع نہیں ہوئے''۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا دیدہ زیبی، صحّتِ متن اور معیارِ تدوین کا بدل ہوسکتی ہے؟ آپ سے یوں پوچھ رہا ہوں کہ میری نظر میں اِس وقت اِس معاملے میں جس دقّتِ نظر سے آپ کام لیتے ہیں، دوسروں کے یہاں وہ انداز نہیں پایا جاتا۔ میں کسی اور سے یہ سوال کرتا بھی نہیں۔ آپ کو مخاطبِ صحیح مانتا ہوں، یوں پوچھ رہا ہوں۔

پہلے یہ عرض کردوں کے اِس سوال کو میرے ذہن میں ایک دل چسپ واقعے نے اُبھارا۔ مجلّہ اقدار (کراچی) کے اڈیٹر شبنم رومانی صاحب میرے ہم وطن بھی ہیں (یا تھے) اور دوست بھی۔ میں نے اُن کو ایک ذاتی خط لکھا تھا اِنھی دنوں کتابوں کے سلسلے میں۔ فارسی کلام کے مجموعے سے متعلق میں نے یہ لکھا تھا کہ اِس کی تو بسم اللہ ہی غلط ہوئی ہے، اقبال کے مشہور قطعے کا تیسرا مصرع اِس طرح چھپا ہوا ہے: ''سر آمد روز گاری این فقیری'' ــــــ اِس میں ''روزگاری'' تو قطعی طور پر غلط ہے۔ [چوتھا مصرعہ یوں ہے: ''دگر دانایے راز آید کہ نایدُ'' ــــــ اِس میں ''دانایے'' بھی قطعی طور پر غلط ہے۔ یہاں یاے وحدت یا یاے تنکیر کا

محل نہیں، ایک یاے اضافت کا محل ہے، یعنی "داناے راز"] انھوں نے اُس خط کو چھاپنا چاہا (میرے منع کرنے کے باوجود) اور کتابت کرا کے تصحیح کے لیے میرے پاس بھیجا۔ میں نے اُس کتابت کو رکھ لیا، واپس نہیں کیا؛ لیکن یہ خیال آیا کہ میں نے صفحہ نمبر نہیں لکھا، صفحہ نمبر تو ضرور لکھنا چاہیے تھا۔ اب جو کلّیاتِ فارسی والی جلد اُٹھا کر دیکھتا ہوں تو وہ قطعہ آغاز میں ملتا ہی نہیں جس کا یہ مصرع ہے۔ کئی بار ورق گردانی کی، نہیں نظر آیا۔ سخت حیران اور اُس سے زیادہ پریشان ہوا۔ میری یادداشت اب ایسی بھی خراب نہیں کہ ایسی غلطی ہو۔ کئی دن تک پریشان خاطر رہا۔ بار بار کتاب اُٹھاتا تھا اور رکھ دیتا تھا، سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔

حُسنِ اتفاق سے میرے پاس کلّیاتِ فارسی کے دو نسخے ہیں۔ ایک دن ایک خیال کے تحت میں نے اُس دوسرے نسخے کو اُٹھالیا، اُس کو کھولا تو صفحہ ۴ پر یہ قطعہ موجود تھا۔ اب میں نے اِن دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا۔ معلوم ہوا کہ شروع کے صفحات دونوں نسخوں میں باہم مختلف ہیں۔ اب صحیح معنی میں حیرت ہوئی۔ میں پوری کتاب کا مقابلہ نہیں کرسکا، لیکن شروع کے اوراق کا احوال یہ ہے کہ ایک نسخے میں پہلے صفحے پر:

کلّیاتِ اقبال
فارسی
اقبالؒ

اور دوسرے نسخے کے پہلے صفحے پر:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
کلّیاتِ اقبال
فارسی

ہے۔ دوسرا صفحہ بھی مکمل طور پر بدلا ہوا ہے۔ یہاں تک [کہ] ایک پر قیمت 350 ہے اور دوسرے پر چیپی لگا کر 500 لکھی گئی ہے۔ ایک نسخے پر پروفیسر محمد منوّر کا "مقدّمہ" ہے اور جاوید اقبال کے نام سے "پیش گفتار"۔ دوسرے نسخے میں یہ دونوں چیزیں غائب ہیں۔ ان کی جگہ "خراجِ عقیدت" کے عنوان سے مختلف اقتباسات ہیں۔

ایک نسخے میں ص ۵ پر "حسنِ اہتمام" کی سرخی کے تحت ۱۴ [چودہ] نام مندرج ہیں۔ دوسرے نسخے میں اسی صفحے پر عنوان "مجلس تدوین و طباعت" ہے اور اس میں "سرپرست" کی ذیلی سرخی کے ساتھ جاوید اقبال کا نام ہے، جب کہ اُس نسخے میں یہ نام موجود نہیں۔

دونوں نسخوں کے اِس صفحے میں ناموں کا بھی فرق ہے اور ترتیب کا بھی۔ ایک نسخے میں محمد سہیل عمر کو "مدیر تدوین" لکھا گیا ہے اور دوسرے نسخے میں "مدیرِ مسئول"۔ (کیا آپ بھی اِن دونوں لفظوں کو ہم معنی خیال کرتے ہیں؟) غرض کہ بہت اختلافات ہیں ان ۱۴ [چودہ] صفحوں [ناموں] میں۔ باقی کتاب کا احوال کیا ہے، میں نہیں کہہ سکتا، کیوں کہ ابھی تک مقابلہ نہیں کر سکا ہوں۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں بہ الفاظِ سودا: ظالم! اِسے کیا کہتے ہیں؟

ہاں ص ۴ پر ایک نسخے میں اقبالؔ کے دو قطعے ہیں: (۱) "بآن رازی کہ گفتم..." (۲) سرودِ رفتہ باز آید..."۔ دوسرے نسخے میں ص ۴ پر اِن کے بجائے [کذا] ایک فارسی عبارت ہے جو یہاں سے شروع ہوتی ہے: "ہنگام دیدار جناب حجۃ الاسلام دکتر سیّد محمد خاتمی وزیر محترم..."۔ پہلے نسخے میں اِن وزیرِ محترم کا نام کہیں نہیں ملتا۔

یہ تو ایک بات ہوئی۔ اب دوسری داستان شروع ہوتی ہے جو اس سے بھی زیادہ پریشان کن ہے اور اُس کا تعلق الفاظ کی صورت نگاری سے ہے۔ کہیں تو جدید ایرانی طرزِ نگارش اختیار کیا گیا ہے اور کہیں وہ طرزِ املا جو ہندستانی فارسی کا تھا اور ہے اور مصنف کا بھی وہی املا ہے۔ اِس سے عجیب صورت پیدا ہوگئی ہے۔ میں ایک مثال سے اِس کی وضاحت کروں گا۔ درجِ ذیل مصرعوں کو دیکھیے:

(۱)	شعلہ ی او پردہ بند از دودِ خویش	ص ۱۴۲
	دوش و فردا زادۂ ی امروز او	ص ۱۴۳
(۲)	دیدہ ئی آغاز م انجام نگر	ص ۱۷۶
	این چہ حیرت خانہ ئی امروز و فردا ساختی	ص ۳۰۰
(۳)	پنجۂ مژگان او گیر استی	ص ۱۶۱
	بندۂ حق بندۂ اسباب نیست	ص ۱۶۴

ایک ہی طرح کے الفاظ، یعنی ہائے مختفی پر ختم ہونے والے لفظوں (شعلہ، زادہ، دیدہ، خانہ، پنجہ، بندہ) کی اضافہ کے لیے تین مختلف انداز اختیار کیے گئے ہیں۔

ایسے ہی لفظوں کے آخر میں یائے وحدت کے لیے دو انداز ملتے ہیں:

ماہی بچہ ئی شوخ بہ شاہین بچہ ئی گفت	ص ۲۷۱
خوش آنکہ رخت سفر را بشعلۂ می سوخت	ص ۳۰۰

یہ مجموعہ دورنگی کتابت بل کہ رنگارنگیِ کتابت کا بے طرح اور بُری طرح شکار ہوا ہے۔ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاید منصوبہ بندی میں قطعیت اور مکمل وضاحت شامل نہیں تھی۔ مثلاً کہیں ''غلتہ'' ملے گا اور کہیں ''غلطہ''۔ (نغلطہ ہوا جز کہ بر سبزہ زاری ص ۲۷۰)۔ ''است'' کے الف کے سلسلے میں بھی یہی دورنگی ملتی ہے۔ اکثر جگہ مع الف، مگر اس کے خلاف بھی ہے، مثلاً: خورداست، بودست (ص ۳۳۳)۔ انگیزست، تیز است (ص ۳۵۸)۔

ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یاے معروف و مجہول اور نونِ غنہ کے سلسلے میں جدید ایرانی تلفظ کی پیروی بہ طورِ عموم کی گئی ہے، جب کہ ہندستان معروف و مجہول آوازوں کا امتیاز آج تک باقی ہے۔ مگر اس سے قطعِ نظر اصل مسئلہ یہ ہے کہ خود مصنف کا طریقِ نگارش ہمارے سامنے ہے۔ اِسی مجموعے میں جگہ جگہ اقبال کے قلم سے لکھی گئی چیزیں بھی بہ صورتِ عکس شامل کی گئی ہیں، اُنھیں دیکھ لیا جائے۔ اقبال نے ہر جگہ اِس کا لحاظ رکھا ہے اور پابندی کی ہے۔ مثلاً یاے وحدت و تنکیر کو ہر جگہ بہ صورتِ یاے مجہول لکھا ہے۔ محض بہ طورِ مثال ص ۲۰۴ پر تحریرِ اقبال کا عکس، جس میں یہ مصرعے ہیں:

مرا اے تازہ پرواز آفریدند
دمے از زندگی تاب و تبم بخش
مسلماناں مرا حرفے است در دل
کہ ایں سرّے ز اسرارِ خلیل است

اُن کے زمانے کے چھپے ہوئے جو مجموعے ہیں، اُن میں بھی یہی صورت ملتی ہے۔ یہ بات بحث طلب تھی، مگر اِس سے صرفِ نظر کو روا رکھا گیا۔

پھر مشکل یہ ہے کہ اس کی بھی مکمل پابندی نہیں ملتی۔ ان مصرعوں کو دیکھیے:

جولانگہے بوادی کوہ و کمر بدہ ص ۳۵۴
دلی از ما نباید بے خبر رفت ص ۳۳۸
بخود باز آ و دامان دلے گیر
درون سینۂ خود منزلی گیر ص ۸۳۶
جوانے اصیلی کہ در روز جنگ ص ۲۶۰
بے نیازی ناز ہا دارد بسی

ناز او انداز ہا دارد بسے ص ۱۶۵

از نجوم دیگران تابِ مخر ص ۱۶۷

صد ملال از ملتِ انگیختی ص ۱۶۳

شنیدم کوکبی با کوکبے گفت ص ۲۵۳

صدائے ماہی آمد از تہ بحر ص ۲۶۴

آہوے تاتارِ من " "

اب تک یہاں یہ قاعدہ ہے کہ مثلاً فقیرے اور فقیری کی خواندگی میں کتابت پر تلفظ کی بنیاد ہوتی ہے، ایران میں جو بھی ہوتا ہو، یہاں کا آدمی ''فقیری'' کو ''فقیرے'' اور ''فقیرے'' کو ''فقیری'' نہیں پڑھ سکتا۔ اغلاطِ کتابت بھی موجود ہیں۔ مثلاً ص ۲۶۸ پر ''محاورۂ مابین خدا وانسان''۔ یہاں ''محاورہ'' صحیح ہے۔ ہمزۂ اضافت نے آ کر یائے وحدت کا مفہوم بھی شامل کر دیا، یا مثلاً ص ۲۶۵ پر ''تیز ترک گام زن'' کی جگہ صرف ''ترک گام زن'' ہے (وغیرہ)۔

ایک مسئلہ تو اِن سب سے بڑا اور اہم ہے اور وہ دراصل اصولِ تدوین سے تعلق رکھتا ہے۔ مرتبین نے یہ کہیں بھی نہیں بتایا کہ اُنھوں نے جو متن مرتب کیا ہے، وہ کن نسخوں پر مبنی ہے، حالاں کہ یہ بنیادی بات تھی۔ تحقیق کا معمولی طالبِ علم بھی جانتا ہے کہ جب تک اصل مآخذ کی نشان دہی نہ کی جائے، کوئی بات قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ میں شروع میں لکھ چکا ہوں کہ ایک نسخے میں مقدّمہ بھی شامل ہے (دوسرے نسخے میں وہ موجود نہیں) اُس میں ایک جگہ یہ لکھا گیا ہے: ''انور جاوید صاحب نے پروف خوانی اور ترتیب و تدوین کے علاوہ کئی مسائل کو حل کرنے کے لیے علامہؒ کے کلام کے سابقہ اڈیشنوں اور بیاضوں کے مخطوطوں سے رجوع کیا''۔ اِس صورت میں یہ بتانا لازم ہو گیا تھا کہ اُن سابقہ اڈیشنوں اور بیاضوں میں اور اِس نسخے میں اختلافِ نسخ ہے کہ نہیں اور ہے تو اُس کی صورت کیا ہے؟ مجھے حیرت اور بہت حیرت ہے کہ اِس قدر بڑے منصوبے کے تیار کرنے والوں نے اصل بات یعنی اصولِ تدوین کو پیشِ نظر رکھنا قطعاً ضروری نہیں سمجھا۔ اس، منقولہ عبارت سے صاف طور پر مترشح ہوتا ہے کہ صرف ایک صاحب نے پروف خوانی سے لے کر تصحیحِ متن تک کے سارے مراحل طے کیے۔ تعجب ہے اور بہت!! اور پھر دوسرے نسخے میں اِس ناتمام مقدّمے کو بھی تو شامل نہیں کیا گیا۔

جا بہ جا اقبال کی تحریروں کے عکس شامل کیے گئے ہیں، یہ بہت عمدہ بات ہے اور ضروری بھی؛ مگر یہ وضاحت لازم تھی کہ بس اِتنے ہی عکس مل سکے یا یہ کہ اقبال کی بس اتنی ہی تحریریں موجود اور محفوظ ہیں۔ اگر اس کے خلاف ہے، تو یہ بتانا تھا کہ صرف انھی کا انتخاب کیوں کیا گیا۔ اب پڑھنے والا کچھ معلوم نہیں کر سکتا ـــــ کیا اتنے بڑے منصوبے کے لیے جو ادارہ بنایا گیا اور جس میں آدمیوں کی کمی نہیں، ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو مفصّل مقدّمہ لکھ سکتا اور اصولِ تدوین کے مطابق طریقِ کار کی تفصیلات پیش کر سکتا؟ یا یہ کہ مفصّل حواشی مرتّب کر سکتا؟ جس کی اشد ضرورت تھی۔ مقدّمے اور حواشی کے بغیر یہ سارا کام دیدہ زیب جس قدر بھی ہو، اعتبار سے محروم ہے اور متن اگر قابلِ اعتبار نہیں، تو پھر سب کچھ بے کار ہے۔ اعتبار ہو کیسے، جب پڑھنے والے کو معلوم ہی نہ ہو کہ متن کو مرتّب کس طرح کیا گیا ہے، جن نسخوں سے کام لیا گیا ہے، کتنی خطّی تحریروں کو سامنے رکھا گیا ہے اور اختلافِ متن کی صورت میں کیا طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے۔ اب یہ نمائشی چیز تو ہے مگر علمی کام نہیں۔ عین ممکن ہے کہ متن صحیح ہو، مگر یہ بات قاری کو کیسے معلوم ہوگی؟ تحقیق اور تدوین کے جو اصول بنائے گئے ہیں، وہ بے وجہ تو نہیں بنائے گئے اور فضول کام کرنے والوں نے تو نہیں بنائے۔ حافظ محمود شیرانی، مولانا عرشی، قاضی عبدالودود اور مولوی محمد شفیع جیسے لوگ کیا ایسی باتوں پر اصرار کر کے محض جھک مارتے رہے تھے؟

ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ مجموعۂ کلام فارسی صرف ایرانیوں کے لیے مرتّب کیا گیا ہے؟ جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے کہ ایک نسخے میں ایک مقدّمہ بھی شامل ہے، اُس میں یہ عبارت بھی ہے: ''یہ نسخہ وزارتِ ارشادِ اسلامی جمہوری ایران کی مختلف التوع اعانت کے بغیر منصۂ شہود پر نہیں آ سکتا تھا'' (ص ۱۲)۔ ''مختلف التوع اعانت'' کی وضاحت تو کی نہیں گئی، اِس صورت میں اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ اِس میں مالی تعاون بھی شامل تھا، تو اُسے بدگمانی کا گناہ گار نہیں سمجھنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ اگر یہ خیال بھی پیدا ہو کہ یہ اِسی مختلف التوع اعانت کا نتیجہ ہے کہ اِسے ایرانی انداز بخشا گیا ہے، تو اِسے بھی قابلِ اعتراض نہیں کہا جا سکتا۔ صراحت کی اِسی لیے اہمیت بتائی گئی ہے۔ اگر ایسا تھا تو اس کی صراحت کر دینا چاہیے تھی، کہ اِسے ہندستانی نہ پڑھیں، یہ صرف ولایت کے لیے ہے۔ جیسے بعض کتابوں پر لکھا ہوتا ہے کہ اِسے فلاں مشرب یا مذہب والوں کے سوا دوسرے لوگ نہ پڑھیں۔ اگر ایسا

نہیں، تو پھر وہ انداز کیوں اختیار کیا گیا جس سے ایرانی آشنا ہیں مگر ہندستانی نا آشنا ہیں اور خود مصنّف جس سے بیگانہ آشنا تھا کہ اپنی تحریر میں اُس نے کبھی اُس کی پابندی نہیں کی، اس کے برخلاف یہاں کی روش کو مکمل طور پر برتا۔ اس کو یوں بھی دیکھیے کہ اقبال نے ''کشادن'' اور ''کشودن'' اور ''پرکار'' کو مع کاف عربی لکھا ہے، یوں کہ یہاں یہی رائج ہے۔ اِس مجموعے میں ان لفظوں میں ک کی جگہ گاف لکھا گیا ہے (ص ۱۵۹، ۳۰۷ وغیرہ)، یوں کہ ایرانی اب گشادن، گشودن اور پرگار کہتے ہیں۔

اب میں حضرت مولانا رفیع الدین ہاشمی صاحب! آپ سے پوچھتا ہوں کہ تحقیق اور تدوین کی اصطلاح میں کیا یہ تحریف نہیں؟ اِس کا حق مرتّبین کو کس نے دیا کہ وہ مصنّف کے لفظوں کی صورت کو بدل دیں؟

میرے پاس پہلے کے چھپے ہوئے نسخے کلامِ اقبال کے موجود ہیں؛ اُن کو دیکھتا ہوں اور اِس جدید نسخے کو دیکھتا ہوں تو بعض مقامات پر میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کیا سمجھوں۔ میں اِس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ صرف ایک یوں کہ یہ خط ویسے ہی طومار بنتا جارہا ہے اور آپ کے قیمتی وقت کو زیادہ برباد کرنے کا سبب بنے، یہ مجھے پسند نہیں۔ آپ کو تو بہت سے کام کرنا ہوتے ہیں۔ آدھی رات تک تو آپ اوراد و وظائف ہی میں مصروف رہتے ہوں گے، پھر وظائف الاعضا کا مرحلہ بھی آتا ہوگا تو یوں ایک ہی مثال پر اکتفا کرتا ہوں، مگر یہ عرض ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ ایسی مثالیں اِس میں متعدّد ہیں اور خاصی پریشان کُن۔

ص ۳۳۲ پر ایک عنوان ہے ''جلال و گوتہ''۔ پہلے تو یہی سمجھنے میں دیر لگی کہ یہ ''گوتہ'' کیا بلا ہے، پھر معلوم ہوا کہ یہ ''گوئٹے'' کی مسخ شدہ صورت ہے۔ خیر۔ میرے پاس پیامِ مشرق کا بارھواں اڈیشن ہے جس کے آخر میں یہ مرقوم ہے کہ ''پاکستان ٹائمز پریس لاہور میں چھپوا کر ڈاکٹر جاوید اقبال بار ایٹ لاء نے جاوید منزل علامہ اقبال روڈ لاہور سے شائع کی''۔ اِس اڈیشن میں مذکورہ نظم کا عنوان ہے ''جلال'' و ''گوئٹے''۔ دونوں ناموں پر خط کھنچے ہوئے ہیں، جس سے بہ یک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عام لفظ نہیں، نام ہیں۔ اِسی صفحے پر ایک فٹ نوٹ ہے، جس میں ساڑھے تین سطریں ہیں، جو یہاں سے شروع ہوتا ہے: ''نوٹ۔ نکتہ دان المنی سے مراد گوئٹے ہے...'' یہ نوٹ اِس نسخے میں موجود نہیں اور کہیں اور بھی اس کا ذکر اِس نسخے میں نہیں ملتا۔ سوال یہ ہے کہ فٹ نوٹ کی یہ عبارت کیا اقبال کی

نہیں، کسی دوسرے کی لکھی ہوئی ہے؟ اِس صورت میں اِس کی صراحت واجب تھی۔ اگر اقبال کی ہے تو اس کی شمولیت لازم تھی۔ اِسے شامل نہیں کیا گیا ہے تو صراحت ضروری تھی ـــــ یہ صرف ایک فٹ نوٹ کی بات نہیں، کئی ایسے فٹ نوٹ ہیں، مثلاً بائرن، نیٹشے، پٹوفی۔ ''پٹوفی'' کے عنوان کے نیچے ایک فارسی عبارت ہے اصل متن میں۔ یہ عبارت اِس جدید نسخے میں شامل نہیں۔ کیا یہ عبارت اقبال کی نہیں، کسی اور کی ہے؟ پھر ناموں کو جس بُری طرح مسخ کیا گیا ہے مذاقِ ایرانی کی پیروی میں، وہ عبرت طلب ہے، مثلاً ''نیٹشا'' (نسخہٗ قدیم) نے نسخہٗ جدید میں ''نیچہ'' کی صورت اختیار کرلی ہے (ص ۳۲۹)۔ ہندستان میں ''نیچہ'' تو حقے کا ہوا کرتا ہے۔ اقبال نے نظم کا عنوان ''حکیم آئن اسٹائن'' رکھا تھا (نسخہٗ قدیم) اب وہ ''حکیم اینشتین'' بن گیا (ص ۳۲۸)۔ معلوم نہیں بن گیا کہ بگڑ گیا، مگر یہ ضرور معلوم ہے کہ اقبال نے اِس طرح نہیں لکھا تھا۔

ہاشمی صاحب مکرّم! اب ہم آپ دونوں کو مل کر یہ مان لینا چاہیے اور احتیاطاً تحسین فراقی صاحب کو بھی شامل کرلیجیے اور اگر اشتباہ کا جھگڑا ہو ثلاثہ کے لحاظ سے تو کسی چوتھے صاحب کو بھی ملا لیجیے اور چار یاری بن کر یہ مان لیجیے اور اعلان کردیجیے کہ ایسی کسی کتاب پر مقدمہ نہ لکھا جائے، اُس میں مفصّل حواشی شامل نہ ہوں تو خواہ پڑھنے والے مبتلاے پریشانی و غلط فہمی ہوتے رہیں، مرتّبین کو بہت آسانی حاصل ہوجایا کرتی ہے، گویا تدوین کے کام پر جدید شاعری (یعنی جدیدیت زدہ شاعری) کا جواز نکل آتا ہے۔

ہاں ہاشمی صاحب محترم! میں نے جو اوپر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اِسے ایرانیوں کے لیے مرتّب کرایا گیا ہے، اس قیاس کی تائید کا ایک قوی قرینہ اور بھی موجود ہے۔ اردو کلام کا جو مجموعہ ہے، اُس میں بھی فارسی اشعار جا بہ جا آئے ہیں اور اُن کو ہندستان کے متعارف اور مستعمل انداز میں لکھا گیا ہے، مثلاً ص ۵۲۱ پر ضربِ کلیم کے آغاز میں تین شعر ہیں، ان کے ان مصرعوں کو دیکھیے:

کسے نہ بود کہ ایں داستاں فرو خواند   بگیراں ہمہ سرمایۂ بہار از من

کے، ایں، داستاں، ایں؛ یہ سب اُسی طرح لکھے ہوئے [ہیں] جس طرح اقبال لکھتے تھے اور جس طرح اور لوگ لکھتے رہے ہیں۔

طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست   ص ۴۶۳

سوئے ما آور [درآ] کہ تجارت کند ″

تا دلِ صاحبدلے نامد بدرد

ہیچ قومے راخدا رسوانہ کرد ص ۴۶۶

بال بازاں راسوے سلطاں برد ص ۴۶۸

چوں جنازہ نے کہ بر گردوں برند ص ۴۶۸

لیکن او کے گنجد اندر دامِ کس ص ۴۶۹

تو دلِ خودرا دلے پنداشتی

جستجوے اہلِ دل بگذاشتی ص ۴۷۰

خلوت از اغیار باید نے زیار

پوستیں بہر دے آمد نے بہار ص ۴۷۲

کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است ص ۴۷۲

میرا خیال ہے کہ یہ مثالیں اثباتِ مدّعا کے لیے کافی ہیں ــــ ایک بات اور: فارسی والے اضافت کے زیر بہ طورِ عموم نہیں لگاتے۔ اس نسخۂ کلیاتِ فارسی میں بھی اِس روش کی پیروی کی گئی ہے کہ اضافت کے زیر کہیں نہیں ملتے۔ مگر نسخۂ کلامِ اردو میں فارسی اشعار میں بھی اضافت کے زیر ملتے ہیں۔ اِس سے اُس خیال کی تائید کا ایک اور پہلو نکلتا ہے۔

نسخۂ اردو میں ص ۵۶ پر ایک مصرع ہے: ”محفلِ ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار“۔ ”تری“ کا تعلق بہ ظاہر ”بربط“ سے ہے اور اِس صورت میں ”ترے“ ہونا چاہیے۔ حواشی ہوتے تو یہ صراحت ملتی کہ یہاں صورتِ حال کیا ہے۔ ص ۴۲۵ پر ایک مصرع ہے: ”جن کی لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی“۔ یہاں بھی ”کی“ اور ”کے“ کا معاملہ ہے ــــ ص ۵۵ پر ایک مصرع اِس طرح ہے: ”درد، طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے“۔ بانگِ درا کا جو لاہوری اڈیشن میرے پاس ہے، اُس میں ”دردِ طفلی“ ہے۔ اس کی تشریح بھی حواشی ہی میں ہو سکتی تھی۔

مجموعۂ اردو میں (مجموعۂ کلامِ فارسی کے برخلاف) توقیف نگاری سے کام لیا گیا ہے اور اضافت کے زیر بھی لگائے گئے ہیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے، مگر التزام برقرار نہیں رہ سکا، جب کہ اِس کی اشد ضرورت تھی۔ مثلاً ص ۵۷ پر ”ابر کوہسار“ کے عنوان سے جو نظم بہ طرزِ مسدس ہے، اُس کا پہلا شعر ہے:

ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا
ابر کہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا

ہاں مجموعۂ کلامِ اردو میں بھی مرتبین کا مقدّمہ موجود نہیں۔ ''خراجِ عقیدت'' کے عنوان سے اقتباسات جمع کر دیے گئے ہیں، جن کی کچھ ایسی ضرورت نہیں تھی۔ ضرورت تھی ایسے مقدّمے کی جس میں بتایا جاتا کہ متن کی ترتیب کس طرح کی گئی ہے اور کن نسخوں سے کام لیا گیا ہے۔ ''قائدِ اعظم'' کے دو اقتباسات ہیں، اور بہ طورِ اقتباس یہی دو عبارتیں کافی تھیں، باقی کی ضرورت نہیں تھی۔ اُن کے بجائے کام کی باتیں لکھنا چاہیے تھی [کذا] وہی کام نہیں ہوا۔ ہاں صاحب! اب ایک ذرا مختلف سی بات: آپ آخر قائدِ اعظم کو رحمت اللہ بنانے پر کیوں تُل گئے ہیں؟ وہ بڑے سیاست داں تھے، بڑے آدمی تھے، بہت سوجھ بوجھ رکھنے والے، مگر سیاسی سوجھ بوجھ، مذہبی یا صوفیانہ سوجھ بوجھ نہیں۔ اُنھوں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ آپ اُنھیں یہ سزا دے رہے ہیں؟ آپ نے اقبالؔ کو رحمۃ اللہ بنایا، خیر، مان لیا؛ مگر قائدِ اعظم والی بات تو حلق سے اُترتی نہیں۔ اُن کو رحمۃ اللہ بنا کر اُن کا عرس منانے کا تو سروسامان فراہم نہ کیجیے۔ آپ کہیں گے کہ ہم تو اُن کا عرس نہیں مناتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ عرس نہیں مناتے، مگر رحمت اللہ علیہ تو آپ نے بنا دیا، بعد والے اگر اِس کو سامنے رکھ کر عرس بھی کرنے لگیں تو ذمّے داری تو آپ ہی کی ہوگی۔ یہاں گاندھی جی کو مہاتما بنا دیا گیا اور وہاں قائدِ اعظم کو رحمت اللہ علیہ بنا لیا گیا۔ خوب ہے یہ شخص پرستی۔ اچھے خاصے آدمی کو جب تک لوازمِ بشریّت سے مامون و محفوظ نہ کرلیں، یا منٹو کے الفاظ میں، رحمت اللہ علیہ کی کھونٹی پر نہ ٹانگ دیں، ہمیں چین نہیں پڑتا۔ خوب لوگ ہیں ہم بھی!

یہ خط بہ غرضِ احتیاط رجسٹری سے بھیج رہا ہوں، کیوں کہ پہلے خط کی بابت آپ نے لکھا تھا کہ محفوظ نہیں رہا۔ اب آپ اگر اس کی ایک سطری رسید فوری طور پر بھیج دیں گے تو مجھے صحیح معنی میں اطمینان ہو جائے گا۔ ہاں صاحب! تہجد کی نماز کے بعد کسی دن میرے لیے بھی دعا کیجیے گا۔ شکریہ پیشگی۔

رشید حسن خاں

بہ ملاحظۂ حضرت مولانا و بالفضل اولنا
ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بالقابہ بگذرد

(۲)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۱رمئی ۱۹۹۳ء[۲]

حضرت سلامت!

کتابچہ مل گیا۔ اِس کے لیے شکر گزار ہوں۔ دو ہفتے قبل یہاں انجمن ترقیِ اردو کی طرف سے اقبال سمینار ہوا تھا، میں نے بھی اُس میں ایک مختصر سا پرچہ پڑھا تھا، عنوان تھا: ''کلامِ اقبال کی تدوینِ جدید کی ضرورت''۔ آغاز کی سطر یہ تھی: ''ہم کو فراخ دلی کے ساتھ یہ بات مان لینا چاہیے کہ کلامِ اقبال کا کوئی ایسا مجموعہ اب تک مرتب نہیں ہوسکا ہے جسے اصولِ تدوین کے مطابق معیاری اور مثالی کہا جاسکے''۔ اِس کے بعد باقی بحثیں تھیں۔ آپ یہ بتائیے کہ تحریر کو، جو طویل نہیں، وہاں چھپوانا بہتر ہوگا یا پھر نہ چھپوانا بہتر ہوگا۔ آپ سے یوں پوچھ رہا ہوں کہ اِس پرچے کا بہت کچھ مواد، میں نے آپ کی کتاب تصانیفِ اقبال... سے لیا تھا۔

سیارہ کب تک آرہا ہے؟ کیا وہ خط اُس میں شامل ہوگا؟ اور کیا مع جوابی تحریر؟ ذاتی خطوں سے متعلق میرا مضمون فنون میں آپ نے پڑھ لیا ہوگا۔ اس کے متعلق آپ کی رائے جاننے کا متمنی ہوں۔

میری پوتی ۴ سال کی ہے، اُسے بلڈ کینسر تجویز کیا گیا ہے۔ یہاں کے ایک اسپتال میں داخل ہے، علاج جاری ہے۔ سخت پریشان ہوں اور لکھنا پڑھنا سب چوپٹ سا ہو رہا ہے۔ آپ کی تو وہاں تک رسائی ہے، دُعا کر دیجیے نا! دُعا کے ساتھ کچھ کہ سُن بھی دیجیے گا۔

ہاں بھائی! کیا ایسا انتظام ممکن ہے کہ جاوید اقبال صاحب نے جو کلّیات مرتب کیا تھا اردو اور فارسی دونوں کا، وہ مجھے مل سکے، اس صورت میں کہ اس کی ہم قیمت کتابیں، جو بھی منتخب کی جائیں، میں یہاں سے بھجوا دوں۔ لاہور کے زمانۂ قیام میں اس کا خیال نہیں آیا۔ اب لکھنے بیٹھا تو اس کی سخت ضرورت محسوس ہوئی، خاص کر فارسی کلّیات کی۔ کیا آپ اِس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ یہ جو میری تحریر تدوینِ جدید سے متعلق ہے، دراصل

اِس پر نظرِ ثانی کرنا ہے اور یہ کام اس نسخۂ کلّیات کے بغیر ہو نہیں پائے گا۔ مجھے صائب کا شعر یاد آیا:

دور دستاں را بہ احساں یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بپاے خود ثمر می افگند

ہریانہ اردو اکیڈمی کی طرف سے پچھلے ماہ اقبال سمینار ہوا تھا، معلوم یہ ہوا ہے کہ اُس میں اقبال کی فارسی شاعری سے متعلق ایک اچھا مضمون پڑھا گیا تھا، سبکِ اقبال کے عنوان سے۔ کئی لوگوں نے اُس کی تعریف کی ہے۔ میں اُس میں شرکت نہیں کر سکا تھا اپنی اِنھی پریشانیوں کے سبب سے۔ دُعا کا طالب ہوں اور التفات کا طلب گار اور نوازش نامے کے لیے چشم بہ راہ۔

تحسین فراقی صاحب سے سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
ٹی بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۷؍ جون ۱۹۹۳ء

مُحبّ مکرّم!

کلّیاتِ اقبال (اردو) بہ ذریعۂ ڈاک موصول ہوا۔ اِس لطفِ خاص کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔

سیّارہ کا اقبال نمبر حصّۂ دوم بہ قول آپ کے، اپریل میں آنے والا تھا، میرے پاس تو اب تک آیا نہیں؛ غالباً اب تک شائع نہیں ہو سکا۔

میرا خط تو مل گیا ہوگا۔ پچھلے ۲۰ [بیس] دن سے طبیعت ٹھیک نہیں۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب دھوپ دیوار سے ذرا تیزی سے اُترنے لگی ہے۔ بخار ہے، پیروں میں درد ہے اور نہ معلوم کیا کیا ہے۔ آپ خدا کے نیک بندوں میں سے ہیں، سارے اچھے کام کرتے ہیں، بس میرے لیے دُعا نہیں کرتے۔

ہاں صاحب! اِس کلّیات کو دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی، یوں کہ مقصد محض تجارت معلوم ہوتا ہے۔ غضب خدا کا تین چار طرح کا معمولی کاغذ لگایا گیا ہے، جو اوپر ہی سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ حاشیوں کی کٹائی اِس بے دردی کے ساتھ کی گئی ہے کہ متعدّد صفحات کی صورت بگڑسی گئی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ارمغانِ حجاز کو دو مستقل حصّوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ مرتّب کو اِس کا حق کسی طور پر حاصل نہیں تھا۔ میرے پاس چودھری محمد حسین والا پُرانا اِڈیشن ہے (نویں اشاعت) اُس میں یہ تقسیم موجود نہیں۔ اِس میں مزید ستم یہ ہوا ہے کہ ص ۱۰۲۸ کے بعد ارمغانِ حجاز ـــــ اردو کا آغاز ہوتا ہے اور اِس صفحے سے نیا نمبر شمار شروع ہوتا ہے جو ص ۶۹۲ پر ختم ہوتا ہے اور اُس کے بعد پھر ص ۱۰۲۹ آجاتا ہے۔ یہ تو ستم نہیں، ستم ظریفی ہے۔

میرا ارادہ ''کلامِ اقبال کی جدید تدوین کی ضرورت'' لکھنے کا تھا اور ہے، مگر آپ نہیں چاہتے کہ لکھوں، ورنہ کچھ دُعا کرتے، تعویذ بھیجتے، عمل پڑھتے کہ طبیعت ٹھیک ہوجاتی۔ خیر، میرا یہ ارادہ ضرور ہے کہ طبیعت کے رُو بہ راہ ہوتے ہی اِس موضوع پر چند صفحات لکھوں اور آپ کے ملاحظے کے لیے بھیج دوں۔ یہ واقعتاً افسوس کا مقام ہے کہ آج تک کلیاتِ اقبال اصولِ تدوین کے مطابق مرتّب نہیں کیا جاسکا، جس طرح مثلاً دیوانِ غالب نسخہ عرشی ہے۔

فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے اور اپنے پرنسپل صاحب سے بھی۔ مثنوی گلزارِ نسیم کے کام میں اُلجھا ہوا تھا، آج کل وہ بھی معطّل ہے۔ خرابیِ طبیعت نے سب کچھ چوپٹ کر رکھا ہے۔ میں اِس مثنوی کے کام کو ضرور مکمّل کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ یہ پھر اِس طرح نہیں ہو پائے گا۔

خدا کرے آپ معِ متعلّقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۵؍جولائی ۱۹۹۳ء؁

مولانا صاحب!

عشق اللہ۔ آپ کا خط مرقومہ ۷؍جون ملا، آپ کا خط تھا، یوں اُس کا تاخیر سے ملنا ضروری تھا۔ اچھی چیزیں جلد کہاں ملتی ہیں۔

میں اس سے پہلے ایک خط لکھ چکا تھا، ملا ہوگا۔ وہ منصورہ کے پتے پر بھیجا گیا تھا۔ نذیر احمد کہانی جو صاحب چھاپنا چاہتے ہیں، آپ سے اجازت لے کر ضرور چھاپ سکتے ہیں۔ ہاں، اِس سیریز میں دوسری کتاب (کتابچہ) دہلی کا آخری یادگار مشاعرہ ہے۔ یہ دونوں ایک ساتھ چھپی تھیں۔ اِسے بھی آپ سے اجازت لے کر چھاپا جاسکتا ہے۔ شرط ہے آپ کی اجازت۔

توبۃ النصوح کے لیے اُنھی صاحب زادے سے کہہ دیا ہے کہ وہ ڈھونڈھ کر، اور اگر نہ ملے تو چُرا کر کہیں سے لائیں (دل اور کتاب کی چوری جائز ہے۔ بے توفیقی کی بات دوسری ہے)، جنھوں نے آپ کو کمال احمد صدیقی والا مضمون بھیجا تھا۔

میں آج کل گلزارِ نسیم میں بے طرح اُلجھا ہوا ہوں۔ ہاں یاد آیا، یوپی اردو اکیڈمی نے توبۃ النصوح کی پہلی اشاعت کا عکسی اڈیشن شائع کیا تھا، وہ میرے پاس ہی ہے، اُس کی ضرورت تو نہیں۔

ہاں صاحب! آپ نے لکھا ہے کہ کلیاتِ اقبال پر تبصرہ سیارہ کے نمبر کے لیے لکھوں۔ میں تو آپ کا نیازمند ہوں اور آپ کے حکم کی تعمیل کو فرض نہ سہی، واجب تو ضرور سمجھتا ہوں؛ مگر وہ خط بھی تو اُسی میں چھپے گا۔ کیا ایسی دو مختلف تحریروں کا ایک ساتھ چھپنا مناسب ہے؟ میری رائے میں تو مناسب نہیں۔

میں وبائی بخار کا بے طرح شکار رہا۔ توانائی گویا باقی نہیں رہی۔ سخت جانی کی رفاقت کا یہ فیض ہے کہ خط لکھ رہا ہوں۔ یہ خط کافی ہاؤس میں بیٹھا ہوا لکھ رہا ہوں۔ کافی کے تلخ گھونٹ پیتا جاتا ہوں اور یوں قلم اور ذہن کو رواں رکھ رہا ہوں۔ دُعا کا طالب ہوں۔ فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ اگر یہ خط آپ کو مل جائے تو جواب سے محروم نہ رکھیے۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
ٹی بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۸رستمبر ۱۹۹۳ء[۵]

مُحبِّ مکرّم!

سلامِ مسنون۔ آپ کے دو خطوں کے جواب میرے ذمّے واجب تھے۔ کیا کروں، ناسازیِ طبع صورت بدل بدل کر پریشان کرتی رہتی ہے۔ اصل میں اب دھوپ دیوار سے کچھ تیزی کے ساتھ اُترنے لگی ہے۔ دُعاؤں کا طالب ہوں۔

شاہ جہاں پور میں کبوتر بازی کا خاصا شوق رہا ہے مگر اب یہ محض یادِ ماضی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں کبوتروں کی ایک خاص نسل تھی جنھیں ''ہَرے'' کہتے تھے۔ اِن کی شہرت دور دور تھی۔ رجب علی بیگ سرور نے فسانۂ عبرت میں محمد علی شاہ کی تعریف میں طویل نثر لکھی ہے، اُس میں آبادیِ شہر اور رونق کا ذکر کیا ہے: ''کسی جا کبوتر گرہ باز، شاہ جہاں پور کے بلند پرواز'' (ص ۴۵)۔

ارمغانِ علمی کے سلسلے میں عرض ہے کہ اب سے کئی سال پہلے کراچی میں مشفق خواجہ صاحب نے مجھ سے ایسی جلد کے لیے مضمون کی فرمایش کی تھی۔ میں نے فی الفور تعمیلِ حکم کی تھی اور مضمون بھیج دیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ میں مضمون بھیج چکا ہوں۔ وحید قریشی صاحب میرے کرم فرما ہیں، ظاہر ہے کہ میں اُن کے سلسلے کی کتاب میں شامل ہونے سے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر یہ ''مجلسِ ادارت و مشاورت'' آپ حضرات نے خوب ترتیب دی ہے! پچھلی مجلس کے مقابلے میں اس نئی فہرست میں بعض نام بدلے ہوئے نظر آئے۔ یہ آپ کس پھیر میں آگئے ہیں؟ آپ تو اس کاروبار کے آدمی ہیں نہیں۔

گلزارِ نسیم کا کام رُکا ہوا ہے، ذرا سنبھلوں تو اُسے سنبھالوں۔ کام بہت اُلجھا ہوا ہے، پورا معرکۂ چکبست و شرر سامنے ہے اور اُس پر محاکمہ بھی کرنا ہے الگ الگ اشعار پر۔ میں آدمی اکیلا، کوئی ایسا بھی نہیں جو دو صفحے نقل ہی کردے۔ خیر، یہ کام ہوگا ضرور۔ آپ کی توجہ کی ضرورت ہے۔ [یہاں لفظِ توجہ اصطلاحِ تصوف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے]۔

تحسین فراقی صاحب کہاں ہیں؟ اُن سے میرا سلام کہیے۔ اُن کی بھیجی ہوئی کتاب مل گئی۔ اِس لطفِ خاص کے لیے بہ طورِ خاص شکرگزار ہوں۔ بہت شوق، دل چسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھوں گا۔ ہاں یہ کتاب مجھے پرسوں یعنی ۶ ر ستمبر کو ملی ہے۔ یہ ضرور کہہ دیجیے گا۔ وہ یہ خیال نہ کریں کہ رسید میں نے تاخیر سے بھیجی ہے۔

کیا آپ کے دوست اب بھی نذیر احمد کی کہانی اور دہلی کا یادگار مشاعرہ اب بھی [کذا] چھاپنا چاہتے ہیں۔ دونوں کے نسخے میں نے منگا کر رکھ لیے ہیں۔ شرط میری کوئی نہیں۔ آپ اِس سلسلے میں جو طے کر دیں مجھے بلا تکلّف منظور ہوگا۔ چوں کہ وہ عکس چھاپیں گے، یوں کا پیاں پڑھنے اور تصحیح کرنے کا بھی کوئی جھگڑا نہیں اُٹھے گا۔ جب آپ کا خط آئے تو، توبۃ النصوح کے نسخے بھی اُنھی کے ساتھ بھیج دوں گا۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ کلّیاتِ اقبال کی تدوین والا مضمون بھی ادھورا پڑا ہے، اُسے مکمّل ضرور کرنا ہے۔ کیا کروں، چاہتا بہت کچھ ہوں، مگر ... اب گھر والے یاد آنے لگتے ہیں اکثر، یہ بُڑھاپے کی سچّی پہچان ہے۔ صحت بھی یہی مطالبہ کرتی ہے کہ اب جا کر اُن کے ساتھ رہوں۔ ذرا دیکھیے تو پچھلے ۳۴ سال سے بیوی بچّوں کو شاہ جہاں پور میں رکھ چھوڑا ہے اور میں یہاں تنہا سارے امراض و آلام کا ہدف بنا رہتا ہوں۔ جس رات دل کا دورہ پڑا اور اسپتال لے جایا گیا تھا، اُس دن ۳۴ برس میں صحیح معنی میں پہلی بار تنہائی کا احساس ہوا تھا اور اُس دن سے یہ احساس ذہن پر چھا کر رہ گیا ہے۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۱ر دسمبر ۱۹۹۳ء[۶]

حضرت سلامت!

دنوں کے بعد توفیق رفیق ہوئی کہ خط لکھ سکوں۔ اب کے تو بہت تاخیر ہوئی جو سراسر ناروا تھی، شرمندگی ہے اور معذرت طلبی؛ اِس کے سوا اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

کیا کروں، بے طرح اُلجھ گیا ہوں اِس گلزارِ نسیم میں۔ رفو کا کام بہت ہے اِس میں۔ پورا معرکۂ چکبست و شرر ہے، جس کی تفصیلات کو سمیٹنا ہے اور محاکمہ بھی کرنا ہے۔ اِس میں ایک بڑا کام ہوگیا، آپ سُن کر خوش ہوں گے: اصل قصّے کو سب سے پہلے عزّت اللہ بنگالی نے فارسی میں لکھا تھا، اُس کا ترجمہ نہال چند لاہوری نے اردو میں کیا تھا مذہبِ عشق کے نام سے، گل کرسٹ کی فرمایش پر۔ اُس فارسی متن کو، میری اب تک کی معلومات کے مطابق، منشی نہال چند کے بعد کسی نے نہیں دیکھا اور ہوا میں گرہ لگاتے رہے۔ بس مذہبِ عشق کو دیکھا۔ لندن، کلکتے اور پٹنے سے اُس فارسی متن کے عکس مل گئے، دو سال کی تگ و دَو کے بعد۔ اب آپ داد دیجیے میرے صبر کی بھی اور تلاش کی بھی۔ ۱۲۶۱ھ میں دہلی کا ایک مشاعرہ، نذیر احمد کہانی اور توبۃ النصوح مرتبہ مالک رام کے لیے آپ نے لکھا تھا۔ اِن کا پارسل بھیجا جارہا ہے، از راہِ لطف رسید سے مطلع کیجیے گا۔ ''ایک مشاعرے...'' سے متعلق یہ بات ذہن میں رہے کہ دہلی کی آخری شمع اس کا اصلی نام نہیں، یہ نام خواجہ حسن نظامی کا رکھا ہوا ہے۔ ناشر کی مشکل یہ تھی کہ یہاں ہائی اسکولوں کے نصاب میں یہ اِسی نام سے شامل ہے، اِس لیے اِس نام کو بھی شامل کرنا پڑا۔ آپ اصلی نام رکھیے گا۔ اس کا اصل نام ہے: ۱۲۶۱ھ میں دہلی کا ایک مشاعرہ۔ حرفِ آغاز کو وہاں کے نسخے میں شامل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ وہاں ناشر کوئی اور صاحب ہوں گے۔ وہ اگر چاہیں تو حرفِ آغاز کے نام سے اپنی طرف سے کچھ لکھ سکتے ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ اُن کی کتاب کا شکریہ پہلے ہی بھیج چکا ہوں۔ کون صاحب چھاپیں گے؟ ذرا کچھ تفصیل تو لکھیے۔

میرے لیے بعدِ نمازِ تہجد ہر مہینے میں گیارہ بار ضرور دُعا کیا کیجیے۔ (آج کل یہاں ہاکی اور فٹ بال کے دو بہت بڑے ٹورنامنٹ ہورہے ہیں۔ بعدِ دوپہر سارا وقت اُن کی نذر ہوجاتا ہے۔ مزاجِ من از حالِ طفلی نگشت۔ ۲۰ سال ہاکی کھیلی ہے، اِس قدر خلوص کے ساتھ کہ اُس طرح تو عشق بھی نہیں کیا۔ اب: گو ہاتھ میں جُنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے)۔ ہائے ہائے مائل دہلوی کا شعر یاد آگیا:

مائل! کوئی گناہ نہ رہ جائے، دیکھنا!
کام آپڑا ہے رحمتِ پروردگار سے

کلیاتِ اقبال والا مضمون بھی لکھنا ہے، ذرا دم لوں تو قلم اُٹھاؤں۔ میرے عزیز دوست حسن نعیم تھے، اُن کا یہ شعراب اکثر یاد آتا ہے:

کون مجھ سے پوچھتا ہے روز اتنے پیار سے
کام کتنا ہو چکا ہے، وقت کتنا رہ گیا

معلوم نہیں اِس میں حسرت زیادہ ہے یا تمنا۔

اب میری خطا معاف ہوگئی ہو تو اِس پریشاں نگاری کے جواب سے سرفراز کیا جاؤں اور جلد تر۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۷-۱۱۰۰۰۷
۴؍جولائی ۱۹۹۴ء

مکرّمی ہاشمی صاحب! سلامِ مسنون۔

آپ کا لفافہ ملا تھا۔ آپ کی ہدایت کے مطابق دوسرا پرچہ فوری طور پر مکتوب الیہ کے نام ڈاک سے بھیج دیا گیا تھا۔

اب مجھے چند معروضات پیش کرنا ہیں:

۱- وہ دو کتابچے جن کو صابر کلوروی صاحب چھاپنا چاہتے تھے اور جن کو میں نے آپ کے پاس بھیج دیا تھا، وہ چھپے یا نہیں؟ اگر چھپ گئے تو اصولاً اُن کے دو تین نسخے مجھے ملنا چاہیے تھے۔ اگر نہیں چھپے، تو کب چھپیں گے؟ کیا صابر صاحب اخلاقیات کے قائل نہیں کہ مصنف یا مرتب کو ایک دوسطری خط ہی لکھ دیں۔ خوب ہیں یہ صاحب!

۲- انشا اور تلفظ اور عبارت کیسے لکھیں ان دونوں کو کتابی صورت میں یکجائی طور پر اربابِ نقوش چھاپیں گے، یہ طے ہو چکا ہے۔ آپ نے اِن کے متعلق لکھا تھا، یوں صراحت کی گئی۔

۳- مثنوی گلزارِ نسیم مکمل ہوگئی۔ کتابت ہو رہی ہے۔ اصل فارسی متن بھی ساتھ

ہی چھپے گا۔ تقریباً ۶۵۰ صفحات پر مشتمل ہوگی۔ کیا اِسے کوئی صاحب چھاپنا پسند کریں گے؟ آپ کے پاس پہنچے گی جب بھی چھپے گی، غالباً آخرِ سال تک۔

۴- ہاں صاحب! میں نے جو خط آپ کو لکھا تھا کلّیاتِ اقبال کے حصّہٗ فارسی کے بارے میں، اُس کے متعلّق آپ نے لکھا تھا کہ وہ سیّارہ میں چھپے گا، کیا چھپ گیا؟ نہیں، تو کب چھپے گا؟ اگر نہیں چھپے گا تو پھر اُسے میرے پاس فوری طور پر بھیج دیجیے، میں اُسے ذرا سا بدل کر یہاں چھپوا دوں گا۔ سیّارہ کے اربابِ نظر رسالہ مجھے بھیجتے تھے، اب معلوم ہوا کہ سالنامہ [کذا] چھپ گیا، مگر میں محروم رہا، ناراض ہیں شاید! خیر، یہ بھی سہی، مگر وہ خط تو مجھے واپس مل جانا چاہیے، یا پھر چھپ جانا چاہیے۔ اِس کے متعلّق ضرور مطلع فرمائیے۔

۵- سیّارہ کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا، تو پھر کلامِ اقبال کی تدوین کے موضوع پر میں نے جو کچھ لکھا تھا، اُسے اقدار (کراچی) کو بھیج دیا۔ یہ تحریر یہاں اقبال سمینار میں پڑھی گئی تھی۔ یوں لکھ رہا ہوں کہ اقدار تو اُدھر آتا ہوگا، آپ کی نظر سے اِس کا گزرنا از بس ضروری ہے۔ آپ کے حوالے جگہ جگہ آئے ہیں۔

۶- تحسین صاحب کا تبصرہ پڑھ کر جی خوش ہوگیا۔ خدا اُنھیں مزید توفیق دے؛ لیکن مزید توفیق کے لیے آدمی کا تھوڑا سا گنہ گار ہونا ضروری ہے اور وہ سر سے پیر تک ''نیک'' بنے ہوئے ہیں۔ خیر، خدا راس لائے۔ اُنھیں الگ خط کیا لکھوں، چند سطریں لکھنا ہیں، آپ ہی کے خط میں لکھے دیتا ہوں، اُنھیں پڑھا دیجیے۔ اب آپ مفصّل خط لکھیے جس میں نمبر وار سوالات کے جوابات مرقوم ہوں۔ میں نے اب مولوی عبدالواسع ہانسوی کے لُغت غرائب اللّغات کی تدوین کا کام شروع کر دیا ہے، دُعا کیجیے۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۰/اگست ۱۹۹۴ء [۵]

ہاشمی صاحب مکرّم!

میں آپ کی نگاہِ التفات سے کیوں محروم ہوں؟ کیا قصور، کیا گناہ، کیا تقصیر؟ یہ تیسرا خط ہے۔ کیا یہ بھی محرومِ جواب رہے گا؟

میں نے اِس سے پہلے کے خط میں یہ عرض کیا تھا کہ صابر کلوروی صاحب نے وہ دونوں کتابچے چھاپے یا نہیں۔ اگر چھاپے تو اُن کی دو دو کاپیاں تو مجھے ملنا چاہیے تھیں، کم سے کم۔

میرا خط، جس کے متعلق آپ نے لکھا تھا کہ وہ سیّارہ کے اقبال نمبر حصّہ دوم میں چھپے گا، اُس کا کیا ہوا؟ سیّارہ تو کئی سال سے گویا میرے پاس نہیں آیا۔ کیا آج کل اُدھر بھی ناراضی کی ہوا چل رہی ہے۔

اگر وہ خط نہ چھپے تو از راہِ لطف اُسے، یا اُس کے عکس کو میرے پاس بھیج دیجیے، میں اُس میں اضافہ کر کے یہاں کہیں دے دوں گا۔

آپ کے لفافے میں جو خط تھے، وہ مکتوب الیہم کے لیے حوالۂ ڈاک کر دیے گئے تھے۔ یہ لکھ چکا ہوں کہ گلزارِ نسیم کی ترتیب مکمّل ہو گئی ہے، کتابت ہو رہی ہے۔ تقریباً ۶۵۰ صفحے ہوں گے۔ آپ کے پاس چھپتے ہی پہنچے گی۔

فراقی صاحب کا مضمون ملا تھا؛ آپ کے خط میں اُس کی مفصّل رسید بھی دی تھی۔

کیا اِس خط کے جواب کی اُمّید رکھوں!

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۷ر دسمبر ۱۹۹۵ء

محبّی! سلامِ مسنون۔

آپ کا خط مرقومۂ ۲۵ر نومبر ملا جو استامبول سے آپ نے بھیجا تھا۔ باضابطہ دعوت نامہ بھی مل گیا تھا اور میں نے رجسٹرڈ خط رسید کے طور پر اور منظوری کی اطلاع دینے کے لیے

لاہور آپ کے نام بھیج دیا تھا اور اورینٹل کالج کے پتے پر۔

التوا کی اطلاع ملی۔ نئی تاریخوں سے مطلع فرمائیے۔ میں ضرور شرکت کروں گا۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ویز [ویزا] کیسے مل سکے گا؟ جو خط آپ نے بھیجا ہے، یعنی دعوت نامہ، اُس کی بنیاد پر تو نہیں مل سکتا۔ میں نے معلوم کیا تھا۔ بیگم ممتاز مرزا صاحبہ میرے ایسے کام بہ خوبی انجام دیا کرتی ہیں، وہ ناکام رہیں۔ جب تک آپ ہائی کمیشن کو خط لکھیں گے جس میں میرا نام بھی مدعوئین [کذا] میں شامل ہو، اور اُس خط کی نقل مجھے نہیں بھیجیں گے، تا کہ ویزا فارم کے ساتھ اُسے منسلک کیا جا سکے۔ اُس وقت تک ویزا نہیں مل سکتا۔ اب اِس کی تدبیر آپ کیجیے۔ آزاد صاحب کو مطلع کرا دیا تھا التوا سے۔

ہاں صاحب! میں یہاں دہلی میں، جنوری کے اواخر تک رہوں گا۔ فروری میں، یعنی اُس کے اوائل میں مستقلاً شاہ جہاں پور منتقل ہو جاؤں گا۔ وہاں کا پتا یہ ہے:

R. H. Khan
167-BAROOAZI-II
SHAH JAHAN PUR
(U.P) Pin: 242001 (India)

نیا دعوت نامہ مع نقلِ خط جلد تر بھیجیے۔ گلزارِ نسیم چھپ گئی۔ آپ کے لیے لیتا آؤں گا۔ ویز [ویزا] لانے کا انتظام بیگم ممتاز مرزا کریں گی، اس لیے نیا دعوت نامہ آپ اُنھی کے پتے پر بھیجیے گا۔ اُن کا پتا ہے:

بیگم ممتاز مرزا صاحبہ
G/6, Niamuddeen (West)
N. Delhi-110013

اور ایک ذاتی خط مجھے بھی لکھ دیجیے گا۔ مگر ابھی تو اواخرِ جنوری دور ہے۔ آپ جلد خط بھیجیں تو گائر ہال ہی کے پتے پر بھیج سکتے ہیں۔ بہ ہر حال، جو مناسب صورت ہو، اختیار کیجیے۔ میں منتظر رہوں گا۔ آپ کی فرمایشی کتابیں ساتھ لیتا آؤں گا۔ چشم براہ [کذا] ہوں۔

ہاں! ''تدوینِ کلامِ اقبال'' والا مضمون یہاں ایوانِ اردو (دہلی) میں چھپا تھا۔ اب تک اُس کا چرچا ہو رہا ہے۔ خاصا دل چسپ اور توجہ طلب ثابت ہوا۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
۱۶۷- بازوزئی - دوم
شاہ جہانپور (یوپی)
۶ر جنوری ۱۹۹۷ء

نیا سال مبارک ہو۔

مُحبّ مکرّم! آداب

چار پانچ دن پہلے آپ کا خط ملا۔ اس عنایت کے لیے ممنون ہوں اور شکرگزار ہوں۔ آپ یاد کرلیتے ہیں، اِس سے جی بہت خوش ہوتا ہے اور چند روز کے لیے حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے، کہ اسی طرح مجھ جیسے دور افتادہ کو یاد کرتے رہیں اور داخلِ حسنات ہوتے رہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ کلیاتِ اقبال کے دو سیٹ مجھے اکتوبر میں بھیجے گئے تھے اور سیارہ کا اقبال نمبر بھیجا گیا ہے؛ یہ مانے لیتا ہوں کہ یہ سب سچ ہے، ایسا ہی ہوا ہوگا، کیوں کہ آپ نے لکھا ہے؛ مگر بھائی! یہاں تو کچھ بھی نہیں پہنچا۔ نہ کلیات نہ سیارہ، نہ نقوش کا خاص نمبر۔

معلوم نہیں کیا پیچ پڑا ہے۔ کلیات کا اور سیارہ کے نمبر کا شدید انتظار ہے۔ آپ میرے کرم فرما ہیں اور میرا بہت خیال رکھتے ہیں اور لحاظ کرتے ہیں؛ اِس لیے آپ ہی سے کہہ سکتا ہوں کہ ذرا بہ طورِ خود دیکھ لیجیے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ کس نے بھیجا، کب بھیجا اور کہاں بھیجا۔ میں پچھلے ہفتے دہلی میں تھا، گالب ہال کے اُسی کمرے میں قیام تھا، وہاں جو ڈاک آتی ہے، وہ محفوظ رہتی ہے۔ وہاں بھی کچھ نہیں تھا۔ ۲۸ر دسمبر کو میری واپسی ہوئی ہے ایک ہفتہ قیام کے بعد۔ غالب سمینار میں شرکت کرنا تھی۔ اگر بھیجا گیا ہوتا تو ضرور پہنچتا۔ ابھی ڈاکٹر عالم گیر اورنگ زیب [کذا] نے مثنوی زہر عشق مرتبہ عشرت رحمانی کا مکمل عکس ڈاک سے بھیجا، رجسٹرڈ، آٹھویں دن پہنچ گیا۔ خط تو آ ہی رہے ہیں۔ کتابیں بھی میرے پاس تو برابر آرہی ہیں، پھر وہی پیکٹ کیوں نہیں آیا۔ ہاشمی صاحب! میری خاطر آپ ذرا اس معاملے کو دیکھ لیجیے، بہت ممنون ہوں گا۔

نئی کتاب مثنویاتِ شوق شاید دو ماہ کے بعد چھپ سکے گی۔ ناشر کے حوالے کر دی گئی ہے۔ اب سحر البیان کو مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ گلزارِ نسیم کے لیے آج ہی دہلی لکھا ہے کہ ایک جلد رجسٹری سے فوری طور پر آپ کے نام بھیج دی جائے۔ ضرور پہنچے گی۔ ملتے ہی رسید سے مطلع کیجیے گا۔ آپ کے خط کا شدید انتظار رہے گا تا کہ اُس پیکٹ کا احوال معلوم ہو سکے۔ اور ہاں، وہ صابر کلوروی صاحب نے کیا فیصلہ کیا!

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہانپور
۱۷ر جنوری ۱۹۹۷ء[۱۱]

مُحبِّ مکرّم!

میں آپ کے خط کا جواب لکھ چکا ہوں، علاحدہ سے بھی اور ایک خط احمد ندیم قاسمی صاحب کے لفافے میں آپ کے نام کا بھیجا تھا، اس کے ساتھ ساتھ دہلی خط لکھ دیا تھا کہ گلزارِ نسیم کی ایک جلد فوری طور پر آپ کے نام بھیج دی جائے۔

اب یہ فرمایئے کہ:

(۱) کتاب ملی یا نہیں؟ (۲) یہ لکھ چکا ہوں کلیاتِ اقبال والا کوئی پیکٹ یہاں نہیں پہنچا۔ میں وہاں کسی سے واقف نہیں، آپ ہی کے توسّط سے کچھ کہہ سکتا ہوں۔ تو بھائی! کلّیات کو بھجوایئے۔ میں اُس کے لیے چشم بہ راہ ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا کہنا ضرور اثر کرے گا۔

(۳) سیّارہ کا نمبر اب تک نہیں ملا، حالاں کہ یہ تو مجھے سب سے پہلے ملنا چاہیے تھا۔ دراصل مجھے آپ کے استدراک کو دیکھنے کی جلدی ہے اور اشتیاقِ بے حد ہے۔

تو اب آپ کے خط، سیّارہ اور کلّیاتِ اقبال (دونوں قسم کا) اِن سب کی راہ دیکھوں گا۔

مخلص رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
۱۶۷- بازوزئی - دوم
شاہ جہانپور
۱۱رفروری ۱۹۹۷ء [۱۲]

مُحبِّ مکرّم!

کل وہ پیکٹ مل گیا جس کا حوالہ آپ نے دیا تھا۔ اُس میں کلّیاتِ اقبال بھی تھا اور اقبالیات اور اقبال ریویو کے شمارے بھی۔ یہ کام آپ کے التفات کے نتیجے میں ہوا ہے، اِس لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔

لیکن پریشانی کی بات یہ ہے کہ سیارہ کا وہ خاص نمبر اب تک نہیں آیا جس میں میرا خط ہے اور آپ کا استدراک۔ اِس کا بہت انتظار ہے۔ یہ کام بھی آپ کے التفات اور خصوصی توجہ کے بغیر نہیں ہوسکے گا۔ توقّع کرتا ہوں کہ آپ اِس سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔

میں آج کل مثنوی سحرالبیان کے نسخے (خطّی) جمع کر رہا ہوں۔ شاید چار یا چھ ماہ بعد متن کا کام شروع ہوسکے گا۔ مثنویاتِ شوق ہنوز نہیں چھپی۔ گلزارِ نسیم اب تک پہنچ چکی ہوگی۔ میں نے دہلی تاکیدی خط لکھا تھا۔ مثنویاتِ شوق چھپتے ہی آپ کے پاس پہنچے گی۔

ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر سے اگر ملاقات ہو تو میرا سلام کہیے اور یہ بھی کہ میں نے اُن کو ایک رجسٹرڈ خط لکھا تھا۔ فراقی صاحب سے بھی سلام کہہ دیجیے۔ اِس کا ہلکا سا امکان ہے کہ نومبر یا دسمبر میں کراچی آنا ہو، ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بلاوے پر؛ اگر حالات درست رہے اور ویزا مل گیا تو پھر لاہور بھی دن بھر کے لیے ضرور آؤں گا محض آپ سے ملاقات کے لیے اور بعض دیگر احباب سے ملنے کے لیے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
۱۶۷- بازوزئی - دوم

شاہ جہان پور
۲؍اپریل ۱۹۹۷ء[۱۳]
محبی ہاشمی صاحب!

سیارہ کے دو شمارے ملے، ایک شمارے میں آپ کا استدراک بھی ہے، میری پریشاں نگاری کے ساتھ۔ اِسے پڑھ کر جی خوش ہوگیا۔ میرے متعلق جو کلماتِ تحسین آپ نے لکھے ہیں، ہر چند میں اپنے تئیں اُن کا مصداق بننا دور کی بات سمجھتا ہوں، اس کے باوجود آپ کی دل سوزی اور تعلّقِ خاطر کا معترف ہوں۔ مگر اِس سب کے باوصف میرا خیال یہی ہے کہ کلیاتِ اقبال کا کوئی تحقیقی اڈیشن شاید مرتّب ہو نہیں سکے گا، اس کی شاید کسی کو ضرورت ہی نہیں۔ یہ ہم آپ جیسے چند شوریدہ سروں کا نعرۂ مستانہ ہے اور بس۔ حیرت ہوتی ہے اِس علمی قحط پر اور اِس ظاہر پسندی پر۔ شاید تدوین سے ابھی تک ذہن آشنا نہیں اور مزاجوں کو تحقیق سے مناسبت کم سے کم پیدا ہو پائی ہے۔ ہر طرف یہی احوال ہے کہ: نقش ونگارِ پردۂ در دیکھتے رہے۔

دہلی سے خط آیا تھا کہ گلزارِ نسیم کی ایک جلد آپ کے نام بھیج دی گئی ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ پہنچ گئی ہوگی۔ از راہِ لطف اِس کی رسید سے ضرور مطّلع کیجیے، تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ ایسی کتابیں آپ جیسے دیدہ وَر تک نہیں پہنچیں گی تو پھر اُنھیں کون دیکھے گا۔ خط ضرور لکھیے۔ یہ خط مشفق خواجہ صاحب کے لفافے میں رکھا گیا ہے، یقین ہے کہ بہ حفاظت آپ تک پہنچ جائے گا۔ یہ لکھ چکا ہوں کہ مثنویاتِ شوق (فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق) مرتّب ہو چکی ہیں۔ ناشر کو دے دی گئی ہیں۔ چھپتے ہی یہ جلد بھی آپ کے پاس پہنچے گی۔ آج کل سحر البیان کے مختلف خطّی نسخے جمع کر رہا ہوں، اب اِس کا نمبر ہے۔ میری صحت ٹھیک نہیں۔ ڈیڑھ ماہ بمبئی میں رہ کر آیا ہوں، کینسر کا شبہ تھا ڈاکٹروں کو، بہت سے ٹسٹ ہوئے، وہ تو نہیں نکلا، ہاں یہ معلوم ہوا کہ .T.B ہے۔ اُس کا علاج آج کل ہو رہا ہے۔ چھے ماہ کا کورس ہے۔ آپ کی دعاؤں کی سخت ضرورت ہے۔ تحسین فراقی صاحب سے میرا سلام کہیے۔ اُن سے دنوں سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا ہے، مگر اُن کی یاد سے کبھی غافل نہیں رہا۔ اِس وقت بھی اُن کو یاد کر رہا ہوں۔ مکاتیبِ اقبال پر اُن کا تبصرہ پڑھ کر جی خوش ہو گیا تھا، یوں کہ اُس سے معلوم ہوا کہ وہ تو دراصل میرے ہی قبیلے کے فرد ہیں، بس گم شدہ تھے، اب ہاتھ آئے ہیں۔ خدائے پاک اُن کی توفیق میں مزید اضافہ کرے۔ کوئی تو اِس راستے کا راہی

سامنے آئے۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
۱۶۷-بارٓوزئی-دوم
شاہ جہان پور
۱۷/اپریل ۱۹۹۷ء [۱۴۱]
مُحبِّ مکرّم!

۱۷/فروری کا خط مجھے اب، یعنی ۱۴/اپریل کو ملا ہے۔ اِس دوران میں دو خط بھیج چکا ہوں۔ کلیاتِ اقبال کی رسید بھی بھیج چکا ہوں۔ تعجب ہے کہ میرا کوئی خط آپ تک نہیں پہنچا۔ سیارہ بھی مل گیا تھا۔ آپ کی تحریر پڑھ لی تھی اور اُس سے متعلق پسندیدگی کی تفصیل بھی ایک خط میں لکھ چکا ہوں۔

انشا اور تلفظ کے لیے آپ نے لکھا ہے۔ ارے صاحب! وہ پہلی دونوں کتابیں کہاں ہیں؟ صابر کلوروی صاحب تو اِس قدر خوش اخلاق ثابت ہوئے کہ اُنھوں نے دوسطری خط لکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

جامعۂ اردو علی گڑھ کے لیے میں نے املا پر ایک نئی مختصر سی کتاب مرتب کی ہے۔ اُس کی کتابت ہو گئی ہے۔ یہ وہاں کے نصاب کے لیے ہے۔ یہ بالکل نئی چیز ہے۔ مباحث وہی سب پُرانے ہیں۔ اِس میں اشاریۂ الفاظ بھی شامل ہے۔ اگر اس کے لیے آپ کسی مردِ معقول کو منتخب کریں تو کتابت شدہ صفحات میں بھیج سکتا ہوں آپ کے نام۔ باقی آپ جانیں۔ وہی بات کہ: تو دانی حسابِ کم وبیش را۔ آپ جس کو چاہیں، اُس کی اجازت دے دیں۔

فرمان صاحب کا خط آیا تھا۔ دسمبر میں نیاز کلچر کے سلسلے میں دعوت دی ہے۔ اگر حالات رو براہ [کذا] رہے تو اُدھر کا پھیرا ہوگا، مگر مشکل یہ ہے کہ لاہور آنے کی کوئی صورت نہیں نکل سکے گی شاید۔ کہاں قیام ہوگا اور کس بہانے۔ اِس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ ہوسکتا ہے آپ ہی کو کراچی بُلانے کی صورت نکال لی جائے۔ مقصود تو ملاقات ہے۔

ہاں! انجمن نے گلزارِ نسیم کی ایک جلد رجسٹری سے بھیجی تھی۔ مہینا بھر پہلے۔ اُس کی

رسید اب تک نہیں ملی۔ کیا اب بھی نہیں ملی؟ اِس سے فوری طور پر مطلع فرمائیے۔
خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
۱۶۷- باڑوزئی - دوم
شاہ جہان پور (یو. پی)
۷ر جولائی ۱۹۹۷ء [۱۵]

مُحبِّ مکرم!

دہلی سے آپ کا خط ملا۔ ایک خط اس سے پہلے لاہور سے ملا تھا۔ اِس التفاتِ پیہم کے لیے شکر گزار ہوں۔

کیا عرض کروں کہ آپ سے ملاقات کی کیسی شدید خواہش تھی، لیکن صحت، دوا، علاج اور بعض گھریلو حالات نے اِتنی مہلت نہ دی کہ دہلی آ سکتا، اِس کا بہت افسوس ہے۔

۳۲ سال تک جس شعبے میں کام کیا، اب میں اُس کے لیے قطعی طور پر اجنبی ہوں، وجہ صرف یہ ہے کہ جاہلوں کی ستایش نہیں کر سکا اور اُنھیں اقبال شناس نہیں مان سکا۔ اور اس کا اظہار بھی برملا کرتا رہا۔ ایسے اظہار کو لوگ اچھا نہیں سمجھتے، کیا کیا جائے؛ تقیہ کرنا میرا شیوہ نہیں اور قبولِ عام سے ہمیشہ نفور رہا ہوں۔ زہرِ ہلاہل کو کبھی قند نہ کہہ سکا۔

تحسین فراقی صاحب سے میرا سلام کہیے، اُن سے بھی ملاقات نہ ہونے کا سخت افسوس ہے۔ مثنوی سحر البیان کی تدوین کا آغاز کر دیا ہے۔ دیکھیے دو چار سال میں یہ کام بھی ہو ہی جائے گا۔ وہاں ہوتا تو آپ کی رہ نمائی میں اور آپ کی شراکت میں اقبال کا کلام مرتب کرتا۔ لفظوں کے تو تا مینا بنانا آسان ہے سو اب یار لوگ اِسی آسانی کا شکار ہیں۔ سحر البیان کے بعد غرائب اللّغات کو مرتب کرنے کا خاکہ بنایا ہے۔ دُعا کیجیے کہ یہ کام مکمل ہو سکیں۔ میری بیماری نے اصل میں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ گلے میں دو گلٹیاں تھیں۔ ایک کا تجزیہ بمبئی میں مارچ کے مہینے میں کرایا تھا۔ کینسر کے اجزا تو نکلے نہیں، ٹیو برکلوسس کے اجزا ضرور نکلے۔ اُس کا علاج ہو رہا ہے۔ اب دو ماہ بعد پھر بمبئی جاؤں گا دوسری گلٹی کا

تجزیہ کرانے کے لیے۔ دُعا کیجیے ابھی سے کہ وہ معاملہ بھی بہ خیر ہو۔ بمبئی میں بعض احباب جاں نثار ہیں، سو سارا خرچ وہی برداشت کرتے ہیں۔ یہ محض خدا کا فضل ہے، ورنہ یہ سب کچھ میری استطاعت سے باہر تھا۔

املاے غالب پر ایک مضمون لکھا ہے، کہیں چھپ گیا تو اُس کی ایک کاپی آپ کو بھیجوں گا۔ موسم یہاں بہت صبر آزما ہے، اکتوبر کا مہینا آئے تو ذرا سکون حاصل ہو، تب کام کی رفتار بھی بڑھے گی۔ گھر پر یہاں میرے پاس جو کمرا ہے، وہ بہت تنگ ہے، حبس بلا کا رہتا ہے، اور یہاں بجلی ۲۴ گھنٹوں میں ۸ گھنٹے لازماً غائب رہتی ہے۔ غرض کہ صبر آزمائی کے سارے انتظامات موجود ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ کام بھی ایسے ہی حالات میں ہوتا ہے، خدا اِن کو برقرار رکھے۔ آرام کے سامان زیادہ ہوں تو پھر ذہن اِدھر اُدھر بھاگتا ہے۔ آپ آج کل کیا کر رہے ہیں؟ کلیاتِ اقبال کی تدوین کا کام کیوں نہیں شروع کرتے۔ حُسنِ اتفاق سے آپ لاہور میں ہیں اور سارے مصادر و مآخذ وہیں ہیں۔ کام بھی آپ کے ڈھب کا ہے اور اس کا مجھے یقین ہے کہ آدابِ تدوین کی پابندی کے ساتھ اِسے کوئی دوسرا شخص نہیں کر پائے گا۔ اِس لیے میری راے بھی ہے اور خواہش بھی کہ کام کا آغاز آپ کر دیں۔ چھے سات سال میں مکمّل ہو ہی جائے گا چوں کہ بہت سا کام آپ پہلے ہی مختلف عنوانات سے کر چکے ہیں، اِس لیے پانچ سال میں بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو مجھے بے حد مسرّت ہو گی اور یہ دراصل ایک فرض کی ادائیگی [کذا] ہو گی۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور

۱۲/ اپریل ۱۹۹۸ء[۱۶]

مُحبّ مکرّم!

۱۴/ مارچ کا خط ملا تھا۔ یاد آوری کے لیے شکر گزار ہوں۔ علاج تو ہو ہی رہا ہے اور کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہی رہے گا، اِس لیے علاج بھی جاری رہے گا۔ اب موسم دوا علاج ہی کا آ گیا ہے۔ کام بہ ہر طور ہو رہا ہے۔ سحرالبیان کا نصف سے زیادہ کام مکمّل ہو چکا ہے۔

ڈیڑھ برس سے یہی کام ہو رہا ہے۔ ابھی سال بھر کا وقت اور لگے گا۔ اِس سال کے آخر تک غالبًا یہ کام مکمل ہو جائے گا، اگر حالات نے کسی طرح کی نامساعدت نہ کی۔ اِس کے بعد مولانا عبدالواسع ہانسوی کے لغت غرائب اللغات کی تدوین کا کام شروع ہوگا۔ خانِ آرزو نے ''فصیح السنہ زبانِ گوالیاری'' کے پھیر میں اِس مصنف کے ساتھ بڑی ناانصافی کی اور رہی سہی کسر ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے پوری کر دی کہ وہ فنِ لغت سے کم آشنا تھے۔ یہ دونوں کام ہو گئے تو گویا سب کچھ ہو گیا۔ اساتذۂ کالج سے متعلق نمبر ملا تھا۔ یہ آپ کن فضولیات میں الجھتے رہتے ہیں۔ ایسے کام اب آپ کے لیے نہیں، کچھ نہ کرنے والوں کے لیے ہیں۔ اُنھیں کرنے دیجیے۔

اچھا کلیات نہ سہی، آپ اقبال کا کوئی ایک مجموعہ تو بہ طورِ مثال و معیار مرتب کر دیجیے، تاکہ بعد کو دوسرے لوگ اُسے سامنے رکھ کر کچھ کر سکیں (اگرچہ ''دوسرے لوگ'' جو ایسا کام کر سکیں، کم یاب ہیں)۔ کسی مختصر مجموعے کو لے لیجیے۔ مثلاً بالِ جبریل سے آغاز کیجیے۔ ایک بار معلوم تو ہو یار لوگوں کو، کہ تدوین کا کام کیسے کرنا چاہیے۔ سب کچھ چھوڑ کر اب آپ اِسے پیشِ نظر رکھیے اور بس کام شروع کر دیجیے۔ جب شروع ہوگا، تو مکمل بھی ہو جائے گا۔ یہ میری خواہش بھی ہے اور تمنا بھی۔

والد مرحوم کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت دُکھ ہوا۔ کسی بزرگ کا وجود رحمتِ خداوندی کا عکس ہوا کرتا ہے اور اُس سے محروم ہو جانا واقعی بڑی محرومی ہے۔ اِس غم میں میں آپ کا شریک ہوں اور تعزیت گزار۔ خدائے پاک مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

رہے میرے کوائف، سو وہ کچھ ہیں ہی نہیں۔ خام بُدم، پختہ شدم، سوختم۔ اور بس، آگے آیت۔ اِس زندگی میں ایسا کوئی کام ہوا ہی نہیں جو قابلِ ذکر ہو۔ ایسی بھی زندگی کیا ہوئی کہ ہندستان سے لے کر پاکستان تک بیش ترمینہ شرفاے ادب (جن میں سے بیش تر کو میں حرام زادگانِ ادب کہتا ہوں) ناراض اور شکوہ گزار۔ ایسے شخص کا بایو ڈیٹا ہوگا بھی کیا۔ ویسے بھی یہ کام میں نے کبھی نہیں کیا، کبھی نہیں بنایا۔ رسالۂ اظہار کے اڈیٹر باقر مہدی میرے عزیز دوست ہیں [غالب کا یہ مصرع اُنھی کے لیے ہے: ہوئے تُم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو] اُنھوں نے ایک بار تلوار گردن پر رکھ کر چند سطریں لکھوائی تھیں، یہ ساری کائنات ہے، اور میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ معذرت طلب ہوں۔ اُس بچی سے

میری طرف سے معذرت کر لیجیے۔ ہاں پاکستانی اخباروں میں (جسارت، نوائے وقت، مشرق) میں [کذا] طویل انٹرویو چھپے تھے اور ایک طویل انٹرویو اقدار میں چھپا تھا۔ بچّی اگر اُنھیں ڈھونڈ لے تو شاید ایک دو باتیں اور نکل آئیں۔ اور ہاں یاد آیا۔ یہاں ایک صاحب نے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، جس میں آپ کی تحریر بھی ہے، وہ مکتبۂ جامعہ کے جنرل منیجر شاہد علی خاں کو اُنھوں نے دے دیا تھا۔ اُس میں اُن صاحب نے بایوڈیٹا کے انداز کی بھی کوئی چیز مرتب کی ہے۔ وہ مجموعہ چھپا نہیں۔ کب چھپے گا معلوم نہیں۔ اگر آپ یا وہ بچّی شاہد صاحب کو راضی کر لیں اور وہ مضامین عکسی صورت میں مل جائیں تو کئی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ ۱۶، ۱۷ مضامین ہیں۔

ہاں وہ زبانی لکچر کالج والا اب بھی دیجیے۔ اب میں اُسے دیکھ کر اور مرتب کر کے ضرور بالضرور آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔ تاخیر بھی نہیں ہوگی، یہ بھی وعدہ ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۱۱رمئی ۱۹۹۸ء ۱۷

حضرت پیر جی صاحب!

گرامی نامہ موصول ہوا تھا، مگر میں بمبئی میں تھا۔ اُس کا جواب آتے ہی لکھ دیا تھا، ملا ہوگا۔ آپ کے خط کے بعد آپ کی شاگردہ کا خط آیا، میری طبیعت اِدھر کچھ یوں ہی رہی، یوں تاخیر ہوتی رہی۔ بارے اب سوال نامے کے جوابات لکھ لیے گئے اور کل یہ حوالۂ ڈاک ہوگا۔ آپ کی معرفت یوں بھیج رہا ہوں کہ آپ ایک نظر ڈال لیں، غیر ضروری باتوں کو قلم زد کر دیں اور ناروا تفصیل پر خط کھینچ دیں۔ حشو و زوائد جس قدر کم ہوں، اُتنا ہی اچھا ہوگا۔

گھر کے اور دُنیا کے جھمیلوں میں پھنستا ہی رہتا ہوں، یہ میری مجبوری ہے، یوں بھی وقت ضائع ہوتا ہے۔ مثلاً پچھلے مہینے کے اواخر میں اُتر پردیش اردو اکیڈمی نے اپنا بھاری

بھرکم انعام مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ [کذا] بنام منِ دیوانہ زدند۔ قیمت کے لحاظ سے یہ ایک لاکھ گیارہ ہزار کا ہے۔ کئی دن اس کی نذر ہو گئے کہ یار لوگوں سے ملنے اور باتیں کرنے کا ایسا بہانہ ہاتھ آیا کہ منع نہیں کر سکتا تھا۔ اس پر طرّہ یہ کہ اِسی ہفتے میں مغربی بنگال اردو اکیڈمی نے اپنے واحد کُل ہند انعام پرویز شاہدی ایوارڈ [کذا] کا اعلان کیا۔ ایک دو دن اِس کی نذر ہو گئے۔ یہ دس ہزار کا ہے۔ اِس کا خوشگوار [کذا] پہلو یہ ہے کہ پیسوں کی مجھے بہت ضرورت تھی، یہاں گرمی بہت ہوتی ہے اور اچّھا کولر دس ہزار میں آتا ہے بل کہ شاید کچھ اور زیادہ میں۔ سو اب اُسے خرید لوں گا۔ یہ بڑی ضرورت تھی اور دنوں سے پریشان کر رہی تھی اور ایک کمرا اپنے لیے بنوانا تھا، سو اب وہ بھی بن سکے گا، وَلِلّٰہِ الحمد۔

جون کے آخر میں پھر بمبئی جانا ہے مزید چک اَپ کے لیے۔ وہاں کا فون نمبر ۶۱۲۰۶۸ ہے۔ تقریباً دو ماہ رہوں گا۔ کبھی فون پر بات ہو سکے تو خوب ہو۔ جہاں ٹھہروں گا اور ٹھہرتا ہوں، یہ اُن کے گھر کا نمبر ہے۔ یہ صاحب میرے شاگرد ہیں، گائر ہال میں رہتے تھے، نام ہے بھوشن کمار، مجھ سے اردو پڑھتے تھے۔ اب بمبئی میں ہیں اور آج بھی مجھے پُرانے زمانے کا گُرو مانتے ہیں (کیسی غلط فہمی ہے!) میں وہیں ٹھہرتا ہوں۔

اِس خط کی رسید سے فوری طور پر نوازیے، ممنون ہوں گا۔ مثنویاتِ شوق بس آنے ہی والی ہے۔ اِس میں ذرا سا پھیر پڑ گیا ہے کہ لکھنؤ کے میر صاحبان نجم الغنی خاں اور شررؔ کے حوالوں سے ناراض ہیں۔ (مسعود حسن رضوی مرحوم ان کو ہمیشہ "تخم الغنی" کہا کرتے تھے۔ اُنھوں نے جو سچّی باتیں لکھی ہیں، اُن سے ناراض ہو کر کہ آخر جھوٹ کیوں نہیں بولا)۔

آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور

۲۰ر نومبر ۱۹۹۸ء [۱۸]

محبّی! آداب

خط ملا تھا، میں ذرا پریشان خاطر رہا اِن دنوں، یوں جواب میں تاخیر ہوئی۔ مثنویاتِ شوق

کی پانچ جلدیں ایک پیکٹ میں دہلی سے آپ کے پتے پر پہنچیں گی۔ ایک آپ کی ہے۔ باقی: فراقی صاحب، معین الرحمان صاحب، منصورہ احمد اور ڈاکٹر وزیر آغا کے نام کی ہیں۔ آپ کو میری خاطر یہ زحمت گوارا کرنا ہوگی کہ حق بہ حق دار رسد۔ اِس ناروا زحمت دہی کے لیے معذرت طلب ہوں۔ یہ پیکٹ ہوائی ڈاک سے نہیں، بل کہ زمینی ڈاک سے پہنچے گا، یوں شاید ۷، ۸ دن کی دیر لگ جائے۔

سحرالبیان کی کتابت ہو رہی ہے۔ میرے مضامین کا مجموعہ، جس کے بیش تر مضامین تدوین سے متعلق ہیں، زیرِ کتابت ہے۔ چار پانچ ماہ میں چھپ جائے گا اور آپ کے پاس اِسی طرح پہنچے گا۔ اُس میں کلیاتِ اقبال والا مضمون بھی شامل ہے اور اِس کے آخر میں سیّارہ سے آپ کے ''استدراک'' کا بڑا حصہ لے کر شامل کر لیا گیا ہے۔ آپ کی اجازت کے بغیر، یقیناً آپ کو اعتراض نہیں ہوگا۔ اِسی اعتماد پر اِسے شامل کیا گیا ہے۔ مجموعے کا نام ہے: تدوین، تحقیق، روایت۔ ہاں ''استدراک'' ہے آپ ہی کے نام سے، اگرچہ جی چاہتا تھا کہ ''توارد'' کہ کر اُسے اپنا بنا لوں۔ وہ تحریر ہی ایسی ہے۔

فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ کتابوں کی رسید سے (جب بھی وہ پہنچیں) ضرور مطلع کیجیے گا، منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۱۲ر جنوری ۱۹۹۹ء

محبِّ مکرّم!

نومبر میں میں نے مثنویاتِ شوق کی ۵ جلدیں بھجوائی تھیں، آپ کے نام، زمینی ڈاک سے۔ انجمن ترقی اردو نئی دہلی کے دفتر سے بھیجی گئی تھیں۔ ایک جلد آپ کے لیے تھی، ایک فراقی صاحب کے لیے اور ایک ایک وزیر آغا صاحب، ڈاکٹر معین الرحمان اور منصورہ احمد کے لیے؛ آج تک اُس کی رسید نہیں ملی۔ اب میں پریشان ہوں کہ وہ پیکٹ آپ تک پہنچا یا نہیں۔ از راہِ لطف اوّلین فرصت میں صورتِ حال سے مطلع فرمائیے، چشم بہ راہ ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۷؍فروری ۲۰۰۰ء[۲۰]

ہاشمی صاحب مکرّم!

پرسوں آپ کا لفافہ ملا، شکر گزار ہوں۔ آپ نے میری خاطر بہت زحمت گوارا کی، مگر میری مشکل وہی ہے کہ: نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں! اِس گورِدہ میں بیٹھا ہوا احباب کی کرم فرمائی کے سہارے کام کر رہا ہوں، ورنہ دو لفظ بھی نہ لکھ پاؤں۔

یہ عمدہ خبر ہے کہ کتاب وہاں موجود ہے، یعنی سلیمن کی کتاب رامسیانا۔ اب میرا کام مکمّل ہو سکے گا۔ مگر بھائی مائکروفلم کا میں یہاں کیا کروں گا۔ مائکروفلم ریڈر یہاں کہیں نہیں، اور کیوں ہو، اُس کی ضرورت ہی کسی کو نہیں۔ جس طرح بھی ہو، عکس بننا چاہیے اور جلد۔ آپ میری خاطر پریشان ہوں گے اور زیرِ بار، اِن دونوں باتوں کا مجھے احساس ہے مگر کروں کیا۔ یہاں بیٹھے ہوئے کچھ بھی نہیں کر سکتا، محض آپ کی کرم فرمائی پر ممنون ہو سکتا ہوں اور شکر گزار۔ کہ اِس طرح یہ کام مکمّل ہو جائے گا۔

ایک مزے کی بات یہ ہے کہ آپ کے لفافے کے ساتھ مظہر محمود شیرانی صاحب کا بھی خط آیا۔ میں نے اُن کو بھی اِس کتاب کے لیے لکھا تھا۔ اُنھوں نے لکھا کہ یہ کتاب موجود ہی نہیں۔ آج اُنھیں بھی خط لکھ رہا ہوں کہ نہیں صاحب! موجود ہے۔

ہاشمی صاحب! جس طرح بھی ہو، اِس کام کو کرا دیجیے، میں بہت سپاس گزار ہوں گا، بہت احسان مانوں گا، یوں کہ میرا ایک علمی کام مکمّل ہو جائے گا آپ کی اِس کرم فرمائی کے طفیل۔ ہاں سلیمان کی اِس کتاب کا فارسی ترجمہ بھی ہوا تھا خود اُسی نے کرایا تھا، مگر چھپا نہیں۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ٹوکیو سے اس مخطوطے کا عکس بھیجا ہے۔ میں پہلے اِس سے بے خبر تھا۔ مگر اصل کتاب تو اصل ہوتی ہے اور اصل کتاب کے بغیر کوئی کام اصولاً مکمّل نہیں ہو سکتا۔ اب میں چشم براہ [کذا] ہوں۔

رشید حسن خاں

شاعر کا خط بھیج دیا گیا۔

پسِ نوشت:

یہ خط لکھا رکھا تھا، دہلی سے اطلاع ملی کہ ایک لائبریری میں سلیمن کی کتاب رمسیانا موجود ہے۔ پھر ایک کرم فرما کو لکھا کہ عکس کی کوشش کریں۔ خیال یہ ہے کہ عکس مل جائے گا۔ بالفرض عکس نہ ملا، تو پھر آپ ہی کو زحمت دوں گا۔ مظہر محمود صاحب کو بھی آج ہی خط بھیج رہا ہوں۔ (۱۰ر فروری ۲۰۰۰ء)

(۲۱)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہاں پور
۲۷ر اپریل ۲۰۰۰ء[۲۱]

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا خط ملا تھا، مگر میرے پیر میں گردشِ پُر کار آ گئی تھی، کئی جگہ جانا ہوا۔ تاخیر کے لیے معذرت طلب ہوں۔ خلیق صاحب والا خط بھیج دیا گیا۔ رَمسیانا کا سُراغ دہلی میں مل گیا۔ انڈیا انٹرنیشنل سنٹر لودھی اسٹیٹ کی لائبریری میں اِس کا ایک اچھا نسخہ محفوظ ہے، اِس کا عکس بھی ایک صاحب نے بنوالیا ہے اور خیال یہ ہے کہ دس بارہ دن میں مجھے مل جائے گا۔ آپ نے اِس سلسلے میں بہت زحمت اُٹھائی، اِس کی معذرت۔ اب اُن لوگوں سے کہیے کہ نہ عکس کی ضرورت ہے اور نہ اُس کے فوٹو کی اور نہ مائکروفلم کی۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اِس کتاب کی ضخامت تقریباً ۸۰۰ صفحات کی ہے۔

صحت نامہ کتاب میں لگالیا۔ آپ نے مجھ جیسے بے کمال کے نام اپنی ایسی عمدہ کتاب معنون کی، اِس کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ یہ محض آپ کی محبّت ہے اور قدر افزائی۔

سحرالبیان آج کے پندرھویں دن چھپنے کے لیے جائے گی۔ مشفق خواجہ صاحب نے لکھا ہے کہ وہ اسے کراچی سے بھی چھاپنا چاہتے ہیں، اِس طرح وہاں کے احباب کے لیے میں بہ آسانی نسخے بھجوا سکوں گا، وہ نسخے جو میرے نام کے حقِ تالیف کے طور پر ملیں گے۔ املاے غالب بھی جون میں چھپے گی اور آپ کے پاس پہنچے گی۔ ٹھگوں کے لغت سے فرصت پاؤں تو پھر دو کام کرنا ہیں سب سے پہلے دیوانِ جعفر زٹلی اور مولانا عبدالواسع ہانسوی کا لُغت، جو ہندستان میں لکھا گیا کسی ہندستانی کا پہلا لُغت ہے اردو زبان کا، مگر جو آج تک نہیں

چھپ سکا، کیوں کہ ''نوادرالالفاظ'' نے اُسے دبا دیا۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے بڑی بے انصافی کی ہے مولانا ہانسوی کے ساتھ اپنے مقدّمے میں۔ اُنھوں نے شاید غرائب اللغات کو ازخود پڑھا ہی نہیں، بس خانِ آرزو کی نقل کردہ عبارتوں کو دیکھا۔ آپ کی دُعاؤں کا طالب ہوں۔ وقت کم رہ گیا ہے اور کام بہت ہے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۱۶/اگست ۲۰۰۰ء [۲۲]

مُحبِّ مکرّم!

لفافہ مل گیا تھا۔ آپ کا حکم ہے، یوں تعمیل تو کرنا ہی ہوگا۔ چند روز میں، یعنی ۲۵/اگست تک یا پھر ۲۸/اگست تک مضمون یہاں سے بھیج دیا جائے گا۔

ہاں صاحب! کیا انجمن ترقی اردو نے آپ کو سحرالبیان بھیجی ہے؟

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۲۴/اگست ۲۰۰۰ءء [۲۳]

برادرِ مکرّم ہاشمی صاحب! آداب

لیجیے صاحب! آپ کے فرمانِ واجب الاذعان کی کسی نہ کسی طرح تعمیل کردی گئی۔ اگر آپ کی نظر میں یہ شمولیتِ کتاب کے لائق ہو، تو فبہا، ورنہ کالاے بد بریشِ خاوند۔

فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ اُن کو یاد کرلیا کرتا ہوں کبھی کبھی۔ ہاں سحرالبیان پہنچی آپ کے پاس؟ مجھے اِس کی بڑی فکر ہے۔ اِس مضمون کی نقل میرے پاس نہیں، اِس لیے اِس کی رسید فوری طور پر بھیجیے تاکہ اطمینان ہوجائے۔

ہاں، مشفق خواجہ صاحب کا خط ایک ہفتہ پہلے آیا تھا، لکھا تھا کہ املاے غالب بس

چھپنے ہی والی ہے۔ آپ کے پاس ضرور پہنچے گی۔

چشم بہ راہ
رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۳۱/ اگست ۲۰۰۰ء[۲۴]

مُحبِّ مکرّم ہاشمی صاحب! آداب

۲۵/ اگست کو میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کے طور پر ترجمے سے متعلق اپنا مضمون بھیجا تھا، اب تک وہ آپ کو مل چکا ہوگا۔ اُس تحریر میں ایک اضافہ کرنا چاہتا ہوں اور ایک ترمیم، از راہِ لطف زحمت گوارا فرمایئے؛ جہاں تین تذکروں [دو نسخے گلشنِ بیخار کے اور ایک نسخۂ نکات الشعرا] کے ترجموں کی مثالیں نقل کی گئی ہیں، وہاں اُن مثالوں کے بعد اِن سطروں کا اضافہ کردیا جائے، اضافہ:

یہ مثالیں اب سے ۳۰، ۴۰ برس پہلے کے ترجموں کی ہیں۔ اِس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اب صورتِ حال میں تبدیلی آگئی ہے۔ کم و بیش کے تناسب کے ساتھ اب بھی وہی صورتِ حال ہے۔ اِس کی وضاحت کے لیے میں ایک حالیہ ترجمے سے صرف تین مثالیں یہاں پیش کرتا ہوں۔ اِن مثالوں سے اِس کا کچھ اندازہ ضرور کیا جاسکے گا کہ کلاسکی فارسی سے کم آشنائی کیا گل کھِلا رہی ہے۔ ایک وقیع مجلّے اردو ادب (نئی دہلی) میں مرزا غالبؔ کے منتخب فارسی اشعار کا اردو ترجمہ پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ ہر شمارے کے چند آخری اوراق اِس کے لیے مخصوص کردیے گئے ہیں۔ مترجم دہلی کے ایک مقتدر کالج کے ایک سینئر فارسی استاد ہیں جن کی ساری عُمر کالج کے طَلَبہ کو فارسی پڑھاتے گزری ہے۔ اِن ترجموں میں ایسی ایسی غلطیاں ہوتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ اِس رسالے کے حالیہ شمارے [شمارۂ اپریل، مئی، جون ۲۰۰۰ء] میں شامل ترجمے سے صرف تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ عبرت حاصل کرنے کے لیے اور فارسی ترجمے کے مسائل کو سمجھنے کے لیے یہ بھی کم نہیں۔ مرزا صاحب کے معروف ''حبیبے'' کا شعر ہے:

ہلہ! دزدانِ گرفتار، وفا نیست بہ شہر
خویشتن را بہ شما ہمدم و ہمراز کنم

اِس کا ترجمہ اِس طور پر کیا گیا ہے:

"ہلہ: دھاوا، حملہ — دزدان: جمعِ دزد، چور۔

حملہ! اے قید کیے گئے چورو، کیوں کہ شہر میں وفا نہیں، میں تمھیں اپنا جگری یار اور رازدار دوست بناتا ہوں" (ص ۱۳۵)۔

"ہلہ" یا "ہَلا" [مع ہائے ہوّزِ مفتوح ولامِ مفتوحِ مخفف] فارسی کلمۂ تنبیہ ہے، ہوشیار! خبردار! جیسے مفاہیم کو ادا کرنے کے لیے۔ اِن مفاہیم کی نسبت کے ساتھ بہ طورِ کلمۂ خطاب بھی آتا ہے [جیسے مرزا صاحب کے منقولۂ بالا شعر میں آیا ہے]۔ اردو میں ایک لفظ ہے "ہَلّا" [مع ہائے مفتو ولامِ مشدّد] جو کئی معنوں میں آتا ہے: "حریف کی سپاہ کا حریف کی سپاہ پر حملہ۔ یورش، دھاوا، چڑھائی، تاخت۔ حریف پر ہجوم کر کے دفعتہً جا پڑنا (گنوار): غُل شور، جیسے: کیوں ہلاّ مچایا۔ (عوام: "حیلہ" کا بگڑا ہوا، جیسے کوئی ہلاّ کرو جو چار پیسے ہاتھ آئیں۔ ہلاّ جو بھرے پلاّ" [فرہنگِ آصفیہ]

فاضل مترجم نے فارسی کے کلمۂ "ہَلَہ" کو اردو میں مستعمل لفظ "ہَلاّ" فرض کر کے بہ آسانی یوں ترجمہ کر دیا: حملہ اے قید کیے گئے چورو! مرزا صاحب زندہ ہوتے تو معلوم نہیں اِس لفظ فہمی اور مفہوم تراشی کی داد کس طرح دیتے، اپنا سر تو پیٹ ہی لیتے اور جس زبان میں مولفِ برہانِ قاطع کو مخاطب کیا ہے، اُسی روزمرّہ اور محاورے میں کچھ اور بھی ارشاد فرماتے۔

مصطفیٰ خاں کہ دریں واقعہ غمخوارِ منست
گر بمیرم، چہ غم از مرگ، عزادارِ منست

دوسرے مصرعے کا ترجمہ اِس طرح کیا گیا ہے: "اگر مر جاؤں تو وہی میرا سوگوار ہوگا"۔ یعنی مرزا صاحب نے بہ خیالِ مترجم "چہ غم از مرگ" کا ٹکڑا زائد رکھ دیا تھا، یوں اُسے نکال دیا گیا۔ ذوق کی تاریخِ وفات کا شعر ہے:

تاریخ فوتِ شیخ بود "ذوقِ جنّتی"
بر قولِ من، رواست کہ احباب دل نہند

مترجم نے "بر قولِ من" کا ترجمہ "میرے قول کے مطابق" کیا ہے، دوسرے مصرعے کا

ترجمہ فرمایا ہے: ''یہ میرے قول کے مطابق جائز ہے، دوست اِس پر توجہ دیں''۔ کلاسکی فارسی سے ناآشنائی کی اِس سے بہتر مثال اور کیا ملے گی۔ یہ خیال رہے کہ مترجمِ محترم ساری عُمر فارسی پڑھاتے رہے ہیں۔ اِنھی مثالوں سے کلاسکی فارسی کے ترجموں کے مسئلے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ایک ترمیم: پہلے پیراگراف میں، جہاں آپ کا نام آیا ہے، اُس جملے میں ''عذاب اور ثواب'' کے لفظ لکھے گئے ہیں؛ میری درخواست ہے کہ اِن کی جگہ ''تحسین وتعریف'' کے الفاظ لکھ دیے جائیں۔

سحرالبیان آپ کو مل گئی؟ اگر مل گئی (اور ضرور ملی ہوگی) تو رسید آپ نے کیوں نہ بھیجی؟ اب اِس خط کی اور اُس کتاب کی رسید ایک ساتھ مرحمت فرمائیے۔ تحسین فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ املاے غالب جیسے ہی وہاں چھپے گی، آپ کے پاس پہنچے گی۔ مشفق خواجہ نے لکھا ہے کہ بس چھپنے ہی والی ہے۔ ایک جلد فراقی صاحب کے لیے بھی ضرور آئے گی، میں نے لکھ دیا ہے۔ اب تو غالب سے متعلّق ہر کتاب اُن کو ضرور ملنا چاہیے۔

چشم بہ راہ

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور

۳/اکتوبر ۲۰۰۰ء[۲۵]

ہاشمی صاحب مکرّم!

میں نے سحرالبیان بھیجی تھی، رسید نہیں ملی۔ آپ کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے مضمون بھیجا، پھر دوسرے خط میں اُس سے متعلّق ایک عبارت بھیجی اضافے کے لیے۔ دونوں خط رجسٹرڈ تھے۔ کتاب بھی رجسٹری سے بھیجی گئی تھی۔ کسی خط کا جواب نہیں ملا۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ مضمون کہاں ہے راستے میں تو گم نہیں ہوگیا۔ مشکل یہ ہے کہ اُس کی نقل میرے پاس نہیں۔ اگر وہ کتاب میں شامل ہونے کے لائق نہ ہو تو از راہِ لطف اُسے واپس کردیجیے۔ ہاں فراقی صاحب کے نام کے خط میں بھی یہ سب لکھ چکا ہوں۔ اُس پر بھی نہ

آپ کا خط ملا نہ اُن کا۔ آخر مجھ سے اِتنی بڑی غلطی کون سی ہوئی ہے؟ میں حیران بھی ہوں اور پریشان بھی۔

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۱۶/اکتوبر ۲۰۰۰ء [۲۶]

ہاشمی صاحب مکرّم!

مہینوں کے انتظار کے بعد آپ کا خط ملا۔ یہ معلوم کرکے بہت دُکھ ہوا کہ آپ اسکوٹر سے گر پڑے اور اِتنی چوٹ لگی کہ صاحبِ فراش ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جلوہ ہائے سرِ رہ گذر کو دیکھنے میں چند لمحوں کے لیے محو ہو گئے ہوں گے۔ ارے صاحب! اب اِس کا زمانہ نہیں۔ اوپر دیکھیے یا سامنے اور بس۔ خدا کرے آپ جلد تر صحت یاب ہوں۔

اب دوسری بات: آپ کا خط پڑھ کر میں نے محسوس کیا کہ میرا وہ مضمون اُس کتاب کے شایانِ قدر نہیں۔ میرا بھی یہی خیال تھا، مگر محض تعمیلِ حکم کی خاطر اُسے بھیج دیا تھا۔ اب آپ ازراہِ لطف فوری طور پر اُس تحریر کو میرے پاس بھیج دیجیے۔ میں اُس پر نظرِ ثانی کروں گا اور اضافے کروں گا۔ آپ کے لیے میں ایک اور تحریر بھیج دوں گا۔ تکلف اور تامّل، دونوں سے قطعِ تعلق کرکے آپ اُس تحریر کو واپس کردیں، میں جلد تر دوسری تحریر بھیجنے کی کوشش کروں گا۔ میں آپ کے لفافے کے لیے، جس میں وہ تحریر ہو، چشم براہ [کذا] ہوں۔

ہاں فراقی صاحب نے میرے خط کا جواب نہیں لکھا۔ اُن سے کہیے کہ میں اُن کے خط کی راہ دیکھ رہا ہوں۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

ایک ضروری بات:

حیدرآباد کے ایک عالم نے جو مرحوم ہو چکے ہیں، اقبال کے شکوے کا عربی میں منظوم ترجمہ کیا تھا مسدس کی ہیئت میں۔ کیا عربی میں ایسا کوئی ترجمہ ہوا ہے؟ اگر آپ کو یا کسی اور کو

وہاں اِس ترجمے سے دل چسپی ہو سکتی ہو تو بھیج دوں۔ میرے پاس اُن کی صاحب زادی نے اُس کا عکس بھیجا ہے، میں کیا کروں گا۔ کیا یہ کسی اہمیت کی چیز ہو سکتی ہے؟

(۲۷)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور

۲۶/مئی ۲۰۰۱ء [۲۷]

ہاشمی صاحب مکرّم! آداب

آپ کے حکم، بل کہ فرمانِ واجب الاذعان کی تعمیل میں نذرِ شیرانی کے لیے ایک تحریر بھیجی گئی تھی، ۹/اپریل سنہِ حال کو رجسٹرڈ؛ آج کے دن تک اُس کی رسید نہیں ملی، نہ یہ معلوم ہوا کہ یہ تحریر آپ تک بعد از وقت تو نہیں پہنچی۔

درخواست گزار ہوں کہ از راہِ لطفِ خاص صورتِ حال سے مطلع کیا جاؤں گا۔ اُس تحریر کی نقل میرے پاس نہیں، نہ قلمی نہ عکسی، یوں ذرا سی تشویش ہے۔

خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۸)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور

۲۳/جون ۲۰۰۳ء [۲۸]

مُحبِّ مکرّم! سلامِ مسنون۔

۱۵/اپریل کا خط آیا، آخرِ اپریل میں مل گیا تھا۔ یہ میری کوتاہی ہے کہ بروقت خط نہیں لکھ سکا؛ مگر بیماری، مسائل اور ذہنی کش مکش نے بے طرح اُلجھائے رکھا؛ یوں اِس ناروا تاخیر کی کارفرمائی ہوئی۔

بھائی! آپ کا خط جو غم گساری اور مخلصانہ تعلّقِ خاطر کے گہرے جذبات کا ترجمان تھا، میرے لیے بڑی نعمت بن گیا، کئی بار پڑھا۔ ایسے ہمدرد موجود ہوں تو غموں کا بوجھ خود بہ خود ہلکا ہو جاتا ہے۔

میری صحت اچھی نہیں۔ ڈاکٹر نے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی ہے، چلنے کو منع کیا ہے۔ دل کی رفتار اچانک بگڑنے لگتی ہے۔ پیس میکر تجویز کیا گیا؛ مگر ایک ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ عُمر کی بنا پر کچھ خطرہ بھی ہے اس میں۔ دوائیں کھا رہا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی آنکھوں میں بھی دم ہے اور ہاتھوں کو بھی جنبش ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قلم کی سیاہی خشک نہیں ہو پائی ہے۔ چاہتا یہ ہوں کہ دمِ آخر تک قلم کی رحمت اور اُس کی روانی، دونوں پر حرف نہ آنے پائے۔ اب پہلے کی طرح تو جم کر کام نہیں کر پاتا، بس ۵ یا چھے گھنٹے روز کام کرتا ہوں اور وہ بھی اِس طرح کہ گھنٹا بھر کام کیا، پھر پندرہ بیس منٹ کے لیے لیٹ گیا۔ یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

کلاسکی ادب کی فرہنگ کی پہلی جلد ملی ہوگی۔ خلیق انجم صاحب کو میں نے تاکید کر دی تھی کہ مصطلحاتِ ٹھگی اور فرہنگ، دونوں کی ایک ایک جلد آپ کے نام بھیج دی جائے، اُن کا فون آیا تھا کہ دونوں کتابیں بھیج دی گئیں۔ کیا آپ کو مل گئیں؟ از راہِ لطف کتابوں سے متعلق مجھے فوری طور پر اطلاع دیجیے۔ کلّیاتِ جعفر زٹلی مرتب ہو گیا، کمپوزنگ کے مرحلے میں ہے۔ لفظیاتِ غالب زیرِ ترتیب ہے۔ اُس کے نئے انداز کو آپ ضرور پسند کریں گے۔ کام جاری ہے اب تک تقریباً چودہ ہزار کارڈ بنا چکا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ یہ کام ضرور مکمل ہو جائے۔ اگر آپ نے سندِ پسندیدگی بھیج دی تو سمجھوں گا کہ محنت ٹھکانے لگی۔ خیال یہ ہے کہ اِس کے بعد لفظیاتِ اقبال اِسی انداز پر مرتب کروں؛ مگر یہاں تو وہ چھپے گی نہیں، بس اِس لیے تامّل اور تکلّف رہا ہے۔ خیر، دیکھا جائے گا۔ کیا لفظیاتِ اقبال سے متعلق وہاں کوئی کام ہوا ہے، اگر ہوا ہو تو ضرور مطّلع فرمائیے۔ فرہنگ کی ابھی دو جلدیں اور مرتب کرنا ہیں۔ غرض کہ: سامان... کل کی خبر نہیں۔

بازیافت ملا تھا۔ شمارہ نمبر ۲، ابھی تک تو ملا نہیں، تقاضا کر نہیں سکتا؛ فراقی صاحب کی صواب دید پر اِس کا ملنا منحصر رہے گا۔ آپ نے شمارہ نمبر ۳ کا حال بھی لکھا ہے، جب شمارہ نمبر ۲ ہی نہیں ملا، نمبر ۳ کی توقّع کیسے کی جاسکتی ہے۔ آپ ہوتے تو ہر چیز ملتی رہتی۔ کبھی کبھی خط لکھ دیا کیجیے کہ ڈھارس بندھتی ہے اور حوصلہ بڑھتا ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۲۲/جولائی ۲۰۰۳ء[۲۹]

مُحبِّ مکرّم!

خط آپ کا مل گیا۔ ارے بھائی! دونوں کتابیں اب سے مہینا بھر پہلے ڈاک سے کالج کے پتے پر بھیجی جاچکی ہیں۔ اگر آپ کو نہیں ملیں تو پھر غارت گری ہوئی ہے کہیں نہ کہیں۔ خیر، یہ بھی سہی۔ رات میں نے دہلی انجمن کے ایک کارکن کو فون کیا تھا۔ آج، یعنی ۲۲/جولائی کو مصطلحاتِ ٹھگی ("ٹھگی"، نہیں) اور "کلاسکی ادب کی فرہنگ" دونوں کتابوں کا رجسٹرڈ پارسل کالج کے پتے پر آپ کے نام بھیج دیا جائے گا۔ میری درخواست ہے کہ اب ذرا بھی سے خیال رکھیے گا کہ وہ پارسل آپ ہی کو ملے۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ رسید فوراً بھیجیے گا، ورنہ میں پریشان رہوں گا۔ بازیافت کا انتظار ہے۔ میری صحت کا احوال وہی ہے جو تھا۔ یہ دل کا آزار لگ جاتا ہے تو پھر جاتا نہیں، یہی تو میر صاحب نے بھی کہا ہے۔

فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ کلّیاتِ جعفر زٹلی کی کمپوزنگ مکمّل ہوگئی، شاید دو مہینے کے اندر ہی چھپ جائے گی، مگر آپ کو نہیں بھیجوں گا، گنہ گار نہیں ہونا چاہتا۔ توبہ توبہ! کیسی بُری بُری باتیں ہیں اِس میں ـــــ جس مفصّل خط کا آپ نے وعدہ کیا ہے: ("جلد لکھوں گا")، وہ کب وفا ہوگا؟

رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۱۸/اپریل ۲۰۰۴ء[۳۰]

مُحبِّ مکرّم! سلامِ شوق

آپ کے دو خط ملے۔ ایک خط، جس پر ۱۴/مارچ کی تاریخ پڑی ہوئی ہے، مجھے ۱۶/

اپریل کو ملا۔ دوسرا خط مورخہ ۲۸؍مارچ، اِس سے پہلے ملا تھا۔ یہ سب گڑبڑ اسی لیے ہوتی ہے کہ آپ دوسروں کو "خط پکڑا دیتے ہیں"۔ بھائی! بہ راہِ راست کیوں نہیں بھیجتے کہ بروقت مل جائے۔

یہ آپ نے خوب لکھا کہ: "کیا شاہ جہان آباد ہی میں مقیم ہیں یا بمبئی، دہلی کا سفر بھی کبھی ہوتا ہے" —— یہ پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ حضورِ والا! ڈاکٹر نے بہت سختی کے ساتھ گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگا رکھی ہے، چلنے پھرنے سے منع کیا ہے؛ یوں کہ قلب کی رفتار اچانک بگڑ جایا کرتی ہے اور اُس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ ذرا بھاری کتاب نہیں اُٹھا سکتا، نیند بھر سو نہیں سکتا۔ کیوں کہ پروسٹیٹ کی شکایت بڑھ گئی ہے۔ داہنا گھٹنا بیکار سا ہو گیا ہے۔ اُکروں [کذا] نہیں بیٹھ سکتا۔ بس لیٹا رہوں یا کرسی پر بیٹھا رہوں۔ دن بھر دوائیں کھاتا رہتا ہوں۔ مسلسل کام نہیں کر سکتا، کچھ دیر کے بعد سر میں درد ہونے لگتا ہے، سر چکرانے لگتا ہے۔

سو یہ ہے احوال آپ کے مُریدِ بااخلاص کا۔ سخت جانی کا شکرگزار ہوں کہ پھر بھی کام کیے جاتا ہوں۔ وہی مرزا صاحب والی بات: آنکھوں میں تو دم ہے؛ خدا کا شکر ہے کہ میرے تو ہاتھوں کو بھی جُنبش ہے، آنکھوں میں بھی دم ہے اور قلم کی سیاہی بھی خشک نہیں ہو پائی ہے۔ جی ہاں، لفظیاتِ غالب والا کام ہو رہا ہے۔ غ کے حرف تک پہنچ گیا ہوں۔ مگر یہ کام ہے بہت صبر آزما۔ ایسی اُلجھنوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ بعض دفعہ حیران رہ جاتا ہوں —— اقبال والا کام، جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، اُسے یہاں تو کوئی چھاپے گا نہیں۔ پھر وہاں آپ لوگ مجھ سے کہیں بہتر طور پر اِس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔ غالب والا کام بھی عبدالوہاب خاں صاحب کے اصرارِ پیہم پر شروع کیا ہے۔ یہاں تو اب ایسا بھی کوئی شخص نہیں کہ ایک صفحہ اُس سے بھی نقل کرالوں۔ خود کوزہ و خود کوزہ گر والی بات ہے۔ اِس زمانے میں کمپیوٹر کے بغیر ایسے کام نہیں ہو پاتے؛ مگر وہی نو من تیل والی بات ہے۔ بہ ہر حال، یہ کام تو کرنا ہی ہے۔ ہاشمی صاحب! اب کوئی شخص ایسے اُلجھتی [اُلجھتے] کاموں کے قریب جانا بھی پسند نہیں کرتا۔ خیر، یہ بھی سہی۔ اردو میں اور ہندستان کی کسی بھی دوسری زبان میں کسی بھی بڑے شاعر سے متعلق لفظیات کا کام مکمّل طور پر نہیں ہوا۔ یوں اِسے بہ ہر طور مکمّل کرنا چاہتا ہوں۔

اردو کیسے لکھیں، انشا اور تلفظ وغیرہ کا کچھ تعلق جاوید اقبال صاحب سے نہیں۔ اُن سے صرف باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کا تعلق ہے۔ صرف اِن کے لیے اُن کی

اجازت ضروری ہے۔ آپ کے کہنے پر میں نے دہلی کا آخری یادگار مشاعرہ اور مولوی نذیر احمد سے متعلق مرزا فرحت اللہ بیگ والے مضمون کی اجازت کلوروی صاحب کو دے دی تھی، آج تک پتا نہیں چلا کہ وہ چھپیں یا نہیں۔ کسی صاحب نے لکھا ہے کہ انارکلی کے کسی پبلشر نے اردو املا چھاپ لی ہے، کیا کرسکتا ہوں۔ آپ جن کتابوں کو چھپوانا چاہیں، یعنی آپ کے واسطے سے دوسرے لوگ، مجھے مطلع کرکے چھاپ سکتے ہیں۔ پیسے مجھے نہیں چاہیے۔ میں خوش میرا خدا خوش۔ اور ہاں، تحسین فراقی صاحب جیسا مخلص کرم فرما وہاں موجود ہے، مگر وہاں کے دفتر میں میرا پتا بھی صحیح طور پر درج نہیں۔ بازیافت کا دوسرا شمارہ آیا تھا بہت پہلے، بہت تعجب ہوا کہ کیسے آ گیا۔ میں تو اُسے کرشمہ سمجھتا رہا۔ صرف میرا ادھورا نام اور لفظِ شاہ جہاں پور، باقی کچھ نہیں۔ فراقی صاحب کے ہوتے ہوئے دفتر میں میرا پتا صحیح طور پر مندرج نہ ہو، تو سر پیٹ لینے کی بات ہے۔ یہ بات یوں لکھی گئی کہ آپ نے بازیافت نمبر۳ سے متعلق دریافت کیا ہے۔ اگر پتا اُسی طرح لکھا گیا، تو پھر اُس کا پہنچنا معلوم! فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے اور کہیے کہ آپ مجھ سے اِس قدر بے تعلق آخر کیوں ہو گئے ہیں، کیا ناراض ہیں؟ ہاں زٹل نامہ میں کمپوزنگ کی غلطیاں رہ گئی ہیں، اگلے خط میں لکھوں گا، تاکہ آپ اپنے نسخے پر فراقی صاحب کے نسخے پر اُنھیں درج کرلیں۔

چند اہم اغلاط کا حوالہ ابھی دیے دیتا ہوں، دونوں نسخوں پر درست الفاظ لکھ لیجیے:

ص:۲۰ س۲۴: گانوؤں

ص:۶۲ حاشیے کا نمبر۱۱، نمبر۷ کی جگہ لکھا گیا ہے۔

ص:۸۸ غچ پچ (X)

ص:۱۳۸ بہ علم و باعلم چوں بوحنفیہ۔ شعر نمبر۳

ص:۱۴۵ حاشیہ نمبر۲۷: ۱۴۰۵ء (۱۸ر فروری ۱۴۰۵ء)

ص:۱۶۹ شعر نمبر۷: پھٹا پھٹ پھٹ است...

ص:۱۸۴ شعر نمبر۴: طرّہ طرّہ باز۔

ص:۲۲۴ کہ جعفر اب کیسی...

ص:۲۲۵ کوں پرست

ص:۲۳۱ تئیں۔

ص: ۲۵۰ دیگ۔

ص: ۱۴۹ حاشیہ نمبر۲: ۱۲:۱۷اء (۲۱ X ۱۷اء)

چند معمولی اغلاط کو نظر انداز کرتا ہوں۔ فراقی صاحب کے نسخے میں بھی تصحیحات بنوا دیجیے۔ اب بہ راہِ راست خط لکھیے

رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور

۱۷ رمئی ۲۰۰۴ء [۱۳۱]

ہاشمی صاحب مکرّم!

آپ کا خط مرقومہ ۳۰ راپریل، مجھے ۷ رمئی کو مل گیا تھا۔ جواب میں تاخیر کی ذمّے داری مجھ پر نہیں، میرے احوال پر عائد ہوتی ہے، اُتار چڑھاو کا سا احوال رہنے لگا ہے۔ آج کئی دن کے بعد کام کرنے بیٹھا ہوں۔ آپ کی پُر خلوص محبت، غمگساری [کذا] اور آپ کی دُعائیں ساتھ رہتی ہیں اور اِس سے بہت مدد ملتی ہے۔

(۱) پہلے یہ عرض کروں کہ الفاظِ غالب والا کام سُست رفتاری سے سہی، مگر ہو رہا ہے۔ حرفِ ق مکمّل ہو گیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ کل یا پھر پرسوں سے ک کا آغاز ہوگا۔ میری سخت جانی اور آپ کی دُعاؤں کا یہ کرشمہ ہے۔

(۲) اردو کیسے لکھیں (لکھّیں، نہیں) کی ترقّی یافتہ شکل عبارت کیسے لکھیں ہے۔ اِسے بھی مکتبۂ جامعہ نے چھاپا تھا کئی سال پہلے۔ اگر کوئی ناشر چھاپنا چاہے تو عبارت کیسے لکھیں کو ترجیح دی جانا چاہیے۔ اِس کے آخر میں کئی سو الفاظ کی فہرست بھی شامل ہے۔

(۳) انشا اور تلفظ کو اگر چھاپا جائے تو میں اِس میں کچھ ترمیم یا اضافہ کرنا چاہوں گا۔

(۴) اِن سب کتابوں کی رائلٹی میں نہیں لوں گا۔ یہ بچّوں کے کام کی کتابیں ہیں۔ عبارت کیسے لکھیں تو آپ کے پاس ہوگی، ورنہ ہمارے آپ کے خاں صاحب اپنے توسّط

سے اُسے فوراً منگا دیں گے۔ (عبدالوہاب خاں سلیم)۔

(۵) اردو املا چھاپنے کی میں نے کسی کو اجازت نہیں دی تھی، اب آپ کو مختار بناتا ہوں، اِسے چھپوا دیجیے ــــ رائلٹی میں اِس کی بھی نہیں لوں گا۔ دوسرے اڈیشن کو چھپوا سکتے ہیں آپ، اِس کی کتابت یا کمپوزنگ کی ضرورت نہیں ہوگی، عکسی اڈیشن بہ آسانی آ سکتا ہے۔ سپردم بہ تو...

(۶) خواجہ صاحب کا احوال معلوم ہوتا رہتا ہے، اُن کی صحت یابی سے مجھے بہت اطمینان ہوا۔

(۷) آپ مالک و مختار ہیں، جس جملے میں ترمیم ضروری سمجھیں، بے تکلف ترمیم کر دیجیے۔ آپ کے لیے اجازت کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہے میں نے۔

(۸) ہاں صاحب! وہ صاحب زادی، آپ کی شاگرد (یا شاگردہ) جنھوں نے سوال نامہ بھیجا تھا، جسے آپ نے شائع بھی کیا تھا، کیا اُنھوں نے وہ مقالہ لکھ لیا تھا؟ اُسے تو آپ نے دیکھا ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اُس کی عکسی کاپی مجھے مل جائے، آپ کی توجہ درکار ہے۔

(۹) "اگست ۴۹" میں نہیں، اگست ۱۹۵۹ء میں دہلی یونی ورسٹی سے وابستہ ہوا تھا۔ (۵۹، ۴۹ بن گیا کتابت میں)۔ ابتدا میں سرسیّد روڈ پر کرایے کے مکان میں رہا تھا۔ یہ سرسیّد کے مکان کا دیوان خانہ تھا۔ اِسی نسبت سے اُس سڑک کا نام سرسیّد روڈ ہے۔ پُرانا پھاٹک برقرار تھا (معلوم نہیں اب کیا احوال ہے)۔ اُس کے بعد لکھنؤ روڈ کے ایک مکان میں رہا، اُس کے بعد یونی ورسٹی کے ہوسٹل جبلی ہال میں منتقل ہو گیا، اُس وقت گائر ہال میں کوئی کمرا خالی نہیں تھا (تاریخیں مجھے یاد نہیں) گائر ہال میں کئی سال کے بعد جگہ ملی۔ مختصر وقفوں کے لیے ماڈل ٹاؤن کے دو مختلف مکانوں میں بھی رہا ہوں۔ چوں کہ ایک بکس اور ایک بستر کے سوا اور سامان کبھی ساتھ رہا ہی نہیں، یوں نقل مکانی میں دقت نہیں ہوتی تھی (کتابوں کی بات اور ہے)۔ ضرورت ہوتی تھی ایک پلنگ اور ایک میز کرسی کی اور ہر جگہ عاریتاً کرایے پر مل جاتی تھی۔ گائر ہال میں اور جبلی ہال میں یہ دونوں چیزیں کمرے ہی کا جُز ہوتی تھیں۔ جب دہلی سے چلا تو (کتابوں کے سوا) بس ایک بستر تھا اور ایک وہی بکس جسے ساتھ لے کر آیا تھا۔ ہاں کتابیں بہت تھیں اور یہی اصل دولت تھی، اصل سرمایہ تھا۔

ہاشمی صاحب! ۳۶ برس دہلی میں رہا، ٹھنڈا پانی میرے حصّے میں کبھی نہیں آیا، یوں کہ

ریفر جریٹر [کذا] میرے پاس نہیں تھا اور خریدنے کی استطاعت بھی نہیں تھی، اور چیزوں کا کیا ذکر ہے۔ اب میرے بچّوں کے پاس یہ سب کچھ ہے، لیکن میرا جو کمرا ہے، اُس میں اب بھی وہی مٹّی کی صراحی یا ٹھلیا ہے، نہ ریفر جریٹر [کذا]، نہ ٹی وی۔ بس ٹیلی فون ہے [کذا] اور وہ بڑے بیٹے کے اصرارِ بے حد کا آوردہ ہے اور اب میری ضرورت کی چیز بن گیا ہے۔ جب یہاں سے سفر روانہ ہوں گا تب بھی کوئی اُلجھن نہیں ہوگی، کیوں کہ کوئی ساز و سامان ہئی نہیں جس کے چھوٹ جانے کی حسرت آنکھوں میں آشوب پیدا کر سکے اور ذہن کو پریشان کر سکے۔ جس طرح دہلی سے اُٹھ کر یہاں آ گیا تھا، اُس سے زیادہ آسانی کے ساتھ یہاں سے روانگی ہوگی، کیوں کہ اب وہ بکس اور وہ بستر بھی ساتھ لے جانے کی زحمت نہیں اُٹھانا پڑے گی۔ اللہ بس، باقی ہوس۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ اب کب خط لکھیں گے؟

رشید حسن خاں

(۳۲)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۹ر اگست ۲۰۰۴ء [۳۲]

مُحبِّ مکرّم! سلامِ شوق

پیکٹ مل گیا، جس میں بازیافت کا شمارہ تھا اور وہ مقالہ۔ آپ نے کس قدر وقت صرف کیا اِس کام پر! جلد بندی، ترسیل اور اُس سے بڑھ کر اصل تحریر کی بنیاد گزاری۔ طالبِ علم نے اپنی سی محنت کی اور اپنے بہت سے ساتھیوں سے بہتر کام کیا۔ ایم اے کے کسی طالبِ علم سے اِس سے زیادہ توقع بھی نہیں کرنا چاہیے۔ پھر بھی آپ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ شکر گزار ہوں۔ اور کون یہ زحمت گوارا کرتا!

تحسین فراقی صاحب سے شکریہ ادا کر دیجیے۔ اندازہ یہ ہوا کہ رسالہ بھی یوں مل گیا کہ آپ نے بھیج دیا۔ خیر، یہ بھی سہی۔ اِس کے لیے آپ کا اور فراقی صاحب کا خاص طور پر شکر گزار ہوں۔

ہاں صاحب! یہ ضیاء الحسن صاحب کون بزرگوار ہیں؟: ’’یگانہ زندگی اور شاعری دونوں میں غلط بات اور غلط انداز کو قبول کرنے کے روادار نہیں تھے‘‘۔ یہ بات وہی لکھ سکتا

ہے جو دونوں آنکھیں بند کرلے۔ میں یگانہ کی شاعری کا قائل ہوں، معترف ہوں، اُس کی اہمیت کو پوری طرح مانتا ہوں، مگر سجّاد باقر رضوی کے اِس قول کو بھی مانتا ہوں کہ ''اُنھیں جذبات اور احساسات کی تہذیب نہ مل سکی جو اردو کے دوسرے شعرا کے ہاں ملتی ہے''۔ لطیفہ یہ ہے کہ یہ قول اُنھی نے اِسی مضمون میں نقل کیا ہے!!

حسن اور عشق میں لڑائی کیا　　جیسے جورو خصم میں سوت پہ جنگ

''وہ زبان کے استعمال میں اجتہادی قدم اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے'' ـــــ: کیوں پیر و مرشد! کیا اِس شعر میں اجتہادی قدم کی آہٹ ملتی ہے (یا ایسے اور شعروں میں)۔ صرف منتخب کلام کو پیشِ نظر رکھ کر یہ بات بہ آسانی کہی جاسکتی ہے کہ یگانہ اپنے انداز کے منفرد شاعر تھے اور ایک خاص حیثیت رکھتے تھے، اہم حیثیت، وہ اپنے معاصرین میں سب سے الگ تھے اور اُن کی شاعری میں جو کس بَل ملتا ہے، وہ اردو غزل کے ایک نئے لہجے کی بشارت دے رہا تھا، مگر اُن کا لہجہ بگڑتے بھی دیر نہیں لگتی تھی اور پھر سب کچھ بگڑ جاتا تھا۔ مقالہ نگار نے طویل مقالہ لکھا ہے، یوں وہ اِدھر اُدھر کی بہت سی باتیں لکھ گئے ہیں۔ اگر وہ طوالت سے کام نہ لیتے اور غیر جذباتی انداز سے قطعِ تعلّق کو روا نہ رکھتے تو شاید یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوتی۔ میرے کرم فرما فراقی صاحب مدیر کے اختیاراتِ خصوصی سے اگر کام لیتے تو شاید کچھ اصلاح کی صورت نکل آتی۔ مگر یہ تو محض میری خوش گمانی ہے (غالباً) طول بیانی کی ''خداداد صلاحیت'' بہ ہر طور اپنے آپ کو نمایاں کرلیا کرتی ہے اور یہاں بھی یہی ہوتا۔

بیماری نے بے حال کر رکھا ہے، کیا کروں، ورنہ بہت جی چاہتا تھا کہ فراقی صاحب کو شکریے کا طویل خط لکھوں اور اُس میں چند ضروری باتیں بھی آجائیں؛ مگر وہی بات کہ من چلتا ہے، تو نہیں چلتا۔ اُن سے معذرت طلب ہوں اپنی ناکارکردگی پر۔ اگر آپ میرا خط فراقی صاحب کو پڑھا دیں تو سمجھوں گا کہ معذرت طلبی کا حق ادا ہوگیا۔ ہاں پیر جی! غالب والا کام آخری مرحلے میں ہے ـــــ ایک فضول کام اور سہی؛ اِس کے مصداق۔ ارادہ ہے کہ اگلا کام (اگر صحت اجازت دے) اقبال یا نظیر سے متعلق ہو۔ یہ معلوم کرنا ہے کہ پاکستان میں کسی نے لفظیاتِ اقبال پر کام کیا ہے؟ ـــــ دوسری بات: کیا وہاں یہ کتاب چھپ سکے گی (یہاں کون چھاپے گا)۔ ورنہ پھر قصائدِ سودا والا کام شروع کروں گا ـــــ آپ کی رائے کیا ہے؟ چشم بہ راہ ہوں۔

ہاں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زٹلی والا کام آپ کو بالکل پسند نہیں آیا —— یا قسمت! یا نصیب! وہ ہے بھی ایسا نا معقول کام، ہے نا! ——

اگر وِرد وظیفے سے ذرا سا وقت مل جائے ایک فضول کام کے لیے، تو اِس خط کی رسید بھی بھیج دیجیے اور اپنی رائے بھی۔

رشید حسن خاں

(۳۳)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۳۰/ اگست ۲۰۰۴ء [۳۳]

مُحبِّ مکرّم!

کل آپ کا خط مرقومہ ۱۶/ اگست ملا، جس سے معلوم ہوا کہ ناسازیِ مزاج کی وجہ سے آپ یہاں نہیں آسکیں گے، افسوس ہوا۔ ملاقات ہوتی نہ ہوتی، آواز تو سُن ہی لیتا۔ خیر، پھر سہی۔ آپ کا پہلا خط بھی مل گیا تھا اور میں نے یہ مان کر کہ آپ تو دہلی میں ہوں گے، اُس کے جواب میں ایک لفافہ بھیجا تھا خلیق انجم صاحب کی معرفت آپ کے نام، معلوم نہیں اب وہ لفافہ کہاں ہوگا۔ میرا پہلا خط تو مل گیا ہوگا جس میں میں نے لکھا تھا کہ اُسے، یعنی عبارت کا ایک ٹکڑا افراقی صاحب کو بھی پڑھا دیجیے گا۔ مقالے کی رسید بھی اُسی میں تھی۔

اب آپ مالک و مختار ہیں ہر طرح کی تصحیح، ترمیم، اضافے کے، جو مناسب ہو کیجیے، آپ کو مکمل اختیار حاصل ہے، مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کی اِس کتاب کی راہ دیکھوں گا۔

لفظیاتِ غالب کا بنیادی کام قریب الختم ہے، مگر اُس کے بعد نظرِ ثانی کا کام شروع ہوگا اور اُس میں بھی کچھ وقت لگے گا۔ بڑا کام ہے یہ اور میں تنِ تنہا۔ ایسا بھی تو کوئی نہیں جس سے دو سطریں پڑھوالوں یا نقل کرالوں۔ یہ کام کمپیوٹر کی مدد کا متقاضی تھا، مگر سخت جانی اُس کا بدل بن گئی۔ آپ یہ دیکھیے کہ ۲۵، ۲۶ ہزار کارڈ بنانا کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے [لائبریری کارڈ تو بہت مہنگے ہوتے ہیں] پھر اُن کو ترتیب سے لگانا، نمبر شمار ڈالنا، نقل کرنا اور ہر بار اصل سے مقابلہ کرنا اور صحت کا یہ احوال کہ: دم لینے سے گھبرا جائے ہے۔ بہ ہر طور

احباب کی ہمت افزائی اور محبت شریکِ خیالات رہی اور یوں تقویت کا آبِ حیات ملتا رہا اور اِن سب پر مستزاد آپ کی پُر خلوص دُعائیں اور گہرا تعلقِ خاطر۔ ہندستان کی کسی بھی زبان میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا کام ہوگا [اور ہاں محبّی عبدالوہاب خاں سلیم کی ہمت افزائی نے بھی بہت مدد کی، وہ مسلسل فون کرتے رہے اور کرتے رہتے ہیں اور یوں ہمت ٹوٹنے نہیں پاتی]۔ ہائے بیدل، کیا شعر کہا ہے:

نشۂ تحقیق ما را شعلۂ جوالہ کرد
آں قدر گشتیم گردِ خود کہ خود را سوختیم

اِدھر خان صاحب کا فون دو ہفتے سے نہیں آیا ہے۔ اب آپ ایک اچّھا سا خط لکھیے اور اپنی صحت کا احوال بھی لکھیے۔ ہم گناہ گار بیمار ہوں تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ بد پرہیز رہے ہیں؛ آپ کیوں بیمار ہوتے ہیں؟ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۳۴)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۴ء [۳۴]

مُحبِّ گرامی!

۲۷ر ستمبر کا خط ملا تھا، آپ کی بیماری کا احوال پڑھ کر جی بہت کُڑھا، پھر یہ پڑھ کر کچھ تسکین ہوئی کہ اب آپ پہلے سے بہتر ہیں۔ توقع کرتا ہوں کہ اب تک پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہوں گے۔

میرا احوال وہی ہے کہ جو تھا۔ بہ ہر طور قلم تو چلتا ہی رہتا ہے، یوں بیماری کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ غالبؔ والے کام کا حال آپ نے پوچھا ہے؛ وہ کام مکمل ہو گیا۔ اب نظرِ ثانی کا کام ہو رہا ہے۔ غالباً دو ماہ میں یہ بھی تکمیل کو پہنچے گا۔ لفظیاتِ اقبال کا کام میں خود بھی کرنا چاہتا تھا [یوں بھی کہ کوئی دوسرا شاید ہی ایسے ''غیر ضروری'' کام کرنے پر آمادہ ہو سکے] اب آپ کی فرمائش نے اِسے واجب کا درجہ بخش دیا۔ اِس کام کو ضرور کروں گا؛ مگر اِس باب میں پہلے چند باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

اردو میں اب تک اِس سلسلے کا کوئی کام ہوا ہی نہیں، یوں کوئی نمونہ موجود نہیں جس کو بہ طورِ سر مشق سامنے رکھا جاسکے۔ اِس لحاظ سے طریقِ کار کا تعیّن ضروری ہے۔ غالبؔ کی لفظیات کا رخ دوسرا تھا معنی آفرینی کے نقطۂ نظر سے، اقبالؔ کے یہاں وہ بات اُس طرح نہیں پائی جاتی، یوں کہ اقبالؔ اصلاً نظم کے شاعر ہیں اور غالبؔ غزل گو ہیں۔ یوں طریقِ کار کا معاملہ اہمیت رکھتا ہے۔

میں نے گنجینۂ معنی کا طلسم کی رعایت سے الفاظ کو مفرد اور مرکّب کی مناسبت سے سامنے رکھا تھا اور ہر لفظ سے متعلّق شعر کو الفاظ کے ساتھ لکھا تھا، تا کہ بہ یک نظر لفظ کے طریقِ استعمال اور اُس کی معنویت کی آئینہ داری ہوجائے۔ اصل دیوان کی ورق گردانی نہ کرنا پڑے اور یہ بھی سامنے آجائے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جو بار بار آئے ہیں اور کن کن معنوی رعایتوں کے ساتھ آئے ہیں۔ حاشیے میں ہر لفظ کی تعداد اور مرکّب و مفرد کی وضاحت بھی کی تھی، کہ فلاں لفظ اتنی بار آیا ہے؛ مفرد اتنی بار اور مرکّب اِتنی بار —— اقبالؔ کے سلسلے میں کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے؟ میں اِسی لفافے میں غالبؔ سے متعلّق ایک صفحہ رکھے دے رہا ہوں (یہ تلخیص ہے) اِس سے آپ اچھی طرح اندازہ کرسکیں گے۔ میں نے الفاظ کو تین حصّوں میں تقسیم کیا ہے: (۱) مفرد —— (۲) مرکّب، جن میں متعلّقہ لفظ درمیانِ ترکیب میں یا آخر میں آیا ہو۔ (۳) وہ مرکّبات جن میں متعلّقہ لفظ شروع میں آیا ہے، مثلاً: ایک لفظ ہے: آتش۔

(۱) ''آتش'' مفرد ہے —— (۲) رنگِ کاغذ آتش زدہ۔ یہ دوسرے حصّے میں آئے گا۔ (۳) آتشِ رنگِ رُخِ ہر گُل۔ یہ تیسرے حصّے میں آئے گا۔ یوں کہ ایک حصّے میں اِن کو درج نہیں کیا جاسکتا۔

اِس لحاظ سے مثلاً اِس مصرعے کو دیکھیے: اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں!
اِس کے اندراجات چار جگہ ہوں گے: ہ، ف، ک، ہ کے تحت۔ اِس طرح:

ہمالہ	:	اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں! ص۔
فصیلِ کشورِ ہندوستاں	:	اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں! ص۔
کشورِ ہندوستاں	:	دیکھیے: فصیلِ کشورِ ہندوستاں۔
ہندوستاں	:	دیکھیے: فصیلِ کشورِ ہندوستاں۔

سُرخ روشنائی سے لکھے ہوئے جملہ الفاظ جلی کمپوز ہوں گے۔ باقی سب خفی۔ اِس طرح شمار میں صرف جلی الفاظ آئیں گے، اور معنویت کے لحاظ سے ساری ترکیبی صورتیں بہ یک وقت قاری کی نظر کے سامنے آجائیں گی اور مفردات بھی۔ یعنی شمارِ الفاظ کے ساتھ کلامِ اقبال میں الفاظ کی معنویت کے پہلو بھی نمایاں رہیں گے۔ صرف شمارِ الفاظ نہیں، شمارِ الفاظ مع اظہارِ معنویت۔ اِسی طرح ہر لفظ کے تحت حاشیے میں دو وضاحتیں مرقوم ہوں گی: (۱) یہ لفظ کُل کتنی بار آیا ہے۔ (۲) مفرد طور پر کتنی بار اور مرکّب صورت میں کتنی بار آیا ہے۔ جہاں مکمّل مصرع یا شعر لکھا جائے گا [جیسے پہلے دو اندراجات کے تحت] تو اُس کے آخر میں اُس مجموعے کا صفحہ نمبر لکھا جائے گا جس سے وہ ماخوذ ہوگا۔

اگر اِس طریقِ کار سے مختلف کوئی طریقہ کار اختیار کیا جانا چاہیے تو اُس کی وضاحت ہونا چاہیے اور ظاہر ہے کہ یہ وضاحت آپ کریں گے یا پھر ناشر صاحبان۔

اِن سب سے پہلے اُس مجموعے کا تعیّن کرنا ہوگا (اور یہ آپ کریں گے) جس سے الفاظ ماخوذ ہوں گے اور جس کے صفحات کا حوالہ دیا جائے گا۔ یہ بھی لازم ہوگا کہ اُس مجموعے کی جُملہ اغلاط کی تصحیح آپ کے قلم سے ہوچکی ہو، تاکہ اعتماد کے ساتھ حوالہ دیا جاسکے۔ یہ کام یعنی تصحیح، نہ میں کرسکتا ہوں نہ کوئی اور۔ اِس کا ذمہ آپ کو لینا ہوگا۔

یہ کتاب وہیں چھپے گی اُس ادارے کے تحت جس کی فرمایش پر یہ کام کیا جائے گا، یوں یہ بھی لازم ہوگا کہ کمپوزنگ کا کام وہیں ہو اور کاپیوں کی تصحیح بھی۔ تصحیح کا کام بھی آپ ہی کریں گے۔ کسی اور کے ذمّے اِس کام کو نہیں کیا جاسکتا۔ آخری کاپی بس ایک نظر میں دیکھنا چاہوں گا۔ مقدّمے میں یہ ساری تفصیلات لکھا جائیں گی ـــــ اب اگر پکڑے جائیں گے تو ہم دونوں ایک ساتھ پکڑے جائیں گے، واہ واہ! سبحان اللہ!!

ہاں، صرف اسما شمار میں آئیں گے۔ افعال اور حروف (متعلقاتِ فعل) شمار میں شامل نہیں ہوں گے۔ مثلاً اوپر اقبال کا جو مصرع لکھا گیا ہے، وہ شعر کا پہلا مصرع ہے۔ دوسرا مصرع یہ ہے: چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں ـــــ اِس کے صرف دو لفظ شمار میں آئیں گی: پیشانی ـــــ آسماں۔ دونوں لفظوں کے ساتھ مکمّل مصرع درج کیا جائے گا، اِس طرح:

پیشانی : چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں ص۔

آسماں : چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں ص۔

یہ اضافہ کیا جاسکتا ہے (اگر ضروری خیال کیا جائے) کہ ہر مصرعے کے ساتھ صفحہ نمبر کے بعد یہ حوالہ بھی دے دیا جائے کہ یہ کس نظم کا مصرعہ ہے۔

غالب کے اشاریے میں میں نے ہر جگہ مکمل شعر درج کیا ہے، مگر اقبال کے اشاریے میں میرا خیال ہے کہ صرف ایک مصرع کافی ہوگا۔

اب ضرورت سے زیادہ خامہ فرسائی ہوچکی، اِسے ختم کرتا ہوں۔ اب آپ وہاں مشورہ کرکے مجھے مطلع فرمائیے۔ اگر اِس کام کو ہونا ہے تو پھر تصحیح شدہ نسخہ آپ جب بھیج دیں گے، آپ کی صواب دید کے مطابق کام شروع کردیا جائے گا۔ کارڈ منگاؤں گا بازار سے، سُنا ہے خاصے گراں ہوگئے ہیں۔ زیادہ گراں ہوئے تو سادہ کاغذ منگا کر گھر پر اُسی سائز کے ٹکڑے بنالیے جائیں گے، فالتو پیسے کیوں خرچ ہوں۔ یہ احتیاط بھی ہے اور ضرورت بھی جو خاص مواقع پر مجبوری کے معنی میں آتا ہے۔

اب کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اِس مسئلے کے! بیّنوا و توجروا۔

آپ کے خط کی راہ دیکھوں گا۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت: ۱۵را کتوبر کا خط مل گیا، تبصرہ بھی، شکر گزار ہوں۔ میرے اِس خط کا جواب ضرور لکھیے گا۔

(تلخیص)

آئینہ[ا] ۱- توڑے ہے عجزِ تنگ حوصلہ بر روے زمیں
سجدہ تمدال وہ آئینہ، کہیں جس کو جبیں — ص ۷

۲- خود پرستی سے، رہے باہمد گر نا آشنا
بیکسی میری شریک، آئینہ تیرا آشنا — ص ۱۹

۳- ہر چند میں ہوں طوطیِ شیریں سخن، ولے
آئینہ آہ! میرے مقابل نہیں رہا — ص ۲۱

۴- آئینہ داغِ حیرت و حیرت شکنجِ یاس
سیماب بے قرار و اسد بے قرار تر — ص ۴۱

۵- نہاں ہے گوہرِ مقصود جَیبِ خودشناسی میں
کہ یھاں غواص ہے تمثال اور آئینہ، دریا ہے ص ۸۴

۶- لبِ نگار میں، آئینہ، دیکھ آبِ حیات
بہ گمرہی سکندر ہے محوِ حیرانی ص ۹۶

۷- کس کا سُراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا!
آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے ص ۲۱۷

۸- تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بہ صد ذوق
آئینہ بہ اندازِ گل آغوش کشا ہے ص ۲۱۹

دیکھیے — :۹- آبِ چشمۂ آئینہ۔ ۱۰- پُشت و رُخِ آئینہ۔ ۱۱- چمن چمن گلِ آئینہ۔ ۱۲- حبابِ چشمۂ آئینہ۔ ۱۳- حیرتِ آئینہ۔ ۱۴- دامِ جوہرِ آئینہ۔ ۱۵- کشورِ آئینہ۔ ۱۶- ہوس گستاخیِ آئینہ۔

آئینہ بندِ خلوت و محفل: ہم زانوے تامل و ہم جلوہ گاہِ گل
آئینہ بندِ خلوت و محفل ہے آئنہ ص ۶۹

آئینہ دارِ آہِ بے تاثیر: دلِ آگاہ تسکیں خیزِ بیدردی نہ ہو یارب!
نفس آئینہ دارِ آہ [بے] تاثیر بہتر ہے ص ۱۰۸

آئینہ داری: تماشا کہ اے محوِ آئینہ داری!
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں ص ۱۷۹

آئینۂ اخلاقِ بہار: لالہ و گل بہم، آئینۂ اخلاقِ بہار
ہوں میں وہ داغ کہ پھولوں میں بسایا ہے مجھے ص ۱۰۸

آئینۂ تصویر نما: معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ
تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے ص ۲۱۹

آئینۂ تکرارِ تمنا: دیر و حرم آئینۂ تکرارِ تمنا
واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں ص ۵۹

(۳۵)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور
۱۰ر فروری ۲۰۰۵ء [۳۵]

مُحبِّ مکرّم!

کل آپ کے دو پوسٹ کارڈ ایک ساتھ ملے، ۲۹ر جنوری اور ۱۹ر دسمبر کے۔ جن صاحب کے حوالے آپ نے کیے ہوں گے، اُنھوں نے اب حوالۂ ڈاک کیا۔ ایں ہم غنیمت است۔ اِس سے پہلے بھی آپ کا ایک خط ملا تھا۔ خرابیِ صحت کا احوال پڑھ کر بہت تشویش ہوئی، خدائے پاک جلد تر شفا عطا کرے۔ میرا احوال بھی پچھلے پندرہ دن سے ٹھیک نہیں۔ نقاہت میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ چکّر سا آتا رہتا ہے۔ بہ ہر طور، دیوار سے جب دھوپ اُترنے لگتی ہے تو یہی سب کچھ ہوتا ہے۔ میرے لیے بھی دعا کیجیے۔ اب اُس مسئلے کو ختم سمجھیے۔ اب کسی کام کو مکمّل کرنے کی توانائی نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے۔ وہ تو آپ کی تشویق تھی، ورنہ میں اُس پھیر میں نہ پڑتا۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ میں اس پھیر میں نہیں پڑا۔

غالبؔ والا کام نظرِ ثانی کے لحاظ سے ہنوز نامکمّل ہے، دیکھیے مکمّل ہوتا ہے کہ نہیں۔ بہ ہر طور جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ آپ اپنی صحت کے احوال سے مجھے ضرور باخبر رکھیے، جی لگا رہے گا۔

ہاں بازیافت مجھے نہیں ملا [جس میں آپ کا تبصرہ شامل ہے اور جس کی عکسی نقل آپ نے بھیجی تھی] مل جاتا تو اچھا ہوتا۔ فراقیؔ صاحب کی بے نیازی کو کیا کروں، آپ بھی اب کچھ نہیں کرسکتے۔ خیر، جانے دیجیے۔ اپنی صحت کے احوال سے مطّلع کیجیے، منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۳۶)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور
۲ر مئی ۲۰۰۵ء [۳۶]

مُحبِّ صادق الوداد! آداب وتسلیم

آپ کا محبّت نامہ مرقومۂ ۱۱ر اپریل مل گیا تھا، اِس سے پہلے بھی ایک خط ملا تھا، اُن دنوں احوال خاصا خراب تھا، بے خوابی نے بدحال کررکھا تھا، یوں میں نے عبدالوہاب خاں

صاحب سے کہا تھا کہ وہ خط کی زبانی رسید آپ تک پہنچا دیں۔ اب پہلے [سے] بہتر ہوں، لیکن آپ کی دُعاؤں کا متمنی بھی ہوں اور محتاج بھی۔

آپ نے خواجۂ مرحوم کے خطوں کی بابت لکھا ہے۔ میرے پاس بہت خط تھے، کچھ تو خلیق انجم صاحب کی فرمایش پر انجمن کے ذخیرۂ مکتوبات کے لیے بھیج دیے اور کچھ میری غفلت سے ضائع ہو گئے۔ اب جو تلاش کیا، بل کہ پولیس والوں کی طرح تلاشی لی تو بس ایک خط ملا۔ یہ خط اِس لفافے میں ملفوف ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ اِس کا عکس اپنے پاس رکھ لیجیے اور اصل خط عبدالوہاب خاں صاحب سلیم کے پاس بھیج دیجیے، میں نے اُن سے کہہ دیا ہے (عمرے کے لیے جانے سے پہلے)۔ اِس کی معذرت کہ میری غفلت نے مجھے آپ کے ارشاد کی تعمیل سے محروم رکھا۔ اِس کوتاہی کے لیے معذرت طلب ہوں۔

معین الرحمان صاحب کی تحریر پڑھ کر بہت دُکھ ہوا۔ یہ تو تہذیبی روایت کے منہ پر کالک پوتنا ہوا کہ مرنے والے کی تعزیت اِس طرح کی جائے! یہ گھٹیاپن کی انتہا ہے، مجھے بہت تکلیف پہنچی۔ مجھے وہ دن یاد آ گیا جب اِن صاحب نے مجھے خط لکھا تھا [تحسین فراقی صاحب وغیرہ کا ہنگامۂ دیوانِ غالب نسخۂ لاہور برپا تھا اُن دِنوں] کہ آپ مشفق خواجہ سے کہہ دیجیے، میری صحت اِس ہنگامے کی متحمل نہیں ہو سکتی، میں نے خواجہ صاحب کو فوراً خط لکھا تھا۔ اب جب وہ نہیں رہے تو ایسی نامعقول نگارش سامنے آئی۔ اور یہ ''دعاہاے خاص'' کی بھی خوب رہی! توبہ توبہ! ـــــ بھائی! آپ نے لکھا ہے کہ ''اِس تحریر پر جو ردِ عمل ہوا، وہ آیندہ بھیجوں گا''، اُسے فوری طور پر بھیجیے، میں ہر وقت راہ دیکھوں گا اُس لفافے کی، سب کام چھوڑ کر اِس کام کو انجام دیجیے میری خاطر۔

لفافے کو رجسٹری سے محض احتیاطاً بھیج رہا ہوں۔ اگر رسید مل جائے تو مجھے اطمینان ہو جائے گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں بہ ہمہ وجوہ۔

ہاں صاحب! میری سخت جانی نے آپ کی دعاہاے سحرگاہ کی مدد سے مدد لے کر ایک پُرانے منصوبے پر اِسی ہفتے سے کام شروع کیا ہے۔ غالب والا کام تو مکمل ہو گیا، اُس کی کمپوزنگ ہو رہی ہے۔ عہدِ عالم گیر میں اردو کا پہلا لغت علاقۂ ہریانہ میں مرتب کیا گیا، اِس کے مرتب تھے مولوی عبدالواسع ہانسوی، یہ بہت اہم کام ہے لسانی تشکیل اور ارتقا کے نقطۂ نظر سے، اردو لفظوں کی ایسی قدیم اور ابتدائی شکلیں سامنے آتی ہیں جن سے اب شاید ہی

کوئی آشنا ہو، اِس لغت کو مرتب کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اب سے پندرہ سال پہلے، بارے اب اُس کی نوبت آئی۔ اِس لغت کا جان لیوا کام ہے، بہت صبر آزما اور پریشان کُن۔ آپ کی مزید دُعاؤں کی ضرورت ہے۔ آٹھ دن میں چار لفظوں پر حواشی لکھے جاسکے ہیں۔ خیال یہ آیا کہ اب یہ کام نہ ہوا تو پھر کبھی نہیں ہوگا اور کوئی دوسرا ایسے ''غیر ضروری'' اور طویل المیعاد کام کو کیوں کرنے لگا۔ سارے متعلقہ نسخے اور مآخذ پہلے ہی جمع کرر کھے تھے، اب وہ کام آرہے ہیں۔ یہ میں نے ٹھیک کام کیا نا؟ کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اِس مسئلے کے۔ رسید بھیجیے۔

رشید حسن خاں

جس اردو کانفرنس کی بابت آپ نے پوچھا ہے، جی ہاں اُن دنوں میں ''لکھنا لکھانا'' شروع کرچکا تھا۔ میرا پہلا مضمون احمد ندیم قاسمی صاحب کے قطعات کے مجموعے ''رم جھم'' (شاید یہی نام تھا) پر شاعر (آگرہ) میں شائع ہوا تھا، پھر آثر لکھنوی کے ترجمۂ '' گیتا'' پر طویل تبصرہ چھپا تھا اور پھر نگار میں شبلی کی فارسی شاعری پر طویل مضمون چھپا تھا (وغیرہ)۔ یہ ۱۹۵۲ء سے پہلے کی بات ہے۔ پھر ۱۹۵۴ء میں (سنہ اچھی طرح یاد نہیں) فیض کے مجموعے دستِ صبا پر اور ۱۹۵۵ء میں مجروح کے مجموعے غزل پر طویل تبصرے شائع ہوئے (وغیرہ)۔ پھر اردو ادب میں طویل تحریر اغلاط اللغات شائع ہوئی تھی۔ کانفرنس میں میں نے کوئی مقالہ نہیں پڑھا تھا۔ اور ہاں! میں نے نمایندگی کی تھی، شاہ جہان پور کی شاخِ انجمن ترقی اردو کی، جو دو سال پہلے ہی شاہ جہان پور میں قائم ہوئی تھی۔ ہاں یہ درست ہے کہ اُن دنوں پڑھنے لکھنے سے کچھ زیادہ شوق ہاکی کھیلنے کا تھا۔ یہ شوق ۱۹۵۲ء سے دامن گیر ہوا تھا۔ ٹریڈ یونین کے ہنگامے ختم ہو چکے تھے ۴۸ء ہی میں۔ ۱۹۵۲ء میں اسلامیہ ہائی اسکول میں ملازم ہو گیا تھا اردو پرشین ٹیچر کے طور پر۔ مولانا عرشی مرحوم سے پہلی بار ملاقات اِسی کانفرنس میں ہوئی تھی۔ مجھے مولانا کا یہ جملہ آج تک یاد ہے کہ ارے بھائی! داڑھی کہاں رکھ آئے؟ وہ مجھے میری تحریروں سے عمر رسیدہ مولوی سمجھتے تھے، میں نکلا کچھ اور۔ وہ بھی کیا دن تھے!!

(۳۷)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور

۸؍جون ۲۰۰۵ء [۳۷]

مُحبِّ مکرّم!

آپ کے دو لفافے ملے، شکر گزار ہوں۔ ایک خط خلیق انجم صاحب کو بھیج دیا گیا، اگرچہ ہونا کچھ نہیں۔ اُن کا فون کل آیا تھا، وہ کہتے ہیں کہ یہاں کوئی خط نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ میں خط سنبھال کر نہیں رکھتا، بل کہ یوں کہوں کہ رکھتا ہی نہیں، یہ اس کا نتیجہ ہے۔

معین الرّحمان صاحب سے متعلق تحریریں پڑھیں، افسوس ہوا اُن کے حال پر۔ معلوم نہیں اُنھیں کیا ہوا ہے! ہاں صاحب! جس کتاب کا آپ نے حوالہ دیا ہے کہ معین صاحب سے متعلق کسی صاحب نے اِسی سلسلے میں مرتّب کی ہے اور آپ کو بھی بھیجی ہے، وہ آج کے دن تک تو یہاں نہیں پہنچی، شاید دو چار دن میں آجائے۔ رات عبدالوہاب خاں صاحب کا فون آیا تھا، اُنھوں نے بھی اِس کتاب کا ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ مجھے تو مل گئی۔ خیر، مجھے بھی مل ہی جائے گی۔ ڈاک میں تاخیر تو ہو ہی جاتی ہے۔

لیکن حضورِ والا! آپ نے اپنے مجموعۂ مضامین کا کئی مہینے پہلے ذکر کیا تھا کہ چھپ گیا ہے یا چھپ رہ ہے، اقبال سے متعلق؛ اُس کا کیا ہوا؟ میری آنکھیں اُسے دیکھنے کی متمنّی ہیں۔ اگر چھپ چکا ہوا تو سب کام (اچھا یا بُرا جو بھی ہو) چھوڑ کر اُسے بھیجیے رجسٹری سے۔ اب اِس میں تاخیر نہیں ہونا چاہیے۔

الفاظِ غالب سے متعلق کتاب (گنجینۂ معنی کا طلسم) کی کمپوزنگ ایک صاحب دہلی میں کررہے ہیں، اب تک صرف ۱۰۹ صفحے ہو پائے ہیں، معلوم نہیں میری زندگی میں مکمّل ہوگی بھی؟ ہاں، آپ کو اطمینان ہوگا کہ غرائب اللّغات کے مسوّدے کے ۳۹ صفحے کل تک مکمّل ہوگئے۔ ابھی الف کے الفاظ زیرِ بحث ہیں۔ چاہتا ہوں کہ چھے مہینے میں یہ کتاب مکمّل ہوجائے۔ آپ دُعا کرتے ہی نہیں، آپ تو معین صاحب کو دعائیں دیتے رہتے ہیں۔ دعا کیجیے تو شاید جلدتر مکمّل ہوجائے اگرچہ تحقیق کے لحاظ سے: جلدی کام ہے شیطان کا —— خدا اس سے محفوظ رکھے۔ الحمرا میں جو قلم کاری ہورہی ہے تو خیال آیا کہ ایسے زرّیں موقعے پر فراقی صاحب کو تو یہیں ہونا چاہیے تھا۔ ہاں الحمرا کے نام پر یاد آیا کہ غالباً ۵۰ء کے بعد اور ۵۵ء سے پہلے حامد علی خاں مرحوم کے زمانے میں اثر لکھنوی مرحوم سے دو سال تک اس رسالے کے صفحات پر گفتگو ہوتی رہی تھی بعض الفاظ کے سلسلے میں۔ میرا طویل

مضمون: ''لغت اور استعمالِ عام'' اُسی بحث کے مختلف اجزا کی ترتیبِ نو پر مشتمل ہے، یہ مضمون میری کتاب زبان اور قواعد میں شامل ہے، جس کا دو تین سال پہلے تیسرا اڈیشن آیا ہے۔ اِس سے سال بھر پہلے اردو املا کا دوسرا اڈیشن آیا تھا۔ املا پر آپ کا عمدہ اور بہ قیمت بہتر مضمون پڑھ چکا تھا، بہت پسند آیا تھا اور بہت جی خوش ہوا تھا۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ یہ آپ نے بہت ضروری اور بہت مفید کام کیا اور بہتر انداز سے۔ ہاں صاحب! میرے پاس اخبارِ اردو برابر آتا تھا، اب کئی سال سے نہیں آتا۔ اُس سے بہت سی باتیں معلوم ہوجایا کرتی تھیں۔ معلوم نہیں اب اُس کے اڈیٹر کون صاحب ہیں؟ کیا کسی سفارش سے کام چل سکتا ہے کہ رسالہ ملتا رہے۔ میں اسلام آباد میں کسی کو جانتا نہیں، اور یہ بھی ہے کہ مجھ جیسے ناکارہ اور ہیچ کارہ کی سُنے گا کون!

مسعود احمد برکاتی صاحب نے ایک کتاب بھیجی، کتاب میری، نام میرا رکھا ہوا نہیں۔ اردو عبارت کیسے لکھیں یعنی اردو کا لفظ بڑھا کر میری جہالت کی نہایت عمدہ مثال فراہم کردی گئی۔ تخلیقات مزنگ لاہور نے چھاپی ہے۔ اور معلوم نہیں کس نے کیا چھاپا ہے۔ اتنی بھی خوش اخلاقی نہیں کہ ایک نسخہ ہی بھیج دیں۔ بہ ہر طور، آپ نے میری کتابوں سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ بجا [کذا] و درست، میں تو پہلے ہی سارے حقوق آپ کو دے چکا، اب اُس کی تکرار کرتا ہوں اور توثیق کرتا ہوں۔ جس کتاب کو جس طرح جی چاہے چھپوایئے۔ مجھے بس ایک نسخہ چاہیے ہے، ایک سے زیادہ میں کیا کروں گا۔ ہاں آپ جو چاہیں کریں، جسے چاہیں بھیجیں۔ غرض کہ پاکستان میں آپ میری ہر کتاب کو اپنی صواب دید کے مطابق چھپوا سکتے ہیں۔

یہ آپ کیا لے کر بیٹھ گئے! میرے پُرانے مضامین کا اب کیا ہوگا؟ اُن میں سے بیش تر تو گیا ''دورِ جاہلیّت'' کی پیداوار ہیں، اب اُنھیں بھول جانا ہی بہتر ہے۔ ہاں ۶۰ء کے بعد کے کچھ مضامین ہیں جو چھپ سکتے ہیں، مگر اب طبیعت اِدھر نہیں آتی —— میرے پاس بعض مضامین نہیں، اُن میں قابلِ ذکر ہے: شبلی کی فارسی شاعری، جو نگار میں چھپا تھا غالباً ۵۵ء سے پہلے، صحیح زمانہ یاد نہیں۔ اب اُسے پھر سے لکھنا دردِ سر ہے، یوں بھی سوچا ہی نہیں؛ آپ بھی اُن کو بھول جایئے۔ اور بھی کام زمانے میں ہیں ... ایسے قابلِ ترک بعض مضامین کی نشان دہی کرتا ہوں محض آپ کی معلومات کے لیے، چھاپنے کے لیے نہیں:

(۱) اغلا[ط] اللغات: اردو ادب (علی گڑھ) مارچ ۱۹۵۸ء۔ پچاس صفحے کا مضمون ہے۔ اب دیکھتا ہوں تو ہنسی آتی ہے کہ کتنا فالتو وقت تھا میرے پاس!

(۲) گل کرسٹ کی ایک کتاب نیا دور (لکھنؤ) ستمبر ۱۹۶۴ء۔

(۳) غزلِ مجروح (مجروح کے مجموعۂ کلام غزل پر طویل تبصرہ) تحریک (دہلی): اکتوبر ۱۹۵۵ء۔

(۴) سموم وصبا پر ایک نظر (جوش کے مجموعۂ کلام کا جائزہ) نگار (لکھنؤ) ستمبر ۵۴ء۔

(۵) نغمۂ جاوید پر ایک نظر (آثر لکھنوی کے ترجمۂ ''گیتا'' کا طویل جائزۂ اغلاط) شاعر بمبئی، اپریل ۱۹۵۳ء۔

(۶) ذوق وجنوں پر ایک نظر (آلِ احمد سرورؔ کے مجموعۂ کلام کا مفصل جائزہ، جسے سرور صاحب نے آخر تک معاف نہیں کیا) نیا دور لکھنؤ، جولائی ۱۹۵۷ء۔

(۷) دیوانِ کامل وشاداں (جنھیں غالب نے پالا پوسا تھا۔ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ اُن کے مخطوطۂ دیوان کی سرسری تدوین) نگار (رام پور) مارچ ۱۹۶۳ء۔

(۸) ثانوی اداروں میں اردو کا نصاب : ہماری زبان (علی گڑھ) ۲۴ر مئی ۱۹۶۰ء۔

(۹) جذباتِ نادر پر ایک نظر: ممتاز حسن صاحب کے مرتبہ نسخۂ جذباتِ نادر کا طویل جائزہ۔ اِس میں نادر کاکوروی کی ایسی سترہ (۱۷) نظمیں مختلف رسائل سے نقل کر کے شامل کی گئی تھیں جو اِس مجموعے میں بھی شامل نہیں اور اب اُن سے کم سے کم لوگ واقف ہوں گے۔ سُنا گیا تھا کہ ممتاز صاحب بہت ناراض رہے۔ خیر، میں اپنے رائے میں ایک اچّھا کام کیا تھا۔ نگار (رام پور) مئی ۱۹۶۳ء۔

(۱۰) تاریخِ لطیف: مہدی علی خاں کتاب دارِ رضا لائبریری رام پور کے تاریخی قطعات کے غیر مطبوعہ مجموعے کا تعارف اور مکمل متن۔ ''دہلی کالج میگزین'' ۱۹۶۴ء۔

(۱۱) ''اردو کی ادبی تاریخ'': عبدالقادر سروری ۔ تحریک دہلی، ۱۹۶۰ء۔

(۱۲) فاعتبروا: ڈاکٹر پروفیسر رفیق حسین (صدرِ شعبۂ اردو الہ آباد یونی ورسٹی) کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا جائزہ۔ تحریک دہلی غالباً ۱۹۵۹ء۔

۵۰ء سے پہلے کے بھی ایک یا دو مضمون تھے، مگر اب اُن کا وجود نہ میرے ذہن میں ہے اور نہ کاغذ پر۔ معلوم نہیں کیا ہوئے۔ ہاں اتنا یاد ہے (مبہم سا) کہ احمد ندیم قاسمی کے

مجموعۂ قطعات ''رم جھم'' پر ایک تبصرہ تھا۔ ۶۰ء کے بعد کے تو بہت سے مضمون ہیں جو میرے پاس ہیں، مگر وہی بات کہ اب میرے لیے وہ حرفِ فراموش ہیں۔ آپ بھی بھول جائیے۔ مثلاً ایک تحریر تھی ''اردو دانش وری اِس دہائی میں''۔ خدا بخش لائبریری کے ایک سمینار میں پڑھی تھی (وغیرہ)۔ اب اِن سب کو عہدِ گذشتہ کے نشانِ بیکار سمجھ کر ڈال دیا ہے۔ آپ کے خط کا جواب لکھنا من جملۂ واجبات تھا، یوں انھیں دیکھا گیا برسوں کے بعد۔

میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کے سبھی استفسارات کا جواب لکھ دیا۔ اور آخر میں وہی پُرانی بات کہ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

محض بہ طورِ نمونہ ایسی دو تین فضول تحریریں اِس لفافے میں ملفوف ہیں۔ یہ اِس لیے بھیج رہا ہوں کہ آپ انھیں پڑھ کر خود اندازہ کرلیں کہ اب یہ کس قدر ''از وقت رفتہ'' ہو چکی ہیں۔ کہیے پڑھ کر وقت ضائع کرنے پر غصہ آیا؟

(۳۸)

بنام: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور

۲رفروری ۲۰۰۶ء [۳۸]

پیر و مرشد!

آپ سے شرمندہ ہوں کہ خط کا جواب بروقت نہیں لکھ سکا، وجہ وہی صحت کا تولہ ماشہ ہونا۔ بہ ہر طور اِس تاخیر کے لیے معذرت طلب ہوں۔ اِس خط کو دیکھ لیجیے، ترمیم و تنسیخ کا حق سوفی صدی آپ کو دیا جاتا ہے، اِس حق کو آپ بلا تکلّف استعمال کر سکتے ہیں۔

آپ کا پیکٹ ملا تھا، پھر ایک لفافہ پرسوں ملا۔ شکر گزار ہوں۔ غالبؔ والا کام بس ہو ہی رہا ہے، معلوم نہیں کب کمپوزنگ مکمل ہوگی، زلفِ یار والی بات ہو کر رہ گئی ہے، جس کی نہ طوالت کم ہوتی ہے نہ پیچ و خم کم ہوتے ہیں۔ آپ دُعا تو کرتے نہیں، کام بنے تو کیسے۔

ہاں صاحب! آپ بہ طورِ خود دیکھ لیجیے گا اِس خط کی تصحیح کو۔ کاتب صاحب زیادہ ناروا سلوک روا نہ رکھنے پائیں ورنہ... گناہ لازم والی بات ہو جائے گی۔

ارے صاحب! آپ کی فرمایش پر میں نے اپنے پچھلے چھ مضمون بھیجے تھے آپ کو، یہ

پُرانی بات ہوگئی۔ اُس کی رسید بھی نہیں ملی۔ کیا وہ پیکٹ آپ تک نہیں پہنچا تھا؟ اُن سب مضامین کو (اور ایسے کچھ اور مضامین کو) میں مرحوم فرض کر چکا ہوں، ''ایّامِ جاہلیت'' کی یادگاریں ہیں، معلوم نہیں آپ اُن فضولیات کا کریں گے کیا۔ میں تو آپ کے پاس بھیج کر خوش ہوں کہ میرے بستے میں فالتو بوجھ کم ہوا۔

توقع کرتا ہوں کہ اب آپ پوری طرح بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ خط مرقومہ ۴ر دسمبر ۱۹۹۲ء دہلی یونی ورسٹی کے گائڈ ہال، ٹی۔سی۔ ۹ کمرے سے لکھا گیا ہے۔ اِس میں اقبال اکادمی پاکستان نے جو اقبال کے کلیاتِ اردو اور فارسی شائع کیے ہیں اُن کی اغلاط پر تبصرہ کیا ہے۔ رشید حسن خاں صاحب نے نشان دہی کی ہے کہ فارسی کلیات کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی ہے۔ اِن کے خط سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان کی اقبال اکادمی کے کلام کا صحیح اڈیشن شائع کرے گا۔ اِس خط میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ اقبال کے کلام کا کوئی بھی اڈیشن آج تک جدید تدوینی اصولوں کے مطابق صحتِ متن اور معیار کے مطابق شائع نہیں ہوا ہے۔

۲۔ خط مرقومہ ۱۱ر مئی ۱۹۹۳ء بھی دہلی یونی ورسٹی کے پتے پر سے لکھا گیا ہے۔ اِس خط میں خاں صاحب نے اپنے ایک مضمون بہ عنوان ''کلامِ اقبال کی تدوینِ جدید کی ضرورت'' اقبال سمینار میں پڑھا جو دہلی میں انجمن ترقّیِ اردو (ہند) میں اپریل ۱۹۹۳ء کے آخری ہفتے میں منعقد ہوا تھا۔ ساتھ ہی اپنی چار سالہ پوتی سے متعلق تحریر ہے کہ اِسے کینسر ہے۔

۳۔ یہ خط بھی دہلی سے پروفیسر رفیع الدّین ہاشمی کے نام لکھا گیا ہے۔ کلیاتِ اقبال (اردو) اُنھیں موصول ہوا، مگر اِسے دیکھ کر خاں صاحب خوش نہیں ہوئے، کیوں کہ یہ غلط ڈھنگ سے چھپا ہے، صرف تجارتی اغراض کے لیے۔ متن معیاری نہیں ہے۔

۴۔ اِس خط میں خاں صاحب نے ہاشمی صاحب کو لکھا ہے کہ نذیر احمد کی کہانی اور دہلی کا آخری یادگار مشاعرہ اگر وہاں کا کوئی پبلشر چھاپنا چاہتا ہے تو اُسے آپ کی اجازت لینا ہوگی جو لازمی شرط ہے۔ خاں صاحب گلزارِ نسیم کو مرتّب کرنے میں معروف ہیں۔ وہ ہاشمی صاحب کی فرمایش پر کلیاتِ اقبال (پاکستانی اڈیشن) پر رسالہ سیّارہ کے لیے تبصرہ

لکھنے کے لیے تیار ہیں۔

۵۔ اِس خط میں خاں صاحب نے ۳۴ سال قبل جب وہ شاہ جہان پور میں تھے، اپنی کبوتر بازی کے شوق کا ذکر کیا ہے اور کبوتروں کی ایک خاص نسل جنھیں ''ہرے'' کہتے ہیں، کا بیان ہے۔ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے گلزارِ نسیم اور کلیاتِ اقبال پر تبصرے والے مضمون کا کام رُکا ہوا ہے۔ اِس خط کے آخر میں اپنے دورۂ دل کا بھی ذکر کیا ہے۔

۶۔ اِس خط میں گلزارِ نسیم اور کلیاتِ اقبال والے مضمون کے مکمّل نہ ہونے، ساتھ ہی ہاشمی صاحب کو نذیر احمد کی کہانی، دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ اور توبۃ النصوح مرتبہ مالک رام کا پارسل بھیجنے کا حوالہ ہے۔

۷۔ خاں صاحب نے ہاشمی صاحب کو لکھا ہے کہ صابر کلوروی صاحب نے پہلے دو کتابچے چھاپے یا نہیں۔ انشا اور تلفظ اور عبارت کیسے لکھیں، انھیں اربابِ نقوش (لاہور) چھاپیں گے۔ مثنوی گلزارِ نسیم مکمّل ہوگئی ہے اور کمپوزنگ ہو رہی ہے۔

۸۔ اگست ۱۹۹۴ء تک صابر کلوروی صاحب نے خاں صاحب کے دو کتابچے شائع نہیں کیے جس کا اُنھوں نے وعدہ کیا تھا۔

۹۔ خاں صاحب کو ہاشمی صاحب کا خط مرقومہ ۲۵ رنومبر ۱۹۹۵ء استامبول سے بھیجا ہوا ملا جس میں اورینٹل کالج لاہور کے سمینار کی التوا کی اطلاع درج تھی۔ خاں صاحب نے نئے دعوت نامے اور ویزا اسے متعلّق لکھا ہے۔ اُنھوں نے ہاشمی صاحب کو یہ بھی اطلاع دی کہ مثنوی گلزارِ نسیم چھپ گئی ہے اور میں جنوری ۱۹۹۶ء کے آخر تک دہلی میں رہوں گا، اُس کے بعد مستقلاً شاہ جہان پور منتقل ہو جاؤں گا۔

۱۰۔ کلیاتِ اقبال، سیّارہ کا اقبال نمبر اور نقوش کا خاص نمبر خاں صاحب کو نہ ملنے کی اطلاع ہے۔ ساتھ ہی خاں صاحب نے یہ اطلاع دی ہے کہ مثنویاتِ شوق ابھی نہیں چھپی ہے اور اب سحر البیان کی تدوین کا کام شروع کر دیا ہے۔

۱۱۔ لاہور سے کسی کتاب یا رسالے کے نہ آنے کا ذکر ہے۔

۱۲۔ اِس خط میں سحر البیان کے قدیم خطّی نسخے جمع کرنے کا حوالہ ہے۔

۱۳۔ خط مرقومہ ۲ راپریل ۱۹۹۷ء کے ذریعے ہاشمی صاحب کو اطلاع دی ہے کہ سیّارہ کے دو شمارے ملے۔ بہ غرضِ علاج ڈیڑھ ماہ بمبئی میں رہ کر آیا ہوں۔ کینسر کا شبہ غلط نکلا TB ہے۔ چھے ماہ اِس کا علاج چلے گا۔ سحر البیان کے نسخے جمع ہو رہے ہیں۔

۱۴۔ دسمبر میں نیاز کلچر کے سلسلے میں کراچی جانے کا دعوت نامہ فرمان صاحب کا موصول ہوا ہے۔ اب ملاقات کے لیے آپ کو (ہاشمی صاحب) کراچی آنا ہوگا۔

۱۵ ۱۰ تا ۱۲ر جون ۱۹۹۷ء میں دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے زیرِ اہتمام سہ روزہ اقبال انٹرنیشنل سمینار منعقد ہوا تھا۔ ڈاکٹر تحسین فراقی، پروفیسر ایوب صابر اور پروفیسر رفیع الدین ہاشمی اِس میں شریک ہوئے، مگر رشید حسن خاں خرابیِ صحت کی وجہ سے اِس سمینار میں حصّہ نہیں لے سکے اور اِن حضرات سے ملاقات نہیں ہو سکی جس کا اُنھیں بڑا افسوس ہوا۔ خاں صاحب نے ہاشمی صاحب کو کلیاتِ اقبال کو جدید تدوینی اصولوں کے مطابق مرتّب کرنے کا مشورہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ آپ اِس کام کو چھے سات سالوں میں مکمّل کر لیں گے اور کوئی اِس کام کو نہیں کرے گا۔

۱۶ سحرالبیان کا نصف سے زیادہ حصّہ مکمّل ہونے کی اطّلاع ہاشمی صاحب کو دی ہے۔ ساتھ ہی اُنھیں یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ اگر آپ کلّیاتِ اقبال مکمّل مرتّب کرنا نہیں چاہتے تو اِس کا کوئی ایک حصّہ مرتّب کر دیجیے تا کہ آیندہ آنے والوں کے لیے ایک نمونہ تو سامنے رہے۔

۱۷ خط مرقومہ ۱۱ر مئی ۱۹۹۸ء کے ذریعے خاں صاحب نے ہاشمی صاحب کو یہ مژدہ سنایا ہے کہ اُتّر پردیش اردو اکادمی اور مغربی بنگال اردو اکادمی نے دو انعاموں بالترتیب ''مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ'' ایک لاکھ گیارہ ہزار اور کل ہند ''پرویز شاہدی انعام'' دس ہزار سے ... ہے۔

۱۸ پروفیسر رفیع الدّین ہاشمی کو مطلع کیا گیا ہے کہ پانچ جلدیں مثنویاتِ شوق کی آپ کے لیے، فراقی صاحب، معین الرّحمان صاحب، منصورہ احمد صاحبہ اور ڈاکٹر وزیر آغا کے لیے بھیجی جا رہی ہیں۔ سحرالبیان کی کتابت ہو رہی ہے اور مضامین کا مجموعہ تدوین، تحقیق، روایت چار پانچ ماہ میں چھپ جائے گا۔

۱۹ اِس خط میں مثنویاتِ شوق کی پانچ جلدوں کی پہنچنے کی رسید طلب کی گئی ہے۔ دو ماہ گزر چکے ہیں کوئی اطّلاع نہیں۔

۲۰ خط مرقومہ ۷ر فروری ۲۰۰۰ء میں خاں صاحب لکھتے ہیں کہ یہ خبر سُن کر جی خوش ہوا کہ کتاب رامسیانا وہاں موجود ہے۔ ساتھ ہی یہ اطّلاع بھی دی کہ ایک دوست نے دہلی سے خبر دی ہے کہ یہ کتاب یہاں موجود ہے۔ اب اِس کے لیے آپ کو زحمت نہیں دی جائے گی۔ اِسی خط میں خاں صاحب نے مذکورہ کتاب کے نام کا املا دو طرح سے کیا ہے: رامسیانا اور رَمسیانا۔

۲۱ خاں صاحب نے اطّلاع دی ہے کہ رمسیانا کا عکس دہلی سے آنے والا ہے۔ سحرالبیان پندرہ دن کے اندر چھپنے کے لیے چلی جائے گی۔ املاے غالب جون میں چھپے گی۔ سحرالبیان کو کراچی سے مشفق خواجہ چھاپیں گے۔

۲۲ انجمن ترقّیِ اردو (ہند) نے سحرالبیان کا نسخہ ہاشمی صاحب کے لیے بھیجا ہے، اِس کی رسید

طلب کی ہے۔

۲۳۔ سحر البیان کی رسید طلب کی گئی ہے۔ ایک مضمون خاں صاحب نے ہاشمی صاحب کو بھیجا ہے۔ مشفق خواجہ کی اطلاع کے مطابق املاے غالب چھپنے والی ہے۔

۲۴۔ خاں صاحب نے اِس خط میں ہاشمی صاحب کو لکھا ہے کہ دہلی کے ایک مجلے اردو ادب میں مسلسل مرزا غالب کے فارسی اشعار کا ترجمہ شائع ہوتا ہے۔ ترجمہ نگار دہلی کالج کے سینئر فارسی کے استاد ہیں، مگر ترجمہ اِس طرح غلط شائع ہوتا ہے کہ اِس کی کوئی اور مثال نہیں۔ خاں صاحب نے چند مثالیں پیش کی ہیں۔

۲۵۔ سحر البیان اور ایک مضمون کے پہنچنے کی رسید طلب کی ہے۔ فراقی صاحب کے خط کی بھی رسید نہیں ملی۔

۲۶۔ ہاشمی صاحب کی اطلاع کے مطابق بھیجا گیا مضمون شاملِ کتاب کے قابل نہیں ہے۔ خاں صاحب نے اِسے واپس طلب کیا ہے حذف و اضافے کے لیے، کیوں کہ اِس کی نقل خاں صاحب کے پاس نہیں ہے۔ خاں صاحب نے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ حیدر آباد سے ایک شخص نے اقبال کے شکوے کا عربی ترجمہ کیا ہے وہ اُن کے پاس محفوظ ہے۔ وہاں (یعنی پاکستان میں) اگر اِسے شائع کیا جاسکتا ہے تو یہ مضمون حوالۂ ڈاک کر دیا جائے۔

۲۷۔ خاں صاحب نے اپنی ایک تحریر ہاشمی صاحب کی فرمایش کے مطابق شیرانی کے لیے بھیجی تھی اب تک اُس کی رسید نہیں پہنچی۔

۲۸۔ خاں صاحب کی صحت زیادہ خراب رہتی ہے۔ ڈاکٹروں نے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی ہے۔ چلنے سے قلب کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ پیس میکر تجویز کیا ہے مگر عمر کا تقاضا ہے۔ کلاسکی ادب کی فرہنگ اور مصطلحاتِ ٹھگی کی ایک ایک جلد ہاشمی صاحب کے لیے روانہ کی ہے۔ رسید نہیں ملی۔ کلیاتِ جعفر زٹلی کمپوزنگ کے مرحلے میں ہے۔ لفظیاتِ غالب کی ترتیب ہو رہی ہے۔

۲۹۔ مہینا بھر قبل مذکورہ کتابیں لاہور بھیجی گئی تھیں وہ ہاشمی صاحب کو نہیں ملیں۔ دوبارہ بھیجی جارہی ہیں۔ کلیاتِ جعفر زٹلی کی کمپوزنگ مکمل ہوگئی جلد چھپ جائے گی۔

۳۰۔ خاں صاحب نے اپنی مختلف امراض کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ لاہور کے بازار انارکلی کے کسی پبلشر کے بغیر اجازت کے اردو املا چھاپ لی ہے۔ کلیاتِ جعفر زٹلی کی اغلاط کی بھی نشان دہی کی ہے۔ ہاشمی صاحب سے یہ شکایت کی ہے کہ آپ سیدھا خط بہ ذریعۂ ڈاک کیوں نہیں بھیجتے، دوسروں کو پکڑوا دیتے ہیں جو ہندستان آ کر حوالۂ ڈاک کرتے ہیں۔ راقم کے نام بھی بعض خط ہاشمی صاحب نے اسی طرح بھیجے ہیں جو منزلِ مقصود پر مقررہ وقت

پر نہیں پہنچتے یا گم ہو جاتے ہیں۔

۳۱۔ ہاشمی صاحب کو لکھا ہے کہ عبارت کیسے لکھیں اور انشا اور تلفظ اگر وہاں کوئی پبلشر چھاپنا چاہتا ہے تو میں اِس کی رائلٹی نہیں لوں گا یہ بچّوں کے لیے ہیں۔ ہاشمی صاحب کو یہ بھی لکھا ہے کہ میں اگست ۱۹۴۹ء میں نہیں اگست ۱۹۵۹ء میں دہلی یونی ورسٹی میں آیا تھا۔ خط کے آخر میں خاں صاحب نے اپنی فقیرانہ زندگی کا احوال درج کیا ہے جو نہایت متاثر کُن ہے۔ یہ خط ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی، ۲۸-ڈی، منصورہ، لاہور، پاکستان کے پتے پر بھیجا گیا۔ یہ ایروگرام لیٹر ہے جس کی قیمت ۸؍روپے ۵۰ پیسے ہے۔ خاں صاحب کا پتا یوں درج ہے: رشید حسن خاں، ۲۲- بارُوزئی-II، شاہ جہان پور - ۲۴۲۰۰۱ (یوپی) انڈیا۔ خط پر تین مہریں ڈاک خانوں کی ثبت ہیں۔ عکسی شیشے سے پڑھی جانے مہر شاہ جہان پور کی ۲۷؍مئی ۲۰۰۴ء اور لاہور کی ۱۸؍مئی ۲۰۰۴ء کی ہیں۔ یہ خط خاں صاحب نے ۱۷؍مئی ۲۰۰۴ء کو لکھا تھا۔

۳۲۔ بازیافت اور کسی کے مقالہ ملنے کا شکریہ ادا کیا ہے۔ لفظیاتِ غالب والا کام آخری مرحلے میں ہے۔ اسی طرز پر لفظیاتِ اقبال پر کام کرنا چاہتے ہیں خاں صاحب، اگر پاکستان میں ایسا کام نہیں ہوا ہے۔ مقالے کا نام اردو تنقید کا عمرانی دبستان ہے۔

۳۳۔ ہاشمی صاحب کو اطّلاع دی ہے کہ لفظیاتِ غالب کا کام ختم ہو چکا ہے اب اِس پر نظرِ ثانی کا کام شروع ہوگا جس میں کافی وقت لگے گا، کیوں کہ یہ کام خود ہی کرنا ہے۔

۳۴۔ ہاشمی صاحب کی خرابیِ صحت کا سُن کر خاں صاحب کو افسوس ہوا۔ خاں صاحب لفظیاتِ اقبال پر کام کرنا چاہتے ہیں مگر غالب اور اقبال میں بڑا فرق یہ ہے کہ غالب غزل کے شاعر ہیں جب کہ اقبال نظم کے۔ خاں صاحب نے لفظیاتِ اقبال کا ایک خاکہ مع چند مثالوں کے ہاشمی صاحب کو روانہ کیا ہے اور اِس طریقۂ کار سے متعلّق اُن کی رائے طلب کی ہے۔

۳۵۔ ہاشمی صاحب کی خرابیِ صحت، اپنی نقاہت، غالب والے کام کے نامکمّل ہونے اور بازیافت میں شائع شدہ ہاشمی صاحب کے عکسی تحریر کے ملنے کا ذکر ہے۔

۳۶۔ پروفیسر رفیع الدّن ہاشمی نے رشید حسن خاں صاحب سے مشفق خواجہ مرحوم کے خطوط طلب کیے۔ خاں صاحب اُنھیں خلیق انجم صاحب کی فرمایش پر انجمن ترقّیِ اردو (ہند) میں جمع کروا چکے تھے، بہت سے تلف ہو چکے تھے۔ صرف ایک خط ملا وہ اُنھوں نے ہاشمی صاحب کو بھیج دیا۔ العصر ادبی رسالہ لاہور کے شمارہ مارچ ۲۰۰۵ء میں ڈاکٹر سیّد معین الرّحمٰن کی تحریر شائع ہوئی جو مرحوم مشفق خواجہ سے متعلّق تھی۔ اُس میں کچھ جملے ایسے تھے جنھیں پڑھ کر خاں صاحب کو بہت دُکھ ہوا۔ یہ جملے خواجہ مرحوم کی شان کے خلاف تھے۔ لاہور

کے ادبی حلقوں میں اِس تحریر کے خلاف جو ردِ عمل ہوا خاں صاحب نے اُس کی روداد ہاشمی صاحب سے طلب کی ہے۔
کسی پُرانی اردو کانفرنس سے متعلق ہاشمی صاحب نے دریافت کیا ہے اور خاں صاحب کے پُرانے مضامین (ابتدائی دور کے) طلب کیے ہیں۔ خاں صاحب نے ۱۹۶۰ء سے قبل کے کچھ مضامین کے نام اور جن رسائل میں وہ شائع ہوئے تھے، کی نشان دہی کی ہے۔ کچھ مضامین سے متعلق اُنھیں کچھ یاد بھی نہیں۔
خط کے آخر میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ ۱۹۵۲ء کے بعد مجھے ہاکی کھیلنے کا شوق ہوگیا تھا۔ اب بھی جب کہ خاں صاحب عمر کے آخری مرحلے میں تھے نیشنل یا انٹرنیشنل ٹورنامنٹ شروع ہوتے ہاکی اور فٹ بال کے تو خاں صاحب ٹی. وی پر رات کے وقت یا دن کو یہ میچ ضرور دیکھتے اور اپنا لکھنا پڑھنا ترک کردیتے۔

۳۷ اس خط میں خاں صاحب نے گنجینۂ معنی کا طلسم کے ۱۰۹ صفحات کی کمپوزنگ، غرائب اللّغات کے ۳۹ صفحات کے مکمّل ہونے اور اپنے قریب چودہ ابتدائی دور کے مضامین کی نشان دہی کی ہے ہاشمی صاحب کی فرمائش پر۔

۳۸ خاں صاحب نے اپنے ابتدائی دور کے پانچ چھے مضامین پروفیسر رفیع الدّین ہاشمی (لاہور والے) کو بھیجے تھے اُن کی فرمائش پر۔ اُنھوں نے قریب دس مضامین اور جمع کیے تھے، اُنھیں مرتّب کرنے کا ذمہ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کو سونپا تھا۔ یہ فروری ۲۰۰۶ء کی بات ہے۔ معلوم نہیں اُن مضامین کا کیا ہوا۔ ۲۶ رفروری ۲۰۰۶ء کو خاں صاحب کا انتقال ہوگیا تھا، خدا اُنھیں جنّت نصیب کرے۔

○○○

بنام: رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر

(۱)

F/4, Jubilee Hall
Mall Road, Delhi-7
۲۶/اکتوبر۱۹۷۰ء[۱]

مولانا!

حسبِ معمول مدت کے بعد خط لکھ رہا ہوں، انفعال کا اظہار کیا کروں، اس کی بھی آخر ایک حد ہوا کرتی ہے۔ دعا کیجیے کہ مجھے توفیق دے اور آپ کو مزید تابِ تحمل عطا فرمائے، لیکن پھر سوچتا ہوں کہ جو خدا اربابِ ندوہ کو توفیق نہ بخش سکا، وہ اور کسی کو کیا دے گا۔

مولانا شبلی یاد آتے ہیں۔ اربابِ ندوہ نے ان کے خلاف بھی فتوائے کفر جاری کیا تھا۔ جرم اُن کا بھی یہی تھا کہ عقل کی باتیں کیا کرتے تھے اور جامد تقلید اور روایتی کسالت سے نکالنا چاہتے تھے۔ یہ قومی المیہ ہے۔ مسلمان نے زمانے کی طرف سے آنکھیں پھیر لی ہیں اور روایت کا پردہ آنکھوں پر ڈال لیا ہے۔ اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت: ختم اللہ علیٰ قلوبهم و علیٰ سمعهم و علیٰ ابصارهم غشاوة ، شاید اربابِ ندوہ ہی کے لیے اتری ہوگی۔ اب کوئی ان کی مدد نہیں کرسکتا۔

آپ کی طرف سے تشویش ہے۔ آپ کے مضطرب ذہن اور تشکک مزاجی کو اب کہاں منزل ملے گی؟ حیران ہوں۔ یہ کیسے لکھوں کہ خدا آپ کی مدد کرے۔ وہ تو اربابِ ندوہ کی مدد کرے گا۔ آج تک یہی ہوا ہے۔ اِس قوم سے زیادہ مجرم کوئی طبقہ نہیں ہوگا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اب حالات کیا ہیں۔ اور آپ کس عالم میں ہیں۔ آپ براہِ کرم مجھے فوراً خط لکھیے، میں شاید ۲۹/اکتوبر کو ۸ دن کے لیے شاہ جہان پور جاؤں گا۔

چشم براہ ہوں

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر
F/4, Jubilee Hall
Mall Road, Delhi-7

۲۱/اپریل ۱۹۷۱ء[۲]

عزیز مکرم!

آپ کا خط میز پر محفوظ تھا، جی چاہتا تھا کہ ایسے عالم میں آپ سے باتیں کروں جب مکروہات کا عکس ذہن و خیال پر نہ ہو، بھلا ایسا کیوں کر ہو سکتا تھا۔ نتیجتاً پھر تاخیر ہوئی۔ اور یہ اتنی بار ہو چکی ہے کہ اب یہ نہ آپ کے لیے کوئی نئی بات ہے نہ میرے لیے۔ آپ کی وضع داری اور محبت کا معترف ہوں، ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو اس قدر صبر آزما تاخیر کے بعد بھی چیں بر جبیں نہ ہوں۔

اللہ جانے ہمارے اور آپ کے ندوے کا حال اب کیا ہے۔ خدا کرے ٹھیک ہی ہو، لیکن برادر! یہ وہی ندوہ ہے جس کے اربابِ کار نے مولانا شبلی پر کفر کا فتوا تراشنے والوں کو مدد دی تھی۔ اب بھی ایسے ہی لوگ ہوں گے۔

آپ نے پوسٹ کارڈ میں فارسی کے دو شعر لکھے ہیں۔ جی خوش ہوا، لیکن میری آنکھیں تو اردو کے اشعار کو ڈھونڈتی ہیں۔ آخر وہ کہاں ہیں؟ توقع ہے کہ اس خط کے جواب میں ان سے ضرور آنکھیں روشن ہوں گی۔ اس دعا کے ساتھ خط کو ختم کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں اور رہیں۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر

اکتوبر ۱۹۷۱ء[۳]

مولانا!

اب آپ کس حال میں ہیں۔ آپ کے ایک خط سے تو مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے زہرِ عشق کی داستان پھر کہی جانے والی ہے۔ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت کامل

ہیں۔ اس کا بھی شکر یہ کہ آپ برابر یاد رکھتے ہیں اور حسبِ معمول اس کی معذرت کہ میری کوتاہ قلمی میری رفاقت ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکی ہے۔ آپ کی محبت بھی برحق اور میری وضع داری بھی مسلّم۔ مزہ جب ہے کہ آیندہ بھی دونوں میں فرق نہ آئے۔ کہیے کیا رائے ہے؟

بھائی، طبیہ کالج سے میرا کوئی رابطہ نہیں۔ اس معاملے میں میں محض پردیسی ہوں۔ دنوں سے آپ نے کوئی غزل بھی نہیں بھیجی۔ مکتوب نگاری کی فراخ دلی کے ساتھ یہ بخل میل نہیں کھاتا۔ براہِ کرم تازہ افکار سے نوازیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر

۱۶/اپریل ۱۹۷۲ء

مولانا!

قمر رئیس صاحب تاشقند میں ہیں۔ برادر آپ سے جھگڑا کیسے کروں گا۔ میں اپنے عزیزوں سے جھگڑا نہیں کرتا۔ اس کے لیے زیادہ موذی قسم کے لوگ ابھی موجود ہیں۔ البتہ آپ کو مجھ سے جو خلوص اور تعلقِ خاطر ہے، اس کے پیشِ نظر آپ سے طلبِ عفو کا طالب رہتا ہوں۔ میں جلد ہی ایک کتاب آپ کو بھیجوں گا۔ آپ اس میں میری طویل تحریر پائیں گے، اس کو کتر بیونت کے ساتھ آپ استعمال کر سکتے ہیں۔ اور یہ وعدہ ہے کہ جب بھی توفیق رفیق ہوئی، آپ کے حکم کی تعمیل فی الفور کی جائے۔ وعدہ سلامت۔

وہ رسالہ اب نہیں ملتا، زیادہ احتیاط سے کہیں رکھ دیا ہے۔ رسالوں کے انبار میں دب گیا ہے۔ ہاں اپریل کے آجکل میں میرے تین تبصرے اور ایک مضمون شامل ہے۔ ایک ہفتے کے اندر شاید شائع ہو جائے گا۔ اگر وہاں مل سکے تو اسے بھی دیکھ لیجیے گا، ورنہ میں بھیج دوں گا۔ برادر! یہ آپ کے معمے سے مجھے بہت الجھن ہے۔ اسے کسی طرح دیس نکالا دیجیے، اگر ممکن ہو۔ معلوم نہیں وہاں کے مصالح کیا ہیں اور حالات کیا ہیں۔ ایک بات، میرا ہر خط ذاتی ہوگا، آپ کبھی کسی خط کو حوالۂ اشاعت نہیں کریں گے۔ یہ تاکید ہے۔ جواب سے نوازیے۔ کوئی تازہ غزل۔ ارے بھائی، یہ آپ ہی کی غزل رسالے سے غائب تھی، آخر

کیوں؟ اس قدر احتیاط بھی خوب نہیں۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر
۲۵ رجون ۱۹۹۰ء[۵]

بھائی مولانا!

کیسے ہیں آپ، کیا گزر رہی ہے اور کیسے گزر رہی ہے۔ ندوے کے مولویوں نے اب کیا فیصلہ کیا۔ کچھ خدا کا خوف اُن کے دل میں آیا؟ اگر چہ یہ ہے بڑی بے حس قوم۔ میں اس قوم سے قطعاً مایوس ہوں۔ دیکھیے، ایران میں بھائی لوگ کیا کر رہے ہیں۔ قبر کو اکھاڑ کر، اُس پر پاخانہ بنوانا، یہ کہاں کا اسلام ہے۔ توبہ توبہ۔ سخت غبی اور کم عقل ہوتے ہیں یہ سب۔

آپ اپنی خیریت سے ضرور مطلع کیجیے۔ ساری گرمیاں یہیں گزر گئیں۔ اب کے شاہ جہان پور نہیں جاسکا۔ اب شاید جولائی میں جاسکوں لیکن یہ حالات پر منحصر ہے۔ میں بھی کچھ خوش نہیں۔ بندگی بے چارگی ہے۔

آپ کے حالات میں دل لگا ہوا ہے۔ میں مجبور، آپ لاچار، ہو تو کیا ہو۔ ہائے جامیؔ! کیا شعر کہا ہے:

یہ اور بات ہے کہ تعارف نہ ہو سکا
ہم زندگی کے ساتھ بہت دور تک گئے

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر
گائر ہال
۱۰ ستمبر ۱۹۸۷ء[۶]

بھائی مولانا!

آپ کا غم نامہ ملا، آپ پہلی بار بچّوں سے دوچار ہوئے ہیں، یوں یہ صورتِ حال ہے۔ آپ الگ رہے، وہ الگ، اِس صورت میں یہی ہونا تھا۔

مگر مجھے یہ محسوس ہوا کہ اذیّت ذہنی کی جو سزا آپ کو مل رہی ہے، وہ کچھ ایسی بے جا بھی نہیں۔ آپ کی شادی کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں اور تین بچّے ہو چکے ہیں! اور ابھی پوری عمر پڑی ہے۔ آپ نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اِس کا انجام کیا ہوگا، اگر یہی رفتار رہی ولادت کی۔ بچّوں کی تعلیم جس قدر مہنگی ہے، اُس سے تو آپ ناواقف نہیں ہوں گے۔ آپ نے تو کسی نہ کسی طرح دن گزار لیے اور گزار لیں گے، مگر آنے والا زمانہ بالکل مختلف ہوگا، اُس زمانے میں یہ بچّے کیا کریں گے؟ یہ بڑے ہو کر آپ کو ہمیشہ بُرا کہیں گے۔

اب آپ میری مان لیجیے اور آگے آیت والا معاملہ سمجھیے۔ اس تعداد میں اب اضافہ نہیں ہونا چاہیے۔

اب رہا مقالے کا معاملہ، تو مولانا! آپ جتنا وقت خط لکھنے اور پھٹکر مضامین لکھنے میں صرف کرتے ہیں (بل کہ ضائع کرتے ہیں) اُس کو اگر اِس طرف خرچ کریں تو مقالہ تیار ہو سکتا ہے، اِس لیے آپ کا عذر میرے نزدیک تو کچھ ایسا بھاری بھرکم نہیں۔ پھر مشرقی روایت یہی رہی ہے کہ سارے ایسے کام پریشان حالوں نے ہی انجام دیے ہیں۔ خوش حال لوگ تو دوسری طرح کے کام کیا کرتے ہیں۔

خدا کرے آپ نسبتاً سکھی ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر

۲۱ ر ستمبر ۱۹۸۸ء

بھائی مولانا!

مجھے آپ کے اِس خط (مرقومہ ۱۹ ر ستمبر) سے پہلے کوئی خط نہیں ملا، نہ کوئی صاحب میرے پاس آئے۔

منسلکہ اوراق دیکھ کر بے حد مسرّت ہوئی، یہ آپ کی صلاحیت کا برملا اعتراف ہے اور میں توقع کرتا ہوں کہ اِس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

مگر میرے بھائی! میں اُس مژدۂ ناگاہ کا منتظر ہوں، یعنی Ph.D کے مقالے کا۔ یہ خبر

ملے تو مجھے حقیقی معنوں میں مسرّت ہو اور آپ اِسی خبر کو دبائے بیٹھے ہیں۔ اِس طرف بھی توجہ کیجیے اور سال بھر کے لیے شکوے شکایت کو اور گلۂ دہر کو اور حکایتِ نامہربانی ہائے اہلِ زمانہ کو بھول جائیے۔

چوتھے بچّے کی مبارک باد، خدا اِسے اور اُس کی (بے چاری) ماں کو تندرست و توانا رکھے اور آپ کی مزید دراز دستیوں کے برملا اظہار سے محفوظ رکھے۔ میری رائے ہے کہ اب آپ اولادِ صلبی کے بجائے اُس فرزندِ معنوی کی تخلیق پر توجہ صرف کیجیے، جس سے مستقبل میں آپ کو مدد مل سکتی ہے۔ آپ کی صلاحیتوں کا ثبوت اب ضرورت سے کچھ زیادہ ہی فراہم ہو گیا ہے، اِس لیے اپنی بیوی کی صحت پر رحم کھا کر، اور بچّوں کے مستقبل پر ترس کھا کر، اِس سلسلے کو بند کیجیے۔ کیا آپ نے سوچنا سمجھنا بالکل چھوڑ دیا ہے اور بعض احمق مولویوں کی طرح غور کرنے لگے ہیں۔

اب میں تبھی صحیح معنی میں مسرور و مطمئن ہوں گا جب آپ یہ پھکّڑ کے فضول کام چھوڑ کر، اُس مقالے کو مکمل کریں گے۔

بہت سی دُعاؤں اور تمنّاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر
۳۰ر دسمبر ۱۹۹۳ء [۵]

بھائی مولانا!

خط ملا، کئی بار پڑھا۔ اِس بار مجھے جس قدر مُسرّت ہوئی، ویسی مُسرّت سے زندگی میں کم دوچار ہوا ہوں۔ ڈگری آپ کو ملی ہے، خوش میں ہوا ہوں، یوں کہ یہ میری بھی دلی تمنا تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ اِس طرح میری ایک بڑی آرزو پوری ہو گئی میری طرف سے ہدیۂ تبریک قبول کیجیے۔

اب دُعا کرتا ہوں کہ اس کا منطقی نتیجہ بھی جلد سامنے آجائے۔ کاش اس زمانے میں انصاری صاحب وہاں ہوتے! خیر، میں ناامید اب بھی نہیں۔ کارسازِ ما بہ فکرِ ما پر یقین رکھتا ہوں۔ اب آپ اس کو چھپوانے کی فکر کیجیے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ یو. پی اکیڈمی سے بہ آسانی

گرانٹ مل سکتی ہے۔ اِسی طرح فخرالدین کمیٹی سے۔ بس اِس کی فکر شروع کر دیجیے۔ ایک مطبوعہ کتاب ضرور ہونا چاہیے اگلی آزمایش کے لیے۔ خدا بارک کرے اور راس لائے۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر

شاہ جہان پور

۲۵/جون ۲۰۰۲ء

بھائی مولانا!

آپ کا بھیجا ہوا گراں قدر تحفہ ملا۔ منّت پذیر ہوں اور شکر گزار۔ آپ کام کرتے رہتے ہیں، یہ بڑی بات ہے اور پھر ایسے کام، جنھیں دوسرے اِس طرح نہیں کر پائیں گے۔

دو تین باتیں: حواشی میں ۱۳، ۲۲، ۳۶ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، ترجمے کے اصولوں کے تحت وہ مناسب نہیں۔ مترجم اصل بات یا خیال میں ترمیم کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ ہر شخص کی اپنی رائے ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم اُس سے متفق نہ ہوں۔ ایسے مواقع پر صحیح طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ حواشی میں وضاحت کر دی جائے۔ اصل متن میں، یا اُس کے ترجمے میں اضافے یا ترمیم کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں۔ یہ مسلّمہ اصول ہے اور اِس کی پابندی لازم ہے۔ ایسے مقامات پر ترجمہ تو اصل کے مطابق ہی کیجیے، ہاں حواشی میں اپنے اندازِ نظر کی وضاحت کر دیجیے۔

ص ۲۵۔ ''قرآن نے'' — ''قُران'' نظم ہوا ہے اور یہ نادرست نہیں، فارسی اردو میں اِس کی مثالیں بہت ملتی ہیں؛ مگر اِسے ''قرآن'' نہیں لکھا جائے گا، مد کے بغیر لکھا جائے گا۔

ص ۲۲۔ (بند ۲۸، ترجمہ) آخر کا لفظ لکھنے سے رہ گیا ہے، غالباً ''اُن سے'' ہوگا۔ ص ۲۱ کے پہلے بند میں بھی لغزشِ قلم ہے کہ ''اعظم'' کا الف چھوٹ گیا ہے۔

ص ۱۸۔ ''چاند کے رب کی قسم'' مولانا! یہ تو بات ہی بدل گئی، بل کہ بگڑ گئی۔ اصل کی مطابقت کیجیے۔

ص ۱۷: ''کاغذ پہ جیسے کوئی سطر''۔ سَطَر اچھا نہیں لگتا، خواہ جواز کی کوئی صورت نکل آئے۔

ص ۶۔ لگام، یا لگام کی رسّی پروئی نہیں جاتی، یعنی اردو والے ایسے نہیں کہتے، اِسے بدل دیجیے۔

ص ۵۔ ''میرا ہر صواب وخطا'' اردو کے روزمرہ کے لحاظ سے یہ اجنبی ہے، اِسے بدل دیجیے۔ ''سر پہ آ ہوا وارد'' وارد کے ساتھ سر کا اضافہ درست نہیں، یہ روزمرّہ کے قطعاً خلاف ہے۔ اور سر پر وارد ہونا میں تو بُرائی پہلو ہے اردو کے لحاظ سے، سر پر سوار ہونا کا مفہوم نکلتا ہے۔ جو میرے گھر، میرے یہاں وارد ہوا جیسا اندازِ بیان ہونا چاہیے۔ اچّھا تو یہ ہوگا کہ میرے یہاں آیا جیسا کوئی ٹکڑا ہو۔

میں اب پہلے سے کچھ بہتر ہوں، دعا کرتے رہیے۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر
۸؍ جون ۲۰۰۳ء [۱]

بھائی مولانا!

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے؛ ہاں میں بے عافیت ہوں۔ ڈاکٹر نے چلنے سے منع کر دیا ہے، گھر سے نکلنا منع ہے؛ ضرباتِ قلب کی رفتار اچانک بگڑ جاتی ہے۔

بہ ہر طور، یہ سب تو زندگی کے اجزا ہیں اور کسی نہ کسی شکل میں یہ تو حقِ رفاقت ادا کرتے ہی رہیں گے؛ یوں اِن کا کیا شکوہ۔ اِس وقت اصل بات یہ ہے کہ آپ سے استعانت کا طلب گار ہوں اور اِس طرح کہ اپنے خاص انداز اور مزاج سے ذرا سی دیر کے لیے بے تعلّقی اختیار کر لیجیے۔ خورشید حسن خاں میرے بڑے لڑکے ہیں، اِن کی بیٹی، یعنی میری پوتی کا داخلہ آپ کے اسکول میں ہونا ہے، جس طرح بھی ہو۔ اب یہ آپ جانیں کہ یہ کام کس طرح ہوگا۔ اِسے بہ ہر طور ہونا ہے۔ آپ کا فون نمبر میرے پاس ہے نہیں، ورنہ عالمِ خیال میں رو در رو بات ہو جاتی۔ اگر فون ہو تو زحمت گوارا کر کے میرا حال بھی پوچھ لیجیے اور اپنی بات بھی بتا دیجیے۔ بیّنوا و توجروا۔ چشم بہ راہ ہوں۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ اس خط میں اِس بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں نے موجودہ زمانے کے حالات سے آنکھیں موند لی ہیں اور روایتوں کے غلام ہو کر رہ گئے ہیں۔ مولانا شبلی مسلمانوں کی حالت سدھارنا چاہتے تھے مگر ندوے کے ارباب نے اُن کے خلاف بھی فتوائے کفر جاری کر دیا تھا۔ مقام جبلی ہال، مال روڈ، دہلی -۷۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط رئیس احمد نعمانی، 192 اصطبل چار باغ، مسجد کھیل گھر، لکھنؤ (یوپی) کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۲۔ مقام اور تاریخ دونوں اوپر درج ہیں۔ آخر میں صرف ''رشید حسن'' لکھا ہوا ہے۔ ''خاں'' کا لاحقہ ساتھ نہیں۔ اس خط میں بھی شبلی سے متعلق فتوے اور ندوے کی حالت کا ذکر ہے۔ خط کی پُشت کا عکس نہ ہونے کی وجہ سے معلوم نہیں ہوتا کس پتے پر لکھا گیا ہے۔

۳۔ مقام اوپر درج نہیں۔ صرف اکتوبر ۱۷ لکھا ہے۔ صحیح تاریخ کیا ہے معلوم نہیں۔ کس مقام پر بھیجا گیا، اُس کا بھی پتا نہیں، کیوں کہ پتے کا عکس خط کے متن کے ساتھ نہیں۔

۴۔ یہ خط ۶/ اپریل ۱۹۷۲ء کا لکھا ہوا ہے۔ مقام اوپر درج نہیں، نہ ہی اس کا لفافہ ساتھ ہے جس سے پتا چلے کہ یہ کہاں سے اور کس مقام کے لیے لکھا گیا ہے۔ خط کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ آجکل میں خاں صاحب کے تین تبصرے اور ایک مضمون شائع ہونے والا ہے۔ خط کی شروعات صرف لفظ ''مولانا'' سے ہوئی ہے۔ قمر رئیس صاحب، یعنی پروفیسر قمر رئیس جو تاشقند میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے گئے ہوئے تھے۔

۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ متن میں ندوے اور ایران کے مولویوں کے ایک سا ذہن ہونے کا ذکر ہے۔ ایران میں ان بھائی لوگوں نے قبر کو اُکھاڑ کر پاخانہ بنوادیا۔ خاں صاحب کہتے ہیں کیا یہی اسلام ہے۔ خاں صاحب نے اِن کی کم عقلی پر افسوس ظاہر کیا ہے۔

۶۔ مقام اور تاریخ خط کے اوپر درج ہے۔ نعمانی صاحب شاید اپنے بچّوں سے دور رہے ہیں۔ اب اکٹھے ہوئے ہیں اور پریشان حال ہیں۔ کم مدّت میں ان کے تین بچّے ہوگئے۔ خاں صاحب نے انھیں آیندہ کے لیے روک لگانے کی تلقین کی ہے، کیوں کہ ان کی تعلیم و تربیت آنے والے وقت میں مشکل ہو جائے گی۔ ساتھ ہی انھیں یہ بھی تاکید کی ہے کہ وہ سارے کام چھوڑ کر اپنا مقالہ مکمّل کریں۔ یہ خط کس مقام کو بھیجا گیا، خط کی پُشت کا عکس ساتھ نہیں۔

۷۔ خط کے سرنامے پر مقام درج نہیں، تاریخ نیچے لکھی ہے۔ نعمانی صاحب نے چوتھا بچّہ پیدا کرلیا۔ خاں صاحب نے بڑے خوب صورت انداز میں مبارک باد دی ہے۔ آیندہ کے لیے اس سلسلے کو بند کرنے کی صلاح دی ہے اور بیوی کی صحت کی دُعا کی ہے۔ Ph.D کے مقالے کی طرف

دھیان دینے کی ضرورت پر زور دیا ہے جس سے مستقبل سنور سکتا ہے۔ خط کی پشت کا عکس نہ ہونے سے پتا نہیں چلتا کہ کس مقام کے لیے یہ خط روانہ کیا گیا۔

۸ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے معلوم ہوا کہ رئیس احمد نعمانی صاحب کو پی ایچ.ڈی کی ڈگری تفویض ہوگئی ہے۔ خاں صاحب بہت خوش ہوئے اور مبارک باد بھیجی ہے۔ ساتھ ہی مقالے کو چھپوانے کے لیے کہا ہے۔

۹ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ خاں صاحب نے کسی تحفے کا شکریہ ادا کیا ہے۔ متن میں کسی مضمون کی چند غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔ خاں صاحب ایسے کاموں کو ہمیشہ خوبی سے انجام دیتے آئے ہیں۔

۱۰ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اس خط کے متن سے پتا چلتا ہے کہ خاں صاحب کا چلنا پھرنا اب بند ہوگیا ہے۔ مریضِ قلب ہیں۔ پوتی کو رئیس احمد نعمانی کے اسکول میں داخل کروانا چاہتے ہیں، جو شاید علی گڑھ میں ہے، انھیں تاکید کی ہے کہ داخلے کا کام ہونا ہی چاہیے۔

●●●

بنام: سلیمان احمد رباب رشیدی

(۱)

دہلی
۲۱/دسمبر ۱۹۶۰ء[1]

عزیزم!

ابھی خط ملا۔ عابد صاحب کا شکریہ کا ایک خط بھی ملا۔ اور اسی کے ساتھ حضرت نسیم شاہ جہان پوری کا عتاب نامہ بھی۔ میں نے عابد صاحب کو جانشینِ دل تو کہا ہے۔ صرف ان کے شاگردوں کی فہرست میں ان کا بھی نام لے لیا، یہ تو کوئی ایسی بات نہیں جس پر لوگ چیں برجبیں ہوں۔ نہایت معمولی بات تھی۔ مجھے خواب میں بھی خیال نہیں آسکتا تھا کہ محض اس پر عابد صاحب خوش ہوسکتے ہیں اور اشفاق صاحب ناراض، کمال ہے، اگر اتنی معمولی باتوں پر خوشی و ناراضی کا انحصار ہو تو کام کیسے چل سکتا ہے۔ پھر یہ کیوں سمجھ لیا گیا کہ یہ اوّلین و آخرین موقع ہے، اور پھر کبھی ایسا موقع نہیں آئے گا، رہا نسیم کا معاملہ تو وہ میرے نزدیک قابلِ ذکر بھی نہیں، اشفاق صاحب نے کبھی ان کی معقول حرکات کا تو جائزہ لیا نہیں، کوئی بھی شخص خواہ وہ کتنا ہی بے حس ہو، اس کی خفیف الحرکاتی اور بے ہودگیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خود اشفاق صاحب کی محفل میں میری موجودگی میں رونق صاحب کے ساتھ جو بے ہودگی اس نے کی تھی وہ کیا قابلِ ذکر نہیں تھی؟ اور پھر میں نے تو کبھی نسیم سے محاسبہ کیا نہیں، کتنی بار وہ بہ غرضِ مصالحت عابد صاحب کے پاس گئے، اور کتنی بار مصالحت ہوئی، پھر اور بہتر ہوئی، میں نے تو کبھی اس کا حساب طلب نہیں کیا۔ نہ شکایت کی اور انھوں نے مجھے میری عدمِ موجودگی میں جب کہ مجھے شاہ جہان پور کی پالی ٹکس سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا تھا۔ کس قدر برا کہا۔ میں نے کبھی اس کا بھی حساب نہیں مانگا، میرا ارادہ ہے کہ اس تقریر کو چھپوادوں گا۔ اور پھر اگلے ماہ دل صاحب اور ان کے متعلقین پر رسالہ آجکل کے لیے ایک مفصل مضمون لکھوں گا۔ یہ خط صرف تم کو لکھ رہا ہوں، دوسروں کو دکھانے کے

لیے نہیں ہے۔ تم جہاں تک ممکن ہو حالات کو سنبھالنے کی کوشش کرو، اور اپنی جگہ قائم رہو یہ سب جھک مار کر آئیں گے پرانی ہی جگہ پر۔ بعض دفعہ لہریں اتنی تیز اٹھتی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے طوفان آگیا، حالاں کہ وہ محض خیال ہوتا ہے۔ میں اشفاق صاحب کو بھی خط لکھ رہا ہوں۔ حالات کی تفصیل اور دوسری متعلق باتوں سے مفصل مطلع کرو۔ آشفتہ صاحب کو خدا ہی عقل دے تو دے، کسی اور کے بس میں تو یہ بات ہی نہیں۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: رباب رشیدی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۳۰/اپریل ۱۹۸۴ء
عزیز مکرم!

خط ملا۔ ارے بھائی! یہ محض گپ ہے کہ میں رام پور کے لیے امیدوار ہوں۔ گوشے میں قفس کے مجھے آرم بہت ہے۔ مجھ سے کہا ضرور گیا تھا، لیکن میں اِس قدر تو کم عقل ہوں نہیں۔ میرے سلسلے میں بہت سی بے سروپا باتیں اڑتی رہتی ہیں، یہ بھی اُنھیں میں سے ایک ہے اور میں ایسی خبروں کو سننے کا اب عادی ہو گیا ہوں، تم بھی سُن کر بھول جایا کرو۔

میں ایک دن کے لیے ۵/کو شاہ جہان پور جاؤں گا۔

ہاں ایک ضروری بات: تم نے میرا پچھلا خط ٹھیک سے پڑھا نہیں۔ میں لکھا [نے] تھا کہ میرا جو انٹرویو وہاں ٹی وی پر ہوا تھا، اُس کا چک ابھی تک نہیں ملا۔ اب کنٹریکٹ فارم جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُن لوگوں نے پتا غلط لکھا تھا اُس پر۔ ''صدرِ شعبۂ لسانیات'' لکھا تھا۔ لسانیات کے شعبے سے میرا کیا علاقہ؟ چک اُس شعبے میں پہنچا ہوگا اور وہاں سے واپس آگیا ہوگا [کذا] تو بھائی [کذا] اُن صاحب سے جن کا نام میں بھول گیا ہوں، کوئی نئے صاحب آئے تھے، اب بھی وہی ہوں گے۔ اُن سے کہو کہ وہ چک بھجوادیں۔ یہ فروری کے مہینے کی بات ہے، ورنہ وہ وہاں گُم ہو جائے گا۔ اور میرا پتا اُنھیں نوٹ کرادو۔ یہ کام ضرور کردو۔

نسیم صاحب کا خط آیا تھا، میں نے اُن سے کہا ہے کہ وہ نیّر مسعود صاحب سے مشورہ

کرلیا کریں۔اس طرح کام جلد ہو جائے گا، بعد میں میں بھی دیکھ لیا کروں گا۔

مولانا کا خط مرادآباد سے آیا تھا، اب وہ لکھنؤ آچکے ہوں گے۔

خط لکھو فوراً

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: رباب رشیدی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۹رفروری ۱۹۸۶ء

کیوں صاحب! یہ آپ کلیجے میں چھریاں مارتے ہیں۔ شاہ جہان پور سے خط آیا ہے کہ رباب صاحب کا مجموعہ مل گیا، اور "آپ کو تو مل ہی چکا ہوگا"۔ اب میں کیسے کہوں کہ نہیں ملا۔ بیسیوں کتابیں ملتی ہیں، مگر جس کتاب کا انتظار ہے وہی نہیں ملتی۔ میں نے خط میں لکھ دیا تھا کہ میں اِدھر وہاں نہیں آسکتا۔

میں ۲۲رفروری کو بمبئی جاؤں گا، وہاں ۲۴ر سے ۲۸ر تک بمبئی یونی ورسٹی میں پانچ توسیعی خطبات دینا ہیں (اِکسٹنشن لکچرس) Ph.D اور M.Phil کے طلبہ کے سامنے۔ ۲رمارچ کو واپسی ہوگی۔ توقع کرتا ہوں کہ تب تک تم کتاب بھیج دوگے۔ میں بمبئی سے آکر ایک یا دو دن کے لیے شاہ جہان پور جاؤں گا۔

اپنی خیریت سے مطلع کرو۔ عروج زیدی صاحب کا مجموعہ بہ غرضِ انتخاب مہینوں سے رکھا ہوا تھا، کل اُسے واپس کیا ہے۔ اب رئیس صاحب کا کام کرنا ہے اور اُس کے بعد سحر صاحب کی فرمایش ہے۔ بہت دباو ہے کام کا۔ آنکھوں کا احوال بُرا ہے، دیر تک کام نہیں ہو پاتا۔ مولانا کا خط بھی دنوں سے نہیں آیا۔

کاظم علی خاں کا طوفانی خط ملا شرکتِ سمینار کا، مگر نہیں آسکتا وہاں، حالاں کہ جی بہت چاہتا ہے آنے کو۔ بمبئی کا پروگرام حارج ہے۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: رباب رشیدی
گائر ہال
۹ر ستمبر ۱۹۸۷ء

عزیزم!

خط مل گیا تھا۔ اشعار دیکھے، خوب کہے ہیں، جی خوش ہوگیا۔ اب گویا تہ داری آنے لگی ہے اور سطحیت اُڑنے لگی ہے، اور اکہرا پن کم ہونے لگا ہے؛ مگر ابھی مزید تامّل اور تفکّر کی ضرورت ہے، بہ قولِ میر:

غزل، میر یاں کوئی موزوں کرو تامّل کرو، دل جگر خوں کرو

دل جگر خون کرنے کا سامان تو حالات نے از خود فراہم کر دیا ہے، تامّل اور تفکّر کا اضافہ بھی اب ہونے لگا ہے۔ رباعیاں دونوں بہت اچھی ہیں، البتہ دوسری رباعی میں: ''سوچو تو بہت دور سفر اور سفر'' ناتمام پن سا ہے۔ ''بہت دور'' کا ٹکڑا چسپاں نہیں ہوتا، اِسے بدلنا چاہیے۔

''برائے نام سا ہے'' والی غزل میں کئی شعر اچھے ہیں؛ مگر یہ شعر: فقط ہمیں کو ہے... نظرِ ثانی کا طلب گار ہے۔ ایک تو یہ کہ دوسرا مصرع جما نہیں، بندش بھی سُست ہے اور فقط کے ساتھ ''ہمیں'' کا جوڑ بھی ٹھیک نہیں، خالی ہمیں کو کافی ہے۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کہ ''اپنی شکستِ دل'' کا ٹکڑا بوجھل ہوگیا ہے، تصنع چمک اٹھا ہے، سادگی ختم ہوگئی ہے اور یہ بوجھل پن قطعاً غیر ضروری ہے۔ اسی طرح آخری شعر: وہ دور ہے کہ... دوسرا مصرع بدلنا چاہیے۔ درد کے رشتے کا زیرِ دام ہونا بھی وہی مصنوعی پن لیے ہوئے ہے۔ پوری غزل کی فضا سے میل نہیں کھاتا۔

خورشید کی شادی اب دسمبر کے پہلے ہفتے میں ہوگی، تم کو ضرور آنا ہے، میں مطلع کروں گا۔ آج ہی لاہور سے خط آیا ہے کہ مجھے دسمبر یا جنوری میں وہاں پانچ لکچر دینے جانا ہوگا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۵)

بنام: رباب رشیدی

ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷
۱۸؍دسمبر ۱۹۹۳ء ۵

عزیزم!

خط ملا تھا۔ ڈاک کے نظام نے بڑا خلفشار پھیلا رکھا ہے۔ غزل پڑھی، اب راستے پر آرہے ہو، دل کا جذبہ اب شعروں میں جھلکنے لگا ہے۔

ایک بہت ضروری بات: تم نے ایک شعر میں ''جیب وگریباں'' لکھا ہے، یہ درست نہیں۔ ''جَیب'' (جیم پر زبر ہے) کے معنی ہیں: گریبان۔ اسی لیے اساتذہ ''جیب و دامن'' کہتے تھے، یعنی دامن اور گریبان۔ اِس کا لحاظ رکھو۔

میں ۲؍جنوری سے ۱۵؍جنوری تک شاہ جہان پور میں رہوں گا۔ لکھنؤ میں ملاقات نہ ہونے کا افسوس اب تک ہے۔ دیکھو اب کب ملاقات ہوتی ہے۔ ارادہ یہی ہے کہ اگلے سال کسی وقت شاہ جہان پور مستقل طور پر منتقل ہوجاؤں۔ اب یہاں صحت ٹھیک رہتی نہیں۔

خدا کرے تم بہ عافیت ہو۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: رباب رشیدی
۶؍دسمبر ۱۹۹۴ء ۶

عزیزم!

پرسوں مولانا آئے تھے۔ ۱۵؍دسمبر کو اُن کی قطعی روانگی ہے۔ افسوس ہوا، لیکن اُن کی مشکلیں بھی کم نہیں تھیں۔ کچھ مجبوریاں بھی تھیں۔ رباعیوں کا الگ مجموعہ مناسب نہیں، فی الحال، پہلے کی طرح ملا جلا نہیں ہوگا۔ آخر میں چار چھے سال کے بعد رباعیوں کا انتخاب کیا جاسکتا ہے، اُس وقت الگ مجموعہ ٹھیک رہے گا۔

میں ٹھیک ہوں۔ خالد کا حال کچھ بھی معلوم نہیں ہوا۔ سہیل کے لیے دست بہ دعا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: رباب رشیدی
شاہ جہان پور
۷؍جون ۲۰۰۴ء ؎

عزیزم!
کئی دن سے سیدھے ہاتھ کے بازو میں درد پیدا ہوگیا ہے یہ غالباً انجائنا کا درد ہے جس کا تعلق قلب سے ہوتا ہے، یوں کام کرنے میں خاصی دقت ہونے لگی ہے، اِسی لیے اِس ذرا سے کام میں کئی دن لگ گئے۔ کل سے اِس کی بھی دوا شروع ہوگی۔ دوائیں کھاتے کھاتے بیزار ہو چکا ہوں، لیکن بندگی بیچارگی والی بات ہے۔ نہ تم اپنے لیے کچھ کر سکتے ہو اور نہ میں اپنے لیے کچھ کر سکتا ہوں۔ ہم دونوں کا احوال ایک جیسا ہے۔ بہ ہر طور، یہ دن بھی گزر ہی جائیں گے۔ تمھارے متعلق سوچتا رہتا ہوں اور کڑھتا رہتا ہوں۔ نہ اپنے لیے کچھ کر سکتا ہوں نہ تمھارے لیے۔ جی دُکھتا رہتا ہے۔ حرام زادوں کی دنیا میں شرفاے ادب کا احوال یہی ہوا کرتا ہے، شکایت کیا۔

اگلے لفافے کا انتظار رہے گا۔ یہ کام اب ہو ہی جائے تو بہتر ہے۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: رباب رشیدی
شاہ جہان پور
۲۶؍جولائی ۲۰۰۴ء ؎

عزیزم!
خط مل گیا۔

ہاں بھائی! میں عرفانؔ مرحوم کو شاعر تو مانتا تھا اور مانتا ہوں، مگر اُس غیر شاعرانہ مبالغے کے ساتھ نہیں جو اِس وقت بہ طورِ عموم تحریروں میں دیکھنے میں آ رہا ہے۔ یہ ایک گروہ کا خاص انداز ہے کہ کسی نے اگر کربلا کے متعلقات کو اپنے اشعار میں کسی انداز سے شامل کر لیا تو پھر اُن کا یہ فرض بن جاتا ہے کہ وہ اُس کو منفرد لہجے کا شاعر اور ذہین ترین فرد کہنا شروع کریں،

یہاں تک کہ دوسرے لوگ بھی وہی کہنے لگیں۔

اُنھوں نے کچھ اچھّے شعر بھی کہے ہیں لیکن عام طور پر اُن کے یہاں وہ چیز کارفرما نظر آتی ہے جسے سخت گری کہتے ہیں اور صناعت سے جس کا تعلق نہیں ہوتا اور میں جسے ساختگی کہتا ہوں، کہ کوشش کرکے لفظی نیاپن پیدا کیا جائے۔ اِس کوشش نے کئی شاعروں کے کلام میں اُس بے ساختگی کو گویا ختم کردیا ہے جو شعر کی حقیقی خوبی ہوتی ہے اور جس کے اثر سے شعر ذہن کے بجائے دل کا حصّہ بن جاتا ہے۔ ''از دل خیزد و بر دل ریزد'' اسی کو کہتے ہیں۔ بانؔی، منموہن تلخؔ اور عرفان صدیقی یہ سب اپنے اپنے انداز سے اِسی کے مارے ہوئے ہیں۔ ایک خاص طرح کا اُچٹتاپن شعر میں تہ نشیں ہوجاتا ہے جو نئے پن کی لمحاتی چمک پیدا کردیتا ہے۔ نیّرؔ صاحب مسلک کے مارے ہوئے ہیں اور فاروقیؔ صاحب بیان میں جدیدیت کے اُس نئے پن کے مبلّغ ہیں جو ظفؔر اقبال کا طرّۂ امتیاز ہے اور جسے مجھ جیسے لوگ غیر شاعرانہ زبان و بیان کی بازی گری کہتے ہیں؛ یوں یہ دونوں تو مجبور ہیں کہ اِس راگ کو خاصے اونچے سُر میں الاپیں۔ باقی لوگ ناقلِ ناعاقل ہیں، نقل مطابق اصل۔ اُن کے بڑے بھائی نیاز میرے عزیز دوست، یوں میں نے ہمیشہ اُن کو چھوٹا بھائی سمجھا مگر اُن کو سمجھایا کبھی نہیں، یوں کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ جس دائرے کے اسیر ہیں، اُس سے باہر نہیں نکل پائیں گے۔ تم خود بتاؤ کہ ظفؔر اقبال جیسے لوگوں کو جو صاحب عمدہ شاعر مانیں، اُن کی پسند کے لیے کیا کہا جائے گا؟ جس طرح فاروقیؔ صاحب نے ۶۰ء کے بعد افسانہ نگاروں کے ایک خاصے بڑے گروہ کو بے معنی افسانہ نویسی کے پھیر میں لاکر، چوپٹ کردیا تھا، وہی کام اب غزل کی زبان اور بیان کے ساتھ روا رکھا جارہا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ وہ خود بیش تر کلاسکی موضوعات پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ بہ ہر طور، عرفان صدیقی باصلاحیت شاعر تھے، مگر بیجا مفروضات نے اُن کے لہجے کو نقصان پہنچایا۔ ذرا سی مدّت گزر جانے پر اُن کے اچھّے اشعار کا بہتر انتخاب کیا جاسکے گا اور اُس نقصان کا بھی بہتر طور پر اندازہ کیا جاسکے گا جو اُن کے حقیقی اندازِ سخن کو اُٹھانا پڑا۔ وہ ابھی مرحوم ہوئے ہیں یوں میں ویسے اظہارِ رائے نہیں کرتا، یا نہیں کرنا چاہیے تھا، تم نے جس اہتمام اور اصرار کے ساتھ سوال کیا تھا اور فرمائش کی تھی، اُس کے سبب یہ سب کچھ لکھا گیا۔

رسید فوراً بھیجو۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام اور تاریخ اس خط پر درج نہیں۔ راقم نے رباب رشیدی صاحب سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا اور اس خط کی تاریخ سے متعلق جاننے کی کوشش کی تو لکھنؤ سے انھوں نے بتایا کہ یہ خط غالباً ۱۹۶۰ء کا ہوسکتا ہے۔ تاریخ و ماہ انھیں یاد نہیں۔ خط پر دو مہریں ڈاک خانے کی ہیں۔ راقم نے عکسی شیشے سے بھی اِنھیں پڑھنے کی کوشش کی تو ایک مہر ۲۲ر دسمبر ۱۹۶۰ء کی نظر آئی اور دوسری ۲۱ر دسمبر ۱۹۶۰ء کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط ۲۰ر یا ۲۱ر دسمبر کو لکھا گیا۔ راقم ۲۱ر دسمبر اوپر لکھتا ہے ہوسکتا ہے اُسی دن یہ خط ڈاک کے سپرد کیا گیا ہو۔

۲۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ تاریخ نیچے بھی درج ہے۔ اِس خط میں ٹی.وی کے انٹرویو کے چیک کا ذکر ہے۔

۳۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ ۲۲ر فروری کو بمبئی یونی ورسٹی میں لکچر دینے جانے کا ذکر ہے اور واپسی ۲ر مارچ کو ہوگی۔ عروج زیدی، رئیس صاحب اور سحر صاحب کے کاموں کا بھی ذکر ہے۔ یہ خط سادہ کاغذ پر لکھا گیا ہے، لفافہ ساتھ نہیں۔

۴۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ اِس خط میں رباب صاحب کی غزل کے اشعار کی خامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے، اور اِنھیں دُرست کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ دسمبر یا اگلے سال جنوری میں لاہور جانے کا بھی ذکر ہے۔ یہ خط بغیر لفافے کے ہے۔

۵۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاں صاحب اِس وقت دہلی میں تھے۔ خط میں رباب رشیدی کے کسی شعر میں لفظ کے غلط استعمال کا ذکر ہے۔ یہ خط اِن لینڈ لیٹر پر لکھا گیا ہے اور 126-Tazi Khana, Lucknow-226018 کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔

۶۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس سال خاں صاحب دہلی میں مقیم تھے۔ ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی۔

۷۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط کاغذ کے چھوٹے سے ٹکڑے پر لکھا گیا ہے۔ لفافہ ساتھ نہیں۔ یہ کس پتے پر بھیجا گیا پتا نہیں۔ اندازاً یہ بھی لکھنؤ ہی کے پتے پر بھیجا گیا ہوگا۔

۸۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ 126- Tazi Khana, Lucknow-226018 کے پتے پر لکھا گیا۔ اس خط میں باقی، منموہن تلخ، عرفان صدیقی مرحوم اور ظفر اقبال کے کلام سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ نیر صاحب اور فاروقی صاحب کے انداز کا بھی ذکر ہے۔ یہ خط اِن لینڈ لیٹر پر لکھا گیا ہے جس کی قیمت ڈھائی روپے ہے۔ ●●

فاروقی صاحب مکرم!

تسلیم۔ آپ کی چٹھی ملی۔ سلام اور شکریہ کے ساتھ دو بار دو رسالے بھی

بارہ ماسہ آپ کے پاس آ رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ نے خورشید فروری

پر ایک انتخاب شائع کی تھی جس میں آپ کا انتخاب بھی شامل کیا تھا اور آپ سے

اجازت حاصل کی تھی۔ اب یہ فائل ہیں وہیں کی ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں،

اور اس میں انتخاب بھی شامل ہے۔ ان کی یہ خواہش ہے اور بڑی ہی کہ

اس کتاب میں بھی آپ کی تحریر ضرور شامل ہو۔ تو ٹھیک ہوگا اگر آپ اس

فرمائش کے لیے ضرور کچھ وقت نکال لیجئے اور مجھے ممنون کیجئے اور ان کی

ہمت افزائی ہوگی اور کتاب کی وقعت میں اضافہ ہوگا۔

شب خون کے لیے ایک غزل بھیج رہا ہوں

دیکھ لیجئے اور اگر مناسب ہو تو شامل کر لیجئے۔ ایک

دوسرا حصہ اصلاحی رسالے اور یہ نمبر دیکھ لیجئے۔

میری آنکھ ابھی تک ساتھ نہیں دے رہی ہے

لکھنا اور پڑھنا دونوں دشوار ہیں۔ آپ ایسی کوئی

رکھیں ہے۔ قوی انداز تہ تسلیم۔

مخلص

[illegible]

جناب شمس الرحمٰن فاروقی

بنام: شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر

(۱)

فاروقی صاحب مکرّم![1]

اِس خط کی حیثیت سلامِ روشنائی کی ہے، وہ بالواسطہ سہی۔ باری صاحب آپ کے پاس آرہے ہیں، آپ کو ضرور یاد ہوگا کہ اُنھوں نے خواجہ میر درد پر ایک اچھی کتاب شائع کی تھی، جس میں آپ کا مقالہ بھی شامل کیا تھا اور آپ سے اجازت حاصل کی تھی۔ اب یہ فانی پر ویسی ہی ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں، اور اس میں انھیں میری تائید بھی حاصل ہے۔ ان کی یہ خواہش ہے اور میری بھی کہ اِس کتاب میں بھی آپ کی تحریر ضرور شامل ہو۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ اِس فرمائش کے لیے ضرور کچھ وقت نکال لیں گے اور مجھے ممنون کریں گے اور اِن کی ہمت افزائی ہوگی اور کتاب کی وقعت میں اضافہ ہوگا۔

اب دوسری بات: ''شب خون'' کے لیے ایک تحریر بھی بھیج رہا ہوں اِسے دیکھ لیجیے اور اگر مناسب ہو تو شامل کر لیجیے۔ اِس کا دوسرا حصّہ اصل حیثیت رکھتا ہے اور یہ غیر مطبوعہ ہے۔

میری آنکھ ابھی تک ساتھ نہیں دے رہی ہے لکھنا اور پڑھنا دونوں دشوار ہیں۔ آپ اِسی تحریری سے اس کا بہ خوبی اندازہ لگا سکیں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

---

[1] مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ رشید حسن خاں صاحب نے فاروقی صاحب سے کہا ہے کہ وہ فانی پر اپنی تحریر سے باری صاحب کی مدد کریں، کیوں کہ باری صاحب فانی پر ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں اور وہ آپ کی تحریر اس کتاب میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ آج کل فاروقی صاحب کا پتا یوں ہے: پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی، سی-۲۹، ہیسٹنگ روڈ، الٰہ آباد، پن کوڈ: ۲۱۱۰۰۱ (یوپی)

●●

بنام: شمیم حنفی، پروفیسر

(۱)

ٹی.بی.۹، گائرہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۲۲رجنوری ۱۹۹۰ء[۱]

شمیم حنفی صاحب مکرّم!

آپ کہاں ہیں؟ وہ مولانا آزاد والی کتاب چھپ کر آئی؟ میرے حصّے کی کاپی کہاں ہے؟ وعدہ تھا نا!

باری صاحب فانی پر ایک کتاب مرتّب کر رہے ہیں اور میری خواہش یہ ہے کہ اس کتاب میں آپ کی تحریر بھی ضرور شامل ہو۔ کیا یہ ممکن ہے؟ اگر آپ کچھ لکھ دیں گے تو اِن کی ہمّت افزائی ہوگی اور میں ممنون ہوں گا۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ اِس کام کے لیے کچھ وقت ضرور نکال لیں گے۔ فسانۂ عجائب چھپ تو گئی ہے، مگر ابھی بائنڈر کے پاس ہے، آپ کے حصّے کی کتاب بروقت پہنچے گی۔

خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

---

۱ اِس خط کے ذریعے شمیم حنفی صاحب سے درخواست کی گئی ہے کہ باری صاحب جو انجمن ترقی اردو (ہند) میں کام کرتے ہیں وہ فانی پر ایک کتاب مرتّب کر رہے ہیں، اس لیے آپ وقت نکال کر ایک اچھی سی تحریر فانی پر لکھیں تا کہ وہ کتاب میں شامل کی جا سکے۔ رشید صاحب لکھتے ہیں کہ اِس سے کتاب کی وقعت بڑھ جائے گی اور میں ممنون ہوں گا۔

●●●

بنام: صابر سنبھلی، ڈاکٹر

(۱)

۲۲ر فروری ۱۹۸۲ء[۱]

مکرّمی!

آپ کا خط مورخہ ۷ار فروری ملا۔ مجھے اِس سے پہلے آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ غالباً ڈاک کی نذر ہوگیا۔

میں دہلی سے باہر جاؤں گا پرسوں، واپسی مارچ کے پہلے ہفتے میں ہوگی۔ آپ ایسے خط لکھیں کہ وہ ۱۰ر مارچ تک یہاں پہنچے

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی-۷

۲۴ر مارچ ۱۹۸۲ء[۲]

مکرّمی! تسلیم

۱- آبِ رکنا باد اور گلگشتِ مصلّیٰ حافظ کے اِس شعر میں آئے ہیں۔

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنّت نخواہی یافت
کنار آبِ رکنا باد و گلگشتِ مصلّیٰ را

رکنا باد معروف چشمہ ہے اور گلگشتِ مصلّیٰ مشہور تفریحی مقام ہے۔ مراد یہ ہے کہ کربلا کے غم انگیز بیان کو تیری ہوسِ زر پرستی نے آبِ رکنا باد اور گلگشتِ مصلّیٰ کے دل چسپ بیان میں گویا بدل دیا ہے۔

۲- خوزادہ، مخفف ہے ''خواجہ زادہ'' کا اور یہ مستعمل لفظ ہے۔ آقازادہ کے معنی میں۔

۳- ''بھوگ'' کے ایک معنی ''گالی'' بھی ہیں اور بھوگ سُنانا: گالیاں دینا، بُرا بھلا کہنا۔ بھوگ سُنتا: گالیاں سننا، بُرا بھلا سُنتا۔

پنچ کے ایک معنی ہیں: عام لوگ۔ پنچوں کے بھوگ سن لیتے تھے: معمولی اور کم درجہ لوگوں کے درشت کلمات سن لیتے تھے (اور تحمل سے کام لیتے تھے)۔

۴- نظیر کے یہاں دوسرے مصرعے میں ''کردے گا''، غلطیِ طباعت ہے، اصل لفظ ''گروی کا'' ہے۔ اُس زمانے میں سپاہیوں کے ہتھیار بینوں کے یہاں گروی رہا کرتے تھے عالمِ مفلسی میں۔ چوتھا مصرع اب اسی روشنی میں واضح ہے۔ تیسرا مصرع بھی غلطیِ کتابت کا شکار ہے۔ اس وقت اتفاق سے کلیاتِ نظیر مرتبہٴ شہباز مجھے نہیں ملا، لائبریری سے کوئی لے گیا ہے۔ جب ملے گا تو اس کی تصحیح کردی جائے گی۔

عربی میں طلب کی جمع طَلَبات ہے، لیکن اردو میں مستعمل نہیں۔ ویسے طلب مصدر ہے۔ واحد کی جمع واحدوں اور وُحدان ہے، یہ بھی عربی سے مخصوص ہیں۔ بیوہ کا ذکر عربی میں عَزَبْ اور عزیب ہے۔ اردو میں رنڈوا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ یہ خط مل جائے تو دوسطری رسید سے مطلع فرمایئے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۴؍جون ۱۹۹۲ء

صابر صاحب! آپ فسانہٴ عجائب کے حواشی، بہ شمولِ اختلافِ نسخ ایک بار پڑھ لیجیے تو بہت سے سوالات کے جواب آپ کو خود مل جائیں گے۔ ''پٹھانا'' تمباکو فروش کا نام ہے۔ پہلے سرور نے ''پٹھانی کی دکان کا تماکو'' لکھا تھا۔ پھر نظرِ ثانی میں لفظِ دکان نکال دیا، یوں پٹھانا کا تنبا کو بن گیا۔ آپ اختلافِ نسخ کا ضمیمہ دیکھ لیتے تو اِس سوال کا جواب خود ہی آپ کو

مل جاتا اور فوراً ذہن میں یہ بات آجاتی کہ یہ دکان دار کا نام ہے۔

''نانک متہ'' پر پورے ایک صفحے کا حاشیہ لکھا گیا ہے۔ آپ ص ۳۸۶ دیکھیے، وہاں ضروری تفصیل آپ کو مل جائے گی۔ یہ ایک مشہور مقام کا نام ہے، مگر متن میں اِس طرح آیا ہے کہ ایہام کی سی صورت پیدا ہوگئی ہے۔

اردو املا اصل اور مفصل کتاب ہے، جو ۷۰۰ صفحوں سے زیادہ پر مشتمل ہے۔ طلبہ اسے کیا پڑھتے اور کیوں پڑھتے، پھر اس میں جو بحثیں ہیں، وہ طلبہ کے کام کی نہیں۔ یوں اردو کیسے لکھیں کے نام سے طلبہ کے لیے ایک رسالہ مرتب کیا گیا۔ اِسے آپ اُس بڑی کتاب کی تلخیص فرض کر لیجیے۔

باغ و بہار انجمن ترقیِ اردو نے چھاپی ہے۔ ضخامت اُس کی بھی زیادہ ہے 847 صفحے، یوں قیمت بھی بڑھ گئی ہے۔ جب آپ فسانۂ عجائب کے بارے میں مطلع کریں گے کہ آپ کے پاس کون سا نسخہ ہے، تب اُس کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکے گا۔ باغ و بہار اور فسانۂ عجائب دونوں کتابیں لاہور میں بھی چھپ گئی ہیں۔ میری اجازت سے۔ یوں نہ کرتا تو وہاں کے پبلشر بغیر اجازت ہی چھاپ لیتے۔ میری تین کتابیں آخر وہاں چھاپ ہی لی گئی ہیں اور میں کچھ نہیں کرسکا۔ انجمن کے ممبران کو چھیاسٹھ فی صد کمیشن پر کتاب مل سکتی ہے، میں کسی بھی ممبر کے نام درج کرا کے کتاب آپ کے نام بھجوادوں گا، اُس وقت جب آپ یہ اطلاع دیں گے کہ آپ کے پاس کون سا نسخہ ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی

ٹی.بی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۱۴/اگست ۱۹۹۲ء

صابر صاحب! آداب

آپ کے دو خط ملے تھے۔ دونوں کتابیں آپ کے پاس پہنچیں گی۔ واپسی پر رسید سے مطلع کیجیے گا۔

اِس زمانے میں کتاب چھپوانا کوئی مشکل کام نہیں رہا، لیکن اب اِس آسانی کے ساتھ یہ مشکل آپڑی ہے کہ مصنف کو اپنے قاری تلاش کرنا پڑتے ہیں۔ پڑھنے کا رواج گویا اٹھتا جارہا ہے، اور دانش گاہوں سے تو یہ تقریباً اُٹھ چکا ہے، خاص کر جب سے ''پرسنل پرموشن'' کا دور آیا ہے۔ جب یہ خیال ہوتا ہے کہ فلاں شخص کتاب کو واقعتاً پڑھے گا تو مسرّت ہوتی ہے۔ آپ کے متعلق میں نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ آپ پڑھتے ہیں، اِس لیے یہ بھی گمان ہے کہ اِنھیں بھی پڑھیں گے اور یہ جواز کافی ہے کتابوں کے تحفتاً بھیجے جانے کے لیے۔ دونوں لاہوری اڈیشن ہیں اور مجھے جو کتابیں ناشر نے بھیجی تھیں، اُن میں سے یہ دو نسخے آپ کو بھیجے جارہے ہیں۔ اِنھیں میں نے خریدا نہیں، یوں آپ خریدار کیوں بنیں۔

مقدّمے اور حواشی کو اگر آپ ذرا نظر جما کر پڑھیں گے تو آپ کے سوالات بہ طورِ خود حل ہو جائیں گے۔ پھر بھی کوئی بات وضاحت طلب ہو تو مطلع کیجیے گا۔ ہاں اگر کہیں کوئی غلطی نظر آجائے تو اُس سے ضرور مطلع کیا جاؤں، یہ کارِثواب ہوگا؛ تاکہ آیندہ کوئی اڈیشن چھپے، تو اُس میں تصحیح کردی جائے۔ میں اپنی غلطیوں اور فروگذاشتوں کو بہ خوشیِ خاطر مان لیتا ہوں، ہاں اِن دونوں لفظوں میں جو معنوی فرق ہے، اُسے ضرور ملحوظ رکھتا ہوں۔ اب رہا راے کا اختلاف، سو وہ تو شاید ہمیشہ رہے گا۔ جو شخص بھی پڑھے گا اور سوچے گا، وہ اختلاف سے کہیں نہ کہیں ضرور دوچار ہوگا۔ میں ایسے مقامات کو ''توجہ طلب'' کے ذیل میں رکھتا ہوں اور سنجیدگی کے ساتھ ایک بار پھر غور کرتا ہوں۔ یہ میرا معمول ہے۔

طباعت کی ستم ظریفیوں کا شکوہ بے کار ہے، اُنھیں آپ اور دوسرے قارئین خود ہی بہ آسانی سمجھ لیں گے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسی کتابوں کا مطالعہ اُس طرح نہ کیا جائے جس طرح وزراے کرام سیلاب زدہ علاقوں کا دورہ ہوائی جہاز سے فرماتے ہیں۔

پچھلے خط میں آپ نے پوچھا تھا کہ ''پٹھانا کا تمباکو'' کیا ہے۔ آپ ذرا توجہ سے کام لیتے تو بہ آسانی اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ ''پٹھانا'' تمباکو فروش کا نام ہے۔ خاص ناموں پر بہ طورِ امتیاز خط کھینچ دیے گئے ہیں، ''پٹھانا'' پہ بھی خط موجود ہے، یوں معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ علَم ہے۔

''ناک متہ'' کے متعلق بہ ذیلِ حواشی ص ۳۸۶ پر طویل نوٹ موجود ہے، اُسے ایک نظر

دیکھ لیجیے، ضروری تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

انتخابِ ناسخ میری ایک مستقل کتاب کا نام ہے، اِس میں ۱۳۲ صفحے کا مقدمہ شامل ہے، جس میں پہلی بار یہ بتایا گیا ہے کہ ناسخ نے اصلاحِ زبان کے قاعدے نہیں بنائے تھے، یہ اُن سے منسوب کیے گئے ہیں۔ اِسے مکتبہ جامعہ نے چھاپا تھا۔ اب دست یاب نہیں، البتہ انجمن ترقیِ اردو کراچی کی طرف سے اِس کا نیا اڈیشن دو چار ماہ میں آجائے گا۔ میری ایک اور مختصر کتاب انشا اور املا بمبئی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کی طرف سے جلد ہی شائع ہوگی اور لاہور میں ادارۂ نقوش کی طرف سے بھی۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

گھر پر مطلع کر دیجیے کہ کتابوں کا پارسل جب آئے تو اُسے وصل کرلیں۔ چوں کہ یہ وی. پی نہیں ہوگا، اِس لیے کچھ دقت نہیں ہوگی۔ ہاں، آپ اگر علی گڑھ کا پتا لکھ دیں تو اِسے علی گڑھ کے پتے پر بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ مطلع کیجیے۔

(۵)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی
۲۹؍ اگست ۱۹۹۲ء ؁

صابر صاحب!

دونوں کتابیں بھیج چکا ہوں۔ دو دن پہلے لاہور سے خط آیا جس سے معلوم ہوا کہ باغ و بہار میں ایک صفحہ غلط ہو گیا تھا کاپی جوڑنے میں، یوں غلط جگہ چھپ گیا۔ پورا ورق اُن لوگوں نے دوبارہ چھاپ کر بھیجا ہے، وہ ورق ملفوف ہے، اِسے اِس کی جگہ پر لگا دیجیے تا کہ اطمینان ہو۔

ہماری زبان میں ابھی آپ کا مضمون پڑھا۔ دیکھیے صاحب! علمی مضامین میں لغاتِ کشوری کا حوالہ دینا مناسب نہیں، اِس کا خیال رکھیے۔ بات آپ کی ٹھیک ہے، مگر حوالہ کم زور ہے اور یہ بے جوڑ بات ہوگئی۔

رشید حسن خاں

ہاں باغ و بہار ص ۲۳۸، سطر ۱۴ پر "بُشرے" چھپ گیا ہے، ب پر زبر لگا لیجیے۔ ص ۸۱ پر

بھی یہ لفظ آیا ہے اور وہاں درست صورت میں ہے۔ فرہنگ اور ضمیمۂ تلفظ و املا میں بھی ''بَشرہ'' ہے۔

(۶)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی
۶ / نومبر ۱۹۹۲ء

صابر صاحب!

۲۰ / اکتوبر کا خط ملا تھا، پھر ۳۰ / اکتوبر کا خط آیا تھا۔ کئی دن کے بعد میڈیکل انسٹی ٹیوٹ سے آیا ہوں۔ طبیعت رو بہ راہ نہیں۔ گلے کا چھوٹا سا آپریشن ہوا تھا۔ شاید پھر جانا ہوگا۔

(۱) ''اوبھی'' کے بارے میں لغزشِ قلم کا مجھے خود بھی احساس تھا۔ اِسے بشریّت کہیے کہ ص ۳۶۹ پر ''ص ۴۵۱ پر دیکھیے'' کے بجائے لفظِ فرہنگ لکھ گیا۔ اب تو اشاعتِ ثانی ہی میں اِس کی درستی ہو سکے گی۔

(۲) ''مقدمہ صفحہ ۲ سطر ۲ شامل کا ایک لفظ اُڑ گیا ہے''۔ مجھے ص ۲ پر یہ لفظ نہیں ملا۔ صفحہ لکھنے میں غلطی ہوگئی ہے۔ اب جب وہ مقام سامنے آئے تو مطلع کیجیے گا۔

(۳) ''شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی'' میں ''کرمانی'' ہی ہے۔ انجمن کے نسخے میں ''کرمانی'' ہی چھپا ہے، ہاں نسخۂ لاہور میں پلیٹ پر سے کاف کا مرکز اُڑ گیا۔

(۴) ۳۹۴ اور ۳۴۹ کا پھیر بدل خوب رہا۔ اِسے نوٹ کر لیا ہے۔

قاضی صاحب کا قول در مادۂ لغاتِ کشوری میری نظر سے نہیں گزرا۔ دیکھا ہوگا تو یاد نہیں۔ نصابی ضرورت سے لکھے گئے لُغت کا، اُس معیار پر پورا اُترنا ضروری نہیں ہوگا جو اصلاً لغت نویسی کا ہے۔ ایسی کتابیں نقلِ محض کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ یہ کتاب بھی ویسی ہی ہے۔ اس کی تدوین کی اصل غرض تجارتی تھی۔ غلطی کس سے نہیں ہوئی اور نہیں ہوگی، ضرور ہوگی۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی کتاب میں غلطیاں ہیں یا نہیں، یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ کتاب اُس موضوع کے معیار پر پوری اُترتی ہے یا نہیں اور یہ کہ مرتب نے تحقیق سے کس حد تک کام لیا ہے اور اہلِ زبان یا زبان داں ہونے کی حیثیت سے اُس کا مرتبہ کیا ہے۔ آپ کو اصرار ہے تو آپ اس کو کتابِ حوالہ کی حیثیت سے ضرور استعمال کیجیے۔ ظاہر ہے کہ میں کبھی اِس کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ یہ بات یہاں ختم ہوئی۔

معروف کی علامت واو پر یوں لگنا چاہیے کہ رواجِ عام میں یہی ہے۔ اگر حرفِ ماقبل پر اُسے لگایا جائے گا تو پڑھنے والوں کو مانوس شکل سے دوچار ہونا پڑے گا اور خواہ مخواہ۔ یہاں بت شکنی یا بت پرستی کا سوال نہیں، خواہ مخواہ کی عجوبہ پسندی کا مسئلہ ہے۔ یاے معروف کے نیچے خط لگایا جاتا ہے (میر) یہ متعارف انداز ہے، تو کیا اِسے بھی حرفِ ماقبل پر لگایا جائے؟ غیر ضروری بحثوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ آفتاب نفسی صاحب کا خط میرے پاس نہیں آیا۔

میں نے کئی بار یہ محسوس کیا ہے کہ آپ فیصلہ کرنے میں جلدی بہت کرتے ہیں۔ فاربس نے اگر ''نظرِ ثانی'' کو بغیر اضافت لکھا ہے، تو اُس نے ''غضب نہیں کیا''، یہ اِس طرح بھی مستعمل رہا ہے۔ خواجہ وزیر کا شعر ہے:

نرگس پہ نظر کیجیے دوبارہ کہ وہ کٹ جائے
ہوجائے نظر ثانی میں اُس کی نظری آنکھ

ہاں اب بیش تر ''نظرِ ثانی'' استعمال میں آتا ہے، مگر ''نظر ثانی'' بھی بجاے خود درست ہے۔ البتہ ''حکمتِ عملی'' مع اضافت ہی مستعمل رہا ہے اور اب بھی اسی طرح مستعمل ہے۔ لفظ ''حکمت'' کے اِس قبیل کے مرکبات متعدد ہیں، مثلاً: حکمتِ شرقی، حکمتِ الٰہی، حکمتِ تکوینی، حکمتِ ذوقی، حکمتِ ریاضی، حکمتِ طبعی، حکمتِ قولی، حکمتِ مدنی، حکمتِ نشائی، حکمتِ منزلی، حکمتِ نظری۔

''حکمتِ عمل'' میں نے کہیں نہیں دیکھا، البتہ ''حکمتِ عملیہ'' ہے۔ ''سے'' کا اضافہ میری نظر میں ضروری تھا اور اب بھی ہے۔ جب ہم سب کی نظریں چوک جاتی ہیں تو وہ لوگ بھی تو ہماری طرح آدمی تھے۔ طبعِ اوّل میں اغلاطِ طباعت کی تعداد کچھ کم نہیں۔ طویل غلط نامے کے باوجود بعض غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔ حواشی میں ان سب کی نشان دہی کی گئی ہے۔ جب تک وہ خود اعلان نہ کریں، میں اُنھیں آرزو لکھتا رہوں گا۔ میرے علم میں وہ اب تک اس سے دست بردار نہیں ہوئے ہیں۔ اگر کہیں ایسا لکھا ہے اُنھوں نے تو پھر میں اُس سے بے خبر ہوں۔

اب تھک گیا ہوں، باقی باتیں پھر لکھوں گا۔ آپ آٹھ دس دن کے بعد یاد دلا دیجیے گا۔ گلے کا ایک آپریشن تو ہو چکا ہے، شاید ابھی ایک اور ہوگا، مگر یہ بات قطعی طور پر رپورٹ کے بعد معلوم ہوسکے گی۔

ہاں آپ نے لکھا ہے کہ طبعِ اوّل کے پہلے صفحے کا عکس نقوش اڈیشن میں شامل نہیں۔ یہ صحیح نہیں، شامل ہے۔ متن کتاب سے قبل۔ مقدّمے کے ص ۱۳۶ کے بعد یہی صفحہ ہے اور یہی صفحہ اصل کتاب کا صفحہ نمبر ایک ہے۔ مقدّمے میں بھی اس کی نشان دہی کردی گئی ہے کہ اس صفحے کا عکس آغازِ متن میں شامل ہے (ص ۱۳۴)۔ آپ پھر سے دیکھیے۔

رشید حسن خاں

ہاں، ''سنّتِ یوسفی'' سے میں واقف نہیں۔ قیاساً کہتا ہوں کہ اِس سے شادی مراد ہو سکتی ہے۔

''ترک'' ایک تو کتابت کی اصطلاح ہے: وہ کلمہ یا لفظ جو صفحہ تمام ہو جانے کے بعد جدول سے باہر صفحے کے اخیر کونے پر آیندہ صفحے کی شروع کی عبارت میں سے لکھ دیتے تھے۔ یہ گویا ہندسے کی جگہ کام میں آتا تھا۔

(۲) وہ لفظ یا عبارت جو لکھنے سے رہ جائے اور اُسے حاشیے پر لکھ دیا جائے:

مسطرِ ابرو نہیں اُس روے کتابی پہ ظفر
ترک کاتب نے لکھی ہے غلطی کے باعث

(۳) کاغذ کے اُس ٹکڑے یا مور وغیرہ کے پَر کو بھی کہتے ہیں جو نشانی کے طور پر اوراق کے بیچ رکھ دیا جاتا ہے کہ مطلوبہ صفحہ بہ آسانی نکالا جا سکے۔

''رکاب'' اصلاً کاپی نویسی کی اصطلاح ہے۔ کاپی کے حاشیے کے آخری کونے پر آیندہ صفحے کا پہلا کلمہ بہ طورِ یادداشت لکھا جاتا ہے۔ لنگر، ترک، پوٹ؛ سب اِسی کے نام ہیں۔ اس کا اصل مقصد یہی ہوتا تھا کہ صفحات نمبر ڈالتے وقت اور کاپی جوڑتے وقت آسانی ہو۔

آپ نے ایک لفظ اور پوچھا ہے، مگر وہ اس طرح لکھا ہوا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آیا، اُسے پھر سے لکھیے۔

(۷)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی

گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷

۲۰ ر نومبر ۱۹۹۲ء

صابر صاحب!

آج آپ کا خط ملا۔ میں آپ کے پچھلے دونوں خطوں کے جواب میں ایک مفصل لفافہ، آپ کی ہدایت کے مطابق، کالج کے پتے پر بھیج چکا ہوں۔ مجھے خود تعجب تھا کہ اُس کے بعد آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔

سعادت صاحب سے میری ملاقات برسوں سے نہیں ہوئی۔ علمی مسائل میں مجھے کوئی بات ناگوار نہیں گزرتی۔ اِس وہم کو دل سے دور کر دیجیے۔ میں نے اُس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ طبعِ اوّل کے سرورق کا عکس دہلی و لاہور کے دونوں نسخوں میں شروع متن سے پہلے ہے اور اس کی صراحت مقدّمے میں کر دی گئی ہے۔ یہی ص ا ہے۔ آپ اپنے نسخے کو پھر سے دیکھیے۔

''سیلی'' کے جو معنی آپ نے لکھے ہیں، وہ بھی درست، مگر یہ بعد کا اضافہ ہیں، اصلاً تو یہ سادھوؤں سے متعلق ایک چیز ہے۔ میں آپ سے متفق نہیں۔ ''اپنی سیلی کھول کر'' سے وہی مراد ہے جو میں نے لکھی ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ ''روزنامہ'' کے معنی فرہنگ میں نہیں۔ ص ۱۷۶ پر، چھٹی سطر میں یہ لفظ موجود ہے۔ اِس لفظ کے لیے تو مجھے کئی دن تک جامع مسجد کے علاقے میں پُرانے دکان داروں سے ملنا پڑا تھا۔

''کالے ٹکے'' واقعی رہ گیا۔ میں نے نوٹ کر لیا ہے، طبعِ ثانی میں لکھا جائے گا۔

آپ ایسے لفظوں کی فہرست یک جائی طور پر بنا لیجیے جو آپ کی رائے میں شاملِ فرہنگ ہونا چاہیے۔ میں اُن سب کو ایک جگہ لکھ کر بہ طورِ یادداشت محفوظ کر لوں گا۔

فسانۂ عجائب (لاہور) کے ذیل میں آپ نے لکھا ہے کہ مقدّمے کے ص ۹۹ کے یا ورق کی عبارت میں حوالہ ص ۳۶۰ کا ہے۔ مگر ''یہ عبارت ص ۳۶۲ پر ہے''۔

یہاں ہم دونوں سے غلطی ہوئی، یہ عبارت دراصل ص ۲۶۲ پر ہے۔ میں نے اِسے نوٹ کر لیا ہے۔

خدا کرے یہ خط آپ کو مل جائے۔

رشید حسن خاں

میں ۲۲ر نومبر سے ۳۰ر نومبر تک دہلی سے باہر رہوں گا۔

(۸)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی
۲۲/دسمبر ۱۹۹۲ء ۵

صابر صاحب!

آپ کے دو [خط] یہاں پہنچے۔ ایک ۲۲/نومبر کا، ایک ۲۶/نومبر کا۔ فسانۂ عجائب ص ۲۶ کا جو حوالہ آپ نے دیا ہے؛ چالیس سال جہان کی...، وہ صحیح نہیں۔ تشریحات میں صفحہ نمبر کے ساتھ سطر کی بھی صراحت کر دی گئی ہے، اور اُس سطر (یعنی چھٹی سطر) میں آپ کو وہ عبارت مل جائے گی جس کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ اس میں ایک دو لفظ کم معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے ''سطر۶'' کے بجاے سطر۴ کو دیکھا۔ سطر۶: ''آدمیت اڈت، ہمّت ہزاروں'' اس میں کمی ہے اور ضرور ہے۔

''اوبھی'' قدیم لفظ ہے، ضمیمۂ تشریحات میں (ص ۳۶۹ پر) اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اسے ''وہ بھی'' یا کچھ فرض کرنا، محض مفروضہ ہوگا اور قطعی طور پر نا قابلِ قبول۔ ''اوبھی'' اصل لفظ سے ناواقفیت نے ذہنوں کو بھٹکایا اور اِدھر اُدھر دوڑایا ہے۔ ایسے قیاسات کو اگر دخل دیا جائے تو پھر اصل متن تباہ ہو جائے گا، یہی نہیں، کوئی کتاب ہو۔

یہی صورت ''آشنا'' کی ہے۔ چوں کہ عام طور پر لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ 'آشنا'' کے ایک معنی تیرنے کا بھی ہے۔ یوں اِس لفظ کی صورت مسخ کی گئی۔ چوں کہ ''شنا'' عام تھا، جس سے ''شناوری'' بنا ہے، یوں فرض کرلیا کہ ''آ۔شِنا'' ہے۔ یہ بھی وہی قیاس باطل والی صورت ہے۔ ضمیمۂ تشریحات میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے ص ۳۷۵، ص ۳۷۱۔ نسخۂ انجمن میں ''شامل'' کے تینوں نقطے موجود ہیں، نسخۂ لاہور میں پلیٹ پر سے ایک لفظ اُڑ گیا ہے۔ ''زیور طبع سے محلّی ہوا'' یہی درست ہے، یہاں ''مجلّی'' کا محل نہیں۔ محلی اور مجلی دو الگ الگ لفظ ہیں۔ ''زیور'' کی رعایت سے ''محلّی'' آیا ہے۔ اگر روشنی وغیرہ کی رعایت ہوتی تب ''مجلّی'' آتا۔ سب نسخوں میں اسی طرح ہے اور محل بھی اسی کا ہے۔

''لفظِ ''صاحب'' کو ''مقطوع الاضافت'' لکھا گیا ہے، مگر اِس کے خلاف بھی ہوتا رہا ہے اِس بنا پر ایسے مرکّبات جن میں لفظ ''صاحب'' بہ طورِ اضافت آئے، وہ مع اضافت اور بغیرِ اضافت، دونوں طرح جائز ہیں۔ اس لیے صاحب نظر اور صاحبِ نظر دونوں اصولاً

درست ہیں۔ یہی حال صاحب خانہ کا ہے۔ مسلمہ قواعد کے لیے کثرتِ اسناد کی ضرورت نہیں ہوتی۔

آپ نے باز کی کوئی تصویر نہیں دیکھی، اس لیے الجھن پیدا ہوئی۔ اُس کے سینے پر بہت سے نقش ایسے بنے ہوتے ہیں جنھیں نعلِ اسب کے نقش کی چھوٹی کی ہوئی تصویر کہا جاسکتا ہے۔ مجھے بھی اِس کا علم اور اندازہ نہیں تھا، ایک بار نر اور مادہ کی تصویریں دیکھیں تب اِس شعر کی یاد آئی تھی۔ نقشِ نعلِ ستور، تمام روے زمیں کو سینۂ باز بنادے، یعنی پل بھر میں ساری دنیا میں گھوم آئے اور زمین اُس کے قدموں کے نشان سے باز کے سینے کی طرح نظر آئے۔ گھوڑے کے پیر پر نعل لگے ہوتے ہیں، نقش اُنھی کے بنتے ہیں۔ لفظ محض ظاہری وجود رکھتے ہیں، معنی حقیقی چیز ہیں، مگر وہ لفظوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح اصل حقیقت تو نور محمدی کی ہے، مگر اس کا طور آدم وحوا کے ظاہری وجود کے واسطے سے ہوا۔ ''مع آیاتِ قرآنی'' میں تاکید ہے؛ یعنی عام لفظوں ہی نہیں، آیاتِ قرآنی کے الفاظ کی بھی یہی صورت ہے کہ قرآن کے معنی لفظ سے پیدا ہوتے ہیں حالاں کہ لفظ کا وجود تغیر پذیر ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ معتزلہ نے خلق قرآن کا جو مسئلہ اُٹھایا تھا، کہ قرآن مخلوق ہے (جب مخلوق ہے تو حادث ہوا) وہ اِسی پر مبنی تھا کہ ہمارے سامنے لفظ آتے ہے، جو حادث ہیں یعنی قدیم نہیں۔ ''ذمّے دار'' (دالِ مہملہ کے ساتھ) لکھنا چاہیے۔ فرہنگ فارسی مرادف ہے لُغت کا۔ لفظی معنی اِن تینوں لفظوں کے دوسرے ہیں۔ البتہ اردو میں فرہنگ بہ طورِ عموم اُس حصّے کو کہتے ہیں جو کسی کتاب کے آخر میں، اُس کتاب میں شامل الفاظ کے معانی و مفہوم کی صراحت پر مشتمل ہو۔ ''ڈکشنری'' کے لیے لفظ ''لُغت'' ہے۔ اِس امتیاز کو باقی رکھنا چاہیے۔ قاموس کے اصلی معنی تو ''دریاے عمیق'' ہیں۔ فیروز آبادی نے اپنے عربی لغت کا نام اسی رعایت سے قاموس رکھا تھا، یوں بہ لفظ ڈکشنری کے معنی میں چل نکلا۔ اور پھر قاموس الاعلام، قاموس الاصطلاحات جیسی کتابوں کے نام کے طور پر استعمال کیا گیا۔ مطلق ڈکشنری کے معنی میں اردو میں اِسے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے لیے ''لغت'' ہی مناسب ہے اور لغت مذکر ہے، اگرچہ اب کچھ لوگ مونث بھی کہتے اور لکھتے ہیں۔ اسے بھی مان لیا جائے گا۔ میں خود مذکر کہتا اور لکھتا ہوں، مگر مونث کو غلط نہیں کہتا۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۷
۸؍فروری ۱۹۹۳ء [9]

مکرّمی! آپ کا پوسٹ کارڈ مرقومہ ۲۹؍جنوری، مجھے خاصی تاخیر سے ملا، مگر مل گیا۔ تعجب اِس پر ہے کہ میں نے آپ کو تین خط لکھے، اور آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی نہیں پہنچا!!

آپ نے جس قدر استفسار کیے تھے، سب کا جواب لکھ دیا تھا۔ اب باقی سوال تو مجھے یاد نہیں، ایک سوال بس یاد ہے کہ آپ نے فسانۂ عجائب کی ایک عبارت کے ایک ٹکڑے کے متعلق دریافت کیا تھا کہ وہ شاملِ متن نہیں۔ میں نے جواباً لکھ دیا تھا کہ سرور نے جب اِس کتاب پر آخری بار نظرِ ثانی کی، تو وہاں پر عبارت کی ترتیب کو بدل دیا، عبارت میں کمی نہیں ہوئی، مگر بعض جملوں کی ترتیب بدل گئی اور وہ ٹکڑا، جس کا حوالہ دیا تھا، اِسی عبارت میں نئی جگہ پر موجود ہے۔ اب آپ اُس عبارت کو ازسرِ نو اِس روشنی میں دیکھیے۔ اب آپ کو وہ ٹکڑا ذرا پہلے مل جائے گا۔

اگر یہ خط مل جائے تو اِس کی رسید سے ضرور مطّلع کریں۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی
۲۳؍اپریل ۱۹۹۳ء [10]
مکرّمی!

آپ کا خط مرقومہ ۱۹؍اپریل ملا۔ چُھپنا اور چھپنا میں دہلی و لکھنؤ کا اختلاف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے باغ و بہار ص ۴۶۰۔ لفظ دونوں صحیح، دونوں فصیح۔ ''ڈِنگارا'' میں پہلا حرف (ڈ) مکسور بھی ہے اور مفتوح بھی۔ نون غنّہ ہے۔ ڈنگارا، بروزنِ سہارا۔ غنّہ آواز اِس میں ویسی ہی ہے جیسے بھنورا اور گنوانا میں ہے، واضح۔ ''ڈبونا'' میں ڈال پر پیش ہے۔ دابنا اور دبانا، دونوں فصیح ہیں۔ معنی کی تفصیل کے لیے لغت دیکھ لیجیے، ان کے متعدد

معانی ہیں۔

ڈبونا اور ڈوبنا غرق کرنا کے مفہوم میں تو مرادف ہیں اور بعض معانی میں دونوں الگ الگ بھی ہیں۔ تفصیل لغات میں موجود ہے۔ پوری تفصیل نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی

گائر ہال

۳ر جون ۱۹۹۳ء [۱۱]

صابر صاحب! آداب

خط ملا۔ مبارک باد کا شکریہ۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں گے اور آپ کی صحت بھی پہلے کے مقابلے میں بہتر ہوگی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی

۷راگست ۱۹۹۳ء [۱۲]

صابر صاحب!

دنوں کے بعد آپ کا خط ملا۔ حالات پڑھ کر سخت قلق ہوا۔ آپ کی پریشانی کا اندازہ کرسکتا ہوں۔ خدا کرے وہ بچہ جلدتر واپس آجائے۔ مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُس کے ساتھ گھر میں ناروا سختی کا برتاو کیا جاتا ہوگا۔ نئے لڑکوں کی نفسیات پرانوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے اور اُسے سمجھے بغیر اُن پر پابندیاں عائد کرنا یا ڈانٹنا ڈپٹنا مناسب نہیں ہوتا۔ بچوں کو اب بڑی حد تک آزادی چاہیے ہوتی ہے اور گھر والے اُسے غیر مناسب سمجھتے ہیں۔ اِس کا ردِ عمل اپنا کام کرتا رہتا ہے۔

میں دُعا کرتا ہوں کہ وہ بچہ جلدتر گھر آجائے۔ اگر ذہنی طور پر اُسے یہ اطمینان ہوسکا

کہ گھر پر ڈانٹ پھٹکار سے سابقہ نہیں پڑے گا اور باز پُرس نہیں ہوگی، تو جلد ہی لوٹ آئے گا۔ مجھے آپ سے اِس معاملے میں بہت ہم دردی ہے۔ خدا آپ کی مدد کرے۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی
۱۸/دسمبر ۱۹۹۳ء[۱۳]
مخلصی!

آپ کے دو خط جواب طلب تھے۔ تاخیر کی معذرت۔ آپ جس تعلقِ خاطر کے ساتھ آپ اُس بچّی کے لیے فکر مند ہیں اُس کے لیے بہ دل ممنون ہوں۔ آپ کے خطوں سے دکھے ہوئے دل کو بہت تسکین ملتی ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

ہومیو پیتھی کی دوا کے سلسلے میں ایک بات دریافت طلب ہے کہ کیا اِسے انگریزی دوا کے ساتھ ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے؟ سنتے یہ آئے ہیں کہ انگریزی دوا اگر استعمال کی جا رہی ہو تو پھر ہومیو پیتھی کی دوا اپنا اثر کھو دیتی ہے۔ معلوم نہیں صحیح صورتِ حال کیا ہے۔ انگریزی دوا تو بہ ہر حال جاری رہے گی۔

شاہ جہان پور میں کوئی اچھا ہومیو پیتھک ڈاکٹر نہیں۔ بہ ہر حال آپ کی لکھی ہوئی دوا کے متعلق مشورہ کروں گا جب گھر جاؤں گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی
شاہ جہان پور
یکم نومبر ۱۹۹۶ء[۱۴]

صابر صاحب!

ایک زمانے کے بعد آپ کا خط آیا۔ خط ۲۷/ستمبر کا ہے، مگر مجھے ملا ہے ٹھیک ۲۷/اکتوبر کو۔ میں ۱۵/ستمبر کو بمبئی کے لیے روانہ ہوا تھا اور ۲۷/اکتوبر کو واپسی ہوئی۔ اس صورت میں

آپ کا خط پہلے کیسے ملتا۔

غالبؔ کے جس شعر کا حوالہ آپ نے اردو املا ص ۲۹۷ کے واسطے سے دیا ہے، وہ مولفِ نور اللغات کا تسامح ہے۔ شعر دراصل حالیؔ کا ہے۔ اگر میں اِس کی نشان دہی حاشیے میں کر دیتا تو شاید بہتر ہوتا۔ یہ شعر دیوانِ حالیؔ میں موجود ہے۔

''پول'' تو مذکر ہے، میں نے موئنث نہ پڑھا نہ سنا۔ ڈھول کا پول بالکل درست ہے۔ ڈھول کی پول میں نے نہیں سنا۔ بڑے شرم کی بات ہے سنا تو ہے، مگر تحریر میں ہمیشہ شرم کو موئنث دیکھا۔ میری زبان پر بھی موئنث ہے۔ میں بہت شرم کی بات لکھوں گا۔

آپ بلا تکلّف سوالات بھیج سکتے ہیں، مجھے جو کچھ معلوم ہوگا، ضرور لکھوں گا۔

میری پوتی اب ٹھیک ہے۔ اب معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں کی پچھلی تشخیص غلط تھی۔ سخت پریشان کن دور گزرا ہے۔

خدا کرے اب آپ کی صحت بہتر ہو۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی

شاہ جہان پور

۷ر نومبر ۱۹۹۶ء [۱۵]

صابر صاحب! آداب

آج اور ابھی آپ کا خط ملا۔ فوراً جواب لکھ رہا ہوں۔ اِس سے پہلے والا خط بھی مل گیا تھا، مگر ایک مہینے کے بعد جب میں بمبئیؔ سے واپس آیا۔ اُس کا جواب چند روز پہلے بھیجا تھا۔ شاید اب تک آپ کو مل چکا ہو، احتیاطاً اُن باتوں کی تکرار کرتا ہوں۔

(۱) متعلقہ شعر غالبؔ کا نہیں، حالیؔ کا ہے اور دیوانِ حالیؔ میں موجود ہے۔ مجھے حاشیے میں اِس کی وضاحت کر دینا چاہیے تھی، جو رہ گئی۔

(۲) ''شرم'' لازماً موئنث ہے۔ میں ''بہت شرم کی بات ہے'' کہوں گا۔ سننے میں ہر طرح کے کلمے اور جملے آتے رہتے ہیں، وہ سب درجۂ استناد نہیں رکھتے۔

(۳) ''پول'' بھی موئنث ہے۔ سماعت پر نہ جایئے، اصل کا لحاظ رکھیے۔ ابھی اِس

نے اِس قدر رواج نہیں پایا کہ قابلِ قبول اور لائقِ سند بن سکے۔
خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی
شاہ جہان پور
۲۴ رنومبر ۱۹۹۶ء [۱۶]

صابر صاحب!

۲۰ رنومبر کا خط مل گیا، شکریہ۔ یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ یہ خط لکھا۔ جلدی میں نہ جانے کیا میں لکھ گیا تھا، اُن نوشتوں کو کالعدم سمجھیے۔

''پول'' کو صرف ایک لغت ''اردو لغت'' (ترقی اردو بورڈ، کراچی) میں مذکر اور مونث دونوں طرح لکھا گیا ہے؛ مگر مونث کی کوئی ایک مثال بھی درج نہیں کی گئی، مثالیں صرف مذکر کی لکھی گئی ہیں۔

ڈھول کا پول یا کی پول، نور اللغات اور فرہنگِ آصفیہ دونوں میں مندرج نہیں۔ نور میں ''ڈھول کے اندر پول'' ضرور ہے، مگر اِس سے مفرد لفظ ''پول'' کی تذکیر و تانیث ظاہر نہیں ہوتی۔ مفرد لفظ ''پول'' نور میں ہے، مگر تذکیر و تانیث کی صراحت کے بغیر اور آصفیہ میں یہ سرے سے موجود ہی نہیں

اردو لغت میں ''ڈھول کا پول'' اور ''ڈھول کے پول'' ہے۔ ''ڈھول کی پول'' اس میں کہیں نہیں۔ ہاں ڈھول کا پول کھلنا اور کھولنا، مندرج ہے، مگر اِس سے مفرد لفظ ''پول'' کی تذکیر و تانیث ظاہر نہیں ہوتی۔

اب تک جس قدر مثالیں سامنے آئی ہیں، اُن میں ''پول'' بہ تذکیر ہے، جیسے: ڈھول کا پول کھلنا، ڈھول کا پول کھولنا، ڈھول کا پول۔ ''ڈھول کی پول'' تحریر میں کہیں نہیں دیکھا گیا۔ ہاں سُنا ضرور ہے۔

۷ رنومبر کے خط میں ''پول بھی مونث ہے'' لغزشِ قلم ہے۔ ''مذکر ہے...'' کا محل ہے۔ ازراہِ لطف اس کی تصحیح کر لیجیے۔

اب صورت یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص ڈھول کی پول لکھے یا کہے، تو میں اُسے غلط تو نہیں کہوں گا، مگر خود ''ڈھول کا پول'' اور ''پول کھل گیا'' لکھوں گا۔ میں ''پول'' کو مذکر مانوں گا۔ ہاں سماعت کی بنا پر ''کی پول'' کو غلط نہیں کہوں گا۔ تذکیر و تانیث میں ایسی دورنگی عام ہے۔ مرجح صورت ہر صورت میں ''ڈھول کا پول'' ہے۔

''مصروفیات ایک خوشی کے سبب تھیں''، کیوں صاحب! وہ کیا خوشی تھی؟ اِس کی تفصیل تو لکھی ہوتی؛ میں مٹھائی تو طلب نہیں کرتا، ہاں آپ کے ساتھ آپ کی خوشی میں ضرور شریک ہو جاتا، غائبانہ طور پر ہی سہی۔

مثنویاتِ نواب مرزا شوق لکھنوی غالباً دسمبر کے وسط تک چھپ جائے گی۔ اِس مجلد میں شوق کی تینوں مثنویاں شامل ہیں: فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ عارف حسن خاں سے ملاقات ہو تو میرا اسلام کہیے۔ دہلی جاتے ہوئے ہر بار مرادآباد سے گزرنا ہوتا ہے [میں عموماً بس سے دہلی کا سفر کرتا ہوں] تو اُن کی یاد آجاتی ہے۔ چوں کہ رُک نہیں سکتا، اِس لیے ملاقات کی نوبت نہیں آپاتی۔ ۴ر دسمبر کو اور ۲۰ر دسمبر کو پھر جانا ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی

شاہ جہان پور

۲راپریل ۱۹۹۷ء

صابر صاحب!

ایک زمانے کے بعد آپ نے خط لکھا (مرقومہ ۷ر مارچ)۔ میں ۱۴ر فروری کو بمبئی گیا تھا، اب واپس آیا ہوں، ڈیڑھ ماہ کے بعد۔ بہ غرضِ علاج گیا تھا، اب بھی زیرِ علاج ہوں۔ شاید دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

ہاں میں نے تیر نیم کش کے لیے ہمزہ سے متعلق اپنی پُرانی تحریر کو مرتب کر کے بھیجا تھا، اُس کی رسید نہیں آئی۔ ذرا پوچھ لیجیے گا کہ میرا خط وہاں پہنچا یا نہیں۔ عارف حسن خاں سے میرا اسلام کہیے۔

''خوجا'' مرجح ہے۔ مجھے ہر جگہ یہی لکھنا چاہیے تھا۔ دوسری اشاعت میں تصحیح کروں گا۔ توجہ دلانے کے لیے شکر گزار ہوں۔ ایسے جس قدر مقامات آپ کی نظر میں آئیں، مجھے ضرور مطلع کریں۔ یہ بڑا کام ہوگا اور مجھے اِس سے بہت مدد ملے گی۔ نسخۂ فورٹ ولیم میں ایک جگہ ''خوجا'' اور ایک جگہ ''خوجہ'' ہے۔ سنیچر کے دن آپ نے دیکھا ہوگا کہ جگہ جگہ شنی کے نام پر ایک ظرف میں تیل اور اُس میں کچھ سکّے پڑے ہوتے ہیں اور لوگ اسی میں سکّے ڈالتے ہیں۔ انھی کو کالے ٹکے کہتے تھے۔ میرے استفسار پر دہلی میں بیگم ممتاز مرزا صاحب (مرحومہ) نے بتایا تھا کہ دہلی میں جو پیسے (پُرانے تانبے والے) تیل میں ڈال کر نظر گزر کے لیے بہ طورِ خیرات دیے جاتے تھے، انھیں کالے ٹکے کہا جاتا تھا۔

کبھی کبھی خط ضرور لکھا کیجیے۔ میں آج کل مثنوی سحرالبیان مرتب کرنے کی فکر میں ہوں، مختلف خطی نسخے جمع کر رہا ہوں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: ڈاکٹر صابر سنبھلی
۳/اپریل ۱۹۹۷ء [۱۸]

صابر صاحب!

آپ کے خط کے جواب میں ایک خط کل لکھا ہے، پھر یاد آیا کہ آپ کی ایک بات جواب طلب رہ گئی، اس لیے یہ خط لکھ رہا ہوں۔

مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی سے متعلق میں ایسی کسی روایت سے واقف نہیں جس کی بنیاد پر یہ کہہ سکوں یا تصدیق کرسکوں کہ وہ جعلی روایتیں تیار کرتے تھے۔ میں اُن سے منسوب ایسی کسی روایت سے آگاہ نہیں۔ رہے انتظام کے راوی کی حیثیت سے ذرا بھی مشتبہ نہیں۔ وہ مرحوم اِس کام میں خاصے مشاق تھے۔ ملیح آبادی کی کتاب ذکرِ آزاد میں نے دیکھی ہے، کم از کم اُس میں تو ایسی کوئی روایت بہ ظاہر نظر نہیں آتی۔ اُن کی دوسری کتاب مولانا آزاد سے متعلق میں نے نہیں دیکھی۔ اُس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ اوپر مقام دہلی اور نیچے تاریخ درج ہے۔ خط مختصر ہے۔ لفافے کی پشت پر دو مہریں ۲۶؍فروری اور ۲۷؍فروری ۱۹۸۲ء کی ثبت ہیں۔

۲ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ خط دو چھوٹے صفحات پر مشتمل ہے۔ خط توتا سیاہی سے لکھا ہوا ہے۔ لفافہ بھی ساتھ نہیں ہے۔

۳ خط کے اوپر صرف گائر ہال لکھا ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط T.C. 9، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ لفافے کی پشت پر خاں صاحب کا دہلی یونی ورسٹی کا پورا پتا درج ہے۔ اس پر ڈاک خانے کی دو مہریں ۷؍جون کی اور ۹؍جون کی ہلکی نظر آتی ہیں۔

۴ لفافے کی دونوں اطراف جناب صابر سنبھلی Janab Sabir Sambhali, Saif Khan Sarai, SAMBHAL (UP) Pin: 244302

دوسری طرف مہر ثبت ہے: Rasheed Hasan Khan, T.C.9, Gwyer Hall, Delhi University, Delhi-110007

۵ یہ خط بغیر لفافے کے ہے، مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ پچھلا خط ۱۴؍اگست کا دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ متن کی کڑیاں جوڑتی ہیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ خط بھی دہلی یونی ورسٹی ہی سے لکھا گیا ہے۔

۶ خط کے ساتھ لفافہ نہیں ہے۔ خط پر تاریخ ۶؍نومبر ۱۹۹۲ء درج ہے۔ یہ خط تین صفحات پر مشتمل ہے۔ یونی ورسٹی آف بمبئی ڈیپارٹمنٹ آف اردو کے چھوٹے لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا ہے۔

۷ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی آخری سطر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ خط پر دو مہریں ہیں جو دُھندلی ہیں۔

۸ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ ڈاک خانے کی ایک مہر ۵؍دسمبر ۱۹۹۲ء کی نظر آتی ہے۔ دوسری بالکل دُھندلی ہے۔

۹ یہ پوسٹ کارڈ ہے۔ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے ہے۔ اِس سے پتا نہیں چلتا کہ خط کہاں سے لکھا گیا، لیکن ڈاک خانے کی مہر سے دہلی یونی ورسٹی کا ہلکا سا نشان دکھائی دیتا ہے۔

۱۰ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ ڈاک خانے کی مہر سے بھی پتا نہیں چلتا۔

۱۱ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ خط میں کوئی خاص بات درج نہیں۔ یہ صرف ڈھائی سطری خط ہے۔ پشت پر دو مہریں ہیں جو دُھندلی ہیں۔

۱۲ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اِن لینڈ لیٹر کی پشت پر دو مہریں ثبت ہیں۔ ایک دُھندلی

ہے اور دوسری پر ۱۶/اگست ۹۳ء کی مہر پڑھی جاتی ہے۔

۱۳ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں ہے۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا، کیوں کہ خط کی پشت پر جو ڈاک خانے کی مہر ۲۲/دسمبر ۱۹۹۳ء کی ثبت ہے اُس میں دہلی ہلکا سے پڑھا جاتا ہے۔

۱۴ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اِملا کے علاوہ اِس خط میں اُن کی پوتی کی غلط تشخیص کا ذکر ہے۔ دو مہروں میں ایک مہر ۷/نومبر ۱۹۹۶ء کی ہے۔

۱۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ خاں صاحب ایک ماہ کے بعد بمبئی سے واپس آئے ہیں۔ دو مہروں میں سے ایک مہر ۷/نومبر ۱۹۹۶ء کی ہے۔

۱۶ اِن لینڈ لیٹر کی پشت پر شاہ جہان پور ڈاک خانے کی مہر ۲۶/نومبر ۱۹۹۶ء کی ہے۔ دوسری مہر سیف خاں سرائے کے ڈاک خانے کی جو دُھندلی ہے اور صاف پڑھی نہیں جاتی۔ یہ علاقہ مرادآباد ضلع کا ہے۔

۱۷ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ پشت کی مہر سے ۳/اپریل ۱۹۹۷ء نظر آتی ہے۔ اِن لینڈ لیٹر کی پشت پر دونوں حضرات کے پتے درج ہیں۔ اِس خط میں خاں صاحب نے لکھا ہے کہ وہ ۱۴/فروری کو بمبئی گئے تھے اور اب واپس آئے ہیں۔ حروف کے استعمال کا بھی ذکر ہے۔

۱۸ اوپر مقام نہیں تاریخ درج ہے۔ اِن لینڈ لیٹر کی پشت پر ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں دہلی یونی ورسٹی کی ۳/اپریل کی اور سنبھل کی ۵/اپریل ۱۹۹۷ء کی۔

●●

بنام: صائمہ بنت نیّر مسعود رضوی

(۱)

۲۹ر دسمبر ۱۹۹۴ء[۱]

صائمہ بٹیا کو بہت سی دعائیں اور اُس سے زیادہ پیار۔

تمھارا بہت خوب صورت عید کارڈ ملا۔ دیکھ کر جی خوش ہوا اور آنکھوں میں نور۔ جیتی رہو اور خوش رہو۔

اب میں نے خیال کیا کہ ویسا نہ سہی، اُس سے ملتا جلتا کارڈ تو ضرور بھیجوں۔ سارا بازار دیکھ ڈالا، اُس قدر خوب صورت کارڈ ملا ہی نہیں، یوں سادہ خط لکھ رہا ہوں، تم یہ سمجھ لینا کہ میں نے کارڈ بھیجا ہے۔ مان لینا کیا مشکل ہے۔

میرا بہت جی چاہتا ہے کہ تم سے بہت سی باتیں کروں، کوشش کروں گا لکھنؤ آؤں اور تم کو دیکھوں۔ نیّر صاحب نے بتایا کہ تم بہت زیادہ پڑھتی ہو، یہ سن کر بہت مسرّت ہوئی۔ خدا تمھاری عمر اور علم میں برکت دے۔

نیّر صاحب نے بتایا کہ تم پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھنے لگی ہو۔ تو بٹیا! بچّوں کو زیادہ مشقت نہیں اُٹھانا چاہیے حد سے زیادہ محنت نہیں کرنا چاہیے۔ اِس اچھے کام کو فی الفور امّی جان کے لیے چھوڑ دو۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

لو، اصل بات تو رہ ہی گئی: نئے سال کی بہت بہت مبارک باد!!

(۲)

۸ر جنوری ۱۹۹۷ء

ثمرہ بیٹی کو بہت سی دعائیں۔ نیا سال مبارک۔

تمھارا بہت پیارا خط ملا۔ پڑھ کر میرا جی بہت خوش ہوا۔ تم نے بہت اچھا خط لکھا ہے۔

جیتی رہو اور خوش رہو۔ تمھاری سال گرہ پر تم کو بہت سے تحفے ملے، اس کا حال پڑھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ میں تو وہاں تھا نہیں اور تم نے مجھے سالگرہ کا بتایا بھی نہیں، ورنہ میں بھی کوئی تحفہ دیتا۔ سال گرہ تو نکل گئی اب تو وہ ایک سال بعد آئے گی۔ مگر عید آنے والی ہے۔ تمھاری عیدی کے -/۲۰ اس لفافے میں رکھ دیے ہیں۔ انھیں اپنے پاس رکھنا اور اپنی امّی کو نہ دینا۔ نہیں تو وہ بینک میں جمع کر دیں گی۔

اس گھر میں ہماری ایک اور بھتیجی بھی تھی۔ نام تھا صائمہ تم ان کو جانتی ہو؟ ان سے تمھاری ملاقات ہوتی ہے؟ اگر کسی دن ملاقات ہو تو میری طرف سے بہت سی دعائیں پہنچا دینا۔ تمھارے ایسے ہی پیارے سے خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: صائمہ

شاہ جہان پور

۳۰ / مارچ ۱۹۹۸ء

صائمہ کو بہت بہت دُعائیں۔ توقّع ہے کہ تم اچھی طرح ہوگی اور امتحان کی تیاری پوری طرح ہو چکی ہوگی۔ تمھارے ہاتھ کا کھانا کھانے کو بہت جی چاہتا ہے، مگر یہ جانتا ہوں کہ تم آج کل امتحان کی تیاری میں لگی ہوگی، اِس لیے تم کو دو دلانہیں کرنا چاہتا۔ جب تم امتحان سے فرصت پالوگی، تب آؤں گا تاکہ تم اطمینان سے بہت عمدہ کھانا تیار کرسکو۔

ثمرہ کیسی ہیں، اُن کو بھی دعائیں۔ اُن کا بھی امتحان ہو رہا ہوگا، اُن کو اکثر یاد کرتا ہوں۔ اور ہاں، تم نے ایک دفعہ کے بعد پھر اپنی کوئی تحریر نہیں بھیجی، کیا اُس کے بعد کچھ نہیں لکھا؟ اب میں نے یہ طے کرلیا ہے کہ جب تم پہلے کی طرح کچھ لکھ کر بھیجوگی، تب میں وہاں آؤں گا۔ اپنی امّی جان سے میرا سلام کہو۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: صائمہ

۱۳؍جنوری ۱۹۹۸ء

پیاری بیٹی صائمہ کو دعائیں۔

آج ہی تمھارا بھیجا ہوا کارڈ ملا۔ بہت خوشی ہوئی۔ تم کیسی ہو؟ پڑھائی کیسی ہو رہی ہے؟ تمھارا تو نام ہی ''صائمہ'' ہے۔ یوں تم تو روزے ضرور رکھ رہی ہوگی۔ اب تو سردی کا موسم ہے۔ روزے رکھنا کچھ ایسا مشکل بھی نہیں۔ اللہ میاں تو بہت اچھے اور مہربان ہیں، اسی لیے انھوں نے اپنے بندوں کو بہت سی آسانیاں دی ہیں۔ خاص کر بچوں کو اور لڑکیوں کو، کہ وہ روزہ رکھ کر بھی چائے پی سکتی ہیں اور سب سے چُھپ کر پانی بھی پی سکتی ہیں۔ بس کھانا نہیں کھا سکتیں۔ ہاں لڑائی جھگڑا کرنے پر پابندی ہے مگر مار پیٹ پر کچھ پابندی نہیں۔

اور ہاں، تم نے کیا مضمون لکھنا اور کہانی لکھنا چھوڑ دیا ہے؟ تم نے ادھر میرے پاس اپنی لکھی ہوئی کوئی چیز بھیجی نہیں۔ مجھے تو بہت انتظار رہتا ہے۔ کہانیاں لکھنا بہت اچھی بات ہے۔ اب جب کوئی مضمون یا کہانی لکھنا تو مجھے ضرور اِطّلاع دینا مجھے اس سے بہت خوشی ہوگی۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: صائمہ

۱۱؍جنوری ۱۹۹۹ء

پیاری بیٹی صائمہ کو بہت سی دعائیں۔

تمھارا بھیجا ہوا کارڈ ملا۔ ایسا خوب صورت کارڈ ہے کہ آنکھوں کی روشنی بڑھ گئی اسے دیکھ کر۔ جیتی رہو اور ہمیشہ خوش رہو۔ دُعا کرتا ہوں کہ یہ نیا سال تمھارے لیے کامیابی، مسرّتیں اور راحتیں لائے۔ امتحان میں امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کرو۔ اپنی امّی سے میرا سلام کہو۔ تم مجھے ہمیشہ یاد آتی ہو اب یہ میری کاہلی ہے کہ تم کو کارڈ نہیں بھیج پاتا۔ کیا کروں! مگر یہ بات ضرور ہے کہ ہر نئے سال کی آمد پر دل میں یہ خیال ضرور آتا ہے کہ صائمہ بٹیا کا کارڈ آتا ہی ہوگا۔ بہت دن جیو، بہت خوش رہو۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: صائمہ

۱۱رجنوری ۱۹۹۹ء

پیاری بیٹی ثمرہ کے لیے ہزاروں دعائیں اور بے شمار نیک تمنائیں۔

تمھارا بھیجا ہوا بہت پیار کارڈ ملا، جسے دیکھ کر تمھارے لیے دل سے دعا نکلی۔ تم مجھ کو یاد رکھتی ہو اور یاد بھی کرتی ہو۔ ہر نیا سال تمھاری محبت کا نیا پیغام لے کر آتا ہے کسی شخص کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کو یاد رکھا جائے۔ تمھارے لیے بہت سی دعائیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم اسی طرح ہمیشہ نئے سال پر اپنے خان چاچا کو یاد کرتی رہوگی۔

خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے۔ اپنی امّی سے میرا اسلام کہو اور اپنے ابّو سے بھی۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: صائمہ

۱۸رجنوری ۱۹۹۹ء

عزیزہ صائمہ!

میرے دونوں خط تم کو اور ثمرہ کو مل گئے ہوں گے۔ میری پوتی سعدیہ نے تم دونوں کے لیے اپنے ہاتھ سے جو کارڈ بنائے تھے وہ بھیج رہا ہوں۔ سعدیہ چوتھے درجے میں پڑھتی ہیں اور تم دونوں کو پیار بھرا اسلام کہہ رہی ہیں۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: صائمہ

۱۱رجنوری ۲۰۰۰ء

بہت پیاری بھتیجیوں صائمہ اور ثمرہ کو بہت بہت دعائیں۔

آج تمھارا عید کارڈ ملا۔ بہت جی خوش ہوا اور تم دونوں کے لیے دل سے دعائیں نکلیں کہ خدائے پاک تم کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ بہت لائق و فائق بنائے اور بہت شہرت عطا

کرے کہ تم اپنے گھر کا نام اور روشن کرسکو۔

یہاں سردی بہت پڑ رہی ہے، وہی بات کہ:

صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

دن بھر انگیٹھی کے پاس بیٹھا رہتا ہوں۔ لکھنا پڑھنا سب بند ہے دس بارہ دن سے۔ وہاں کا احوال بھی ایسا ہی ہوگا۔ تمھاری تعلیم وتربیت کا احوال تو معلوم ہے، مگر تمھاری مضمون نگاری کا حال دنوں سے معلوم نہیں ہوا۔ بہت دن ہوئے جب تم نے ایک مضمون بھیجا تھا، جسے پڑھ کر بہت مسرّت ہوئی تھی۔ اب تک تو کئی اچھے مضمون جمع ہو گئے ہوں گے میں اس دن کا بہت شوق کے ساتھ انتظار کروں گا جب تمھارے مضمون رسالوں میں پڑھوں گا اور پھر تمھاری کتابیں دیکھوں گا۔

اپنی امّی سے میرا اسلام کہو۔ خدا تم کو ہمیشہ شادماں رکھے اور تم اسی طرح مجھے مبارک باد کے کارڈ بھیجتی رہو۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: صائمہ

۸ر جنوری ۲۰۰۰ء

پیاری بیٹی صائمہ کو ڈھیر ساری دعائیں۔

تمھارا بھیجا ہوا کارڈ مل گیا۔ تم ہمیشہ یاد رکھتی ہو اور یاد کرتی ہو۔ تمھارے لیے دل سے دُعا نکلتی ہے کہ تم خوب پڑھو، خوب لکھو اور ہمیشہ خوش وخرم رہو اور ترقی کرتی رہو۔

کارڈ بہت خوب صورت ہے۔ میں نے اسے حفاظت کے ساتھ اپنی میز کے نیچے محفوظ کرلیا ہے۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: صائمہ

۲۳ر اگست ۲۰۰۰ء

عزیزہ صائمہ! دعائیں۔

اسلم محمود صاحب کا خط کل آیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ نیّر مسعود صاحب بیمار ہیں اور اسپتال میں داخل ہیں۔ اس سے بہت تشویش ہوئی۔ تم پوری صورتِ حال لکھ کر بھیجو کہ اب وہ کیسے ہیں۔ خدا کرے بالکل ٹھیک ہو چکے ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: صائمہ

۳۱ر دسمبر ۲۰۰۲ء

پیاری بٹیا ثمرہ کو درازیِ عمر کی بہت سی دُعائیں۔

کارڈ ملا۔ میں تو بس انتظار ہی کر رہا تھا کہ ثمرہ کا کارڈ آتا ہی ہوگا۔ کیسا جی خوش ہوتا ہے تمھارا کارڈ پا کر۔ تم یاد رکھتی ہو اپنے خان چاچا کو اور یاد کرتی ہو اس موقعے پر، اس لیے نئے سال کے ساتھ تمھاری یاد بھی آتی ہے اور دل سے دعا نکلتی ہے۔ خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے اور تم ہر سال اسی طرح یاد کرتی رہو۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: صائمہ

۳۱ر دسمبر ۲۰۰۲ء

پیاری بیٹی صائمہ کو بہت بہت دعائیں۔ (سرنامے میں بہت اچھی اور ہمیشہ یاد رکھنے والی بیٹی صائمہ کے لیے)

کارڈ ملا۔ اب میں ایسا کارڈ کہاں سے لاؤں۔ یوں خط لکھ رہا ہوں۔ تم تو اب بڑی ہوگئی ہوگی۔ اچھے اچھے کھانے بھی پکانے لگی ہوگی (اپنے گھر کی روایت کے مطابق)۔ کوشش کروں گا کہ کبھی وہاں آ کر تمھارے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاؤں اور تم کو دعائیں دوں۔ ہر سال کے خاتمے پر اپنے آپ یہ خیال دل میں آجاتا ہے کہ صائمہ کا کارڈ آتا ہوگا، اور وہ آجاتا ہے۔ جیتی رہو اور خوش رہو۔ نیا سال مبارک ہو۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: صائمہ
۱۲؍جنوری ۲۰۰۵ء

پیاری بیٹیوں صائمہ اور ثمرہ کو بہت بہت دعائیں۔

میں کئی دن سے سوچ رہا تھا کہ اب کے صائمہ نے بھلا ہی دیا اور ثمرہ نے بھی انھی کا ساتھ دیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایسا کیوں ہوا۔ ہر سال کے شروع ہی میں آنکھیں دروازے پر لگی رہتی ہیں کہ صائمہ اور ثمرہ کا لفافہ آتا ہی ہوگا جو اس قدر خوب صورت ہوگا کہ اسے دیکھتے ہی آنکھوں کی روشنی بڑھ جائے گی۔ کئی دن گزر گئے اور کوئی ایسا لفافہ نہیں آیا جسے دور ہی سے دیکھ کر آنکھیں پکار اٹھیں کہ اسے تو ہماری بیٹیوں نے بھیجا ہے۔ سوچتا رہا، سوچتا رہا۔ پھر اچانک کل ۱۱؍جنوری کو وہ لفافہ آ گیا۔ جی خوش ہوگیا اسے دیکھتے ہی دل سے دعا نکلی کہ تم دونوں ہمیشہ خوش و خرّم رہو۔ یہ سال بھی خوشی کا پیغام لانے والا بن جائے اور ہر سال زندگی میں کامیابی اور مسرّت کا اضافہ کرتا رہے۔ اپنی امّی سے بھی میرا اسلام کہو۔
بہت سی دُعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: صائمہ
۶؍جنوری ۲۰۰۶ء

پیاری بیٹی ثمرہ! ہمیشہ خوش رہو۔

پرسوں تمھارا بھیجا ہوا بہت خوب صورت کارڈ ملا۔ بہت جی خوش ہوا۔ دل سے دُعا نکلی کہ تم ہمیشہ خوش و خرّم اور بامراد رہو۔ میری طرف سے بھی نیا سال تم کو اور گھر کے سب لوگوں کو مبارک ہو۔ دعا یہ ہے کہ یہ آنے والا سال پچھلے سال کی طرح نہ ہو۔

صائمہ کہاں ہیں؟ ان کو میں نے اب کے بہت یاد کیا۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ تم اور صائمہ دونوں اپنے متعلقین کے ساتھ عافیت کے ساتھ رہو اور اپنی امّی اور اپنے ابّا سے میرا سلام کہو۔

تمھارا چاچا رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بھی صائمہ بنت نیّر مسعود رضوی صاحب کے نام کا ہے۔ اس میں ثمرہ کا ذکر نہیں۔

۲ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ لفافے کی پُشت پر پتا یوں درج ہے: نیّر مسعود صاحب، ادبستان دین دیال روڈ، لکھنؤ-226003۔ پُشت پر ڈاک خانے کی تین مہریں ثبت ہیں، جن میں سے ایک ۳۰ رمارچ ۱۹۹۸ء اردو میں ہے اور دوسری مہر ۲۱ رمارچ ۱۹۹۸ء انگریزی ہندسوں میں ہے۔ یہ خط نیّر مسعود صاحب کی بیٹی صائمہ کو لکھا گیا ہے اور ثمرہ کی بھی خیریت معلوم کی گئی ہے۔ نیّر مسعود صاحب کی یہ دونوں بیٹیاں ہیں۔

۳ اِس سال ۲۰۰۶ء میں ثمرہ نے لکھنؤ سے اور صائمہ نے دہلی سے خاں صاحب کو تہنیتی کارڈ بھیجے۔ ثمرہ کے کارڈ کا جواب آ گیا (صائمہ کا لفافہ معلوم نہیں کیوں اس کے پتے پر واپس آ گیا) ثمرہ کے نام خط میں ان کی تحریر ذرا بگڑی ہوئی ہے۔ اپنا نام بھی انھوں نے خلافِ معمول پورا نہیں لکھا۔

○○○

DEPARTMENT OF URDU
FACULTY OF ARTS
UNIVERSITY OF DELHI
DELHI-6

صدر صاحب اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول [illegible]

جنابِ محترم!

مینیجنگ کمیٹی نے میری رخصت بلا تنخواہ، اور اکتوبر ۶۳ء تک کی منظور کی تھی، اس کے ساتھ ہی اس سے بھی مطلع کیا تھا کہ اب اس میں توسیع ممکن نہیں۔ یہ مدت قریب الختم ہے۔ میں نے آپ سے زبانی عرض کیا تھا کہ جس وقت بھی میرے گریڈ کے متعلق تیقن ہو جائے گا میں اسکول کی ملازمت سے استعفا پیش کر دوں گا۔ یونی ورسٹی نے اب سے چند ماہ پہلے میرے لیے ایک مناسب گریڈ منظور کر لیا تھا جس کی باضابطہ اطلاع مجھے اب ملی ہے، اس لیے اصولاً اب مجھے مستعفی ہو جانا چاہیے۔

براہِ کرم یکم نومبر ۶۳ء سے میرا استعفا منظور فرمایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی بھی اجازت دی جائے کہ میں [illegible] کی رقم بھی حاصل کر سکوں۔

جنابِ صدر! میں نے اسلامیہ اسکول سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا، بلکہ صحیح معنی میں اسی ماحول میں شعور کی آنکھیں کھولیں۔ اچھے ماحول کے اثرات اور اچھے ساتھیوں کی ہمت افزائی سے اور اسکول کی چھوٹی سی لائبریری کے فیض سے، مطالعے کا شوق اور بڑھا۔ لائبریری کی اچھی کتابوں نے تنقید و تحقیق کی طرف متوجہ کیا، اور آٹھ برس کی نسبتاً طویل مدت اس کے نشو و نما کے لیے بہت سازگار ثابت ہوئی۔ لائبریری کی کتابوں نے، میرے ہم پیشہ رفیقانِ کار کی ہمت افزائی نے اور اربابِ اختیار کی خاموش سرپرستی نے، مجھے اس قابل بنایا کہ میں اعلیٰ تحقیقی کاموں میں حصہ لینے کا اہل سمجھا جاؤں۔

میں نے جس وقت اسلامیہ اسکول میں یہاں ملازمت کے لیے درخواست دی تھی، اُس وقت میرے پاس کسی یونی ورسٹی، کسی کالج یا کسی اسکول کی کوئی ڈگری نہیں تھی، اس کے باوجود آپ نے ازراہِ التفاتِ خاص مجھے منتخب فرمایا تھا۔ آج جب میں ہندوستان کی ایک اعلیٰ ترین یونی ورسٹی میں کام کر رہا ہوں، آج بھی کسی ایسی سند سے تہی دست ہوں۔ یہ اہمیت اسی اسکول کی بخشی ہوئی ہے، اور اس روایت کے نقشِ اوّل آپ ہیں۔

جس وقت دہلی یونی ورسٹی کی موجودہ ملازمت کے سلسلے میں، میں نے آپ سے رجوع کیا تھا، آپ نے نہایت توجہ سے میری بات سنی، خلوص

DEPARTMENT OF URDU
FACULTY OF ARTS
UNIVERSITY OF DELHI
DELHI-6

پچھلی دہائی کے ساتھ مشورے دیے اور میرے مستقبل کی فلاح کے لیے ، وہ سارے آسانیاں فراہم کیں ، جن کے بغیر ، میں موجودہ ملازمت کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا ، نہ اتنے طویل عرصے تک اس سے متعلق رہ سکتا تھا ۔۔۔ ان کرم فرماؤں کا بے پایاں شکریہ ادا کرنا ، زبان و قلم کے بس کی بات نہیں ۔

میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ منیجنگ کمیٹی کے معزز ممبروں کا بطورِ خاص شکریہ ادا کروں ، جنھوں نے بے مثال وسیع القلبی کے ساتھ ، اس قدر طویل مدت کی رخصت کو منظور فرمایا ۔ اس مرحلۂ دشوار کا طے ہونا ، بظاہر آسان نہ تھا ۔

میں اپنے پرنسپل صاحب کا بھی شکر گزار ہوں ۔ موصوف سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے ۔ غالب کی نظم کی طرح اُن کی تہ دار گفتگو ، حالی کی نثر کی طرح سادہ تحریر ، اور ان سب سے زیادہ اُن کے طرزِ زندگی نے مجھے متاثر کیا جو آرائش و زیبائش سے اُسی قدر محفوظ ہے ، جس قدر ہمارا اسکول پیپل کے پیڑوں سے اور سبزے سے خالی رہا ہے ۔ شروع میں مجھ سے بے پناہ ناتجربہ کاری اور کبھی بے پناہ خود پسندی سے (جو نوجوانی کا لازمہ ہے) بارہا غلطیاں ہوئیں ، اور موصوف نے ہر بار خوش دلی سے درگزر سے کام لیا ۔ میں نے اسکول کے بعض معاملات و مسائل میں موصوف سے اختلاف بھی کیا ، اور عملی طور پر بھی ، لیکن اُنھوں نے کبھی اُسے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا اور کبھی اپنے اختیاراتِ خصوصی کو اس طرح بروئے کار لائے کہ میں خود اپنے مسلّمات کو ، مفروضات بلکہ موہومات سمجھنے پر مجبور ہو گیا ۔ اس طرح عملی زندگی کے دو رستے کے نشیب و فراز سے آشنائی بخشی ۔ میں ان کا ہمیشہ معترف رہوں گا اور ان کا منت پذیر ۔

جنابِ صدر ! میں اسکول سے محض ضابطہ کی بنا پر ترکِ تعلق کر رہا ہوں ، ذہنی و جذباتی تعلق ہمیشہ قائم رہے گا ۔ اولین درسگاہ کو بھلانا بھی کون سا آسان ہے ! اُس کی نیم شکستہ دیواریں ، اُس کے کمرے جو بارش میں ٹپکتے ہیں (جو دھوپ اور بارش کو نیچے منتقل کرنے میں بھی بخل نہیں کرتے) اُس کا پیپل کا پیڑ اور اُس کا پرشکوہ ہال ، اُس کی لائبریری کا گرد آلود کمرہ (جہاں میں نے بہت کچھ سیکھا سمجھا ہے) اُس کے غریب طلبہ اور محنتی اساتذہ ، یہ سارے نقوش ، ذہن کی لوح پر ہمیشہ ہمیشہ مرتسم اور تابناک رہیں گے ۔ میں ہمیشہ دل سے اسکول کا بہی خواہ رہوں گا ، ہر وقت میری خدمات اُس کے لیے حاضر رہیں گی ، اور کوشش کرتا رہوں گا کہ اپنی نارسائی کے باوصف ، اسکول کے فیوض کا حق ادا کر سکوں ، دست بہ دعا ہوں کہ خدائے قدوس مجھے اس کی توفیق بخشے اور اپنے بزرگوں ، مشفقوں کے مستفیض ہونے کی سعادت حاصل رہے ۔

نیازمند
رشید حسن خاں ۔ پرشین ٹیچر
اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول ،
شاہجہان پور

۹ نومبر ۵۹ء

بنام: صدر اسلامیہ ہائر سیکنڈری اسکول، شاہ جہان پور

(۱)

۲۹/اکتوبر ۱۹۶۴ء[۱]

جنابِ مکرّم!

مینجنگ کمیٹی نے میری رخصتِ بلاتنخواہ، ۳۱/اکتوبر ۶۴ء تک کی منظور کی تھی، اِس کے ساتھ ہی اِس سے بھی مطلع کیا تھا کہ اب اِس میں توسیع ممکن نہیں۔ یہ مدّت قریبُ الختم ہے۔ میں نے آپ سے زبانی عرض کیا تھا کہ جس وقت بھی میرے گریڈ کے متعلق فیصلہ ہوا؛ میں اسکول کی ملازمت سے استعفا پیش کردوں گا۔ یونی ورسٹی نے اب سے چند ماہ پہلے میرے لیے ایک مناسب گریڈ منظور کرلیا تھا، جس کی باضابطہ اطلاع مجھے اب ملی ہے، اِس لیے اصولاً اب مجھے مستعفی ہوجانا چاہیے۔

براہِ کرم یکم نومبر ۶۴ء سے میرا استعفا منظور فرمایا جائے۔ اِس کے ساتھ ساتھ اِس کی بھی اجازت دی جائے کہ میں اپنے پرویڈنٹ فنڈ کی رقم بھی حاصل کرسکوں۔

جنابِ صدر! میں نے اسلامیہ اسکول سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا، بلکہ صحیح معنی میں اِسی ماحول میں شعور کی آنکھیں کھلیں۔ اچھے ماحول کے اثر سے، اچھے ساتھیوں کی ہمت افزائی سے اور اسکول کی چھوٹی سی لائبریری کے فیض سے، مطالعے کا شوق اور بڑھا۔ لائبریری کی اچھی کتابوں نے تنقید و تحقیق کی طرف متوجہ کیا، اور آٹھ برس کی نسبتاً طویل مدّت اس کی نشوونما کے لیے بے حد سازگار ثابت ہوئی۔ لائبریری کی کتابوں نے، میرے بیشتر رفیقانِ کار کی ہمت افزائی نے اور اربابِ اختیار کی خاموش سرپرستی نے، مجھے اِس قابل بنایا کہ میں اعلا تحقیقی کاموں میں حصّہ لینے کا اہل سمجھا جاؤں۔

میں نے جس وقت اسلامیہ اسکول میں ملازمت کے لیے درخواست دی تھی، اُس وقت میرے پاس کسی یونی ورسٹی، کسی کالج یا کسی اسکول کی کوئی ڈگری نہیں تھی؛ اِس کے باوجود آپ نے ازراہِ التفاتِ خاص مجھے منتخب فرمایا تھا۔ آج جب کہ میں ہندوستان کی ایک

اعلاترین یونی ورسٹی میں کام کر رہا ہوں، آج بھی کسی ایسی سند سے تہی دست ہوں۔ یہ اہمیت اسی اسکول کی بخشی ہوئی ہے، اور اس روایت کے موسّس آپ ہیں۔

جس وقت دہلی یونی ورسٹی کی موجودہ ملازمت کے سلسلے میں، میں نے آپ سے رجوع کیا؛ آپ نے نہایت توجہ سے میری بات سنی، خلوص ہمدردی کے ساتھ مشورے دیے اور میرے مستقبل کی فلاح کے لیے، وہ ساری آسانیاں فراہم کیں، جن کے بغیر، میں نہ موجودہ ملازمت کو قبول کرنے کی جُرأت کر سکتا تھا، نہ اِتنے طویل عرصے تک اِس سے متعلق رہ سکتا تھا۔ اِن کرم ہاے بے پایاں کا شکریہ ادا کرنا زبان وقلم کے بس کی بات نہیں۔

میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مینجنگ کمیٹی کے معزّز ممبروں کا بہ طورِ خاص شکریہ ادا کروں؛ جنھوں نے بے مثال وسیع القلبی کے ساتھ، اِس قدر طویل مدّت کی رخصت کو منظور فرمایا۔ اِس مرحلۂ دشوار کا طے ہونا، بظاہر آسان نہ تھا۔

میں اپنے پرنسپل صاحب کا بھی شکر گزار ہوں۔ موصوف سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ غالبؔ کی نظم کی طرح اُن کی تہ دار گفتگو، حالیؔ کی نثر کی طرح سادہ تحریر، اور ان سب سے زیادہ اُن کے طرزِ زندگی نے مجھے متاثر کیا جو آرایش وزیبایش سے اُسی قدر مُعرّا ہے، جس قدر ہمارا اسکول پیڑ پودوں سے، پھولوں سے اور سبزے سے تہی داماں ہے۔ شروع میں مجھ سے بر بنائے ناتجربہ کاری اور کبھی بر بنائے شوریدہ سری (جو نوجوانی کا لازمہ ہے) بارہا غلطیاں ہوئیں، اور موصوف نے ہر بار خوے درگزر سے کام لیا۔ میں نے اسکول کے بعض معاملات ومسائل میں موصوف سے اختلاف بھی کیا، اور عملی طور پر؛ لیکن اُنھوں نے کبھی تو اُسے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا اور کبھی اپنے اختیاراتِ خصوصی کو اِس طرح بروے کار لائے، کہ میں خود اپنے مسلّمات کو، مفروضات بلکہ موہومات سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ اِس طرح عملی زندگی کے راستے کے نشیب وفراز سے آگاہی بخشی۔ میں اِن اُمور کا ہمیشہ معترف رہوں گا اور اُن کا منّت پذیر۔

جنابِ صدر! میں اسکول سے محض ضابطے کے لحاظ سے ترکِ تعلق کر رہا ہوں، ذہنی و جذباتی تعلّق ہمیشہ قائم رہے گا۔ اوّلین درسگاہ کو بھولتا بھی کون ہے؟ اُس کی نیم شکستہ دیواریں، اُس کے کھپریل پوش درجے (جو دھوپ اور پانی کو نیچے منتقل کرنے میں کبھی بُخل نہیں کرتے) اُس کا پیڑ پودوں سے معرّا احاطہ، اُس کا پُر شکوہ ہال، اُس کی لائبریری کا گرد

آلود کمرہ (جہاں میں نے بہت کچھ سیکھا سمجھا ہے) اُس کے غریب طلبہ اور محنتی اساتذہ، یہ سارے نقوش، ذہن کی کتاب میں ہمیشہ مرتسم اور تابناک رہیں گے۔ میں ہمیشہ تہِ دل سے اسکول کا بہی خواہ رہوں گا، ہمہ وقت میری خدمات اُس کے لیے حاضر رہیں گی، اور کوشش کرتا رہوں گا کہ اپنی نارسائی کے باوصف، اسکول کے فیوض کا حق ادا کرتا رہوں، دست بدعا ہوں کہ خدائے قدّوس مجھے اِس کی توفیق بخشے، اور آپ کے پر خلوص مشوروں سے مستفیض ہونے کی سعادت حاصل رہے۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

پرشین ٹیچر اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول،

شاہ جہاں پور

حاشیہ:

۱ یہ خط ڈیپارٹمنٹ آف اردو، فیکلٹی آف آرٹس، یونی ورسٹی آف دہلی، دہلی-6 کے لیٹر پیڈ کے دو صفحات پر مشتمل ہے۔ اِس کے بائیں کونے میں اوپر یونی ورسٹی کا لوگو ہے جو گول ہے، جس میں یونی ورسٹی آف دہلی انگریزی میں اور نیچے ہندی میں۔ بیچ میں ہاتھی کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ اوپر ایک کھلی کتاب اور اُس کے دائیں بائیں دو گول چھوٹے چھوٹے چکر۔ دائیں کونے میں اوپر فون نمبر ہیں 227108, 228991۔ یہ خط صدر صاحب اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول، شاہ جہان پور کے نام ہے۔ یہ خط نہیں اصل میں استعفا ہے۔ خاں صاحب ۱۹۵۹ء میں دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں ملازم ہوئے اور بلاتنخواہ طویل مدّت کے لیے رُخصت پر رہے، جس کی میعاد ۳۱/ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو ختم ہوئی تھی۔ انھوں نے ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو اپنا استعفا بھیج دیا۔ اِس کا متن اِن کی ابتدائی زندگی کی داستان بیان کرتا ہے۔ یہیں سے اِن کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ یہیں اِن کے شعور نے تنقید و تحقیق کی آنکھیں کھولیں۔ استعفے کے آخر میں اِنھوں نے ''نیاز مند رشید حسن خاں پرشین ٹیچر'' لکھا ہے جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اِنھوں نے بطورِ پرشین ٹیچر یہاں کام کیا ہے۔ اسکول کا تحریری نقشا خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے۔ اگر رخصت کی مدّت پانچ سال تصوّر کی جائے تو اِنھوں نے یہ اسکول ستمبر ۱۹۵۹ء میں چھوڑا اور ماہ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں اِنھوں نے شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی میں ملازمت جوائن کرلی۔ ''بل کہ'' اور ''ہوئی'' کا املا اِنھوں نے پُرانی طرز پر ہی کیا ہے ''بلکہ'' اور ''ہوی''۔

○○○

بنام: صدیق الرحمٰن قدوائی، پروفیسر

(۱)

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۳۰ رستمبر ۱۹۹۳ء[۱]

حضرت شیخ الاعظم!

آپ کی سفارش سے پہلے ہی چک آ گیا، پھر بھی شکریہ، اِسے رکھ لیجیے، آیندہ میرے کام آئے گا۔ ایک الہام ہوا ہے: دنوں کے بعد، آپ بھی سن لیجیے۔ محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں لکھا ہے کہ سودا سے پوچھا گیا کہ بلبل مذکر ہے یا مونث، اُنھوں نے کہا کہ یہ دیکھو کہ کہنے والا کون ہے۔ اِس پر آزاد نے لفظِ "بلبل" پر حسبِ ذیل حاشیہ لکھا ہے: "اب تو ڈبل تانیث ہوگئی، اب بھی مونث نہ ہوگی"۔ برسوں غور کیا، آزاد کا قول سمجھ میں نہیں آیا۔ آخر ڈبل تانیث سے کیا مراد ہے۔ اچانک الہام ہوا کہ اردو میں لام اور رے کا اِبدال ہوتا ہے، جیسے: دیوار، دیوال، تلوار، تروار (وغیرہ) آزاد کی مراد یہ ہے کہ اس لفظ "بلبل" میں بھی یہی ہوا ہے، پہلے دونوں جگہ رے تھی، وہ لام سے بدل گئی۔ بُل بُل۔ اب یاد آیا پرانی کتابوں میں "بُل مرانی" آیا ہے۔ یوں ڈبل تانیث ہوئی۔ یار! یہ آزاد تو واقعی پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ گالی دینے کا جیسا سلیقہ اِس شخص کو ملا تھا، وہ کم دیکھنے میں آیا ہے۔ اب آپ کسی لسانیاتی مادر چود سے آبِ حیات کے اس مقام کو پوچھ کر دیکھیے، اُس کا اپنا مقام بدل جائے گیا بگڑ جائے مگر بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ذرا پوچھیے گا! یہ خط اشفاق محمد خاں صاحب کو بھی پڑھا دیجیے گا۔ اسلم بھائی کہاں ہیں۔ دوبار اُن کے گھر گیا، نہیں ملے۔ اُن سے سلام کہیے۔

ہاں آبِ حیات کا ایک اور مقام یاد آیا (آج مقامات بہت یاد آرہے ہیں) آزاد نے جرأت کے حال پر لکھا ہے کہ جرأت نے کریلا بھانڈ کے بدتمیزی کرنے پر اُس کی ہجو کہی۔ کریلا عہدِ شجاع الدولہ کا مشہور بھانڈ تھا، اُس نے جرأت کے اندھے پن کی ایک محفل میں نقل کی تھی۔ اُس ہجو پر کریلا نے آکر معافی چاہی۔ وہ ہجو بھی لکھی ہے، مگر وہ ہرگز ایسی نہیں کہ

ایک بھانڈ اُس پر معافی مانگے۔ برسوں کے بعد اب معلوم ہوا کہ یہاں آزاد پہلو بچا گئے۔ اصلی ہجو نہیں لکھی، ڈر گئے اپنے زمانے والوں سے۔ تذکرۂ شاہ کمال دیکھ رہا تھا، اصلی ہجو مل گئی، یہ تذکرہ غیر مطبوعہ ہے، اسے آپ بھی سن لیجیے۔

کسی فن کار کی ایسی ہجو کہنا کہ اُس میں اُس کا فن نقطۂ ارتکاز بن جائے اور اس طرح کہ محفل میں اُس کی تکرار، اُس کے پورے فن کی مکمل آبروریزی کے لیے کافی ہو، ہجو نگاری کی معراج ہے۔ اِس ہجو پر تو اُسے معافی مانگنا ہی چاہیے تھا۔ سنیے:

نقل طرفہ ہے اک کریلا کی آئی بے اختیار جس پہ ہنسی
یا کے ساون کی رات اندھیاری جا پڑا اپنی ماں پہ یک باری
ٹانگیں لیں اُس بڑھیل کی جو اُٹھا بولی وہ: تجھ کو خبر ہے بیٹا!
تُو نہ نطفے کو رحم مادر کھُود ورنہ کہلائے گا، تو مادر چود
تب وہ ماں کا فُلانا یوں بولا میں جو تیری اِزار کو کھُولا

نہ بگڑ اِس پہ، میں سنورتا ہوں
باپ کی اپنے نقل کرتا ہوں

کیا آخری شعر ایک ہزار تازیانوں کے برابر نہیں!

جیتے رہیے اور خوش رہیے اور اِسی طرح کانگریسی بنے رہیے۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی

شاہ جہان پور
۲ر مئی ۲۰۰۳ء

قبلۂ دیدہ و دل (بہ قولِ فُلاں) حضرت مولانا قدوائی صاحب! نمستے!

یہ خط، مکتوبِ محبت نہیں، مشورہ نامہ ہے؛ یوں جواب فی الفور عطا ہو۔ زمانہ کتنا بُرا آ گیا ہے، اِس کا اندازہ اِسی سے کیا جاسکتا ہے کہ میں آپ کو مشورہ نامہ لکھ رہا ہوں، حیف، صد حیف!!

پہلے یہ عرض کردوں کہ خلیق صاحب نے فون کیا تھا اور بات طے ہوگئی، آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ یہ بات یہاں ختم ہوئی۔

کام تکمیل کے قریب ہے، مگر میں ذرا سا اُلجھ گیا ہوں مرکّبات کے اندراج میں، اِس سلسلے میں آپ کے چھتیاپے سے مدد لینا چاہتا ہوں، وہی بات: ایک سے دو بھلے۔ باجماعت چھتیاپا، مستند مانا جاتا ہے۔ مگر پہلے ذرا سی تمہید سُن لیجیے، تاکہ بات کی وضاحت ہو سکے [بعد میں جتنا جی چاہے، بُرا کہہ لیجیے گا اِس تمہید نگاری پر]۔

کشف الالفاظ کا مقصد ہوتا ہے: لفظ شماری۔ معنویت درمیان میں نہیں آتی ـــــ میں نے جو خاکہ بنایا تھا، اُس میں لفظ شماری اور معنویت، دونوں کی حیثیت برابر کی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ بہ یک نظر یہ معلوم کیا جاسکے کہ مرزا صاحب نے کس لفظ کو (۱) کُل کتنی بار نظم کیا ہے، اور (۲) یہ بھی کہ کہاں کہاں نظم کیا ہے، اور (۳) اِن سے بڑھ کر یہ بات کہ کیسے استعمال کیا ہے۔ گنجینۂ معنی کے طلسمات کا راز اُسی وقت معلوم کیا جاسکتا ہے، جب یہ معلوم ہو کہ کس لفظ کو کتنی معنوی جہتوں کے ساتھ لایا گیا ہے۔ میں صرف ایک مثال سے اپنی بات واضح کروں گا۔ لفظِ ''طاؤس'' بھی مرزا صاحب کے کلیدی الفاظ میں سے ہے، جس سے وہ کائنات کی رنگارنگی اور نیرنگی کے نئے نئے استعارے تراشتے ہیں۔ میری دِنوں سے یہ خواہش تھی کہ بہ یک نظر یہ معلوم کیا جائے کہ یہ لفظ کن کن معنوی اشاروں اور تمثالوں کی آئینہ داری کرتا ہے اُن کے کلام میں۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ اس لفظ کے سارے مستعملات، مع مثالوں کے (خواہ ایک مصرع ہو یا حسبِ ضرورت پورا شعر ہو) بہ یک نظر سامنے آجائیں۔ اُن کے ذہن اور انداز کو سمجھنے کے لیے یہ ازبس ضروری ہے ـــــ اِس طرح (۱) لفظوں کی گنتی مکمل ہوجائے۔ (۲) معنویت کی جہتیں بھی روشن ہوجائیں (۳) اور مثالیں آنکھوں کے سامنے ہوں، یوں اصل کلّیات کو دیکھنے کی ضرورت نہ رہے۔

اب یہ بتائیے کہ میرا طریقۂ کار درست ہے؟ کیا اِس سے غالبؔ کے ذہن کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور کیا یہ ایسا غیر روایتی کام ہوگا کہ محض لفظ شماری کی ٹکنکل خانہ پُری کے بجائے، لفظ شماری اور معنویت شماری ایک ساتھ نظروں کے سامنے آسکیں گی ـــــ کیا فرماتے ہیں مفتی صاحب قبلہ!!

تمہید مکمل ہوگئی، [بھیجیے لعنت میرے اوپر] اور اب مشورہ طلب مسئلہ۔

مفرد لفظوں کے اندراج میں کچھ مشکل نہیں، جیسے، یہ مصرع: نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا۔ پہلے دو لفظوں کے کارڈ یوں بنیں گے: مسئلہ یہ ہے کہ ''شوخیِ تحریر'' کا کارڈ کیسے بنے گا؟ یوں کہ اِس میں دو لفظ ہیں۔ مرکّب صورت کو ٹوٹنا نہیں چاہیے ورنہ معنویت بکھر جائے گی اور

دونوں لفظوں کا ش اور ت کی الگ الگ فصلوں میں اندراج بھی ہونا ہے، تاکہ لفظ شماری مکمّل رہے۔ یا اِس مصرعے کو دیکھیے:

اصطلاحاتِ اسیرانِ تغافل مت پوچھ (ص ۲۲۹)

یہاں ایک مرکّب ہے، اُس میں تین لفظ ہیں، جو اُس کے ترکیبی اجزا ہیں اور جو اُس کی مکمّل صورت کی تشکیل کر رہے ہیں۔ پورے مرکّب کو مع مثال "الف مع صاد" کی فصل میں آتا ہے، تاکہ معنویت کی ترکیبی جہت سامنے رہے، اور ہر لفظ کو الگ الگ بھی درج ہونا ہے، تاکہ گنتی میں کمی نہ آئے۔

اِس کی یہ صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) ـــ اصطلاحاتِ اسیرانِ تغافل

[خط کشیدہ لفظ کو اصل مانا جائے گا گنتی کے لحاظ سے، یعنی گنتی میں بس ایک لفظ آئے گا، پہلا لفظ اور اُس کے اوپر خط، اِس کا نشان ہوگا]۔

(۲) ـــ اصطلاحاتِ ـــ اسیرانِ تغافل۔ [درمیانی لکیر اِس کی علامت ہوگی کہ الف مع صاد کی فصل میں صرف ایک لفظ "اصطلاحات" کا شمار کیا جائے گا]۔

(۳) ـــ "اصطلاحات" جلی کمپوز ہو اور باقی ٹکڑے خفی رہیں۔ یہ پہچان ہوگی کہ شمار میں صرف جلی لفظ آئے گا۔ اِس مصرعے کے کارڈ یوں بنیں گے:

یعنی ایک طرف سے لفظ کم ہوتے جائیں گے اور دوسری طرف بڑھتے جائیں گے۔ لفظ شماری بھی مکمّل، مرکّب کے ترکیبی اجزا بھی محفوظ اور خود مرکّب بھی محفوظ ـــ ساتھ میں متعلّقہ شعر یا مصرعہ بھی مرقوم ہوگا، تاکہ دیوان کی ورق گردانی نہ کرنا پڑے۔

اِسی طرح "شوخیِ تحریر" آئے گا، اِس طرح:

(۱) ـــ شوخیِ ـــ تحریر

نقش، فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا (ص ۲۲۰)

(۲) ـــ تحریر

دیکھیے: شوخیِ۔

اور اگر آپ اتّفاق کریں، تو سب سے اچھا یہ ہوگا کہ مرکّبات کے لفظِ اوّل کو جلی کمپوز کیا جائے اور بس، لفظ شماری کا مقصود بھی بہ خوبی حاصل ہو جائے گا اور لفظوں کی ترکیبی صورت کی یک جہتی بھی

برقرار رہے گی، اِس طرح:

اصطلاحاتِ اسیرانِ تغافل [مت پوچھ]

ص ۲۲۹

اسیرانِ تغافل: دیکھیے: اصطلاحاتِ۔

تغافل: دیکھیے: اصطلاحاتِ اسیرانِ۔

مرکّبات، مرزا صاحب کے طلسمی حلقے ہیں۔ چاہتا یہ ہوں کہ اُن کا ہر لفظ اپنی اپنی ردیف میں شمار میں آجائے، اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ معنوی جہت بھی روشن رہے اور اِس کے لیے پہلے اندراج میں مکمل مرکّب کا اندراج ضروری ہے۔

اب دو صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) اصطلاحاتِ — اسیرانِ تغافل — (۲) اسیرانِ — تغافل (۳) تغافل۔

(۲)

۱- **اصطلاحاتِ اسیرانِ تغافل**

۲- **اسیرانِ تغافل**

۳- **تغافل**

فرمایئے!!۔ نہیں، مجھ سے غلطی ہوئی؛ اب آپ فرماؤ۔

[خیر، ہیں اہلِ دیر، جیسے ہیں آپ اہلِ حرم کی بات کرو
(فیضؔ)

احمد ندیم قاسمی کا طویل مضمون آیا تھا فیضؔ سے متعلق، اُس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ ایک محفل میں فیضؔ صاحب سے میں نے کہا کہ گلشن نام کی ایک طوائف نے فلاں علاقے میں مکان کرایے پر لیا ہے اور باہر بورڈ پر آپ کا یہ مصرع لکھ کر لگا دیا ہے: چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار۔ احمد ندیم قاسمی (غالباً) ترقی پسند تھے اور ہیں۔ ہم کچھ کہیں تو برادرِ عزیز از جان قمر صاحب کا دست پروردہ ایک ولدالحیض نطفۂ دوپہری، چوتیا بالخمس، مفعولِ مطلق کہے کہ رشید صاحب تو تنقیص کرتے ہیں؛ اب کیا کہا جائے گا؟

خط فوراً لکھیے۔ یا فون پر بات کر لیجیے۔ میرا فون نمبر ہے: 227804 اور یہاں کا کوڈ نمبر ہے:

-05842

ایک بے تعلق بات: املاے غالب کا اشتہار اب غالب نامے میں آئے گا؟ کتاب کو کہیں بھیجا جائے گا بکنے والی کتابوں کے ساتھ، یعنی تہ خانے سے اُس کے بنڈل باہر نکلیں گے؟

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط صدیق الرحمٰن قدوائی صاحب کے نام کا ہے۔ اِس خط میں رشید حسن خاں صاحب نے عہدِ شجاع الدولہ کے مشہور بھانڈ کریلا کی ایک ہجو تذکرہ ''شاہ کمال'' (غیر مطبوعہ) کے حوالے سے درج کی ہے جس کا تعلق جرأت سے ہے۔ آزاد نے ''آبِ حیات'' میں اِس کا ذکر تو کیا ہے مگر ہجو درج نہیں کی زمانے کے ڈر سے۔

۲ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ آخر میں رشید حسن خاں صاحب کا فون نمبر اور دستخط ہیں۔

●●●

شاہجہان پور
۱۲ دسمبر ۹۶ء

صدیقی صاحب!

۵ دسمبر کا خط پرسوں ملا۔ شکر گزار ہوں۔ ضمیمہ تشریحات میں اس نمبر ۲ کی
تشریح آپ کے حوالے سے کی، مگر عبارت ناتمام ہے، بات نہیں بنی۔ میں تو
آپ کی بات سمجھ گیا، دوسرے شاید نہیں سمجھیں گے۔ یہ بھی [illegible]
غفور رحیم ہے۔ مگر غفور الرحیم بھی [illegible] متعلقہ سورہ کا حوالہ دیجیے:
فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔ اس کی وضاحت ضروری ہے۔

نقوی صاحب کا خط ابھی نہیں ملا۔ دراصل آپ اُن سے تقاضا کیجیے۔ یہ لازم
نہیں ہوتا کہ کسی متن کے سارے تعلقات ضرور حل ہو جائیں۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ
بعض تعلقات پر اعتراف عجز کرنا ضروری ہوتا ہے اور میں اس کے لیے بخوشی
آمادہ ہوں اور رہتا ہوں۔ اس لیے اگر بات یا بات واضح نہ ہو سکیں تو اس میں
تکلف یا تامل کی [illegible] ضرورت نہیں، مگر خط تو لکھیں۔ [illegible]
دیکھیے آپ کے قول کا دلائل متن میں غفور رحیم ہی کہا ہے۔ [illegible]
ذرا سا شک رفع ہو جائے تو بہتر ہے، تاکہ تشریح کی عبارت مکمل ہو سکے۔

ایک اور بات: [illegible] کی تالیف میں پڑھنے کے
کتاب کی تشریح میں روح القدس سے دو چند تھا۔ بعض نسخوں میں روح القدس
ہے۔ بعض [illegible] ہے، یہ روح القدس نہیں ملا۔ کیا آپ کی نظر سے
بھی گزرا ہے؟ ویسے [illegible] کو روح القدس سے دو چند کہنا
غضب کی بات ہے نا! یہ بات میر صاحب ہی کہہ سکتے تھے۔ خیر، سمجھ گیا،
وہ بزرگوار [illegible] صاحب کے لیے بروز حشر، اللہ میاں کے اندر بھی تو
بعض صفات پیغمبروں والی بھی [illegible] صاحب ضرور ہوں گی، جیسے نہیں [illegible]
کا دربار تو [illegible] چل جاتے ہیں۔ اب بھائی مولانا! یہ بات آپ [illegible]
[illegible] لفظول تھے، مفعول من یراد نہ سہی۔ اُن کے باپ [illegible]
[illegible] (اس کے حوالے بھی موجود ہیں) صاحبزادے [illegible]
[illegible] ۔ قافیہ [illegible] تھا: [illegible] مفعول معنی [illegible]
[illegible] مگر زمانہ نے [illegible] بنا کے چھوڑا۔ نعوذ باللہ....

अन्तर्देशीय पत्र कार्ड
INLAND LETTER CARD

14/12/97

Dr. Zafar Ahmad Siddiqi
Department of Urdu,
Banaras Hindu University,
VARANASI पिन PIN
(U.P.)

दूसरा मोड़ SECOND FOLD

इस पत्र के भीतर कुछ न रखिए NO ENCLOSURE ALLOWED
पते में पिन कोड लिखें WRITE PIN CODE IN ADDRESS
प्रेषक का नाम और पता :– SENDER'S NAME AND ADDRESS :–

شجاع الدولہ بہ جنسی کوار (بائی سیکسول) تھے۔ بیٹے کی [illegible] ایک پہلو آسکا۔
اور ان نصیرالدین حیدر بھی رجولیت سے محروم تھے، ویسے وہ [illegible] بنتے تھے۔ اور
زنانہ وضع میں عورتوں میں رہتے تھے نسائیت زدہ مرد ہو گئے تھے۔ ان کا ولی عہد
کے سلسلے میں یہ قضیہ اٹھا تھا۔ تاریخ اودھ میں تفصیل موجود ہے۔ مسعود حسن رضوی
مرحوم نجم الغنی خاں کو "نجم الغبی" کہا کرتے تھے، انھوں نے اسی [illegible] چھپا یا کچھ پیش،
سب کچھ دیا ہے۔ وہ قضیہ کرنا کیا جائے — یہ ایک بزرگ خاندان کا قول تھا
کر جیسی پیمانہ میں گھرانے اپنا ضد اور جہالت [illegible] انکی لکھنے میں ذوق
محروم ہے — پھر یہ دوسری باتیں چھوڑ گئیں۔ ادھر میں نے [illegible] جا پاویں
کا اور پھر دہلی [illegible] یہ [illegible] پہنچوں گا۔ [illegible]
پہنچا — [illegible] خط [illegible] [illegible] اور کام [illegible] ہے
[illegible] سے ہیں۔ کیا [illegible] ڈاک میں۔ تقوی صاحب کو سلام کہیے اور
[illegible]

[illegible]

بنام: ظفر احمد صدیقی، پروفیسر

(۱)

گائر ہال
۹/اپریل ۱۹۸۷ء[1]

اپنے کرم فرما مولانا ظفر احمد صدیقی صاحب کی خدمت میں آداب بجالاتا ہوں اور عرض گزار ہوں کہ آپ کا خط مل گیا تھا، یہ میری کاہلی تھی کہ جواب بروقت نہیں لکھ سکا، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔

ہاں صاحب! وہ مقالہ مجھے مل گیا اور میں نے اُسے پڑھ بھی لیا، جلد ہی اپنی رائے لکھوں گا۔ یہ دُرست ہے کہ معیار بُرا نہیں اور آج کل کے بہت سے مقالوں سے بہتر ہے، مگر بعض مقامات توجہ طلب ہیں۔ خیال کرتا ہوں کہ جب یہ شائع ہو، تو اس پر مکمل نظرِ ثانی ضرور کی جائے اور اندازِ بیان کی خشونت اور مولویانہ کاٹ جو بعض جگہ شاملِ تحریر ہوگئی ہے، اُسے بھی درست کرلیا جائے۔

میں واقعتاً شکر گزار ہوں آپ حضرات کا اِس سلسلے میں، خاص کر آپ کا، کہ آپ نے میری کہی ہوئی ایک بات کو یاد رکھا، جب کہ اُس کا یاد رکھنا نہ آپ کے لازم تھا اور نہ ضروری۔ آج کل بالعموم باتوں کو اِس طرح یاد نہیں رکھا جاتا۔ اِس کا نقش میرے دل پر ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

اب ایک زحمت۔ یہ مشہور قول: **ما عرفناک حق معرفتک**، کچھ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ کس کا قول ہے؟ میر امّن نے باغ و بہار میں اِسے حدیث بنا کر پیش کیا ہے۔ خیر، حدیث تو یہ نہیں، سعدی نے گلستاں کے دیباچے میں اس کو درج کیا ہے مگر اِس طرح کہ اِس کا مقولہ ہونا واضح ہوجاتا ہے۔ چوں کہ مجھے باغ و بہار میں اُس مقام پر یہ صراحت ضرور کرنا ہے کہ یہ ہے کیا؟ حدیث یا قول، یوں آپ کو زحمت دے رہا ہوں اور آپ ہی کے حوالے سے آپ کی تحریر درج کی جائے گی۔ اِس طرف توجہ فرمایئے، مگر یہ درخواست ہے کہ التفاتِ توجہ جلدتر ہو، اِس لیے کہ حواشی کی کتابت شروع ہوگئی ہے، آپ کے خط کا مجھے ابھی

سے انتظار ہے۔ نقوی صاحب کو بھی آج ہی خط لکھا ہے۔

مخلص رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ظفر احمد صدیقی
۲۶/اپریل ۱۹۸۷ء

برادرم!

خط مل گیا۔ شکریہ۔ ایک پہلو یہ ہے کہ زیرِ بحث ٹکڑا ممکن ہے کہ کسی حدیث کا درمیانی جز ہو۔ یہ محض احتمال ہے، مگر ہو سکتا ہے۔ ہزاروں جعلی حدیثوں میں سے ایک یہ بھی ہو سکتی ہے۔ اشاریۂ احادیث میں ظاہر ہے کہ درمیانی اجزا کا حساب نہیں رکھا جا سکتا۔ بہ ہر حال، فی الوقت تو یہی صورت ہے کہ میں اِسی صورتِ حال کو بہ ذیلِ تشریحات درج کر دوں گا، آیندہ کبھی اگر کچھ معلوم ہوا تو دیکھا جائے گا۔

غالب نامے کا مطلوبہ شمارہ بہ ذریعۂ رجسٹری بھیج رہا ہوں، اس کی رسید سے ضرور مطلع کیجیے گا۔ میرے پاس صرف ایک زائد کاپی ہے، یوں برادرم نقوی صاحب کو نہیں بھیج سکتا، اُنھیں آپ اِسے دکھا ضرور دیجیے گا، معذرت میں خود کر لوں گا۔

مخلص رشید حسن خاں

میں نے جو آپ سے استفسار کیا، اُس کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہاں مولانا اخلاق حسین قاسمی نے بتایا کہ یہ حدیث کا جز ہے۔ یہ پیغام اُن کے صاحب زادے شریف حسین قاسمی لے کر آئے، جو ہمارے یہاں شعبۂ فارسی میں ریڈر ہیں۔ جب میں نے تفصیل کا مطالبہ کیا، تو پھر اس وقت تک کوئی پیغام نہیں ملا ہے۔ بہ ہر حال مجھے (آپ کی طرح) یقین ہے کہ یہ، حدیث نہیں، محض ایک قول ہے۔ اصلاً یہ دو قول ہیں جو عموماً ساتھ ساتھ آتے ہیں، ایک تو یہی اور دوسرا: ماعبدناک حقِ عبادتک۔ یہ صوفیانہ اقوال معلوم ہوتے ہیں۔ سعدیؔ نے بھی گلستاں میں اِن دونوں کو ایک ساتھ لکھا ہے۔ بہ ہر حال، ذہن میں رکھیے گا۔ ہاں، میں دس دن کے اندر وہ رپورٹ بھیج دوں گا۔

(۳)

بنام: ظفر احمد صدیقی

گائر ہال

۲۲؍اگست ۱۹۸۸ء[۳]

بھائی مولانا!

آپ کا خط مرقومہ ۱۲؍اگست موصول ہوا تھا۔ صاحب! آپ ایسی راہ جاتے ہی کیوں ہیں، جہاں ایسے حادثے پیش آیا کرتے ہیں۔ اب ایسی سب باتوں کو جوانوں کے لیے چھوڑ دیجیے۔ مجھے واقعی افسوس ہوا یہ پڑھ کر، خدا کرے اب آپ چاق چوبند ہو چکے ہوں۔ ''پلاسٹر چڑھا ہوا ہے'' کا ایک مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ ہڈی ٹوٹ گئی (خدانخواستہ) کیا ایسا ہے؟ یہ تو تشویش کی بات ہے۔ آپ مجھے صحیح صورتِ حال سے مطلع کیجیے۔

آپ نے ٹھیک لکھا ہے۔ دو نہیں، تین مضمون بہ ظاہر اِس مجموعے میں باقی مضامین سے غیر متعلق سے ہیں۔ ہوا یہ کہ ''دہرا کردار'' میں چوں کہ ایک بنیادی سوال زیرِ بحث آیا تھا کہ کیا ناقد اور محقق کو وہی آزادی حاصل ہو سکتی ہے جو مثلاً شاعر کو حاصل ہوتی ہے؟ یوں میں نے خیال کیا کہ اسے بھی شامل کر لیا جائے اور ''محمد علی جوہر'' والا مضمون یوں شامل ہوا کہ یہ مجھے بہت عزیز تھا، چوں کہ جوہر کی شاعری پر ایک مضمون شامل تھا، یوں خیال کیا کہ اُن کی زندگی کا اہم پہلو بھی زیرِ بحث آ جائے۔ اس پہلو کا جائزہ اِس طرح کم لیا گیا ہے۔ پھر جب کاپیاں بنیں تو معلوم ہوا کہ چند صفحات کی اور ضرورت ہے تب کاپی طباعت کے لحاظ سے پوری ہوگی، اِس طرح وہ املا والا مضمون شامل ہوا۔ بہ ہر حال، اِس کے قطع نظر کر لیجیے۔ آپ نے جو کلماتِ تحسین لکھے ہیں، میں اپنے آپ کو اُن کا مستحق تو نہیں پاتا، مگر ادائے شکر واجب ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ نظریے کی پابندی نے ہماری تنقید کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔

اور ہاں میرے بھائی! میں نے صنعتوں کے متعلق جو کچھ کہا تھا، اُس پر اب بھی قائم ہوں، وہ میری سوچی سمجھی رائے ہے۔ آپ نے زبان کی صحت اور صنائع کے استعمال میں خلطِ مبحث کیا ہے اور قیاس مع الفاروق کے مرتکب ہوئے ہیں۔ جوشؔ اور فیضؔ وغیرہ کی شاعری کے ذیل میں گفتگو اِس پر کی گئی ہے کہ بیان اور زبان کی صحت کا احساس ضروری ہے، صنعتوں کا استعمال اِس سے الگ ایک چیز ہے، ورنہ ناسخؔ اور امانتؔ اردو کے بڑے شاعر قرار پائیں گے۔ خیر، یہ بحث تحریری نہیں، زبانی ہونا چاہیے یوں اِسے ابھی اُٹھائے رکھتا ہوں،

بروقتِ ملاقات اس پر مفصل گفتگو ہوگی۔

اب آپ سب سے پہلے اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔ اگر حنیف نقوی صاحب سے ملاقات ہو تو اُن سے کہیے کہ غالب نامہ ابھی نہیں آیا ہے، جب آئے گا تو اُن کے پاس ضرور پہنچے گا۔ خط لکھیے۔

مخلص رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ظفر احمد صدیقی
۳/ اکتوبر ۱۹۸۸ء

بھائی مولانا!

آپ بھی خوب چیز ہیں! ایم فل میں داخلے کے لیے بھیجا ایسی خاتون کو جو ہوسٹل میں بھی داخلہ چاہتی تھیں، اور دونوں جگہ داخلے کی مدّت ختم ہو چکی ہے، ارے بھائی! اب تو موسمِ خزاں کی تعطیل کا زمانہ آ گیا ہے، ۸/ اکتوبر سے ہے، اب داخلہ کہاں۔

آپ نے پہلی بار کسی کام کے لیے کہا اور وہ بھی نہیں ہو سکا، مگر میں کرتا کیا، یہ کام تو جولائی میں ہونے کا تھا۔ یہاں جون کے اواخر تک ہوسٹل کے فارم جمع ہو چکے ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کا بس ایک ہی ہوسٹل ہے، اُن خاتون کا کہنا یہ تھا کہ ہوسٹل اصل چیز ہے، وہ نہ ہو، تو پھر سب بے کار ہے۔ داخلہ اُن کا جامعہ میں ہو چکا تھا (اُن کے بیان کے مطابق) وہ میرے پاس اس لیے آئی تھیں کہ یہاں شاید ہوسٹل میں بھی جگہ مل جائے۔ صرف داخلے کا معاملہ ہوتا تو کچھ کیا بھی جاتا۔ بہ قول آپ کے، وہ آپ کی بیگم صاحب کی "جگری دوست" ہیں، تس پر آپ کی بے اعتنائی اور تغافل کا یہ احوال ہے کہ بجائے جون میں خط لکھنے کے ستمبر کی ۲۹/ تاریخ کو خط بھیجا! آپ شاید اپنی اُن سے ڈرتے بالکل نہیں۔ ویسے اُن خاتون کو دیکھ کر اور اُن کی باتیں سن کر محسوس یہی ہوا کہ وہ جامعہ کے لیے مناسب تر ہیں۔ اِس خاک کا خمیر وہیں کا معلوم ہوتا ہے۔

نقوی صاحب سے سلام کہیے۔ اُنھوں نے دنوں سے خط نہیں لکھا ہے، میرے خط کے جواب میں بھی اپنا خط نہیں لکھا، خدا کرے وہ بھی بہ خیریت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ظفر احمد صدیقی
۶/ جولائی ۱۹۹۱ء[۵]

صدیقی صاحب!

آپ کا خط ملا تھا۔ میں ڈیڑھ ماہ نرسنگ ہوم میں گزر کر اور پھر شاہ جہان پور میں کچھ وقت گزار کر اب ۲/ جولائی کو دہلی پہنچ گیا ہوں۔

آج ہی میں نے آپ کے مسوّدے کو، جو اردو اکیڈمی سے آیا تھا، اشاعت کی منظوری کی تاکید کے ساتھ واپس کر دیا ہے۔ یہ اطلاع یوں دے رہا ہوں کہ اب کئی سال سے اکیڈمی کا احوال اس قدر تباہ ہے کہ وہاں دفتر والوں کو کسی بھی ضروری امر کی یا تو خبر ہی نہیں ہوتی یا پھر اسے یوں ہی ڈال دیا جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ مسوّدہ بھی یوں ہی پڑا رہے۔ میں اسپتال نشیں نہ ہو جاتا تو یہ رپورٹ اِس سے پہلے ہی بھیج چکا ہوتا۔ اِس خط کی رسید سے مطلع کیجیے، اگرچہ آپ خط لکھنے میں کچھ کم فعّال ہیں۔ نقوی صاحب سے سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ظفر احمد صدیقی
۱۴/ اپریل ۱۹۹۲ء[۶]

بھائی مولانا!

آپ کیسے ہیں؟ باغ و بہار حنیف نقوی صاحب کو اور آپ کو مل چکی ہوگی۔ تاکیداً کہہ دیا گیا تھا، لیکن اب تک رسید نہیں ملی، یوں تشویش ہے۔ میں آج شام کو لاہور جاؤں گا، واپسی ۲۲/ کو ہوگی۔

فسانۂ عجائب پر تعارفی مضمون آپ نے از خود لکھا تھا، جو مجھے بہت پسند آیا تھا۔ اس بار میری فرمائش ہے کہ باغ و بہار پر بھی ویسا ہی تعارفی مضمون لکھیے۔ میں اُسے کراچی کے ایک رسالے کو بھیجنا چاہتا ہوں، اُن کی فرمائش ہے۔ میری خاطر اس زحمت کو گوارا فرمائیے۔ توقع کرتا ہوں کہ دس پندرہ دن میں آپ ضرور لکھ لیں گے اور میرے پاس بھیج دیں گے۔

نقوی صاحب سے سلام کہیے اور رسیدِ کتاب کا تقاضا کر دیجیے میری طرف سے۔

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

مخلص رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ظفر احمد صدیقی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۳ر مئی ۱۹۹۲ءے

بھائی مولانا!

خط مل گیا۔ جلدی کی ضرورت نہیں، جون کے آخر تک بھی لکھ سکیں تو تاخیر نہیں ہوگی۔ اُسے میرے پاس بھیج دیجیے گا، میں کراچی کے ایک رسالے کو بھی بھیجنا چاہتا ہوں۔

نسیم صاحب کے مقالے کے معاملے میں اُن سے بھی شرمندہ ہوں اور آپ سب سے بھی۔ اب کے جب بھی شاہ جہان پور جاؤں گا (جون کے آخر تک تو جانا ہوگا ضرور) تو اُسے ساتھ لیتا جاؤں گا اور خود جا کر اکیڈمی میں جمع کردوں گا۔ لکھنؤ جانا بھی ہے، ایک اور بہانہ مل جائے گا، نسیم صاحب تک میری معذرت پہنچا دیجیے، ممنون ہوں گا۔ تاخیر ہوئی اور بہت، مگر اس میں زیادہ حصّہ اکیڈمی کے دفتر والوں کی بے عملی کا رہا ہے۔ پھر بھی اصل ذمّے داری تو میری تھی۔ نقوی صاحب سے سلام کہیے، اُن کا خط مل گیا تھا۔ اُن کو بھی خط لکھوں گا مگر ذرا تاخیر سے۔ اُن سے بھی ایک معاملے میں شرمندگی ہے۔ اب ایک بات برادرانہ انداز کی: آپ نے ''کلاہِ گوشۂ دہقاں'' لکھا ہے، یہاں قلم نے ساتھ نہیں دیا اور خواہ مخواہ ہ کے نیچے زیر کی سی ایک شکل بنا دی۔ ''کلاہ گوشہ'' مرکّبِ مقلوب ہے۔

توقع کرتا ہوں کہ جون کی آخری تاریخوں میں مجھے آپ کا لفافہ مل جائے گا۔

مخلص رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ظفر احمد صدیقی
۳۰ر اگست ۱۹۹۲ءھ

بھائی مولانا!

لفافہ مل گیا، مفصّل خط جلد پہنچے گا۔ میں خاصا بیمار ہوں، علاج چل رہا ہے۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ظفر احمد صدیقی

گائر ہال

۸/ستمبر ۱۹۹۲ء

عزیزِ مکرّم صدیقی صاحب! سلام مسنون۔

لفافہ ملا تھا، رسید اُس کی بھیج دی تھی۔ میرے گلے میں ایک گلٹی سی نمودار ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے پریشان تھا اور ہوں اور ماہرین کا تختۂ مشق بنا ہوا ہوں۔ ذہن پر دباو اِسی لیے بہت ہے، یہ خط اِسی لیے اِس قدر تاخیر کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔

بھائی! آپ کی تحریر پڑھ کر جی خوش ہوا اور بہت۔ خدا آپ کو خوش وخرم رکھے۔ جن اُمور کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے، اُن کو میں نے بہ طورِ خاص دیکھا۔ اس میں ایک دو فروگذاشتیں ہیں، جیسے ایک جگہ ''بُشرے'' پیش کے ساتھ۔ بشریّت شاید اِسی کو کہتے ہیں۔ یا فاش غلطی جیسے الرسول، اِن سب کو میں نے یادداشت کے صفحے پر لکھ لیا ہے، اگر میری زندگی میں اِس کتاب کا دوسرا اڈیشن نکلا تو آپ کے حوالے سے اِن کی تصحیح کردی جائے گی۔ آیندہ بھی اِس سلسلے میں جو غلطیاں یا فروگذاشتیں نظر آئیں، اُن سے مطلع کرتے رہیے گا۔ یہ دراصل کارِ ثواب ہے۔ میں مخلصین کی رائے کو بہت اہمیّت دیتا ہوں، خاص کو جب کہ وہ اہلِ نظر بھی ہوں۔

البتہ متعدّد اُمور میں مجھے آپ سے اتفاق نہیں، مزید غور کے بعد بھی۔ مثلاً ''گریباں'' کو لیجیے۔ آپ کا خیال ہے کہ بول چال میں یہ بہ فتحِ اوّل ہے۔ ضرور ہوتا، لیکن یہ تو دیکھیے کہ اب سے ۱۹۰ سال پہلے بھی کیا یہی صورت تھی؟ قاعدہ یہ ہے کہ جس عہد کا مصنّف ہو، اُسی عہد کے مختارات اُس کے کلام پر نافذ ہوتے ہیں اور کسی ایک جگہ یہ نہیں ملتا کہ یہ لفظ بہ فتحِ اوّل مستعمل رہا ہے۔ آصفیہ میں بھی بہ کسرِ اوّل ہے۔ یہ لفظ فارسی ترکیب کے ساتھ آیا ہے، یہ بھی نظر میں رہنا چاہیے۔ جب تک کہیں حوالہ نہ ملے، اُس وقت تک ایسی کسی بات کو مسلّمہ بات کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ میری زبان پر بھی بہ کسرِ اوّل ہے اور میں نے سنا

بھی اسی طرح ہے۔ اس کے ماسوا، اصل مسئلہ وہی ہے کہ آج اگر کسی ایسی تبدیلی کو مان بھی لیا جائے، تو آج کی تبدیلی کو گزشتہ کل پر نافذ نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ اُس کا کوئی حوالہ نہ ملے کہ اُس عہد میں یہ تبدیلی بہ روے کار آچکی تھی اور ایسا کوئی حوالہ اِس لفظ کے سلسلے میں موجود نہیں۔

آپ نے لکھا ہے یہ وضاحت کرنا تھی کہ خوزادہ، خداوند زادہ کا مخفف ہے۔ یہ وضاحت کی گئی ہے۔ ضمیمۂ تشریحات میں ص ۲۹۲ پر بہ ذیلِ قولِ غالبؔ یہ موجود ہے۔ ''النگ'' کے سلسلے میں بھی میں اتفاق نہیں کرسکا۔ میری رائے میں جرأتؔ اور ناسخؔ کے اشعار میں یہ دیوار ہی کے معنی میں آیا ہے۔ خیر، اتنا بھی اختلاف نہ ہوتو پھر بات ہی کیا ہوئی۔ چٹنی کے بغیر کھچڑی میں مزہ کہاں۔

اب آپ کی دونوں باتیں۔ دیکھیے بھائی! محمد حسنؔ صاحب سے کچھ ایسی صورتِ حال ہے کہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اُن سے پچھلے بیس برسوں سے بس سلام دعا ہے اور وہ بھی رسمی سی۔ پٹنہؔ ضرور لکھوں گا کل یا پرسوں، مگر مجھے امید کام یابی کی ذرا بھی نہیں۔ میں چھے خط لکھنے کے بعد بھی ایک مخطوطے کے سلسلے میں آج تک پوری معلومات حاصل نہیں کرسکا ہوں۔ بہ ہر حال، کوشش شرط ہے اور اس میں کمی نہیں کی جائے گی۔ مجھے واقعی مسرّت ہے کہ آبرو کے کلام کو آپ مرتّب کریں گے، اب انشاء اللہ اس کا حق ادا ہوجائے گا۔ بس ایک بات بہ طورِ مشورۂ مخلصانہ یہ ضرور کہنا ہے کہ قیاس کو زیادہ دخل نہ دیجیے گا اور اُس عہد کے مختارات کو نظر میں رکھیے گا۔

ہاں، آپ نے یہ نہیں لکھا کہ اس تحریر کو رسالے میں بھیجوں۔ میں اِسے پاکستانؔ کے ایک رسالے میں بھیجنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کسی رسالے کا تعین کردیں تو وہاں بھیج دوں گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ظفر احمد صدیقی

گائر ہال

۲۴ رجنوری ۱۹۹۳ء [۱]

بھائی مولانا!

مکتوب مرقومہ ۱۰ر جنوری مل گیا تھا۔ تاخیر جواب کی معذرت۔ میں ابھی سال بھر اور یہیں رہوں گا۔ اس لیے آپ بلاتکلف اسی پتے پر کتابوں کا پارسل بھیج سکتے ہیں۔

میں آج کل گلزارِ نسیم کی ترتیب میں مصروف ہوں۔ اُلجھاوے بہت ہیں۔ خیر، دیکھا جائے گا، دعا کیجیے۔ کیا آپ اپنے کام کے سلسلے میں پٹنے تو نہیں جائیں گے؟ جب بھی جائیں، مجھے ضرور مطلع کیجیے گا، میرا بھی وہاں کا ایک ضروری کام ہے۔ نقوی صاحب نے اِس نام کی داستان کے دو نسخوں کے نام لکھے تھے، اُن کو دکھوانا ہے۔ آپ سے بہتر اِسے اور کون کرے گا۔ خط کا وہاں سے جواب یا تو ملتا نہیں، یا باصواب نہیں ملتا، یوں خط لکھنا چھوڑ دیا۔

ملفوف پرچہ نقوی صاحب کو دے دیجیے۔ خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔ فُضیل کے متعلق آپ نے کچھ نہیں لکھا۔ خط لکھتے رہیے کہ اِس سے تقویت ملتی ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: ظفر احمد صدیقی

۱۸ر مارچ ۱۹۹۳ء[۱۱]

بھائی مولانا بالفضل اولینا!

کتابیں ملیں اور خط بھی۔ شکریہ ادا کرتا ہوں۔

''عنیزہ'' کے سلسلے میں کام کی سب باتیں آپ نے لکھ دیں، بس ایک بات ذرا سی رہ گئی، محض ایک جنبشِ قلم کی بات ہے آپ کے لیے۔ کیا معنی کے لحاظ سے اِس کی حرکات میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے؟ اصل حرکات کیا ہیں؟

میں تو ایسے مواقع پر ''حرکات'' کے بجائے ''اعراب'' لکھا کرتا ہوں؛ مگر خط لکھ رہا ہوں مولانا صاحب کو، یوں ڈر کے مارے، حرکات کا لفظ ہی استعمال کیا ہے، ورنہ آپ کہتے کہ ''اعراب'' تو اصطلاحی لفظ ہے، عام لفظ نہیں۔ اب آپ سے جھگڑا کون کرتا، اس لیے اُس کی جڑ ہی کاٹ دی۔ اردو والے حرکات اور اعراب کے فرق سے نا آشنا ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے۔

پٹنے میں نے بیدار صاحب کو خط لکھا ہے، جوابِ باصواب کی توقع کم ہے، پھر بھی لکھ دیا ہے، اگر کام نہ چلا تو پھر دیکھا جائے گا۔

اب ایک ضروری بات، بل کہ بہت ضروری: اصغر گونڈوی مرحوم نے گلزارِ نسیم کو مرتب کیا تھا۔ الٰہ آباد کی ہندستانی اکیڈمی کے لیے، 'یادگارِ نسیم' کے نام سے؛ یہاں یہ مجھے نہیں ملی، کیا وہاں ہے؟ لائبریری میں یا شخصی طور پر۔ نقوی صاحب سے سب باتیں کرتا رہا، یہی بھول گیا۔ صرف چند روز کے لیے درکار ہے۔ ضروری باتیں نوٹ کر کے بہ حفاظت واپس کردوں گا۔ اِس سلسلے میں آپ کی مدد درکار ہے۔ کچھ کیجیے۔ نقوی صاحب سے بھی پوچھ لیجیے۔

میں نے نقوی صاحب کو چند حواشی بہ طورِ نمونہ بھیجے ہیں، آپ بھی دیکھ لیجیے، تاکہ بعد کو یہ نہ کہیں کہ ترتیب ٹھیک نہیں رہی اور یوں ہوتا تو بہتر ہوتا۔ جو کہنا ہو، ابھی کہہ لیجیے۔

خط، اپنے معمول کے خلاف، فوری طور پر لکھیے، اِس عنایت کے لیے ممنون ہوں گا۔

رشید حسن خاں

ہاں صاحب! آپ نے لکھا ہے کہ ''عنیزہ اس کی اونٹنی کا نام تھا''۔ ضرور ہوگا، عرب یوں بھی اونٹ کو لڑکیوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ اونٹ تو اُن کے لیے کثیر المقاصد تھا اور لڑکی، بس ایک کام کی؛ مگر یہاں اصل بات یہ نہیں تھی، لکھنا یہ تھا کہ آپ اُس غریب کی اونٹنی سے کیوں ناراض ہیں کہ اُس کے حصّے کا ایک نون کاٹ لیا۔ اصل اونٹ، اِس سے اونٹنی بنے گا، دو نون کے ساتھ۔ ''اونٹنی'' میں واو غیر ملفوظ رہے گا، مگر لکھا جائے گا۔ پہلا نون غنّہ ہے اور دوسرا علامتِ تانیث کا جُز ہے؛ آپ نے پہلا نون، جو اونٹ سے نسبت کا تھا، غائب کردیا؛ اِس طرح اُس بے چاری کی حق تلفی کی کہ اُس کی نسبت کی اصلی کڑی غائب ہوگئی۔ خیر، یہ تو مزاح المومنین کے قبیل کی باتیں تھیں، اصل مقصد تھا اِس لفظ کے املا کی طرف توجہ مبذول کرانا۔
اور ہاں، کم سے میرے خط میں تو ''پتا'' لکھیے، ''پتہ'' لکھ کر آپ نے تو اس کو معرّب بنالیا۔

(۱۲)

بنام: ظفر احمد صدیقی

گائر ہال

۲۰؍اکتوبر۱۹۹۴ء [۱۲]

مولانا صاحب!

مثنوی گلزارِ نسیم کے پھیر میں آ گیا ہوں۔ کام تقریباً مکمل ہو گیا ہے، آج کل اِس قصے کی پہلی مکتوبہ روایت کے متن کو دیکھ رہا ہوں۔ خیال یہ ہے کہ اِسے بھی شاملِ کتاب کر لیا جائے کہ یہ اب تک چھپا نہیں اور اکثر حضرات اِس کے وجود سے بھی بے خبر ہیں۔

اِس میں کم سواد کاتبوں نے اپنے کمالات کا جس طرح مظاہرہ کیا ہے، اِس کی مثالیں ملیں گی تو، مگر کم۔ ایسے ہی ایک مقام پر رُک گیا ہوں۔ عربی کا ایک شعر ہے، جس کے متن کا تعین نہیں کر پایا ہوں۔ خیال آیا کہ آپ کے پاس اسے بھیج دوں۔ متعلقہ ورق ملفوف ہے۔ اُس مقام کو نشان زدہ کر دیا ہے۔ اگر اِس کا متن متعین ہو سکے تو خوب ہو، ورنہ ''کذا'' لکھنا پڑے گا۔ چوں کہ کتابت ساتھ ساتھ ہو رہی ہے، اِس لیے یہ بھی درخواست ہے کہ جلد تر اِس خط کا جواب عنایت ہو۔

یہ خط نقوی صاحب کے لفافے میں رکھ رہا ہوں، یوں کہ اُن کے خط کا جواب بھی لکھنا تھا، اِس طرح بیک کرشمہ دو کار والی بات سے فائدہ اٹھانے میں کچھ ہرج نظر نہیں آیا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور آبرو کے کلام کو مرتب کر چکے ہوں، بڑی خواہش ہے اُسے دیکھنے کی۔ دیکھیے کب زیارت ہوتی ہے۔

میں اصل صفحہ بھیج رہا ہوں، اس لیے اسے واپس ضرور کر دیجیے گا۔

چشم بہ راہ ہوں
رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: ظفر احمد صدیقی
گائر ہال
۴؍نومبر ۱۹۹۴ء [۱۳]

برادرم!

صبح کی ڈاک سے کتاب رجسٹری سے بھیجی ہے۔ ایک خط علاحدہ سے لکھا ہے۔ کتاب میں دو ورق عکسی رکھ دیے ہیں۔ از راہِ لطف اُن کو مع جوابِ باصواب لوٹا دیجیے۔ پہلا لفافہ مل گیا تھا۔ اُس کا شکریہ اُس خط میں ادا کر چکا ہوں۔ بقیہ شکریہ اصل کتاب میں ادا کیا جائے گا۔

اب دو باتیں جو اُس وقت رہ گئی تھیں اور میں نے لکھا تھا کہ دوسرا خط لکھوں گا:

(۱) مندرجۂ ذیل عبارتیں، یعنی اِن کا متن — میں اُس طرح نقل کرتا ہوں جس طرح اُس کاتب نے لکھا ہے۔ حدیث کا معاملہ ہے، یوں خطرہ مول نہیں لینا چاہتا، معروف حدیث یہی: ''کنت کنزاً مخفیا فاجبب ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف''۔

(۲) یہ کسی علمِ کلام کی کتاب کا ٹکڑا ہے: ''الماهيات غير مجعولة يجعل الجاعل۔

(۳) // // ''اذا جاؤ الشئ حده العكس''۔

صرف عبارت کی تصحیح مطلوب ہے۔ مصنّف کا نام درکار نہیں نہ کتاب کا حوالہ۔ ہاں اعراب ضروری ہیں۔

(۲) اب دوسری بات۔ میں نے لکھا تھا کہ آپ کے نام ایک پیغام ہے۔ یہ مکتبہ جامعہ کے شاہد علی خاں کا پیغام ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ آپ کے دو تبصرے 'کتاب نما' میں چھپے ہیں، ایک فسانۂ عجائب پر، دوسرا باغ و بہار پر۔ وہ چاہتے ہیں کہ اِن دونوں تبصروں کو، جو الگ الگ ہیں، آپ بعدِ حذف و اضافہ اور مناسب ترمیم و تنسیخ (جس طرح آپ چاہیں) ایک مضمون میں تبدیل کر دیں۔ وہ اُس مضمون کو ایک کتاب میں چھاپنا چاہتے ہیں۔

پیغام میں نے پہنچا دیا۔ آپ جو لکھیں گے، وہ میں اُن تک پہنچا دوں گا۔

آپ کا ایک تبصرہ رسالۂ 'اقدار' کراچی میں چھپا ہے، زبانی اطلاع آئی ہے۔ جب حالات رو بہ راہ ہوں گے تو رسالہ بھی آجائے گا۔ جوابِ خط کے لیے چشم بہ راہ ہوں۔

رشید حسن خاں

آخری عبارت میں نہیں پہلے خط میں .... اُس میں حساب کی نسبت سے جو جملہ ہے، اُس کے متعلق ایک دوسرے نسخے میں کاتب نے یہ تشریحی عبارت لکھی ہے:

''واز حساب استخراج اعداد مسحامه کرده یعنی اعداد مسحامه دو عدد است که ار کور یکی دیگرش بر می آید اینجا کنایه چپ است فقط''۔ (نقل مطابقِ اصل)۔

(۱۴)

بنام: ظفر احمد صدیقی

۳۰؍دسمبر ۱۹۹۴ء [14]

صدّیقی صاحب!

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت پہنچ گئے ہوں گے۔ تلاش کرنے پر اصل تحریر تو ملی نہیں، اس کا عکس ملا، مگر کٹا پھٹا، پھر بھی خیال کرتا ہوں کہ آپ کا کام چل جائے گا۔ یوں کہ اب تو آپ گویا ازسرِ نو لکھیں گے ایک مکمل تحریر کی صورت میں، اِس لیے اِسی کو بھیج رہا ہوں اِس کی رسید سے مطلع کیجیے۔ اُس خط کا بھی انتظار ہے۔

رشید حسن خاں

اور ہاں، جس حدیثِ مرفوع کے لیے آپ نے لکھا تھا کہ مل گئی ہے، اُس سے متعلق نوٹ بھی بھیج دیجیے۔ طبعِ ثانی میں یہ نیا نوٹ آپ کے پچھلے خط کی جگہ لے لے گا۔ اپنا پچھلا خط تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ شاملِ کتاب ہے۔

گل بکاولی والے مخطوطے سے متعلق جو حدیث ہے، اُسے فوری طور پر بھیج دیجیے اور اس عکسی تراشے سے متعلق تحریر کو آپ دس پندرہ دن میں بھیج سکتے ہیں۔ شکریہ پیشگی۔

(۱۵)

بنام: ظفر احمد صدیقی

۲۰؍جنوری ۱۹۹۵ء [15]

عزیزِ مکرّم!

۱۳؍جنوری کا خط ملا۔ پٹیالے کا کام بن گیا، اِس پر مجھے بہت مسرّت ہے۔ پٹنے اور پٹیالے کا فرق شاید اب واضح ہوا ہوگا!

"سُرَت" (نیز سُرُت) کے متعدد معانی ہیں، من جملہ اُن کے ایک کا تعلق موسیقی سے بھی ہے:

> "سُرَت: سُروں کی چھوٹی چھوٹی مرتعش لہریں جو ساز اور آواز دونوں کے بارہ معیّن سُروں کے درمیان ہوتی ہیں۔ بارہ سُروں کے درمیان کُل بائیس سرت یا سُرتیاں ہوتی ہیں۔ سرگم کے ہر بول کا الگ الگ وقفہ۔ اُتار چڑھاو کے لحاظ سے موسیقی میں آواز کی مختلف حیثیتیں۔

سرت ہوویں بائیں، سولہ کلا   دکھا لحن داؤد کا معجزا"

(مثنوی حزنِ اختر)

(واجد علی شاہ)

"سُرتی" کے ایک معنی "وید کا اشلوک، آسمانی کتاب کا حکم" بھی ہیں۔ [سرت اور سرتی ہم معنی بھی ہیں، یہ خیال رہے]۔ "سرت کے تار" اگر کوئی اصطلاح ہے تو میں اُس سے واقف نہیں، لیکن دونوں شعروں سے معلوم بہ ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ لفظ عام معنی میں آیا ہے۔ ستار اور سرود میں آس کے تار ہوتے ہیں اور باج کے تار ہوتے ہیں۔ اصل باج کے تار ہوتے ہیں جن سے بول کٹتے ہیں اور راگ کی شکل بنتی ہے۔ آس کے تار ساتھ دینے والی آواز کی تخلیق کرتے ہیں، مگر یہ سب مختلف تار مل کر ایک راگ، ایک لَے اور ایک تال کی تشکیل کرتے ہیں۔ اِسی طرح مختلف اقوالِ مذاہب ایک ہی مدعا پر دلالت کرتے ہیں۔

اب میری سنیے: مجھے نواب مرزا شوق لکھنوی کی مثنوی بہارِ عشق کی اشاعتِ قدیم درکار ہے۔ ۱۲۶۴ھ کا، یا پھر ۱۲۶۸ھ کا نسخہ۔ نقوی صاحب سے بھی پوچھیے۔ آپ کی لائبریری میں اسے ہونا چاہیے۔ آپ نے اپنی خاطر بہت زحمتیں اُٹھائی ہیں [اُٹھائیں گے تو آیندہ بھی، انشاءاللہ! یہاں انشاءاللہ بامعنی ہے، اِسی لیے ملا کر لکھا ہے] اب اِسے بھی گوارا کرلیجیے۔ شوق کی مثنویوں کا متن مرتب کرنا شروع کیا ہے۔ اِس سلسلے میں آپ حضرات کی امداد ازبس ضروری ہے۔ زہرِ عشق کا پہلا اڈیشن 1862 میرے پاس ہے۔ بہارِ عشق اور فریبِ عشق کے پھیر میں آ گیا ہوں کچھ کیجیے میرے بھائی! میں ۲۱ر کو یعنی کل بمبئی جاؤں گا، وہاں یونی ورسٹی میں چار لکچر دینا ہیں، ۲۹ر کو واپسی ہوگی۔

آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔ نقوی صاحب سے پوچھیے، اُن کے علم میں کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ میرا اسلام کہیے اُن سے۔ واپس آ کر اُن کو بھی خط لکھوں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: ظفر احمد صدیقی

۲۳ر فروری ۱۹۹۵ء [۲۶]

بھائی مولانا!

آپ کہاں ہیں؟ یہ خط فوری طور پر جواب طلب ہے۔

''حق سرّہٗ'' میں رے مفتوح ہے یا مضموم؟ ایک لغت میں ''سرَّہٗ'' ہے اور ایک میں ''سرُّہٗ'' یہ فاعل☆ مفعول کا جھگڑا یہاں بھی لگا ہوا ہے۔ آپ کا ذوق کیا کہتا ہے، یعنی کس کو ترجیح دینا ہے، فاعل کو یا مفعول کو۔ چشم بہ راہ ہوں۔

مخلص رشید حسن خاں

ہاں بھائی! آپ نے اپنے تبصرے میں توجہ دلائی تھی کہ ''زیر بریانی'' فرہنگ میں نہیں اور یہ کہ مرزا جعفر حسین کی کتاب لکھنؤ کا دسترخوان میں ص ۲۷۷ پر ہے۔ فسانۂ عجائب غالباً چھے مہینے میں دوبارہ چھپے گی، اس بار میں اس کا اضافہ کر دینا چاہتا ہوں اگر ممکن ہو تو اس عبارت کو نقل کر دیجیے۔ یہ کتاب میرے پاس نہیں۔ اگر پریس والے مان گئے تو آخر میں کہیں پھر یہ عبارت آ جائے گی، یوں کہ پلیٹیں بنی ہوئی رکھی ہیں۔ کوشش تو کروں گا، کام یاب نہ ہوا تو اُسے مجبوری خیال کیا جائے۔

(۱۷)

بنام: ظفر احمد صدیقی

۱۲/ مارچ ۱۹۹۵ء ۷۱؎

مولانا صاحب!

میں نے ایک جواب طلب خط بھیجا تھا، ہفتے ہونے کو آئے، آج تک اُس کے جواب سے محروم ہوں۔

چشمِ التفات کا طلب گار ہوں۔

رشید حسن خاں

انجمن ترقیِ اردو نے ایک کتاب چھاپی ہے: ''کلیاتِ اقبال میں قرآنی آیات و احادیث، مذہبی اصطلاحات کا جائزہ''۔ جی ہاں اتنا بڑا نام ہے۔ اس میں آپ کا وہ خط مکمل طور پر نقل کیا گیا ہے جو باغ و بہار میں ماعرفناک... کے سلسلے میں میں نے شامل کیا تھا۔ ستم

☆ وہ مصرع آپ کو یاد آیا:

مدرسہ دیکھا تو یاں بھی فاعل و مفعول ہے

غالباً میر درد کا ہے۔

ظریفی یہ ہے کہ پورا خط نقل کر کے فرمایا گیا ہے رشید صاحب نے بے وجہ شبہ ظاہر کیا۔ یہ معروف حدیث ہے اور ثبوت یہ پیش کیا ہے کہ میر امّن نے اِسے حدیث لکھا ہے۔ کہیے، آپ کا جی خوش ہوا؟ پوری کتاب ایسی ہی خوش فعلیوں سے بھری ہوئی ہے۔

(۱۸)

بنام: ظفر احمد صدیقی

167-Baroozai-II

Shahjahan Pur

Pin: 242001 (UP)

۲۴ر ستمبر ۱۹۹۶ء ۱۸

مولانا صاحب!

آپ کہاں ہیں؟ برسوں سے خیر خبر نہیں معلوم ہوئی۔ نقوی صاحب نے بھی یاد نہیں کیا۔ کیا آپ حضرات نے واقعی بُھلا دینے کی تیاری شروع کر دی ہے؟ لیکن میں اِس قدر بُرا تو نہیں ہوں، بہ قولِ مرزا صاحب! گناہ گار ہوں، کافر تو نہیں اور ابھی مرحوم بھی نہیں ہوا ہوں۔

اب عرضِ نیاز۔ مثنوی سحر البیان کے آغاز کے یہ شعر ہیں:

"کروں پہلے توحیدِ یزداں رقم — جھکا جس کے سجدے کو اوّل قلم
سرِ لوح پر رکھ بیاضِ جبیں — کہا: دوسرا کوئی تجھ سا نہیں
قلم، پھر شہادت کی اُنگلی اُٹھا — ہوا حرف زن یوں کہ رَبُّ العُلا!
نہیں کوئی تیرا، نہ ہوگا شریک — تری ذات ہے وحدہٗ لاشریک"

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اِن اشعار میں قلم سے متعلق کوئی تلمیح تو نہیں؟ محض شاعرانہ بیان ہے۔ سورۂ القلم کو بھی ذرا دیکھ لیجیے گا (ہاں رَبُّ العُلا اور رَبُّ العَلا دونوں درست، چوں کہ نسخۂ فورٹ ولیم میں عَلا ہے، یوں اِسے ترجیح دی گئی ہے]۔

مثنویاتِ شوق کی کتابت اب جا کر تکمیل کو پہنچنے والی ہے۔ شاید آخرِ سال تک چھپ جائے۔ نقوی صاحب سے سلام کہیے۔

میں اکتوبر بھر بمبئی میں رہوں گا مولانا شبلی کی یاد میں، البتہ اُن کا انداز نصیب نہیں

ہو سکے گا، وہ قسمت کہاں سے لاؤں۔ اپنے مقدور بھر بچّوں کو غلط سلط باتیں بتاؤں گا، بس یہی کام ہے وہاں کا۔ رسمِ خط پر ایک مذاکرہ بھی ہے۔

بھائی! وہ آپ کا دیوانِ آبرو کہاں ہے، کس منزل پر ہے؟ اب تو بہت دن ہوگئے۔ نقوی صاحب سے پوچھیے کہ سحرالبیان کا کوئی اہم نسخہ اُن کی نظر میں ہے؟ خطّی یا مطبوعہ۔ میں ٹھیک ہوں اور مصروفِ پریشاں نگاری، یوں کہ قسمت کے لکھے کو کون بدل سکا ہے، یہی میرا نوشتۂ تقدیر ہے کہ کرم خوردہ اوراق کو دیکھتا رہوں۔ آپ سے ملاقات دیکھیے اب کب ہوتی ہے۔

مخلص رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: ظفر احمد صدیقی
۴؍نومبر ۱۹۹۶ء[۱۹]

بھائی مولانا و بالفضلِ اولینا!

لفافہ مل گیا۔ شکریہ کیا ادا کروں، اِس زحمت کو دل پر نقش کرلیا ہے۔

اب ایک اور زحمت، مگر اِس یقین دہانی کے ساتھ کہ اِس متن کے سلسلے کی یہ آخری زحمت ہے۔ جواب کے لیے چشم براہ ہوں۔ عکس کا ورق کتاب میں رکھ دیا ہے۔ اس میں مصنّف نے نعمت خانِ عالی پر زہر کھایا ہے کہ مختلف علوم کی اصطلاحوں کے ساتھ شبِ زفاف کا حوالہ دیا ہے۔ سب کچھ سمجھ میں آگیا، بس علمِ حساب کی ایک عبارت سمجھ میں نہیں آئی، میں ٹھہرا روایتی سچّا مسلمان، یوں حساب سمجھ میں آنا بھی نہیں چاہیے۔ احتیاطاً ایک اور سطر کو بھی لکھ دیا ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ اُس کی خواندگی میں مجھ سے غلطی شاید نہیں ہوئی ہے۔ پھر بھی احتیاط اچھی ہوتی ہے۔ میری کتاب آپ کے پاس نہ ہو، یہ بات آپ کے لیے اُس قدر باعثِ تاسّف نہیں، جس قدر میرے لیے باعثِ شرم ہے۔ اپنی اِس کوتاہی پر معذرت طلب ہوں۔ رجسٹری سے ایک جلد بھی بھیج رہا ہوں، اس کی رسید سے بھی مطلع کیجیے۔ ایک صاحب کا ایک پیغام آپ تک پہنچا تھا، مگر اُسے اگلے خط میں لکھوں گا۔

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: ظفر احمد صدیقی
شاہ جہان پور
یکم اکتوبر ۱۹۹۷ء[۲۰]

بھائی مولانا و بالفضلِ اولٰینا!

نقوی صاحب کا خط آج ہی ملا، جس سے یہ اچھی اطلاع ملی کہ آپ اُس ''جزیرۂ علم'' میں قیام پر آمادہ نہیں ہوئے اور بہ دستور بنارس میں رہیں گے۔ مجھے اِس کی بہت مسرّت ہے۔ آپ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا، داد دیتا ہوں اِس کی۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے۔

آپ یہاں تشریف لائے، میرے لیے یہ امر باعثِ مسرّت بھی ہوا اور ذریعۂ افتخار بھی۔ البتہ اس کا بہت افسوس رہا کہ میں موجود نہیں تھا۔ اب تو گویا یہ واجب ہو گیا ہے کہ میں بازدید کے لیے بنارس آؤں، البتہ سعدی کا یہ شعر شاید کام آجائے:

رسم است کہ بندگانِ تحریر   آزاد کنند بندۂ پیر

آبرو کا انتخاب مل گیا۔ اس کے لیے خاص کر شکر گزار ہوں۔ قسطوں میں مطالعہ کر رہا ہوں اور کروں گا۔ بعض اشعار پر کچھ لکھنا بھی چاہتا ہوں۔ مکمل ہونے پر اِسی نسخے کو آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ شاید ایک آدھ بات درخورِ توجہ ٹھہرے۔ یہ کام آپ نے بہت اچھا کیا ہے، دیکھ کر جی بہت خوش ہوا؛ مگر دوسرے کام کرنے والوں کے لیے آپ نے مشکلیں بھی پیدا کر دی ہیں۔ اب اِس طرح کون کام کرے گا۔ میں ٹھیک ہوں، مگر زیرِ علاج، دن بھر دوائیں کھاتا رہتا ہوں۔ سحرالبیان کا کام دو ماہ کے بعد شاید شروع ہو سکے گا۔ میرے لیے تہجد کی نماز کے بعد دعا کرتے رہیے۔ سنا ہے کہ وہی وقت قبولیتِ دعا کا ہوتا ہے۔

نقوی صاحب سے سلام کہیے اور کہیے کہ اُن کا خط مل گیا۔

کیا آپ کی شریعت میں بلاوجہ خط لکھنا بالکل جائز نہیں؟

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: ظفر احمد صدیقی
شاہ جہان پور

۱۹/اکتوبر ۱۹۹۷ء [۲۱]

ظفر صاحب!

۱۳/اکتوبر کا خط مل گیا۔ اطمینان ہوا کہ آپ بہ عافیت ہیں۔ آپ کے صحیح فیصلے سے جی بہت خوش ہوا۔ آپ وہاں نہ مطمئن رہ پاتے اور نہ خوش۔

نسیم صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ میں دسمبر کے اواخر میں دہلی جاؤں گا، وہاں جاتے ہی گلزارِ نسیم اپنے سامنے بھجوا دوں گا۔ مطمئن رہیں، اُن کو کتاب بھیج کر مجھے دلی مسرّت ہوگی۔

نقوی صاحب سے میرا اسلام کہیے اور اُن سے پوچھیے کہ جعفر زٹلی کا کوئی نسخہ اُن کے پاس ہے اور اُن کی نظر میں ہے؟

رشید حسن خاں

(۲۲)

ب: ظفر احمد صدیقی
۱۶۷- باڑوزئی- دوم
شاہ جہان پور
۱۴/دسمبر ۱۹۹۷ء [۲۲]

صدیقم صدّیقی صاحب!

۵/دسمبر کا خط پرسوں ملا، شکر گزار ہوں۔ ضمیمۂ تشریحات میں اِس اندراج کی تشریح آپ کے حوالے ہوگی، مگر عبارت ناتمام ہے، بات نہیں بنے گی۔ میں تو آپ کی بات مان لوں گا، دوسرے بہ آسانی نہیں مانیں گے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآنِ پاک میں غفورٌ رّحیم ہے، مگر غفور الرّحیم بھی ہے مثلاً سورۂ مائدہ، رکوع ۹: فاعلموا اَنّ اللہ غفورٌ الرّحیم۔ اِس کی وضاحت ضروری ہے۔

نقوی صاحب کا خط اب تک نہیں ملا۔ میری طرف سے اُن سے تقاضا کرلیجیے۔ یہ لازم نہیں ہوتا کہ کسی متن کے سارے مقامات ضرور حل ہو جائیں۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ بعض مقامات پر اعترافِ عجز کرنا ضروری ہوتا ہے اور میں اِس کے لیے بہ خوشی آمادہ ہوں اور رہتا ہوں۔ اِس لیے اگر بات یا باتیں واضح نہ ہوسکیں تو اِس میں تکلّف یا تامّل کی مطلق ضرورت

نہیں، مگر خط تو لکھیں۔ چشم براہ ہوں۔ ہاں میں نے آپ کے قول کے مطابق متن میں غفورٌ رَّحیم ہی لکھا ہے۔ بس ذرا سا شک رفع ہو جائے تو بہتر ہے تا کہ تشریحی عبارت مکمّل ہو سکے۔

ہاں ایک بات اور: گھوڑے کی تعریف میں میر حسنؔ نے کہا ہے کہ تیزی میں روح القدس سے دو چند تھا۔ بعض نسخوں میں روح الفرس ہے۔ میں نے لُغات چھان مارے، یہ روح الفرس نہیں ملا۔ کیا آپ کی نظر سے کہیں گزرا ہے؟ ویسے گھوڑے کو روح القدس سے دو چند کہنا ہے غضب کی بات، ہے نا! یہ بات میر صاحب ہی کہہ سکتے تھے۔ خیر، مجھے کیا، وہ بزرگوار خود اُن سے حساب لے لیں گے بروزِ حشر، اللہ میاں کے اندر بھی تو بعض صفات پٹھانوں والی ہیں، یوں حساب ضرور ہوگا، بچیں گے نہیں۔ وہاں آصف الدولہ کا دربار تو ہوگا نہیں کہ جو کہہ دیں، چل جائے۔ ہاں بھائی مولانا! یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ آصف الدولہ مفعول تھے، مفعول من یراد نہ سہی۔ اُن کے باپ خدا کے فضل سے فاعل تھے (اِس کے حوالے کتابوں میں موجود ہیں) صاحب زادے مجہول ثابت ہوئے۔ ہنسی آتی ہے اِن اودھ والوں پر۔ حافظ نے کہا تھا:

شاہا روا مداد کہ مفعولِ من یراد گردد بروز گارِ فعّالِ مایرد

مگر زمانے نے آصف الدولہ کو فعّالِ مایرید بنا کے چھوڑا۔ تفو بر... شجاع الدولہ ہمہ جنسی کردار (بائی سکسول) تھے۔ بیٹے کے حصّے میں صرف ایک پہلو آ سکا۔ اور ہاں نصیر الدین حیدر بھی رُجولیت سے محروم تھے، ویسے وہ کچی پینڈی والے نہیں تھے، مگر زمانۂ ولی عہدی میں عورتوں میں رہتے رہتے نسائیت زدہ ضرور ہو گئے تھے۔ اُن کے ولی عہد کے سلسلے میں یہ قضیہ اُٹھا تھا۔ ''تاریخ اودھ'' میں تفصیل موجود ہے۔ مسعود حسن رضوی مرحوم نجم الغنی صاحب کو ''نجم الغبی'' کہا کرتے تھے، یوں کہ اُس پٹھان نے چھپایا کچھ نہیں، سب لکھ دیا ہے۔ وہ تقیہ کرنا کیا جانے۔ میرے ایک بزرگِ خاندان کا قول تھا کہ جس پٹھان میں کھرا پن، ضد اور جہالت نہیں، اُس کے نطفے میں فرق ضرور ہے۔ خیر، یہ دوسری باتیں چھڑ گئیں۔ ہاں میں ۱۷ر دسمبر کو جودھ پور جاؤں گا اور پھر دہلی ہوتا ہوا ۳۰ر دسمبر کو یہاں پہنچوں گا۔ آبرو والا کام ذہن میں ہے۔ ضرور ہوگا۔ آپ کے خط کو آتے ہی تلاش کروں گا ڈاک میں۔ نقوی صاحب سے سلام کہیے اور نسیم صاحب سے بھی۔ کیا اُن کو میرا خط ملا تھا؟

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: ظفر احمد صدیقی

شاہ جہان پور

۱۶/اکتوبر ۱۹۹۸ء[۲۳]

بھائی مولانا!

آپ کہاں ہیں؟ نہ خط، نہ خیر خبر، نہ پیام وسلام۔ اب ایسی بھی بے نیازی کیا!

میں بمبئی سے دو ماہ بعد ۲۷/اکتوبر کو یہاں آیا تھا۔ پرسوں نقوی صاحب یہاں تھے، اُن سے معلوم ہوا کہ آپ اِس وقت علی گڑھ ہی میں ہیں، یوں خط لکھ رہا ہوں۔ میں نے تین جلدیں مثنویاتِ شوق کی رجسٹری سے آپ کے نام شعبے کے پتے پر بھیجی تھیں۔ ایک آپ کے لیے، ایک قاسمی صاحب کے لیے اور ایک قاضی افضال صاحب کے لیے۔ رسید آج تک نہیں ملی۔ لطیفہ یہ ہے کہ پچھلے ہفتے ایک جلد رجسٹری سے اصغر عباس صاحب کو بھیجی، اُس کی رسید بھی نہیں ملی۔ کیا اربابِ علی گڑھ اب رسید بھیجنے کے قائل نہیں رہے؟ اچھا نہ رہے ہوں، مگر آپ تو ابھی اُن ارباب میں باضابطہ شامل نہیں، آپ کیوں خاموش ہیں؟

آپ کے خط کی راہ دیکھ رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: ظفر احمد صدیقی

شاہ جہان پور

۵/فروری ۲۰۰۲ء[۲۴]

بھائی مولانا!

دعوت نامہ مل گیا، شکریہ۔

آپ کی تحریری ہدایت کے مطابق زاہد صاحب سے فون پر بات کرلی۔ تینوں لکچروں کی ترتیب بدل گئی، اِسے ذرا دیکھ لیجیے گا۔

ایک صاحب نے مجھ پر یہ کرم کیا کہ وہ علی گڑھ تک ہم سفر رہیں گے، تاکہ مجھے کسی طرح کی زحمت نہ ہو۔ اُنھیں اپنے کام سے وہاں جانا ہے اور وہ چند روز تک وہیں کہیں رہیں

گے۔ یہ بھی آپ کی برکت ہے کہ مجھے مُفت کا ہم سفر مل گیا۔

چوں کہ اب مجھے کسی طرح کی مشکل نہیں ہوگی، یوں اُن کے مشورے کے مطابق میں بریلی ہوتا ہوا آؤں گا۔ ۱۹ر مارچ کو شام کے وقت علی گڑھ پہنچوں گا بریلی سے آنے والی گاڑی سے۔ بریلی سے یہ گاڑی شاید دن میں ساڑھے دس بجے یا گیارہ بجے چلتی ہے۔ وہاں کب پہنچتی ہے، اِسے آپ جانیں۔ اسٹیشن پر کسی کو ضرور بھیج دیجیے گا، ورنہ میں بھٹکتا رہوں گا۔

دفتر میں میری منظوری کو درجِ رجسٹر کرادیجیے؛ الگ خط کیا لکھوں، آپ سے کہنا ہی کافی ہے۔ باقی بروقتِ ملاقات۔

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: ظفر احمد صدیقی

شاہ جہان پور

۶ر مئی ۲۰۰۳ء[۲۵]

بھائی مولانا!

ذرا اِن لفظوں کو دیکھ لیجیے:

اِشرَبْ لَبَنی لا خَیرِ فی بُکایِک

''بکا'' کے متعلق الجھن ہے۔ اردو فارسی میں تو بُکا (اصلاً بُکاء)۔ عربی میں شاید ''بکی'' ہے (فعلِ ماضی)، اِس لحاظ سے تو ''بُکایِک'' ہونا چاہیے۔

مَن بَکیٰ اَو تَباکیٰ؟

[فوجبت له الجنة۔ نراچتیاپے کا قول ہے۔ رونے سے جنّت مل جائے تو پھر اعمال تو فالتو چیز ہوئے]۔

[ہے نا! آپ بھی ہاں کہیے]۔

خط فوراً لکھیے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ کسی مقالے کا ذکر ہے جس کو خاں صاحب نے پڑھ لیا ہے اور بعض مقامات کی نشان دہی کی ہے جو نظرِ ثانی کے قابل ہیں۔ خاں صاحب باغ و بہار مرتب کر رہے ہیں اُس میں ایک ٹکڑا آیا ہے،: ''ما عرفناک حق معرفتک''۔ اِس سے متعلق معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث ہے یا کہ قول۔ یہ ٹکڑا سعدؔی کی گلستاں کے دیباچے میں مقولے کی صورت میں آیا ہے۔ خط پر ذاتی لکھا ہوا ہے۔ یہ خط شاید لفافے میں تھا جو ساتھ نہیں ہے۔

۲ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خاں صاحب نے کسی تحریری ٹکڑے سے متعلق دریافت کیا ہے جو کسی حدیث کا جز ہو سکتا ہے۔ یہ ٹکڑا بقولِ خاں صاحب سعدؔی کی گلستاں میں بھی آیا ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ۳۵ پیسے کا ہے اور بنارس ہندو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ اِس کی پشت پر ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں۔ دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۷/اپریل ۱۹۸۷ء کی ہے۔ دوسری دُھندلی ہے عکسی شیشے سے بھی نہیں پڑھی جاتی۔

۳ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ اِس خط میں کسی مضامین کے مجموعے اور شاعری میں صنعتوں سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ صدیقی صاحب کو پلاسٹر چڑھا ہوا ہے شاید اُن کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے اور بنارس ہندو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ یہ دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ اِس پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۴/اگست ۱۹۸۸ء کی ہے۔

۴ خط کی پُشت پر بنارس ہندو یونی ورسٹی اور دہلی یونی ورسٹی کے پتے درج ہیں۔ تاریخ خط کے آخر میں درج ہے۔ اِن لینڈ لیٹر ۳۵ پیسے کا ہے اس کی پُشت پر دہلی اور بنارس کے ڈاک خانے کی مہریں بالترتیب ۳/اور ۵/ اکتوبر ۱۹۸۸ء کی ہیں۔ کسی خاتون کے داخلے کا ذکر ہے جو ظفر احمد صدیقی صاحب کی بیگم کی ''جگری دوست'' ہیں وہ ہوسٹل و یونی ورسٹی میں داخلہ چاہتی ہیں جس کی میعاد جون، جولائی میں ختم ہو چکی ہے۔

۵ یہ خط دہلی یونی ورسٹی سے بنارس ہندو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ تاریخ خط کے آخر میں درج ہے۔ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے۔ پشت پر ڈاک خانے کی کوئی مہر نہیں ہے۔ صدیقی صاحب کے مسوّدے کی رپورٹ خاں صاحب نے بغرضِ اشاعت اردو اکیڈمی کو بھیج دی ہے۔ خاں صاحب کو دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ ڈیڑھ ماہ اسپتال میں گزار کر جولائی میں

دہلی آئے ہیں۔

۶ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دہلی یونی ورسٹی کے پتے سے لکھا گیا ہے۔ یہ ایک روپے کا لفافہ ہے۔ صدیقی صاحب نے اس کی پشت کا عکس الگ سے بنوا کر ساتھ بھیجا ہے۔ دہلی ڈاک خانے کی مہر دُھندلی ہے۔ دوسری بھی صاف نہیں۔ صدیقی صاحب نے اپنے قلم سے اِس پر 14-4-92 لکھا ہے۔ ۱۴ر اپریل کی شام کو خاں صاحب لاہور جا رہے ہیں، ۲۲ر کو واپسی ہوگی۔ باغ و بہار پر تعارفی مضمون لکھنے کی صدیقی صاحب سے فرمائش کی گئی ہے جسے خاں صاحب کراچی کے کسی رسالے میں بھیجنا چاہتے ہیں۔ خاں صاحب نے صدیقی صاحب اور نقوی صاحب کو باغ و بہار کی رسید بھیجنے کی تاکید ہے۔ صدیقی صاحب کو یہ خط یکم مئی ۱۹۹۲ء کو ملا۔ اُن کے قلم سے اِس کے آخر میں تاریخ درج ہے۔

۷ یہ خط گائر ہال دہلی یونی ورسٹی سے ''ادارۂ فروغِ اردو، ایبک روڈ، انارکلی، لاہور'' کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔ خاں صاحب اپریل ۱۹۹۲ء میں لاہور گئے تھے، وہاں سے اُنھیں شاید یہ لیٹر پیڈ تحفے میں ملا ہوگا۔ نسیم صاحب کا مقالہ اکیڈمی میں جمع نہیں ہو سکا ہے۔ اس کی معذرت چاہی ہے خاں صاحب نے اسے خود جمع کرانے کا وعدہ کیا ہے۔ صدیقی صاحب نے خط میں ''کلاہِ گوشۂ دہقاں'' لکھا ہے۔ خاں صاحب نے ہ کے نیچے زیر کو قلم کی لغزش مانا ہے۔ یہ خط ایک روپے کے لفافے میں بند تھا۔ صدیقی صاحب نے اس کا عکس ساتھ بھیجا ہے۔

۸ یہ خط دوسطری ہے جس میں خاں صاحب نے اپنی بیماری اور علاج کا لکھا ہے۔ خط کی پشت پر (جوان لینڈ لیٹر ہے) صدیقی صاحب اور خاں صاحب کے پتے درج ہیں۔ تاریخ دوسطروں کے نیچے ہے۔

۹ یہ خط لکیر دار کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ مقام اوپر نہیں تاریخ ۸ر ستمبر ۱۹۹۲ء نیچے درج ہے۔ صدیقی صاحب نے ''گریباں'' کو بہ فتحِ اوّل لکھا ہے جب کہ خاں صاحب اسے بہ کسرِ اوّل مانتے ہیں۔ آصفیہ کا حوالہ دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ آج سے ۱۹۰ برس قبل آج کی صورت نہیں تھی۔ فیروز اللّغات میں یہ بہ فتحِ اوّل ہے مگر خاں صاحب فیروز اللّغات اور نسیم اللّغات کو معتبر نہیں مانتے۔ یہ بات درست ہے کہ قدیم اور جدید لغات میں املا کا کافی فرق ہے۔ لفافے کا عکس صدیقی صاحب نے الگ سے بھیجا ہے۔ یہ ایک روپے کا ہے۔

۱۰ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ خاں صاحب آج کل گلزارِ نسیم کی ترتیب میں مصروف ہیں۔ کچھ کتابیں طلب کی ہیں۔ صدیقی صاحب نے لفافے کا عکس الگ سے بھیجا ہے جو قیمتاً ایک روپے کا ہے۔ یہ خط ڈاکٹر ظفر احمد

صدیقی کے بنارس ہندو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۱۱ یہ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے۔ دونوں پتے پشت پر درج ہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خاں صاحب نے یادگارِ نسیم مرتبہ اصغر گونڈوی صدیقی صاحب سے عاریتاً طلب کی ہے۔ ''اوٹنی'' اور ''اونٹنی'' کے فرق سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

۱۲ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ خاں صاحب گلزارِ نسیم کو مرتب کرتے ہوئے عربی کے ایک شعر پر آ کر رُک گئے ہیں۔ اصل صفحہ خط میں رکھ دیا ہے تاکہ وضاحت کے بعد اِسے جلد تر واپس کر دیا جائے۔ لفافے کا عکس ساتھ نہیں ہے۔

۱۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اِس خط میں خاں صاحب نے مختلف عبارتوں کے ٹکڑے نقل کر کے بھیجے ہیں۔ خاں صاحب کو ان پر اعراب نگاری چاہیے کیوں کہ ترتیبِ متن کے دوران ان کو درج کرنا ہے اس لیے اِن کی اعراب نگاری درست ہونی چاہیے۔ یہ خط بنارس ہندو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔

۱۴ خط کے اوپر مقام نہیں صرف تاریخ درج ہے۔ یہ خط ایک روپے کے لفافے میں بند تھا۔ صدیقی صاحب نے لفافے کا عکس بھی بھیجا ہے۔ اس پر پتا یوں درج ہے (انگریزی میں):

Dr. Zafar Ahmad Siddiqi
Department of Urd, Banaras Hindu
University, VARANASI (U.P)

ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں مگر دُھندلی۔

۱۵ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے اور بنارس ہندو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے پتے پر اردو کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ اس پر خاں صاحب کے پتے اور ڈاک خانے کی مہریں ثبت ہیں مگر پڑھی نہیں جاتی۔ خاں صاحب مرزا شوق کی تینوں مثنویوں کو مرتب کر رہے ہیں (بہارِ عشق، زہرِ عشق، فریبِ عشق)۔ انھیں ان کے قدیم اڈیشن درکار ہیں۔ خاں صاحب نے صدیقی صاحب اور نقوی صاحب کو اِنھیں تلاش کرنے کی درخواست کی ہے۔

۱۶ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے۔ یہ بنارس ہندو یونی ورسٹی کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ اس پر ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں۔ دہلی والی ۲۴ر فروری ۱۹۹۵ء کی ہے دوسری دُھندلی ہے۔ خاں صاحب نے ''حق سرّہٗ'' اور حق سرُّہٗ'' کے فرق سے متعلق دریافت کیا ہے مرجع کون سا ہے۔

۱۷ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ ڈاک خانے کی پانچ مہریں ثبت ہیں اس اِن لینڈ لیٹر پر جن میں تین دہلی کی نظر آتی ہیں۔ چار پر ۱۳ر تاریخ عکسی شیشے سے صاف نظر آتی ہے۔ ایک

صاف نہیں۔ خاں صاحب نے انجمن ترقی اردو کی ایک کتاب ''کلامِ اقبال میں قرآنی آیات و احادیث، مذہبی اصطلاحات کا جائزہ'' کا ذکر کیا ہے۔ مگر بات صاف نہیں ہو رہی کہ یہ انجمن ترقی اردو کراچی پاکستان ہے یا ہندستان۔ اس میں صدیقی صاحب کا وہ خط پورا نقل کیا ہے جو انھوں نے خاں صاحب کو باغ و بہار مرتب کرتے وقت لکھا تھا۔

۱۸ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے کیوں کہ جنوری ۱۹۹۶ء کے آخر میں خاں صاحب مکمل طور پر شاہ جہان پور اپنے آبائی شہر میں منتقل ہو گئے تھے۔ اکتوبر کا مہینا وہ بمبئی یونی ورسٹی میں گزاریں گے۔ اب مثنوی سحرالبیان کو مرتب کر رہے ہیں۔ قدیم خطی یا مطبوعہ نسخے طلب کیے ہیں۔ ابتدائی اشعار سے متعلق وضاحت چاہی ہے۔ خط پر دو مہریں ثبت ہیں ایک ۱۶ر ستمبر ۱۹۹۶ء کی ہے دوسری صاف نہیں۔

۱۹ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط پر دو مہریں ثبت ہیں یہ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ پیسے کا ہے ایک مہر عکسی شیشے سے دہلی یونی ورسٹی کی نظر آتی ہے۔ دوسری دھندلی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط بھلے ہی نومبر ۱۹۹۶ء کا ہے مگر یہ دہلی سے لکھا گیا ہے۔ شاید خاں صاحب اِس دوران دہلی آئے ہوں۔ وہ اکثر پرانے کمرے ہی میں ٹھہرا کرتے تھے۔

۲۰ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ''دیوانِ آبرو'' جو صدیقی صاحب نے مرتب کیا ہے۔ وہ خاں صاحب کو مل گیا ہے رُک رُک کر پڑھتے ہیں اور ساتھ ہی نوٹ بھی لکھتے جاتے ہیں۔ مکمل ہونے پر صدیقی صاحب کو بھیج دیں گے۔ سحرالبیان کا کام رُکا ہوا ہے۔ اِن لینڈ لیٹر پر دونوں پتے درج ہیں۔ وارانسی ڈاک خانے کی مہر ۳ر نومبر کی ہے.....صاف نہیں۔

۲۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ایک روپیہ پانچ پیسے کا ہے۔ اس پر تین مہریں ثبت ہیں صرف ایک ۲۳ر اکتوبر ۱۹۹۷ء کی نظر آتی ہے۔ دو دھندلی ہیں۔ دسمبر میں خاں صاحب نے دہلی جا کر گلزارِ نسیم بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔ نقوی صاحب سے جعفر زٹلی کے کسی قدیم نسخے کو تلاش کرنے کی درخواست کی ہے۔

۲۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط بھی ڈاکٹر حنیف نقوی صاحب کے خطوط میں شامل ہے۔ اِس خط میں آصف الدولہ ، شجاع الدولہ اور نصیرالدین حیدر کے بارے میں بہت معلومات درج ہیں۔ شاہ جہان پور والے ڈاک خانے کی مہر صاف نہیں، وارانسی والے ڈاک خانے کی مہر ۱۷ر دسمبر کی ہے۔ یہ خط بنارس ہندو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے پتے پر لکھا گیا ہے۔ وارانسی (یوپی)

۲۳ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ اس میں تین جلدیں مثنویاتِ شوق کی بھیجنے کا ذکر ہے۔ ایک ظفر صاحب، قاسمی صاحب اور قاضی افضال صاحب کے لیے۔ ایک اصغر عباس صاحب کو

بھی بھیجی تھی مگر کسی نے بھی خاں صاحب کو رسید بھیجنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ خاں صاحب نے شکایت درج کی ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے اور مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ اردو کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ خاں صاحب کا شاہ جہان پور کا مکمل پتا مع پن کوڈ نمبر درج ہے۔ شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۱۷/اکتوبر ۱۹۹۸ء کی ہے، دوسری دھندلی ہے۔

خاں صاحب کے قلم سے سہو ہوا ہے متن میں اُنھوں نے لکھا ہے ''میں بمبئی سے دو ماہ بعد ۲۷/اکتوبر کو یہاں آیا تھا'' جب کہ خط کے اوپر تاریخ ۱۷/اکتوبر درج ہے۔ یہ ۲۷/اگست ہوسکتا ہے یا ۱۷/اکتوبر۔

۲۴ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے اور شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے پتے پر شاہ جہان پور سے بھیجا گیا ہے۔ اِس وقت ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی شعبۂ اردو علی گڑھ میں آگئے ہیں۔ خاں صاحب نے اپنے علی گڑھ آنے کی اطلاع دی ہے۔

۲۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور سے مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ اس میں کچھ لفظوں سے متعلق وضاحت طلب کی ہے صدیقی صاحب سے۔

•••

بنام: عابد سہیل

(۱)

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔۷
۱۸؍جنوری ۱۹۹۲ء[1]

مُحبِّ مکرّم!

مکتوب مرقومہ یکم جنوری، ۱۵؍جنوری کو ملا۔ مشکل یہ ہے کہ میں دو ماہ تک دہلی سے باہر رہوں گا۔ بمبئی یونی ورسٹی نے ''وزیٹنگ فیلو'' کی حیثیت سے دو ماہ کے لیے شعبۂ اردو میں آنے کی پیش کش کی تھی، میں نے اُسے منظور کرلیا۔ ۳۰؍جنوری کو جاؤں گا، واپسی اپریل کے پہلے ہفتے میں ہوگی۔ آج نسیم اقتدار علی صاحب کا خط آیا، اُس سے معلوم ہوا کہ نیا دور والے خاص نمبر نکالنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا اور اُن لوگوں نے خواہش ظاہر کی، تو میں مضمون ضرور لکھوں گا (اور آپ بھی)۔

بمبئی میں آپ مجھے ''شعبۂ اردو، بمبئی یونی ورسٹی، وِدّیا نگری، بمبئی 098 400'' کے پتے پر اطلاعی خط لکھ سکتے ہیں۔ وہاں فرصت بھی بہت ہوگی۔

اب ایک ذرا مختلف بات: تلاش و تعبیر کے سلسلے میں آپ نے از راہِ لطف -/500 کا چک بھیجا تھا۔ اُس کا شکریہ بہ طورِ خاص میں نے ادا کیا تھا۔ کیا اب اُس کے ذیل میں دس بیس یا سو پچاس روپے جمع ہوئے ہیں؟ خیال رہے کہ یہ صرف استفسار ہے۔

۳۰؍سے پہلے شاید آپ کا خط یہاں پہنچ تو سکتا ہے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: عابد سہیل
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔۷
۱۶/دسمبر ۱۹۹۲ء[۲]

برادرم!

ایک خط لکھ چکا ہوں۔ چوں کہ لکھنؤ کی ڈاک کا انتظام ابتری ہے، یوں دوبارہ وہی بات لکھ رہا ہوں کہ میں ۴/اکتوبر اتوار کے دن شاہ جہان پور سے لکھنؤ آؤں گا چند گھنٹوں کے لیے۔ آپ کے ساتھ تعزیت کے لیے جانا ہے۔ بیگم صباح الدین عمر مرحوم کے یہاں۔ میں اسٹیشن سے سید ھا نیّر مسعود کے یہاں پہنچوں گا، دس ساڑھے دس بجے کے آس پاس۔ اب آپ پروگرام بنا لیجیے اور نیّر صاحب کو مطلع کر دیجیے۔ وہ مجھے بتا دیں گے۔ یوں آسانی ہو جائے گی۔ ۳/بجے واپسی ہو گی۔

مخلص
رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے پتا چلتا ہے کہ خاں صاحب فروری اور مارچ ۱۹۹۲ء دو ماہ کے لیے وزیٹنگ فیلو کی حیثیت سے بمبئی یونی ورسٹی جا رہے ہیں۔ وہاں شعبۂ اردو میں لکچر دیں گے۔ شمیم اقتدار علی صاحبہ اچھی ادیبہ ہیں، لکھنؤ میں رہتی ہیں۔

۲۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔ متن میں صرف اتنا درج ہے کہ خاں صاحب دس بجے یا ساڑھے دس بجے نیّر مسعود صاحب کے ہاں پہنچیں گے۔ عابد سہیل صاحب وہاں آجائیں گے۔ پھر دونوں تعزیت کے لیے بیگم صباح الدین عمر مرحوم کے ہاں جائیں گے اور واپسی ۳/بجے شام ہو گی۔ خط کا عکس نہایت کالا بنا ہے جو صاف پڑھا نہیں جاتا۔ اس خط کی نقل عابد سہیل صاحب نے اپنے ہاتھوں سے کر کے بھیجی ہے۔

بنام: عبدالباری (ثاقب صدیقی)

(۱)

گائرہال
۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء

مولانا باری صاحب!

آپ تو بہت معقول اور نہایت درجہ نیک اور صلح پسند شخص تھے، یہ اچانک آپ کو کیا ہو گیا کہ کتاب کے پھیر میں پڑ گئے اور بیٹھے بٹھائے ایک عذاب اپنی جان کو لگا لینے کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ مثل ہے کہ گنواری کے ارمان، بیاہی پشیمان؛ ارے بھائی! ہم لوگ جو اِس کاروبارِ شوق کے مارے ہوئے ہیں، گویا مسلسل ''دردِ زہ'' میں مبتلا رہتے ہیں؛ آپ کیوں اِس دردِ سر کو خریدنے کے درپے ہوئے ہیں۔

میرا احوال یہ ہے کہ آنکھوں کی خرابی کی بنا پر لکھنے پڑھنے کا اب گویا الزام اور اتہام مجھ پر رہ گیا ہے۔ جب تک آپریشن نہ ہو جائے، کوئی کام نہیں کر سکتا۔ مکتبہ جامعہ نے میرا مرتب کیا ہوا دیوانِ درد چھاپا تھا، اُس کا مقدمہ بھی میں نے لکھا تھا، اگر ''کم نگاہی'' کی یہ مصیبت ساتھ نہ ہوتی تو اُس کو ازسرِ نو لکھ دیتا اُس میں میں نے اِس پر زور دیا ہے کہ غزلوں میں درد صوفی ہرگز نہیں، حیرت و حسرت، عشقِ مجاز کے مارے ہوئے ہیں۔ اسی بات کو ذرا تفصیل کے ساتھ لکھتا۔

تو میرے بھائی! یوں فوری طور پر تو میری معذرت قبول کر لیجیے۔ مجھے معلوم ہے کہ کچھ بھی کہا جائے، آپ کتاب مرتب ضرور کریں گے، اور وہ بکے گی بھی، یوں جب اُس کا دوسرا اڈیشن چھپے، تو اُس وقت تک میں ''ناکارہ پن'' سے نجات پا چکا ہوں گا اور تب آپ کی فرمایش ضرور پوری کروں گا۔ اِسے عذرِ شرعی نہ سمجھیے گا، جو کچھ لکھا ہے وہ بھی حقیقت ہے۔ مجاز کی میرے یہاں یوں بھی سمائی کچھ زیادہ نہیں۔

مخلص رشید حسن خاں

(۲)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۲؍مارچ ۱۹۹۰ء

باری صاحب!

آپ کا پرچہ ملا تھا۔ اب حساب برابر ہوگیا، الحمدللہ اور سبحان اللہ! اب ضرور ملاقات ہوگی۔ لیکن میں ۷؍مارچ کو احمد آباد جاؤں گا اور واپسی اپریل کے پہلے ہفتے میں ہوگی، اب آپ ایسا پروگرام بنالیجیے کہ اِس کے مطابق ہو۔ آپ ۱۲؍اپریل کے آس پاس رکھیے اور خط لکھ دیجیے، آپ کا خط یہاں محفوظ رہے گا اور مجھے آتے ہی مل جائے گا اور میں اُس کے مطابق آپ کا انتظار کروں گا۔ علاوہ ازیں، جس دن بھی بغیر تعیّن ملنا ہو تو شام کو ۵ ۱/۲ کے قریب کافی ہوم آجایئے، کناٹ پلیس پر، ریوالی سنیما کے مقابل۔ میں تقریباً روز وہاں جاتا ہوں۔ مگر یہ بھی ۱۲؍اپریل کے بعد۔

کل شمیم حنفی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی، مضمون اُن کا اُن کے پاس ہے فانی پر، آپ نے لے لیا ہوگا۔ ایک ضروری کام: فسانۂ عجائب کی ایک جلد میرے حساب میں لے کر آپ اُن کو دے دیجیے ان سے طے ہوا ہے کہ وہ ہماری زبان کے لیے تبصرہ لکھ دیں گے۔ آپ اُن سے یہ پوچھ لیجیے گا کہ وہ تبصرہ آپ کو کب دیں گے۔ یہ آپ کی ڈیوٹی ہوگی کہ آپ تبصرہ اُن سے لے کر حبیب خاں صاحب کو یا خلیق صاحب کو دے دیجیے ہماری زبان کے لیے۔ یہ آپ کے ذمّے ہے۔ حبیب خاں صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ تبصرہ میرے آنے پر چھپ جانا چاہیے۔ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۹؍جون ۱۹۹۰ء

باری صاحب! میں ۱۷؍جون کو شاہ جہان پور جاؤں گا، واپسی ۲۴؍جون کو ہوگی۔

یہ محض اطلاعاً لکھ رہا ہوں

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۹/اگست ۱۹۹۱ء[۴]

باری صاحب!
توقع کرتا ہوں کہ اب آپ کی طبیعت ٹھیک ہو چکی ہوگی، اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔ خلیق صاحب کے ''ثقافت'' حکم کے مطابق تبصرہ بھجوا دیا تھا؟ اور یہ کہلا بھیجا تھا کہ آپ اپنے قلم سے اُسے نقل کر کے خلیق صاحب کو دے دیجیے۔ غالباً اب تک اُن کو دے چکے ہوں گے۔ اِس امر سے بھی مطلع فرمائیے، ممنون ہوں گا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۵)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۷/مئی ۱۹۹۱ء[۵]

باری صاحب!
میں کل ۱۸/مئی کو گھر جاؤں گا جولائی کے آخر تک واپسی ہوگی۔ اس ویرانے میں جی گھبرائے گا جیسا کہ میں نے کہا تھا، مئی کے آخری ہفتے کے اور جون اور جولائی کے ہماری زبان (اور اگر کوئی دفتری خط ہو تو وہ بھی) گھر کے پتے پر آپ اپنی نگرانی میں بھجواتے رہیے گا، دوسروں پر بھروسا نہ کیجیے گا۔ میں حساب آپ سے آ کر لوں گا۔
پتا: رشید حسن خاں

167-BAROOZAI-II(باڑوزئی دوم)
Shahjahan pur (U.P), Pin:242001

ہماری زبان میں حبیب خاں صاحب سے کہہ کر آپ نے اُس خبر کو دوبارہ ذرا قاعدے سے شامل کرالیا ہوگا۔ اگر نہ ہوا تو خان صاحب سے اب کہہ کر اس کام کو کرالیجیے۔ اور ہاں، وہاں آپ لوگوں کے خطوں کے سہارے وقت گزرے گا اور جی بہلے گا، تو آپ ایک دو خط تو ضرور ہی لکھیے گا۔ ہفتے میں ایک خط لکھیں تو واہ واہ! آپ کے لیے دل سے دُعا نکلے گی۔

رشید حسن خاں

دوسرا پرچہ حبیب خاں صاحب کا ہے، اُنھیں دے دیجیے

(۶)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
شعبۂ اردو، بمبئی یونی ورسٹی
وِدیا نگری، بمبئی - ۴۰۰۰۹۸
۳ر فروری ۱۹۹۲ء

ثاقب صاحب!

میں بہ خیریت پہنچ گیا۔ کتاب جب بھی چھپے، اُس وقت آپ، جیسا کہ گفتگو میں طے ہوا تھا، کتابیں بہ ذریعۂ ڈاک بھیج دیجیے۔ ۱۲ میرے پاس اور ۱۱ اور دوسروں کے پاس۔ شمس الحق عثمانی، مخمور صاحب اور شاہد علی خاں کو تو آپ تبصرے کے لیے انجمن کی طرف سے دیں گے (ہماری زبان، کتاب نما، ایوانِ اردو کے لیے)۔ باقی کتابیں، یعنی آٹھ کتابیں آپ میرے حساب میں بھیجیں گے۔ ڈاک خرچ بھی اِن کا میرے ذمّے ہوگا۔ البتہ قدوائی صاحب کو آپ خود دے دیجیے گا جامعہ نگر میں۔ یوں ڈاک سے سات کتابیں جائیں گی۔

کتاب پر جہاں دستخط ہوتے ہیں، وہاں آپ یہ چٹیں قاعدے کے ساتھ کاٹ کر چپکا دیجیے گا۔ اِس طرح میری غیر حاضری کا کچھ تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ یہ کام ضروری ہے۔ اِس کاغذ کو ذرا سنبھال کر رکھیے گا —— میری ۱۲ کتابوں کے تین بنڈل بنائیے گا۔

حساب سمجھ لیجیے۔ دس کتابیں بہ حیثیتِ مرتب مجھے انجمن کی طرف سے ملیں گی۔ ایک کتاب بہ حیثیت ممبر ۶۶ فی صدی کمیشن پر ملے گی اور باقی کتابیں عام تاجرانہ کمیشن پر۔

چوں کہ حساب رجسٹر میں آپ ہی کو لکھنا ہے، یوں یہ تفصیل لکھی گئی۔ خلیق صاحب سے یہ تفصیل طے ہو چکی ہے۔ تفصیل اور رسید کا خط فوری طور پر لکھیے۔

چشم براہ ہوں۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۵ر فروری ۱۹۹۲ء

ثاقب صاحب!

آپ کا خط مرقومہ ۷ر فروری ملا۔ میں ایک لفافہ آپ کو اِس سے پہلے لکھ چکا ہوں جس میں کئی چٹیں دستخط کی ہوئی رکھ دی تھیں، کتاب پر یعنی باغ و بہار پر لگانے کے لیے، اُس کی رسید آپ نے نہیں بھیجی۔ اب فوراً لکھیے کہ وہ لفافہ آپ کو ملا یا نہیں؟

انتخابِ ناسخ خرید کر اپنے پاس رکھ لیجیے، میں وہاں آ کر لے لوں گا۔ نہیں، بل کہ آپ اُسے رجسٹری سے (۱) یہیں میرے پاس بھیج دیجیے۔ یہ اچھا رہے گا۔ یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ اُسے خرید لیا۔

(۲) حبیب خاں صاحب سے ذرا پوچھ لیجیے کہ انتخابِ ناسخ کا پیکٹ کراچی مشفق خواجہ صاحب کے پاس پہنچا یا نہیں؟ (۳) باغ و بہار کا احوال بھی لکھیے۔ (۴) خلیق صاحب سے کہیے کہ میرے خط کا جواب ضرور لکھیں۔ (۵) آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
Department of Urdu,
Bombai University, Vidia Nagri
Bombai-400 098
۲۳ر فروری ۱۹۹۲ء

ثاقب صاحب!

یہ میرا تیسرا خط ہے۔ آپ کا صرف ایک خط پچھلے ہفتے ملا تھا۔ میں نے پچھلے لفافے میں آپ کے لکھنے کے مطابق آپ کی تقریر کا تمہیدی حصّہ رکھ دیا تھا۔ اُس سے پہلے ایک لفافے میں دستخط شدہ پرچیاں رکھ دی تھیں کتاب پر چپکانے کے لیے۔ دونوں میں سے کسی کی رسید نہیں ملی۔ کتاب آپ کب بھیج رہے ہیں، چھپ تو گئی ہے۔ خط فوراً لکھیے۔

رشید حسن خاں

حبیب خاں صاحب سے آپ نے پوچھا تھا کہ کراچی وہ انتخابِ ناسخ پہنچا یا نہیں؟

مشفق خواجہ صاحب کا خط آیا؟

انتخابِ ناسخ آپ نے خرید لیا ہوگا۔ اِس کے لیے واقعتاً شکر گزار ہوں اور ممنون۔ کتابوں کے ساتھ اُسے بھی بھیج دیجیے گا یہیں۔

(۹)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۱۴راپریل ۱۹۹۲ء

باری صاحب!

میں آج لاہور جا رہا ہوں، ۲۲ر کو واپسی ہوگی۔ اگر اُس وقت آپ سے ملاقات ہو سکے تو خوب ہو۔ خط لکھ کر تاریخ اور وقت سے مطلع کیجیے۔ کافی ہوم ٹھیک رہے گا۔

خلیق صاحب سے طے ہوا تھا کہ تبصرے کے لیے مندرجۂ ذیل رسالوں اور مبصرین کو کتابیں انجمن کی طرف سے بھیجی جائیں گی:

ہماری زبان	ایک کتاب	صدیق الرحمٰن قدوائی
اردو ادب	ایک کتاب	نیز مسعود رضوی
کتاب نما	شاہد علی خاں کے نام	مبصر: شمیم حنفی
ایوانِ اردو	ایک کتاب مخمور سعیدی کے نام	مبصر: خلیق انجم
شب خون	دو کتابیں شمس الرحمٰن فاروقی	مبصر: حنیف نقوی

قلم (بمبئی)	اڈیٹر قلم الیاس شوقی	مبصر: عبدالستار دلوی
نیا دور (لکھنؤ)	اڈیٹر کے نام	مبصر: عابد سہیل
آجکل (دہلی)	〃 〃	〃 ظفر احمد صدیقی

اِس طرح کُل ۱۴ کتابیں تبصرے کے لیے ہوئیں۔

میں نے جو فہرست دی تھی، اُس میں سے یہ ۱۴ کتابیں تبصرے کے ذیل میں لکھ دیجیے، باقی میرے حساب میں۔ ایک کتاب ممبر کی حیثیت سے ۶۶ فی صدی والے خانے میں رکھیے۔ اب آپ یہ بتائیے کہ فہرست کی سب کتابیں آپ نے بھیج دیں؟

خط لکھیے۔ ملاقات کا آرزو مند ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۵ رمئی ۱۹۹۲ء

باری صاحب!

کتاب بھیج رہا ہوں، اِسے آج ہی لکھنؤ بھیج دیجیے۔ میں ۲۰ رکو یا ۲۲ رکو واپس ہوں گا۔ آتے ہی خط لکھوں گا، اُسی وقت رجسٹری کا حساب کتاب ہو جائے گا۔ قدوائی صاحب سے اگر زبانی کہہ چکے ہوں تو پھر پرچہ دینے کی ضرورت نہیں۔

شاہد علی خاں کا خط اُنھی کو دے کر، اگر آپ جواب بھی لے سکیں تو خوب ہو۔ اُسے میرے پتے پر بھیج دیجیے گا۔

ایک زحمت یہ گوارا کر لیجیے کہ جن لوگوں کو کتاب بھیجی ہے آپ نے، اُن کے نام لکھ کر مجھے بھیج دیجیے، تاکہ میں اُن کو خط لکھ سکوں۔

دہلی کا مشاعرہ اور مولوی نذیر احمد کی کہانی ان کا ایک ایک نسخہ میں لایا تھا، میرے حصّے کے باقی نسخے محفوظ رکھیے بروقتِ ملاقات میں آپ سے لے لوں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲؍ستمبر ۱۹۹۲ء[11]

باری صاحب!

آپ کو ایک زحمت دینا چاہتا ہوں، یوں کہ کسی اور سے اِس کے لیے نہیں کہہ سکتا۔ آج کے دن سے ٹھیک آٹھ دن بعد آپ کو شمیم حنفی صاحب کے گھر جانا ہے اور وہاں میرے لیے ایک کتاب اُنھوں نے رکھی ہے، اُسے لانا ہے۔ لاکر اپنے پاس رکھ لیجیے اور پھر خط لکھ دیجیے کہ کس دن شام کو آپ کافی ہوم آسکتے ہیں۔

ایک بات اور: جب آپ وہاں جائیں، تو اُن سے باغ و بہار پر تبصرہ بھی لیتے آئیں۔ اُنھوں نے یہی کہا ہے کہ باری صاحب کو میں دونوں چیزیں فوراً دے دوں گا۔ اب میں آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔ اسپتال کی رفاقت کا بہ طورِ خاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۰؍اکتوبر ۱۹۹۲ء[12]

ثاقب صاحب!

دوسرا پرچہ حبیب خاں صاحب کو دے دیجیے۔ شکریہ۔

رشید حسن خاں

شمیم صاحب سے کل ملاقات ہوئی تھی، اُن سے طے ہوگیا ہے۔ آپ فوراً ٹیلی فون کر کے چلے جایئے اور میری کتاب اور وہ تبصرہ، دونوں لے آیئے۔ تبصرہ مجھے دیجیے گا پہلے میں دیکھوں گا۔ خط لکھیے کہ آپ سے ملاقات کب ہو سکتی ہے۔ آپ سے کچھ باتیں بھی کرنا ہیں ضروری۔ تنہا آیئے گا۔

رشید حسن خاں

جوشؔ سے متعلق کوئی کتاب انجمن نے چھاپی ہے، اُس کی ایک جلد ضرور لیتے آئیے گا۔

(۱۳)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی۔ ۱۱۰۰۰۷
۱۸ر جون ۱۹۹۳ء[۱۳]

ثاقب صاحب!

ایک بات دریافت کرنا ہے۔ کراچی، باغ و بہار کی ایک جلد بھیجنا ہے۔ ڈاک خرچ کتنا ہوگا؟ بیس روپے تک تو ٹھیک ہے، اگر اِس سے زیادہ ہو تو پھر معذرت کرلوں گا۔ ''بائی سرفیس میل'' شاید کم لگتا ہے۔

اگر اِسے بھیجا جاسکتا ہو تو پھر ایک جلد باغ و بہار کی میرے حساب میں لکھ کر اِن صاحب کو دے دیجیے۔ میں تصحیح کرکے، آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ میرے پاس کچھ ڈاک ٹکٹ ہیں، وہ بھی بھیج دوں گا۔ علی گڑھ کتابیں چلی گئی ہوں گی۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی۔ ۱۱۰۰۰۷
۲۶ر اگست ۱۹۹۳ء[۱۴]

ثاقب صاحب!

میں نے آپ کے خاص کاتب رشید کو مثنوی گلزارِ نسیم کے صفحات کتابت کے لیے دیے ہیں۔ مسطر بتادیا تھا کہ ۱۹ سطری ہوگا، مگر یہ کہنا بھول گیا کہ قلم جلی رکھتے، ڈیوڑھے پر لکھیں۔ آپ خود اِن نکات کو جانتے ہیں، بتادیجیے اُن کو کہ کس طرح لکھنا ہے۔

اُن سے کہیے کہ نمونے کا ایک صفحہ لکھ کر مجھے دکھادیں، مجھے کیا دِکھادیں، آپ اُن سے

لے لیجیے اور مجھے ڈاک سے بھیج دیجیے۔ پھر میں آپ سے رابطہ قائم کرلوں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی-۱۱۰۰۰۷
۲۰ر ستمبر ۱۹۹۳ء [۱۵]

ثاقب صاحب!

میرا خیال ہے کہ اس کا فیصلہ مجھ سے بہتر طور پر آپ خود کر سکتے ہیں کہ سوایا بہتر رہے گا یا ڈیوڑھا۔ جو مناسب ہو وہ کیجیے۔

معاوضے کے معاملے میں تامل کی مطلق ضرورت نہیں، معاوضہ میں خود دوں گا اور آپ کے بتانے کے مطابق۔ رشید سے کہیے کہ اِس میں تامل نہ کریں۔ اِنھیں شکایت نہیں ہوگی۔ میری کتابیں اِن کو دے دیجیے۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی-۱۱۰۰۰۷
۱۶ر دسمبر ۱۹۹۳ء [۱۶]

ثاقب صاحب!

آپ کہاں ہیں؟

ایک ضروری بات: گلزارِ نسیم کے مسودے کی اشد ضرورت ہے، کیوں کہ آج کل میں اُسی حصے کے حواشی لکھ رہا ہوں۔

میں ۲۵ر دسمبر کو غالب انسٹی ٹیوٹ آؤں گا۔ آپ دس بجے کے بعد وہیں ذرا سی دیر کے لیے آجایئے اور مسودہ لیتے آیئے۔ جن صفحات کی کتابت ہوگئی ہو، اُنھیں بھی ضرور لیتے

آ جائے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی -۱۱۰۰۰۷
۲۲؍دسمبر ۱۹۹۳ء [۱۷]

ثاقب صاحب!

جس طرح بھی ہو، اس لفافے کو پٹیالہ ہاؤس میں آج کل کے اڈیٹر محبوب الرّحمان فاروقی کو پہنچانا ہے۔ یہ از حد ضروری ہے آپ سارے کام چھوڑ کر لنچ کے وقفے میں وہاں چلے جائیے یا کسی کو بھیج دیجیے۔ ہر صورت میں یہ کام آج ہونا ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی -۱۱۰۰۰۷
۲۶؍دسمبر ۱۹۹۳ء [۱۸]

ثاقب صاحب!

ایک زحمت دے رہا ہوں: یہ چار کتابیں لاہور جانا ہیں زمینی ڈاک سے۔ رجسٹرڈ۔ پتا ہے:

ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی
پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج،
لاہور (پاکستان)

حبیب خاں صاحب نے بتایا کہ تقریباً تیس روپے لگیں گے، یہ روپے ساتھ ہی بھیج رہا ہوں۔ اگر کچھ حساب ہوگا تو بعد کو کرلیا جائے گا۔

رشید صاحب، سے کہیے کہ اب ذرا قلم تیز کرلیں۔ حواشی کی کتابت شروع ہونا ہے۔ کتابت شدہ صفحے بھجوائیے۔ میں ۴؍جنوری سے ۱۵؍جنوری تک شاہ جہان پور میں رہوں گا۔

خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

اور ہاں، نذیر احمد کہانی اور آخری مشاعرہ ان دونوں کی دو دو جلدیں بھی بھیج دیجیے۔ یہ کتابیں بہ حقِ مصنف کے کوٹے میں سے آئیں گی کیوں کہ میں نے اپنے حصے کی کتابیں نہیں لی تھیں۔ خلیق صاحب سے کہہ دیجیے۔

(۱۹)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی- ۱۱۰۰۰۷
۶/مارچ ۱۹۹۴ء[19]

ثاقب صاحب!

بمبئی کتاب پہنچ گئی، شکریہ۔ اِس سے متعلق رجسٹری کا خرچ میں نے دے دیا تھا، خیال کرتا ہوں کہ کم نہیں پڑا ہوگا۔

اب مزید زحمت دے رہا ہوں۔ چوں کہ آپ میری دی ہوئی زحمت کو بہ خوشی قبول کر لیتے ہیں، اِس لیے بلاتکلف فرمایش کرنے لگا ہوں۔ ایک پیکٹ بمبئی جائے گا اور ایک احمد آباد۔ بمبئی کے پیکٹ میں چار کتابیں ہیں۔ پتے کا پرچہ منسلک ہے اور وارث علوی کا پتا اندر کتاب میں لکھ دیا ہے۔ مجھے چوں کہ یہ معلوم نہیں کہ اس پر کیا خرچ آئے گا، اس لیے کچھ بھیج نہیں رہا ہوں۔ جو حساب ہوگا وہ کر دیا جائے گا۔ غالباً پچھلا کوئی بقایا میرے نام نہیں۔

کیا آپ بھی رشید کے ساتھ جمعے کو آئیں گے؟

خدا کرے آپ مع بیگم اور اسکوٹر کے بہ خیریت اور بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی- ۱۱۰۰۰۷

۸/اپریل ۱۹۹۴ء [20]

ثاقب صاحب! آپ کہاں ہیں، ۴/کو رشید ناوقت آئے تھے، یوں اُن سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام کو چار بجے کے بعد آئیں گے۔ بھائی! اُن سے کیا کہوں، آپ سے کہتا ہوں کہ کام کم ہوا۔ اُن سے کہیے کہ قلم کی روانی کو ذرا تیز کرلیں۔ ورنہ بہت زیادہ وقت لگ جائے گا۔ کام زیادہ ہے۔ اب آپ فوراً خط لکھیے کہ اب وہ کب آئیں گے۔ توقع ہے کہ اب کے اُن کے ساتھ آپ سے بھی ملاقات ہو سکے گی۔ آپ نے نیّر مسعود (لکھنؤ) اور ابوالکلام قاسمی کو کتابیں بھیج دی ہوں گی۔

یہ پرچہ حبیب خاں صاحب کے لیے ہے، اُن کو دے دیجیے۔ وہ اگر کتابیں دیں لائبریری سے، تو پھر اُنھیں آپ اپنے ساتھ لیتے آئیں۔ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

توقع کرتا ہوں کہ اب کے یہ لفافہ گم نہیں ہوگا۔

(۲۱)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی - ۱۱۰۰۰۷

۱۱/اپریل ۱۹۹۴ء [21]

ثاقب صاحب!

لفافہ ملا ہوگا۔ حبیب خاں کا پرچہ اُن کو دے دیا ہوگا۔ وہ اگر کوئی کتاب دیں تو ساتھ لیتے آیئے گا۔ اِس وقت یہ کہنا ہے کہ وہ ردّی کا جو تھیلا آپ نے سب ممبروں کو دیا تھا، اُس میں بہ قول آپ کے ایک دو کتابیں کام کی بھی تھیں۔ دو کتابوں کے نام مجھے یاد آئے ہیں دیوانِ شاکر ناجی اور اِس گھر کو آگ لگ گئی... یہی کتابیں تھیں نا! اِن کو اور اگر کوئی اور کتاب کام کی ہو تو اُسے بھی ساتھ لیتے آیئے گا۔ قصّۂ مہر افروز و دلبر بھی۔ کب آئیں گے؟ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی - ۱۱۰۰۰۷
۲۵/اپریل ۱۹۹۴ء [۲۲]

ثاقب صاحب!

میں ۳۰/اپریل کو سنیچر کے دن ۳½ بجے غالب انسٹی ٹیوٹ آؤں گا۔ خسرو سوسائٹی کی میٹنگ ہے۔ آپ اگر ذرا سی دیر کے لیے اُدھر آجائیں تو خوب ہو۔ رشید صاحب کو بھی ساتھ لیتے آئیں، میں اندر ہوں تو فوراً باہر بلوا لیجیے گا۔

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
گائر ہال
یکم اکتوبر ۱۹۹۴ء [۲۳]

ثاقب صاحب!

آپ سے ایک مدّت سے ملاقات نہیں ہوئی ہے، یہ خط ایک ضرورت سے لکھ رہا ہوں۔ عبدالرّشید صاحب سے کہہ دیجیے کہ ۷/اکتوبر کو جب وہ آئیں، تو اپنا قلم اور سیاہی ضرور ساتھ لیتے آئیں۔

خدا کرے آپ مع اپنے اسکوٹر کے بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
دہلی یونی ورسٹی - ۱۱۰۰۰۷
۳۱/اکتوبر ۱۹۹۴ء [۲۴]

ثاقب صاحب!

پھر زحمت دے رہا ہوں۔ آخر اور ہے بھی کون جس کو زحمت دوں۔ دو کتابیں بھیج رہا ہوں۔ تلاش وتعبیر اور فسانہ عجائب۔ انھیں رجسٹری سے بھجوا دیجیے آج ہی۔ پتا تلاش وتعبیر کے صفحے پر لکھا ہوا ہے۔ -/20 بھیج رہا ہوں۔ باغ و بہار کا بھی حساب ہے۔ جو مزید دینا ہوگا، وہ اگلی بار رشید صاحب ہی کے ہاتھ بھیج دوں گا۔

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
دہلی یونی ورسٹی
۵رنومبر۱۹۹۴ء[۲۵]

ثاقب صاحب!

میری خاطر یہ زحمت پھر گوارا کیجیے کہ یہ خط شاہد علی خاں کو دے دیجیے اور اُن سے انشاے غالب کی پانچ جلدیں لے لیجیے اور جب عبدالرشید ۲۲رنومبر کو آئیں تو ان کے ہاتھ بھیج دیجیے۔ اگر کتابیں ایک دن موجود نہ ہوں تو دوسرے دن لے لیجیے گا۔ لایئے ضرور، ورنہ میں محروم رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۹ردسمبر۱۹۹۴ء[۲۶]

باری صاحب!

آپ نے یہ سوچا ہے کہ یہاں نہیں آئیں گے، تو فرمایشوں سے بچ جائیں گے۔ آنکھ اوجھل، پہاڑ اوجھل؛ مگر ایسا ہوگا نہیں، اطمینان رکھیے۔

فی الحال ضروری کام یہ ہے کہ مجھے تفہیم کی تین کاپیاں چاہیے ہیں، یعنی خریدنا ہیں۔ آپ یہ زحمت گوارا کر لیجیے کہ کسی دن صبح کے وقت جامعہ سے تین نسخے لیتے آیئے اور اُن سے کہیے کہ میرے حساب میں اِنھیں لکھ دیں، مگر زیادہ سے زیادہ کمیشن کاٹ کر۔ ۱۶رکو

رشید آئیں گے، ان کے ہاتھ بھیج دیجیے گا۔ ۱۵ر کو ان کو دے دیجیے گا، یہ ۱۶ر کو علی الصباح میرے ہاں آئیں گے اور لیتے آئیں گے۔

رشید حسن خاں

کتاب نما کا شمارۂ نومبر اور دسمبر مجھے نہیں ملا، اُسے بھی لیتے آیئے گا۔

(۲۷)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی - ۱۱۰۰۰۷
۲۸ر دسمبر ۱۹۹۴ء [۲۷]

ثاقب صاحب!

تفہیم کی تین جلدوں کا ہنوز انتظار ہے۔ میرے پاس ایسا کوئی شخص نہیں جسے مکتبۂ جامعہ بھیج سکوں۔ لہٰذا اب آپ ہر صورت میں کل یعنی جمعرات کے دن مکتبے سے تین کتابیں لیتے آیئے اور میرے حساب میں لکھا دیجیے۔ سنیچر کو اِن کے ہاتھ میرے پاس بھیج دیجیے۔

رشید حسن خاں

عابد پیشاوری صاحب کا مضمون بھیج رہا ہوں۔ کل وہ دے گئے تھے۔ اسے آپ شاہد صاحب کو دے دیجیے۔

(۲۸)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ٹی .بی .۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۰ر جولائی ۱۹۹۵ء [۲۸]

عزیزم!

کہاں ہیں آپ لوگ، کسی کا حال نہیں معلوم۔ ضروری بات یہ ہے کہ رشید صاحب غائب ہیں۔ اُن سے کہیے کہ وہ فوری طور پر مل لیں اور کتابت ساتھ لیتے آئیں۔ معلوم نہیں وہ کیوں روپوش ہو گئے ہیں؟ آپ کو معلوم ہے؟

حبیب خاں سے کہیے کہ میرے ایک خط کا جواب اُن کے ذمّے واجب ہے۔ خلیق صاحب سے کہیے کہ اُنھوں نے میرے خط کا جواب اب تک نہیں لکھا۔ ایک ضروری بات

پوچھنی تھی۔ازراہِ لطف آپ خط فوراً لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۵ر دسمبر ۱۹۹۵ء [۲۹]

باری صاحب!

آپ نے کیا انتظام کیا؟ میں خلیق صاحب کے ساتھ ۲۹ر دسمبر کو بمبئی جاؤں گا، واپسی ۱۰ر جنوری کو ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ ۱۰ر جنوری سے لے کر ۲۰ر جنوری کے دوران آپ کتابوں کی پیکنگ کرادیجیے۔ یہ میں کہہ چکا ہوں کہ جس قدر صرف ہوگا، وہ فوری طور پر ادا کردیا جائے گا۔ خلیق صاحب سے بھی بات کرلیجیے گا۔ٹرانسپورٹ کمپنی سے بھی بات کرر کھیے۔۲۲ر کو میں غالب انسٹی ٹیوٹ آؤں گا۔اگر آپ سے چندمنٹ کے لیے لنچ ٹائم میں ملاقات ہوسکے تو خوب ہو۔ بہ ہر طور سارا انتظام اب آپ کو کرلینا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ۲۰ر جنوری تک کتابیں چلی جائیں۔

رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
167-BAROOZAI-II
SHAHJAHAN PUr-242001
(U.P)
۵ر فروری ۱۹۹۶ء [۳۰]

باری صاحب!

آپ نے بہت زحمت اُٹھائی، اس کا اعتراف کرتا ہوں؛ مگر اس کے بغیر میں سفر بھی تو نہیں کرسکتا تھا۔ اُس بکھیڑے کو نپٹانا میرے بس کا تو تھا نہیں۔ آپ نہ ہوتے تو ساری کتابیں وہیں چھوڑنا پڑتیں۔خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔

مارچ میں غالباً انجمن کا سالانہ جلسہ ہوگا۔ عبدالرشید سے کہیے کہ اُس وقت تک کتابت کا سارا کام نپٹادیں، تاکہ میں وہیں تصحیح کردوں۔ ذرا تاکید کرتے رہیے گا۔
قلم زد: یہ حصّہ کاٹ کر مولانا اختر کو دے دیجیے یا پھر پڑھا دیجیے۔

بہت سی دُعاؤں کے ساتھ
رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
۱۶۷- باڑوزئی- دوم
شاہ جہان پور
۱۰رمئی ۱۹۹۶ء [۳۱]

باری صاحب!
آپ کیسے ہیں، کیا کر رہے ہیں اور اِس موسم کے دن کیسے گزر رہے ہیں۔ سب کی خبر مل جاتی ہے، بس ایک آپ ہیں جو خاموش رہتے ہیں۔ میں جلد ہی اُدھر آؤں گا۔
(۱) عبدالرشید نے کہا تھا کہ ۷رمئی کو ساری کتابت آپ کے پاس جمع کر دی جائے گی، اور آپ میرے پاس بھیج دیں گے۔ اس کی کیا صورت ہے۔
(۲) مولانا اختر نے میرے پرچے کا جواب نہیں لکھا۔
(۳) ایک سب سے ضروری بات: آپ میری خاطر زحمتیں برداشت کرتے ہی رہے ہیں اور کرتے ہی رہیں گے (انشاء اللہ)۔ شاہد علی خاں صاحب نے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کے مصداق کتاب نما دو مہینے سے نہیں بھیجا۔ فریاد کس سے کروں۔ کل آپ اُدھر سے ہو کر نکل آیئے اور اگر موصوف ہوں تو اُن سے یہ بات کہہ دیجیے۔ اور اِس ماہ کا شمارہ آپ اُن سے لے کر خود اپنے ہاتھوں سے مجھے پوسٹ کر دیجیے اور آیندہ کے لیے اُن سے پوچھ لیجیے کہ کیا ارادہ ہے اُن کا۔
اِس خط کا جواب فوری طور پر عطا ہو۔ چشم براہ ہوں مع رسالے کے۔

رشید حسن خاں

(۳۲)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
شاہ جہان پور
۱۱ر نومبر ۱۹۹۶ء[۳۲]

باری صاحب!

۵ر دسمبر کے انجمن کے جلسے میں شرکت کروں گا۔ دو بہت ضروری کام آپ کے ذمے ہیں۔ (۱) ۷ر دسمبر کا شاہ جہان پور کا رزرویشن کرا دیجیے اودھ آسام اکسپریس سے۔ متعلقہ فرد کو نہایت مناسب رقم ضرور دیجیے گا۔

(۲) عبدالرشید سے کہیے کہ وہ ۵ر کو لازماً دفتر آئیں۔ میں کاپیاں اُن کو دوں گا۔ ۶ر کو تصحیح دیکھوں گا، یوں ۷ر کو واپسی ہوگی۔ اُن کا موجود ہونا ازبس ضروری ہے۔

فانیؔ کا دیوان ساتھ لاؤں گا۔

رشید حسن خاں

(۳۳)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
شاہ جہان پور
۲۰ر جنوری ۱۹۹۷ء[۳۳]

ثاقب صاحب!

۳ر جنوری کا آپ کا خط مجھے آج 20/1/97 کو ملا۔ مجھے آپ کی پریشانیوں کا علم تھا اور اُن کی ہمہ گیری کا اندازہ بھی تھا۔ سخت تردّد تھا اور بہت تشویش تھی۔ بارے ذرا سا اطمینان ہوا۔

میں نے ایک خط پچھلے ہفتے آپ کے نام بھیجا تھا، جس میں یہ لکھا تھا کہ گلزارِ نسیم (معمولی) کی ایک جلد لاہور اِس پتے پر بھیج دیجیے ضرور، میں اُن کو لکھ چکا ہوں۔ پتا یہ تھا:

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی اُولڈ
کیمپس، لاہور

اگر میرا وہ خط نہ ملا ہو، تو اب یہی، اِس زحمت کو ضرور گوارا کر لیجیے۔ فروری کے آخر میں شاید وہاں آنا ہوگا۔ اگلا پچھلا حساب سب بے باق کر دوں گا۔

ہاں، میں نے ایک خط حبیب خاں صاحب کو لکھا تھا، اُن سے پوچھیے کہ وہ اُن کو ملا یا نہیں۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۴)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور

۲۱ رجنوری ۱۹۹۷ء [۳۴]

ثاقب صاحب!

ابھی آپ کا خط ملا۔ اب تک آپ کو میرا دوسرا خط مل چکا ہوگا جس میں لاہور کا پتا مندرج ہے، احتیاطاً پھر لکھتا ہوں:

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی

اُولڈ کیمپس، لاہور

ایک ضروری بات یہ ہے کہ میں نے حبیب خاں صاحب کو خط لکھا تھا، اگر اُن کو مل گیا ہو تو کہیے کہ مجھے بے صبری سے اُن کے جواب کا انتظار ہے۔ بالفرض، وہ کہیں کہ نہیں ملا، تو مجھے فی الفور لکھ دیجیے، اب کے میں رجسٹرڈ خط بھیج دوں گا۔

رشید حسن خاں

(۳۵)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

بمبئی

۱۹ رجنوری ۱۹۹۸ء [۳۵]

باری صاحب!

میں بہ عافیت یہاں پہنچ گیا۔ آپ سے وعدہ کیا تھا کہ نیا پتا بھیجوں گا، سُو بھیج رہا ہوں۔ خلیق صاحب اور حبیب صاحب کو بھی نوٹ کرا دیجیے گا۔

پتا:

C/o Mr. Bhushan Kumar
B/27- Ankur co. op. Housing Society,
Anand Nagar, Canta cruz (East)
Mumbai-400 055

فون: 6102068

اپنے رفیقِ کار اور میرے کرم فرما سے سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

وہ دو صفحے کمپوز ہوئے؟

(۳۶)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۷ر دسمبر ۱۹۹۷ء

باری صاحب!

آج دو پہر کی ڈاک سے آپ کا خط ملا۔ آپ نے کئی خطوں کا حوالہ دیا ہے، میں قسم کھا سکتا ہوں حبیب خاں صاحب کی، کہ مجھے اِس سے پہلے کوئی خط نہیں ملا۔ [حبیب خاں کی قسم اِس لیے کھائی ہے کہ وہی آسانی سے کھائی جا سکتی ہے اور یوں بھی کہ آج کل وہ ہر بلا اور ہر طوفان کے مقابل ہیں]۔ میری ڈاک ضائع نہیں ہوتی۔ آپ نے خط ضرور لکھے ہوں گے مگر عالمِ خیال میں۔ آپ کی اور انیس صاحب کی یاد اکثر آتی رہی، مگر آپ لوگوں کی مصروفیتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے خط نہیں لکھ سکا، اگر چہ کئی بار ضرورت بہت پڑی۔

میں آج یعنی ۱۷ر دسمبر کو رات میں دہلی کے لیے روانہ ہوں گا۔ ۱۸ر کی صبح پہنچوں گا اور ۱۸ر کی رات جودھ پور کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ وہاں سے ۲۲ر دسمبر کی صبح کو دہلی آؤں گا اور حسبِ معمول گائر ہال میں اُسی کمرے میں ٹھہروں گا۔ ۲۸ر کو غالب انسٹی ٹیوٹ آؤں گا سمینار کے لیے۔ ۲۹ر کی رات میں شاہ جہان پور کے لیے روانگی ہو گی۔ آپ اگر ۲۸ر کو دو پہر میں غالب انسٹی ٹیوٹ آ جائیں تو خوب ہو، آپ سے بہت سی باتیں ہو جائیں گی، ہاں

جب آئیں تو ایک جلد گلزارِ نسیم کی ضرور لیتے آئیں۔ یہ ضروری ہے، ایک وعدہ پورا کرنا ہے۔

غالب انسٹی ٹیوٹ والوں نے سمینار کا خط چھے ماہ پہلے بھیجا تھا، یوں وعدہ کرنا پڑا اور پروگرام بن گیا۔ جودھ پور کا وعدہ پچھلے تین سال سے ٹلتا آرہا تھا، اِس بار اصرارِ بے حد پر ماننا پڑا۔ چلا جاتا نہیں، گھٹنوں میں درد بہت ہے؛ مگر کیا کروں، وہ مثل ہے: رانڈ تو بیٹھی رہے، رنڈوے نہیں بیٹھنے دیتے۔ کہیں نہ کہیں مروّت میں مار کھا ہی جاتا ہوں۔ ایک طوائف آخر میں ذرا فراخ دل ہوگئی تھی۔ ایک صاحب نے اس کا طعنہ دیا، کہنے لگی: آخر مروّت بھی کوئی چیز ہوتی ہے! وہی میرا احوال ہے۔ انجمن کا دعوت نامہ بالکل آخر میں اُس وقت ملا جب سارے پروگرام بن چکے تھے، کیا کرتا۔ آپ لوگوں نے حبیب صاحب کو بیمار کردیا، یہ بُرا ہوا۔ اُن کی فکر مجھے بہت ہے۔

فانی والا کام آپ کا کیا ہوا؟ بھائی! میں یہاں آیا ہوں، وہاں تو نہیں چلا گیا ہوں کہ آپ کی مدد کر ہی نہ سکوں۔ مجھے فانی والے کام سے بہت دل چسپی ہے۔ اگر ہوسکے تو اُسے کر ڈالیے۔ میں آٹھ دن دہلی میں رہوں گا، اِس دوران آپ اُس پر گفتگو کرسکتے ہیں۔ یہ کام اب نہ ہوا تو پھر نہیں ہو پائے گا۔ ملیے گا ضرور۔

رشید حسن خاں

(۳۷)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
شاہ جہان پور
۲۹/دسمبر ۱۹۹۷ء ۳۷

باری صاحب!

میں نے آپ کے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ میں غالب سمینار میں آؤں گا، آپ ۲۸/دسمبر کو غالب انسٹی ٹیوٹ آجایئے تاکہ ملاقات ہوجائے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا خط آپ کو نہیں ملا۔

اب میں ۱۲/جنوری کو یہاں موجود ہوں گا۔ عبدالرشید اُس دن صبح میرے پاس آئیں گے۔ اگر آپ سے بھی ملاقات کی مسرّت حاصل ہوسکے تو خوب ہو، اور ضروری بات یہ ہے کہ گلزارِ نسیم کی دو جلدیں آپ ضرور بھیج دیجیے گا رشید صاحب کے ہاتھ یا خود لیتے آیئے

گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ یا یوں بھی کر سکتے ہیں کہ گلزارِ نسیم کی دونوں جلدیں ارجمند آرا کو دے دیجیے۔ یہ بھی ۱۲؍ کو آئیں گی۔ اور میرے حساب میں لکھ لیجیے۔ انیس صاحب سے میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۳۸)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
۱۳؍ فروری ۱۹۹۸ء [۳۸]

باری صاحب!

کیا میرا خط نہیں ملا؟ تعجب ہے۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ دو صفحے کمپوز کرا کے بھیجیں گے، آج تک راہ دیکھ رہا ہوں۔

میں راجدھانی سے ۶؍ مارچ کو دہلی پہنچوں گا اور ۷؍ مارچ کو (سنیچر کے دن) شاہ جہان پور چلا جاؤں گا۔ کیا جُمعے کو (۶؍ کو) بعد نمازِ جمعہ ملاقات ہو سکتی ہے؟ یا ۵ بجے کے بعد، جس میں آسانی ہو۔

رشید حسن خاں

(۳۹)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ممبئی
۶؍ اگست ۱۹۹۸ء [۳۹]

باری صاحب!

میں بہ عافیت پہنچ گیا۔ وہاں آپ ساتھ نہ ہوتے تو بہت پریشان ہوتا۔ اسلم بھائی سے کہیے کہ میں ٹھیک ہوں۔ میرا ڈاکٹر اچانک تین ہفتے کے لیے امریکہ چلا گیا ہے، اُس کی آمد کا منتظر ہوں۔

(۱) توقع کرتا ہوں کہ سحرالبیان کی کمپوزنگ آپ کی نگرانی اور تصحیح میں شروع ہو چکی ہوگی۔
(۲) میرے حصے کی پانچ جلدیں شاہ جہان پور بھجوا دیجیے۔
(۳) چھے جلدیں یہاں ممبئی بھیجنا تھیں، اُنھیں یہاں بھجوا دیجیے، مگر دو قسطوں میں۔ تین

ایک بار، پھر دو دن کے وقفے سے تین جلدیں۔

(۴) اِس خط کی رسید سے نوازیے۔ انیس صاحب سے میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن خاں

میرا فون نمبر 6102068

میرا پتا: R.H. Khan

C/o Mr. Bhooshan Kumar

B/27, Ankur Nagar, co. op. Housing Society

Anand Nagar Canta cru. (East)

Mumbai-400 055

(۴۰)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

ممبئی

۹/اگست ۱۹۹۸ء

باری صاحب!

ایک خط بھیج چکا ہوں۔ خلیق صاحب کے لفافے میں، ملا ہوگا۔ یہ خط محض احتیاطاً لکھ رہا ہوں۔

میں ٹھیک ہوں۔ اکتوبر کے پہلے ہفتے تک یہاں رہوں گا۔ میرے ڈاکٹر کو اچانک چار ہفتے کے لیے امریکہ جانا پڑ گیا، اب اُس کا انتظار ہے۔ انیس صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ اِس کا امکان ہے کہ اب کے جب اکتوبر میں میں دہلی آؤں چار دن کے لیے، تو قیام آپ کے ساتھ ہو۔ مگر قطعی فیصلہ بعد کو ہو سکے گا۔ آپ کئی بار قیام کی دعوت دے چکے ہیں۔

اب ضروری بات:

(۱) پانچ کتابیں شاہ جہان پور بھیجنا تھیں، اور چھے کتابیں بمبئی میرے پاس بھیجنا تھیں۔ انھیں ضرور بھیج دیجیے۔ بمبئی والی تین تین کے دو بنڈلوں میں بھیجیے گا۔

(۲) تبصرے کے لیے کس کس کو بھیجی ہیں، ان کی تفصیل ذرا لکھ دیجیے۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری اڈیٹر نقد و نظر (علی گڑھ) کو ضرور بھیجیے گا: گلفشاں، سول لائن، علی گڑھ۔

(۳) سات کتابیں جن لوگوں کو بھیجی جانا تھیں [شمس بدایونی بریلی، عرفان زیدی لاہور،

ہمایوں شمس الرّحمان فاروقی الٰہ آباد، اسلم محمود دہلی، عابد رضا بیدار رام پور، کالی داس گپتا رضا بمبئی۔ (ایک نام اور تھا) انھیں تو بھیج دیا ہوگا۔ ہاں تبصرے کے لیے ڈاکٹر یونس اگاسکر اڈیٹر ترسیل صدر شعبۂ اردو ممبئی یونی ورسٹی کو تو بھیج ہی دی ہوگی۔ جلدی سے خط لکھیے تاکہ مجھے اطمینان ہو۔ اگلا کام میں نے یہاں شروع کر دیا ہے یعنی دیوانِ جعفر زٹلی کی تدوین۔ شاید دو سال میں مکمل ہو سکے گی۔ لندن سے کئی نسخے منگائے ہیں۔

اور ہاں، کیا سحرالبیان کی کمپوزنگ شروع ہوئی؟ جب بھی شروع ہو تو بس نمونے کا ایک صفحہ مجھے بھیج دیجیے گا، باقی تصحیح تو آپ ہی کو بنانا ہے۔

اسلم بھائی سے سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

پس نوشت:

ڈاکٹر حنیف نقوی کو تو کتاب بھیج ہی دی ہوگی۔ یہی ساتواں نام تھا۔

C/o Mr. Bhooshan Kumar
B/27, Ankur Nagar, co. op. Housing Society
Anand Nagar Canta cru. (East)
فون:6102068 Mumbai-400 055

(۴۱)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ممبئی
یکم ستمبر ۱۹۹۸ء[۴۱]

باری صاحب!

آج ہی لفافہ ملا۔ کتابت عمدہ ہے، جی خوش ہوا۔ رشید صاحب نے بہت توجہ سے کمپوزنگ کی ہے۔

میرے ڈاکٹر امریکہ سے واپس آگئے۔ آج صبح ۹ بجے اُن کے پاس گیا تھا۔ ابتدائی معائنہ مکمل ہوگیا۔ کل ۱۰ بجے ریڈیالوجی کے سکشن میں ایک ٹسٹ ہوگا اور پھر ایک اور۔ ان کی رپورٹوں کی بنیاد پر علاج شروع ہو سکے گا۔ اِس میں چار یا پانچ دن لگیں گے۔

خلیق صاحب سے میرا سلام کہیے اور یہ خط اُنھیں دکھا دیجیے۔ آنے کا پروگرام ڈاکٹر

سے پوچھ کر طے کرسکوں گا۔

ہاں آپ نے پروفیسر اسلوب احمد انصاری اڈیٹر نقد ونظر (علی گڑھ) کو تبصرے کے لیے کتاب تو بھیج دی ہوگی۔ اگر نہ بھیجی ہو تو اب بھیج دیجیے اور ضرور۔ ہاں چھے کتابیں مل گئیں، شکریہ۔ کمپوزنگ کو جاری رکھیے۔ رشید صاحب سے کہیے کہ اُن کی توجہ اور محنت کا اعتراف کرتا ہوں اور شکر گزار ہوں۔

رشید حسن خاں

خط لکھ چکا تھا کہ ٹکٹ آگیا۔ میں یہاں سے ۲۶/ستمبر کو راج دھانی سے چلوں گا۔ ۲۷/ستمبر کو دہلی پہنچوں گا صبح ۹ بج کر چالیس منٹ پر۔ وہیں سے ایک بجے کاشی وشوناتھ سے شاہ جہان پور کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ رُک نہیں سکتا۔ دہلی پھر کسی میٹنگ میں آؤں گا جب بھی ہوگی۔ اُس دن اتوار ہے، اور کوئی دن ہوتا تو آپ سے کہتا کہ دفتر سے اسٹیشن پر آجایئے ذرا سی دیر کے لیے۔ خیر، میں اب کے جب دہلی آؤں گا تو کئی دن رہوں گا، تب مفصل ملاقاتیں ہوں گی۔ انیس صاحب سے میرا اسلام کہیے اور اسلم صاحب سے بھی خاص طور پر۔

(۴۲)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

۱۶۷- باڑوزئی دوم

شاہ جہان پور

۳/اکتوبر ۱۹۹۸ء [۴۲]

باری صاحب!

آپ نے میرا حال بھی نہیں پوچھا، اب ایسی بھی کیا ناراضگی۔ حال تو دشمنوں کا بھی پوچھ لیا جاتا ہے۔ خیر، خوش رہیے۔

میرے مجموعۂ مضامین کی تکمیل میں ابھی ایک مہینا لگے گا، اُس کے متعلق پھر کسی وقت لکھوں گا۔ کمپوزنگ مکمل ہوگئی ہے، تصحیح ہو رہی ہے اور بن رہی ہے۔ جب یہ مرحلہ طے ہو جائے گا تو اُس مجموعۂ بے معنی کو آپ کے حوالے کر دیا جائے گا، بھریے بھگتیے گا۔ لکھنؤ والے کاغذات بھی اُسی کے ساتھ بھیج دوں گا۔

مثنوی کے کمپوز شدہ مزید صفحات بھجوایئے۔ ایک زحمت ہے آپ کے لیے: ایک پرچہ

ہے، اِسے کسی وقت شاہد علی خاں کے ہاتھ میں دیجیے گا، ورنہ وہ کہیں گے کہ مجھے ملا ہی نہیں [اِس فن میں وہ اُستادوں کے اُستاد ہیں]۔ کتابوں کا پیکٹ یہاں آگیا تھا، اس کے لیے شکر گزار ہوں۔ ایک بات پوچھنا ہے: سرفیس میل کے ذریعے اگر پاکستان کتاب بھیجی جائے تو اُس پر کتنے روپے کے ٹکٹ لگیں گے؟ اور یہ بھی کہ ٹرین سے (سرفیس میل شاید اِسی کو کہتے ہیں) کتابیں جاتی ہیں وہاں؟ اِن دونوں باتوں کا جواب ضرور لکھیے، منتظر رہوں گا۔ انیس صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۳)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہاں پور

۲۰ رنومبر ۱۹۹۸ء [۴۳]

باری صاحب!

آپ کی محبت اور نوازش کا معترف ہوں، اور میرے سبب سے جو زحمت آپ کو اُٹھانا پڑی، اُس کے لیے معذرت طلب ہوں۔

اب ضروری باتیں:

(۱) توقع کرتا ہوں کہ وہ پانچوں کتابیں آپ نے لاہور بھیج دی ہوں گی۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے نام، دوسرے نام تھے: ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر معین الرحمان، منصورہ احمد اور تحسین فراقی۔ یہی نام تھے نا!

(۲) اِس خط کا جواب، فوری طور پر عنایت ہو۔

رشید حسن خاں

(۴۴)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور

۱۸ رجنوری ۱۹۹۹ء [۴۴]

ثاقب صاحب!

نئے سال کی اور عیدالفطر کی مبارک باد ایک ساتھ قبول کیجیے۔ دُعا کرتا ہوں کہ یہ سال آپ کے لیے مسرّت و شادمانی اور کام یابی کے پیغامات ساتھ لے کر آئے

رشید حسن خاں

(۴۵)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور

۲ر فروری ۱۹۹۹ء [۴۵]

باری صاحب!

لیجیے صاحب وہ کتاب حاضر ہے۔ اِس کے ساتھ اب آپ جو سلوک چاہے کیجیے۔ سارا کام مکمّل ہے، بس ایک ذرا سا کام آپ کو کرنا ہے کہ آخر میں 50 صفحے کتابت شدہ ہیں، تصحیح بن چکی ہے، بس اُن پر صفحات نمبر ڈلوا لیجیے۔ کمپیوٹر کتابت کی اُجرت میں نے ادا کر دی ہے، اب باقی حساب کتاب آپ جانیں۔

یوں کر لیجیے کہ 50 کتابیں کچھ اچھے (بہت اچھے نہیں) یعنی اوسط درجے کے کاغذ پر چھپوا لیجیے، باقی معمولی کاغذ پر۔ جہاں تک تعداد کا تعلّق ہے، تو اُن کا تعیّن آپ کی صواب دید پر منحصر ہے، چاہیں تو سو دو سو، اور چاہیں تو چار سو یا پھر اُس سے زیادہ، جو آپ کو منظور ہو۔ مجھے کُل سو نسخے درکار ہوں گے احباب کے لیے، باقی کا احوال آپ جانیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اب میرا خرچ اِس پر اور کچھ نہ ہو، میں نہ خرچ کروں نہ کچھ حاصل کروں۔ ایسا کیجیے، یعنی ایسا حساب بنایئے کہ کاغذ، جلد سازی اور چھپائی میں جو خرچ ہو، وہ کتابوں کی بکری ہی سے نکل آئے تا کہ آپ زیرِ بار نہ ہوں۔ غرض کہ آپ اس کتاب کے مالک مختار ہیں، جیسے چاہیں ویسے چھاپیں۔ آپ کی ہر بات بلاشرط مجھے منظور ہوگی۔ میرے لیے یہی بہت ہوگا کہ کتاب چھپ جائے اور میری متفرق تحریریں اِس طرح محفوظ ہو جائیں۔

اس کی رسید سے فوری طور پر مطلع کیجیے۔ اِس کا امکان ہے کہ آخرِ فروری میں ایک دن کے لیے میں دہلی آؤں بمبئی جاتے ہوئے۔

خط فوراً لکھیے، چشم براہ ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۶)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
شاہ جہان پور
۱۲ر فروری ۱۹۹۹ء [۴۶]

عزیزم باری صاحب!

آج خط ملا۔ دیکھیے صاحب! میں قرض کس سے لوں گا۔ آٹھ ہزار روپے آپ نے لکھے ہیں، وہ سر آنکھوں پر، ضرور پیش کروں گا؛ مگر اُسی وقت جب فخرالدین کمیٹی میں ۵ کتابیں جمع ہوں اور وہاں سے چک ملے۔ ملتے ہی فوری طور پر آٹھ ہزار روپے بھیج دوں گا۔ یہ بات قطعی طور پر طے رہی۔ آٹھ ہزار کیا نو ہزار بھیج دوں گا۔

ہاں بھائی! کتاب چھپنے کی جلدی نہیں، بس جولائی سے پہلے چھپ جائے، ورنہ کمیٹی سے پیسے نہیں ملیں گے۔ یہ مجبوری ہے۔

مجھے صرف پچاس کتابیں بھیجیے گا، وہ کافی ہوں گی۔ پڑھنے والے ایسی غیر دل چسپ کتابوں کے اب کہاں ہیں۔ پچاس آدمی بھی مشکل سے ملیں گے۔ لائبریری کے سوا خریدے گا کون۔ بس کاغذ سیاہ کیا ہے، یوں یہ خواہش ہے کہ چھپ جائے۔ میرے بعد اسے کون چھاپے گا۔ بس یہ گزشتہ موسمِ بہار کی آخری فصل ہے، اس کے بعد تو ہر سطح پر خزاں کا دور دورہ ہوگا۔ کیسی تحقیق اور کیسی تدوین۔ اب کسی کو اِن فضولیات کی ضرورت نہیں۔ میں چوں کہ کچھ اور نہیں کرسکتا، اِس لیے یہی کیے جاتا ہوں۔ آپ خلوص برتتے ہیں اور غم گسار ہیں اور قدرداں بھی، اِس لیے آپ کو مبتلائے زحمت کرتا ہوں، اور کس سے کہوں گا۔ انیس صاحب سے میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۴۷)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
شاہ جہان پور
۱۵ر مارچ ۱۹۹۹ء [۴۷]

باری صاحب!

رات آپ سے گفتگو ہوئی تھی۔

(۱) کتابیں میرے حصّے کی وہیں رکھیے، میں آ کر اُن سے متعلق بتاؤں گا۔

(۲) ایک کتاب خلیق صاحب کو اور ایک اسلم صاحب کو میری طرف سے دے دیجیے۔ ہماری زبان میں تبصرہ خلیق صاحب لکھیں گے۔ میں اُن کو کل خط لکھوں گا۔

(۳) میرے پاس یہاں ابھی دس کتابیں بھجوا دیجیے تا کہ مقامی احباب کو دے سکوں۔ باقی کا حساب وہاں آ کر کروں گا۔

(۴) تبصرے کے لیے کتاب نما، ایوانِ اردو، آج کل، اردو ادب، ہماری زبان اور شب خون کو بھیجنا ہیں اور بس۔ آپ اگر ہماری زبان اور ایوانِ اردو میں کسی سے تبصرہ لکھوا سکیں تو بھیج دیجیے۔ کتاب نما کے لیے آپ بہ طور خود شاہد علی خاں سے پوچھ لیجیے۔ ایک کتاب اُن کو میری طرف سے دے دیجیے اور ایک کتاب تبصرے کے لیے اُس کو جس کو وہ کہیں۔ اور ہاں فون پر مخمور سعیدی صاحب سے ذرا بات کر لیجیے۔ اگر وہ راضی ہوں خود تبصرہ کرنے کے لیے تو فوراً کتابیں بھیج دیجیے۔ اُن سے کہیے کہ یہ میری خواہش اور فرمائش ہے۔ آج کل کو میں وہاں آ کر بھیجوں گا اور شب خون کو بھی وہیں آ کر۔

(۵) فخر الدین کمیٹی والا کاغذ ساتھ لیتا آؤں گا اور آپ کو دے دوں گا۔ -/13700 کی امدادی رقم ہے۔ کمپیوٹر کتابت کے پیسے نکال کر باقی سب رقم آپ کی ہے اور آپ کو ملے گی۔ عبدالرشید صاحب سے میری طرف سے پرسشِ حال کر لیجیے۔ ان سے بہت ہمدردی ہے۔ خدا کرے اب وہ ٹھیک ہوں۔ اُن سے کہیے کہ میں ۱۶/اپریل کو آؤں گا۔ ابھی ایک ماہ ہے۔ وہ شروع کا حصّہ اب پہلے مکمّل کر لیں، یعنی سرورق سے لے کر میرے مقدّمے کے آخر تک کا حصّہ۔

رشید حسن خاں

(۴۸)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور

۲۵/مارچ ۱۹۹۹ء [۴۸]

ثاقب صاحب!

پیکٹ ملے، کیسی مسرت ہوئی، بیان نہیں کرسکتا۔ اِس قدر جلد اور اس قدر عمدہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا محاورہ یاد آگیا۔ میں خدا کو مانتا نہیں، مگر آپ تو مانتے ہیں، تو بھائی! آپ کا خدا [اگر وہ کہیں ہے، آپ کے دل کے علاوہ] آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور جیسی مسرت اِس بار مجھے حاصل ہوئی ہے، آپ کو ایسی مسرت بار بار حاصل ہو۔ میں واقعتاً ممنون ہوں اور شکر گزار۔ اپریل میں ملاقات ہوگی، تب زبانی شکریہ ادا کروں گا۔

اب ضابطے کی بات: نہال رضوی بدل گئے، اُن کی جگہ رضا کالج رام پور کے صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر حسن نظامی چیرمین ہوئے ہیں۔ رام پور میں پرسوں اُن سے ملاقات ہوئی تھی، میرے نیازمند نکلے۔ خیر، پے منٹ چھے ماہ بعد ہو سکے گا۔ دیکھا جائے گا۔

اب آپ پانچ کتابیں فخرالدین کمیٹی رجسٹری سے بھیج دیجیے میری کتابوں میں سے۔ ڈاک کا صرف میں ۱۶ رکو آکر نقد پیش کروں گا۔ پاکستان بھی بھیجنا ہیں، اُن کے متعلق دو چار دن میں لکھوں گا۔ اِس وقت اِس خط کو محض رسید سمجھیے۔ انیس صاحب سے میرا اسلام کہیے شکریے اور دعاؤں کے اضافے کے ساتھ۔

پتا: فخرالدین علی احمد کمیٹی

612-Indira Bhawan
Lucknow-226001

رشید حسن خاں

(۴۹)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
بمبئی
یکم مئی ۱۹۹۹ء ۴۹

ثاقب صاحب!

فون پر آپ سے بات ہوگئی تھی کل۔ پہلے پاکستان دس کتابیں بھیجنا تھیں، پھر اُن کو کم کر کے آٹھ کیا اور اب آخر میں چھے کر دیا۔ تین کراچی، تین لاہور۔ اب تو آپ خوش ہیں۔ یہاں سب نے کتاب کی تعریف کی۔ ہاں دس کتابوں کا بنڈل مل گیا، مگر آپ تو ۱۵ بھیجنے والے تھے۔ شاید کچھ غلط فہمی ہوگئی۔ خیر، اب میری جان بچانے کے لیے دو کتابیں تو

اور بھیج دیجیے۔ یہ ضروری ہیں، مگر اِس طرح کہ ۱۶ر مئی تک مجھے مل جائیں۔

منی آرڈر مل گیا تھا۔ اسلم بھائی سے میرا سلام کہیے اور شکریہ ادا کر دیجیے۔ شاہ جہان پور تو کتابیں بھیج دی ہوں گی۔ اگر نہ بھیجی ہوں تو اب بھیج دیجیے۔ میرے پاس ذاتی نسخہ بھی اب وہاں نہیں۔ میں نے ۵ کتابوں کے لیے کہا تھا۔ اگر چھے بھیج دیں تو جنت میں اِس کے بدلے میں آپ کو ۴ کے بجائے چھے حوریں ملیں گی، انشاء اللہ۔

ہاں ڈاکٹر کے پاس کل گیا تھا۔ اُس کے کہنے کے مطابق تو اب سب کچھ ٹھیک ہے، کہیں کچھ نہیں۔ میرے سر سے بڑا بوجھ اُتر گیا۔ وہاں ہوتا تو اس کے شکرانے میں مُنہ میٹھا کراتا۔ اب آپ تھوڑی سی شکر میری طرف سے پھانک لیجیے، منہ میٹھا ہو جائے گا۔ باقی میرے آنے پر۔ یہ دُعا کیجیے کہ ڈاکٹر کا کہنا حرفِ آخر، ہو، مگر دعا کرنے کے لیے ایک رات تہجد کی نماز پڑھنا ہوگی۔ خلیق صاحب اور اسلم صاحب سے بھی کہہ دیجیے یہ بات۔

میں ۲۲ر مئی کو اگست کرانتی سے وہاں پہنچوں گا (یہ راجدھانی کا دوسرا نام ہے) یہ گاڑی نظام الدین پر آتی ہے، وہاں سے نئی دہلی اسٹیشن چلا جاؤں گا اور وہاں سے کاشی وشوناتھ سے ۱½ بجے شاہ جہان پور چلا جاؤں گا آپ سے ملاقات دہلی دوبارہ آنے پر ہوگی۔ اگست کرانتی اکسپریس نظام الدین ۱۰ بج کر چالیس منٹ پر پہنچتی ہے۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خا

آج ۲ر مئی ہے، کتابوں کا بنڈل ابھی نہیں پہنچا۔ شاید کل پرسوں آئے۔

(۵۰)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور

۴ر مئی ۱۹۹۹ء ۵۰

ثاقب صاحب!

موسم نے بیزار کر رکھا ہے۔ بجلی صبح ۶ بجے جاتی ہے، اور پھر ۱ بجے آتی ہے۔ سارا کام چوپٹ ہو رہا ہے۔ آپ کیسے ہیں۔ رشید صاحب سے کچھ بھجوایئے، میں جولائی میں آؤں گا داغ سمینار میں غالب انسٹی ٹیوٹ میں، تب باتیں ہوں گی۔ انیس صاحب سے میرا

سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۵۱)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور

۱۷؍مئی ۱۹۹۹ء [۵۱]

ثاقب صاحب!

۵ کتابوں کا پیکٹ مل گیا، بہت بہت شکریہ۔ اب میرا کام مکمل ہو گیا۔ میں ۲۳؍مئی کو شاہ جہان پور پہنچوں گا۔ ہاں ایک رجسٹرڈ پیکٹ ملا ہوگا۔ تصحیح کے بعد اُسے شاہ جہان پور بھیج دیجیے گا۔

ذرا شاہد علی خاں سے کتاب نما میں تبصرے کا تقاضا کر لیجیے گا، آپ تو اُسی طرف رہتے ہیں۔ تقاضے کے بغیر تبصرہ چھپے گا نہیں۔ اور ہماری زبان کے تبصرے کا کیا ہوا۔ اسلم بھائی نے لکھا؟ اگر نہ لکھا ہو تو میرا اسلام کہیے اور تقاضا کر دیجیے۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

(۵۲)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور

۸؍جون ۱۹۹۹ء [۵۲]

(یومِ کرکٹ)

ثاقب صاحب!

رات میں نے دو بار فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی، مگر کام یاب نہیں ہو سکا۔ کہیں کچھ خرابی ہوگی، یا پھر آپ محلّے میں کہیں چودھراہٹ کرنے گئے ہوں گے۔

سات کتابوں کا بنڈل ملا تھا، میں نے پانچ کے لیے کہا تھا۔ دو زائد آگئیں۔ جولائی میں داغ سمینار میں آؤں گا، تو ان دونوں کو ساتھ لیتا آؤں گا۔

ابھی لکھنؤ سے کچھ خیر خبر نہیں ملی ہے۔

اب ایک ضروری بات: کل آج کل کے اڈیٹر محبوبُ الرّحمان فاروقی کا خط آیا کہ ابھی تک تبصرے کے لیے کتابیں نہیں ملیں۔ بھائی! وہ میری ہر کتاب پر خود تبصرہ لکھتے ہیں اور چھاپتے ہیں، اِس لیے اُن کے رسالے کے لیے دو کتابیں ضرور بھیجیے۔ آدمی کی کمی ہوئی، تو ڈاک سے بھیج دیجیے۔ یہ کام ضرور کر دیجیے۔ میں نے ایک کتاب پر تو اُن کا نام بھی لکھ دیا تھا۔ باقی سارا حساب کتاب جولائی میں۔ اردو اکیڈمی کا حال معلوم ہوگیا، اب وہاں یہی ہوگا۔ کیا شاہد علی خاں سے ملاقات ہوئی؟

میرا پچھلا خط ملا ہوگا۔ وارثی صاحب جو آپ کے رفیقِ کار ہیں، اُن سے سلام کہیے۔ آج کل یہاں اُن کی اُمّت والوں نے (جن کو میں چھوٹی امت کے لوگ کہتا ہوں) نیند حرام کر رکھی ہے دو دن سے۔ حضرت وارث علی شاہ کی شان میں ساری رات نظمیں پڑھی گئیں۔ بہت ہائے توبہ اور ڈانٹ پھٹکار کے بعد وہ احمقانہ جلسہ ختم ہوا۔ مسلمانوں کو سلیقے سے جینا شاید کبھی نہیں آئے گا۔ دو راتوں کی نیند تباہ ہوئی۔ اگر اُن سے یہ کہا جاتا کہ ایک رات تہجد کی نماز پڑھ لو، تو کوئی نہیں مانتا۔ یہ نری احمقوں کی اُمّت ہے۔ خدا کرے آپ کے محلّے میں بھی تین راتوں تک یہی ہو، مجھے کچھ تو صبر آئے گا۔ اِن سے تو تبلیغی جماعت والے اچھے ہیں۔ عقل سے پیدل ہوتے ہیں، مگر فساد نہیں پھیلاتے اور لوگوں کی عافیت تباہ نہیں کرتے۔ لکچر ضرور دیتے ہیں، مگر ذرا سی دیر کے لیے۔ کیوں برادر! میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا۔ اب آپ فوراً خط لکھیے۔ منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۵۳)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور

۲۴ر جون ۱۹۹۹ء [۵۳]

باری صاحب!

آپ کا خط ملا، شکریہ۔ آپ نے بہت زحمت اُٹھائی ہے میری خاطر، اِس کا مجھے بہت احساس ہے، خدا آپ کو خوش رکھے۔

میں جولائی کے آخری ہفتے میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے داغ سمینار میں آؤں گا، اُس وقت آپ سے ملاقات ہوگی اور انیس صاحب سے بھی۔ انیس صاحب تو بہ ظاہر بہت معقول آدمی ہیں، وہ اِن چکّروں میں پڑ ہی نہیں سکتے۔

ہاں بھائی! ذرا کتابت کے کام کو تیز کرا دیجیے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہاں جب آؤں تو ایک دن اور رُک جاؤں، اور وہیں تصحیح کو دیکھ لوں۔ آپ کی توجہ کی بھی ضرورت ہے۔ میں اپنا کام کسی اور سے کرا نہیں سکتا اور عبدالرشید صاحب پیر صاحب کی داڑھی کا متبرک بال ہو کر رہ گئے ہیں کہ اُن کی ضرورت سبھی کو ہے۔ پھر بھی کچھ کیجیے۔

ہاں باغ و بہار کے جن ۴۵ صفحوں پر تصحیح کی چپیاں لگنا تھیں، اُن کا احوال بھی مولانا صاحب سے پوچھ لیجیے کہ وہی انچارج ہیں اِس کاروبار کے۔ وہ ٹھہرے دیوبندی، اِس لیے اُن کا علاج میرے پاس نہیں۔ بریلوی ہوتے تو شاید کچھ اصلاح کی گنجایش ہوتی؛ مگر یوں خدا کا شکر ہے کہ وہ بریلوی نہیں، کیوں کہ بریلوی عموماً جاہل بھی ہوتے ہیں اور کم عقل بھی۔

رشید حسن خاں

(۵۴)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
شاہ جہان پور
۲۷ر ستمبر ۱۹۹۹ء [۵۴]

ثاقب صاحب! آداب

کیسے ہیں آپ، میں ویسا ہی ہوں جیسا تھا۔ یہ پیکٹ عبدالرشید صاحب کے حصّے کا ہے۔ اُنھیں دے دیجیے۔ اگر اسلم صاحب دفتر آتے ہوں تو اُن سے میرا سلام کہہ دیجیے اور یہ بات خاص طور پر کہہ دیجیے گا کہ: سخی سے شوم بھلا جو ترنت دے جواب۔

خدا کرے آپ مع بیگم بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵۵)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
شاہ جہان پور [۵۵]

ثاقب صاحب!

میرا پچھلا پیکٹ مل گیا ہوگا۔ آپ لوگ چین سے تو بیٹھنے نہیں دیتے، دوسرا پیکٹ بھیج دیا۔ اُسے دیکھ کر واپس کر رہا ہوں۔ اب اِن سب کی تصحیح بنوا کر جلدی سے بھیجیے تو پھر میں چین کی سانس لوں۔

اپنی بیگم سے دعائیں کہیے اور انیس صاحب سے سلام کہیے، دوبار، ایک سلام پچھلے خط کا، کہ میں بھول گیا تھا۔ اُس کی معذرت۔

خلیق صاحب کا لفافہ اُن کو دے دیجیے۔ کسی دن فون پر آپ سے بات کروں گا۔

رشید حسن خاں

(۵۶)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور

۱۶ر نومبر ۱۹۹۹ء [۵۶]

ثاقب صاحب!

میں نے ایک لفافہ بڑا سادہ ڈاک سے بھیجا تھا، جس میں تین صفحے تصحیح بننے کے لیے تھے۔ ایک ایک خط تھا بہ نامِ عبدالرشید، بہ نام ڈاکٹر اسلم پرویز، بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم اور ایک آپ کا تھا۔ اب تک کچھ خیر خبر اُس کی نہیں ملی۔ آپ کو یہ لفافہ مل گیا؟ آپ نے خط سب کے دے دیے؟ تصحیح کب ملے گی؟

میری خاطر زحمت گوارا کر لیجیے اور دو سطریں خط میں لکھ دیجیے۔ ممنون ہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۵۷)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور [۵۷]

مولانا ثاقب صاحب!

لیجیے حضرت، وہ تحریر حاضر ہے۔ وعدہ خلافی کا اعتراف ہے، احساس ہے اور افسوس ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ اس معاملے میں آپ ''برہم نوجوان'' کی طرح محسوس نہیں کریں گے،

بل کہ میری حقیقی معذوری کو پیش نظر رکھیں گے۔ رمضان کے مہینے میں، جب کہ روزہ بھی مُنہ میں ہو اور اُس کا احترام دل میں ہو، غصہ کرنا اچھا نہیں ہوتا —— بہ ہر حال، آپ دیکھیں گے کہ اضافے میں ایک نئی بحث شامل ہوگئی ہے کہ اردو میں فارسی کے انداز کی صوفیانہ شاعری ہی نہیں۔

اب میرے بھائی! ایک کام۔ اس کی کتابت ہو جائے تو مجھے ضرور دکھا لیجیے گا۔ آپ کے آنے کی ضرورت نہیں، آپ خط لکھ دیجیے گا، میں خود انجمن میں آجاؤں گا، مجھے ویسے بھی ایک دن وہاں اپنے ایک کام سے آنا ہے، یوں بیک کرشمہ دو کار ہو جائے گا۔

میرا پرچہ ملا تھا؟ کتابیں دے دیں؟ بل کہاں ہے؟ پیسے کب لیں گے آپ؟ یا یہ ہو کہ میں جب انجمن میں آؤں تو بل کی رقم ساتھ لیتا آؤں۔ خط لکھیے فوراً۔

رشید حسن خاں

اتوار کا دن، صبح کے ۱۰ بجے کا وقت، رمضان کا مہینا، اور شاید دسواں روزہ [گیارھواں یا بارھواں سہی۔ سچّا مسلمان ہوں، یوں حساب میں کم زور ہوں]۔

(۵۸)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور

۵ر نومبر ۱۹۹۹ء [۵۸]

ثاقب صاحب!

آپ کیسے ہیں اور انیس صاحب کیسے ہیں۔ میرا اسلام کہیے۔ اس لفافے میں تصحیح کے صفحے ہیں، انھیں مع خط رشید صاحب کو دے دیجیے۔

ایک خط خلیق صاحب کے نام کا ہے، اُسے آپ خود جا کر اُن کے ہاتھ میں دیں اور کہیں کہ میں نے اِس کی تاکید لکھی تھی کہ اُنھی کو دیا جائے۔

ایک تیسرا خط اسلم صاحب کے نام کا ہے، وہ انھیں دے دیجیے۔

یہ لفافہ آپ کے نام یوں بھیجا جا رہا ہے کہ یقین ہے کہ اِس طرح سب خط بہ حفاظت اور بہ احتیاط سب کو مل جائیں گے۔

بیگم سے دعا کہیے گا جب شام کو یا رات میں اُن سے ملاقات ہو اور کوئی کہا سُنی نہ ہو،

تب۔ کبھی کبھار دو سطریں یوں ہی لکھ دیا کیجیے۔ کام کے خط تو ہم سب لکھتے ہی رہتے ہیں۔
رشید حسن خاں

(۵۹)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
شاہ جہان پور
۳؍ جولائی ۲۰۰۰ء [۵۹]

ثاقب صاحب!

کل فون پر آپ سے بات ہوئی، آج صبح خلیق صاحب کا ایک اور خط ملا، جس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ کتابیں فوری طور پر سب لوگوں کو بھیجی جا رہی ہیں۔ اطمینان ہوا۔ آپ کی تجویز کے مطابق وچٹیں بھیج رہا ہوں، اِنھیں آپ ہر کتاب پر چسپاں کرا دیجیے۔ اِس طرح یہ مشکل مرحلہ بہ آسانی طے ہو جائے گا۔ آپ ہیں تو یہ سب کچھ ہے؛ ورنہ کون کچھ کرتا ہے۔ میں احسان مند ہوں اور شکر گزار۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ اور تو کچھ کر نہیں سکتا۔ سب کچھ یار لوگوں کے بس میں ہے۔

ایک بات: گیان چند امریکہ میں ہیں، اُن کو کتاب میری طرف سے جاتی ہے۔ اِسی طرح اسلم محمود صاحب (دہلی) اور عتیق اللہ (شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی)۔ یہ تین کتابیں، میری دس کتابوں میں سے لے لیجیے اور مجھے اب سات کتابیں بھیجیے۔ دو تو دہلی کی ہیں۔ امریکہ والی کتاب پر جو ڈاک خرچ آئے، اُسے میرے باغ و بہار (اشاعتِ ثانی) والے کھاتے میں میرے نام لکھا دیجیے۔ یا اپنے پاس لکھ لیجیے۔ جب میں آؤں گا تو باضابطہ رسید بنا دوں گا۔ اس کتاب کا بھیجا جانا ضروری ہے۔ اسلم محمود صاحب ناردن ریلوے میں ہیں، کناٹ پلیس میں بنگلا ہے اُن کا:

Aslam Mahmood Sahib
Bungla No.:2, State Endry Road,
Delhi.

انھیں رجسٹری سے بھیج دیجیے۔ یہ پیسے بھی رجسٹری کے میرے کھاتے میں اور اسی طرح عتیق اللہ صاحب کو بھی رجسٹری سے بھیج دیجیے۔ اِس طرح میں بڑی مشکل سے بچ جاؤں گا، یہاں سے بھیجنا خاصی الجھن کی بات ہے۔ جین صاحب کا پتا تو دفتر میں ہوگا۔ احتیاطاً

میں بھی لکھے دیتا ہوں:

Dr. G. C. Jain
23-NEVADA,
IRVINE-CA-92606-1764
U.S.A

جین صاحب کو خط میں نے الگ سے لکھا ہے، اِسی طرح عتیق اللہ کو۔ اِن کا خط ان کی کتاب کے ساتھ بھیج دیجیے۔

ہاں ہماری زبان کے تبصرے کے لیے کتاب اسلم صاحب کو دے دیجیے گا۔ گپتا رضا صاحب کی کتاب پر کسی تحریر کی ضرورت نہیں، اُن کو خط الگ سے لکھوں گا۔

میاں! پہلے میری کتابیں بھیج دو تو میری آنکھوں کی روشنی بڑھ جائے۔ آج کل کے لیے لازمی دو کتابیں بھیجنا ہیں۔ اور کتاب نما کے لیے آپ شاہد علی خاں کو اپنے ہاتھ سے دیجیے گا۔ ہاں ایوانِ اردو کسی کے ہاتھ بھجوا دیجیے گا۔ اور اردو دنیا (آر. کے. پورم) کے لیے ارجمند آرا کے نام سے بھیجیے گا، میرا خط بھی رکھ دیجیے گا۔

رشید حسن خاں

جن کو کتابیں بھیجی جائیں گی، اُن کے پتے میں اپنے خط میں لکھ چکا ہوں، وہ خط خلیق صاحب سے لے لیجیے گا۔ ہاں رسالۂ شاعر کا پتا معلوم کر لیجیے گا، وہاں تو ہو گا۔ کتابیں سب کو لازماً رجسٹری سے بھیجیے گا۔ جین صاحب کو بھی رجسٹری سے اور پاکستانی کتابیں بھی۔

(۶۰)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
شاہ جہان پور
۳ر اکتوبر ۲۰۰۰ء ۶۰

ثاقب صاحب!

ابھی کتابوں کا بنڈل ملا۔ ارے بھائی! اِتنی کتابیں میں کیا کروں گا۔ یہاں کوئی ان کا پڑھنے والا ہی نہیں۔ اور باہر بھی کون پڑھے گا۔ بہ ہر طور یہ آپ کی محبت ہے اور تعلقِ خاطر ہے۔

تمھاری ہدایت کے مطابق -/7000 کا چک بھیج رہا ہوں۔ اِس پر نام نہیں لکھا ہے جیسا کہ تم نے کہا تھا۔ خود لکھ لینا مگر سیاہ روشنائی سے۔ تا کہ بے جوڑ تحریر نہ ہو جائے۔

توقع کرتا ہوں کہ اب طبیعت بالکل ٹھیک ہوگی۔

رشید حسن خاں

(۶۱)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
ممبئی
۳۰/اپریل ۲۰۰۰ء [۶۱]

باری صاحب!

میں اپنے کمپارٹ منٹ کا نمبر بتانا آپ کو بھول گیا تھا۔ آپ بہت پریشان ہوں گے اور خواہ مخواہ۔ کمپارٹ منٹ کا نمبر ہے: AS1۔

(۲) اسلم بھائی سے پوچھ لیجیے گا؛ اگر وہ کوئی چیز دیں تو اُسے ساتھ ہی لیتے آیئے گا۔ آپ کو جس قدر اِس بار میں نے زحمت دی ہے، اُس کے لیے شرمندہ ہوں، مگر بات وہی مرزا غالب والی ہے: نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں! چوں کہ آپ کو ایسی زحمت آیندہ بھی دینے کا اور دیتے رہنے کا ارادہ ہے، اِس لیے معذرت کیا کروں۔ بہ ہر طور، یہ سب باتیں دل پر نقش رہیں گی۔ اسلم صاحب کو بھی خط لکھا ہے۔

رشید حسن خاں

(۶۲)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی
شاہ جہان پور
۲۵/مئی ۲۰۰۴ء [۶۲]

ثاقب صاحب!

کہاں ہیں آپ؟ کیسے ہیں؟ فون پر بات ہوئی تھی، اُس کے بعد میں منتظر رہا کہ ڈاکٹر صاحب سے بات کر کے تم مجھے فون کرو گے، ہنوز منتظر ہوں۔

دوائیں پچھلے بارہ دن سے نہیں کھائیں۔ جو فائدہ ہوا ہے، وہ ختم ہو جائے گا اگر دوبارہ شروع نہیں کروں گا۔ یہ میں نے کہا تھا کہ ۵۰ فی صدی فائدہ ہوا ہے۔ اب اُتنی دیر نہیں لگتی، کسی طرح کی خلش بھی نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے کہ مہینا دو مہینے اور دوا کھا لوں تو یہ فائدہ سو

فی صدی ہو جائے گا۔ تم کو دعائیں دوں گا اور ڈاکٹر صاحب کا ممنون ہوں گا اور رہوں گا۔ تو میرے بھائی! کچھ کرو، ڈاکٹر صاحب سے بات کرو، وہ دوا کچھ بدلیں تو اطلاع دو فوری طور پر، دوائیں یہاں مل جاتی ہیں، یہاں سے لے لوں گا۔ معلوم تو ہو کہ اب کون سی دوائیں چلیں گی یا وہی چلیں گی۔ فون کرو گے تو شکر گزار رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۶۳)

بنام: عبدالباری ثاقب صدیقی

شاہ جہان پور

۳۰ راگست ۲۰۰۴ء [۵۹]

برادرم ثاقب صاحب! بہت سی دُعائیں۔

دونوں دوائیں مل گئیں۔ خدا تم کو خوش رکھے۔ یہ کام میرے لیے کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا تھا۔ تم نے جس سچّے تعلقِ خاطر اور بے ریا غمگساری کے ساتھ میری دیکھ بھال کی ہے، اُس کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے۔ فون آج کچھ خراب ہے، یوں خط لکھ رہا ہوں۔ ہاں، بخار کا احوال اب کیا ہے، کچھ فرق پڑا؟ یہ تم کو اب اِس عُمر میں کس کی نظر لگ گئی ہے؟ خدا اپنی حفاظت میں تم کو رکھے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اپنے مرتّب کیے ہوئے دیوانِ درد اور باری صاحب کی مرتّب کردہ کتاب مجاز کا ذکر ہے۔

۲۔ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے ہے۔ اِس میں باری صاحب کو لکھا ہے کہ فسانۂ عجائب کی ایک جلد شمیم حنفی صاحب کو دے دیجیے اور میرے حساب میں لکھ دیجیے، وہ تبصرہ لکھیں گے ہماری زبان کے لیے۔

۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ ڈھائی سطری خط ہے۔ اِس میں شاہ جہان پور جانے اور واپس آنے کی اطلاع ہے۔

۴۔ مقام اوپر نہیں اور تاریخ نیچے درج ہے۔ خط میں کسی کتاب سے متعلق تبصرے کا ذکر ہے۔

۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی ابتدا میں خاں صاحب نے لکھا ہے کہ ''میں کل ۱۸ر مئی کو گھر جاؤں گا'' لیکن خط کے آخر میں دستخط کے نیچے تاریخ ۱۷ر ستمبر ۱۹۹۱ء لکھی ہے۔ یہ سہو کیسے ہوا معلوم نہیں۔

۶۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ سنہ ۱۹۹۲ء میں رشید حسن خاں صاحب کی کتاب باغ و بہار انجمن ترقی اردو (ہند) اور انجمن ترقی اردو لاہور (پاکستان) سے بہ یک وقت شائع ہوئی تھی۔ خاں صاحب نے باری صاحب کو لکھا ہے کہ ۱۲ میرے حصے کی مجھے اور ۱۱ دوسروں کو بھیج دیجیے، جن کے پتے آپ کے پاس موجود ہیں۔ تین کتابیں تبصرے کے لیے بھیج دیں۔

۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ باری صاحب سے کہا گیا ہے کہ انتخابِ ناسخ کی ایک جلد خرید کر بہ ذریعۂ رجسٹری اُسے بھیج دیں۔ باغ و بہار کس مرحلے میں ہے۔

۸۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ کسی کتاب پر پرچیاں چپکانے کا ذکر ہے جو خاں صاحب کی دستخط شدہ ہیں۔

۹۔ مقام اوپر نہیں تاریخ درج ہے۔ مختلف رسائل کو چودہ کتابیں تبصرے کے لیے بھیجنے کو لکھا ہے۔ ساتھ ہی یہ اطلاع بھی دی ہے کہ میں آج یعنی ۱۴ر اپریل کو لاہور جا رہا ہوں، ۲۲ر اپریل کو واپسی ہوگی اور ملاقات کافی ہاؤس میں۔

۱۰۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ ۱۹۹۲ء میں رشید حسن خاں صاحب کی کتاب باغ و بہار انجمن ترقی اردو (ہند) نے چھاپی تھی۔ اُس کی جلدیں مختلف حضرات کو بھیجی گئی ہوں گی۔ اس لیے اُن کی فہرست مانگی ہے۔ دہلی کا مشاعرہ اور مولوی نذیر احمد کہانی بھی شاید چھپی ہیں جن کا ایک ایک نسخہ خاں صاحب اپنے ساتھ لائے تھے باقی اِن کے حصے کے نسخے وہاں بھی باری صاحب کے پاس پڑے ہیں۔ خاں صاحب اُنھیں جب چاہیں گے لے لیں گے۔

۱۱۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ باری صاحب سے کہا گیا ہے کہ آپ ۹ر ستمبر کو شمیم حنفی صاحب کے گھر جا کر میرے لیے رکھی ایک کتاب اور باغ و بہار پر اُن کا لکھا ہوا تبصرہ لیتے آیئے اور مجھے خط لکھیے۔

۱۲۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی مختصر تحریر سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی سے لکھا گیا ہے، کیوں کہ رشید حسن خاں صاحب نے اِنھیں اپنے پاس بلایا ہے۔

۱۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں باغ و بہار کی ایک جلد کراچی بھیجنے کا ذکر ہے۔

۱۴۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ باری صاحب سے خاں صاحب نے کہا ہے کہ عبدالرشید کو یہ بتا دیں کہ گلزارِ نسیم کی کتابت ۱۹ سطری مسطر پر جلی قلم سے ڈیوڑھے پر لکھیں۔ ایک صفحہ نمونے کا فوراً میرے لیے بھیجیں۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گلزارِ نسیم کی کتابت اگست ۱۹۹۳ء

میں شروع نہیں ہوئی تھی۔ مثنوی گلزارِ نسیم ۱۹۹۵ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اِس کا مطلب ہے کہ اِس کی کتابت اور چھپنے میں دو سال کا وقت صرف ہوا۔

۱۵؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط میں کسی معاوضے کا ذکر ہے جس کے لیے تامل کی ضرورت نہیں۔

۱۶؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ باری صاحب کو لکھا ہے کہ میں ۲۵؍دسمبر کو غالب انسٹی ٹیوٹ آؤں گا۔ آپ دس بجے کے قریب گلزارِ نسیم کا مسودہ اور کتابت شدہ صفحات ساتھ لے کے وہاں آجائیں۔

۱۷؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط میں ایک لفافے کو آجکل کے اڈیٹر محبوب الرحمان فاروقی تک پہنچانے کی تاکید کی گئی ہے۔

۱۸؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ چار کتابیں لاہور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے نام بھیجنے کے لیے کہا ہے۔ نذیر احمد کہانی اور آخری مشاعرہ کی دو دو جلدیں اپنے حصّے کی اپنے لیے روانہ کرنے کو لکھا ہے۔ ۴؍جنوری تا ۱۵؍جنوری ۱۹۹۴ء شاہ جہان پور رہنے کی بھی اطلاع دی ہے۔

۱۹؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ بمبئی اور احمد آباد کے لیے ایک ایک پیکٹ کتابوں کا بھیجنا ہے۔ بمبئی والے میں چار کتابیں ہوں گی۔

۲۰؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط میں پوچھا گیا ہے کہ نیر مسعود (لکھنؤ) اور ابوالکلام قاسمی صاحب کو کتابیں بھیج دی ہیں؟

۲۱؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ ثاقب صاحب نوٹ: فروری ۹۴ میں انجمن نے حسرت موہانی پر ایک سمینار کا انعقاد کیا، اس موقعے پر ڈاکٹر خلیق انجم کی ہدایت پر سبھی مقالات نگار حضرات کو کتابوں کا ایک ایک پیکٹ دیا گیا تھا۔ دستخط

۲۲؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ باری صاحب اور رشید صاحب کو ۳۰؍اپریل کو غالب انسٹی ٹیوٹ میں ملاقات کے لیے بلایا ہے۔

۲۳؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۴؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ تلاش و تعبیر اور فسانۂ عجائب دو کتابیں بھیجی ہیں۔ انھیں رجسٹری سے اُن پہ لکھے پتے پر بھیج دیں۔

۲۵؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں ایک خط کو شاہد علی خاں صاحب کے حوالے کرنے اور اُن سے انشائے غالب کی پانچ جلدیں لے کر عبدالرشید صاحب کے ہاتھ بھیجنے کا ذکر ہے۔

۲۶؎ مقام اوپر نہیں اور تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

سے لکھا گیا ہے۔ باری صاحب سے کہا گیا ہے کہ وہ جامعہ سے تفہیم کی تین کاپیاں لے آئیں اور اُن سے کہہ دیں کہ میرے حساب میں لکھ دیں۔ انھیں رشید صاحب کو دے دیں وہ ۱۶؍دسمبر کی صبح کو میرے پاس آئیں گے اور لیتے آئیں گے۔ کتاب نما کا نومبر اور دسمبر کے شمارے بھی لیتے آئیں۔

۲۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتبہ جامعہ سے تفہیم کی تین جلدیں لانے اور ان کے پاس بھیجنے کے علاوہ عابد پیشاوری صاحب کے مضمون کو شاہد صاحب کو دینے کے لیے کہا ہے۔

۲۸۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ اس خط میں باری صاحب سے کہا گیا ہے کہ وہ رشید صاحب سے کہیں کہ کتاب ساتھ لیتے آئیں اور ضرور ملیں۔

۲۹۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے ذریعے رشید حسن خاں صاحب نے باری صاحب کو اطلاع دی ہے کہ وہ ۲۹؍دسمبر ۱۹۹۵ء کو مع خلیق صاحب بمبئی جا رہے ہیں۔ واپسی ۱۰؍جنوری ۱۹۹۶ء کو ہوگی۔ تب تک کتابوں کی پیکنگ ہوجانی چاہیے اور بیس تاریخ تک کسی ٹرانسپورٹ کمپنی کے ذریعے یہ شاہ جہان پور کے لیے روانہ ہوجانی چاہئیں، کیوں کہ رشید حسن خاں صاحب اب دہلی یونی ورسٹی سے مکمل طور پر اپنے آبائی وطن شاہ جہان پور منتقل ہونا چاہتے ہیں۔ وہ ملازمت سے کافی دیر پہلے سبکدوش ہو چکے ہیں۔

۳۰۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ باری صاحب نے جو کتابیں پیک کر کے بھجوا دیں اس خط کے ذریعے اُن کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔

۳۱۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں لکھا گیا ہے کہ میری کتاب کا مسودہ اگر تیار ہو گیا ہو تو عبدالرشید صاحب سے لے کر اور شاہد علی خاں سے کتاب نما کا شمارہ لے کر دونوں ایک ساتھ بھیج دیں۔

۳۲۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ ۵؍دسمبر ۱۹۹۶ء کے انجمن کے جلسے میں شرکت کے لیے خاں صاحب دہلی آئیں گے دو دن یہاں قیام کریں گے اور ۷؍دسمبر کو واپسی ہوگی۔ اپنی کتاب کی تصحیح کا کام دیکھیں گے۔ باری صاحب کو اطلاع دی ہے کہ فانی کا دیوان ساتھ لیتا آؤں گا۔

۳۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اس خط میں ماہ فروری میں دہلی آنے کی اطلاع دی گئی ہے۔ ساتھ ہی باری صاحب سے کہا گیا ہے کہ گلزارِ نسیم کی ایک جلد ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کو اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی اولڈ کیمپس، لاہور کے پتے پر بھیج دیں۔

۳۴۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط ۲۰؍جنوری ۱۹۹۷ء کے بعد ۲۱؍جنوری ۱۹۹۷ء کو لکھا گیا ۔ اس میں بھی گلزارِ نسیم کی ایک جلد ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (لاہور) کے پتے پر بھیجنے کے لیے کہا گیا ہے۔

۳۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ بمبئی کا مکمل پتا اور فون نمبر نیچے بھی درج ہے۔ یہی وہ مقام ہے یہاں رشید حسن خاں بمبئی میں قیام پذیر ہوا کرتے تھے۔ دورانِ علاج دو دو ماہ کے لیے۔

۳۶ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ ۲۸ر دسمبر ۱۹۹۷ء کو غالب انسٹی ٹیوٹ میں سمینار ہے، اُس میں خاں صاحب نے شرکت کرنی ہے۔ اُسی دن دوپہر کو باری صاحب کو مع ایک نسخۂ گلزارِ نسیم کے وہاں بلایا ہے۔ ۲۲ر تا ۲۹ر دسمبر گائڈ ہال کے اُسی کمرے میں ٹھہریں گے جہاں پہلے قیام کیا کرتے تھے۔ باری صاحب کو فانی پر کام مکمل کرنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ ایک ہفتے میں وہ اِسے دیکھ لیں گے۔

۳۷ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے، کیوں کہ خاں صاحب نے اپنی دہلی آنے کی اطلاع دی ہے۔ وہ جنوری ۱۹۹۶ء میں شاہ جہان پور اپنے آبائی وطن منتقل ہو گئے تھے۔ انھوں نے ۱۲ر جنوری ۱۹۹۷ء کو غالب انسٹی ٹیوٹ میں آنا ہے، اس لیے گلزارِ نسیم کی دو جلدیں ساتھ لانے کو کہا ہے، جب باری صاحب ان کی ملاقات کو آئیں گے۔ یہ کتاب ۱۹۹۵ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) نے چھاپی تھی۔

۳۸ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ ۱۳ر فروری ۱۹۹۸ء کو خاں صاحب شاہ جہان پور میں نہیں تھے، کہیں باہر تھے۔ اُن کے خط کی عبارت سے پتا چلتا ہے کہ وہ ۵ر مارچ کو دہلی پہنچیں گے اور ۷ر مارچ کو شاہ جہان پور کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ اس لیے ۶ر مارچ بعد نمازِ جمعہ یا ۵ بجے شام ملاقات کے لیے آئیں۔

۳۹ مقام و تاریخ اوپر نہیں، یہ سب نیچے درج ہیں۔ یہ خط ممبئی سے لکھا گیا ہے۔ اس میں سحرالبیان کی کمپوزنگ کا ذکر ہے۔

۴۰ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط ممبئی سے لکھا گیا ہے۔ خاں صاحب بغرضِ علاج وہاں گئے ہوئے ہیں۔ وہ اکتوبر میں واپس آئیں گی، کیوں کہ اُن کا ڈاکٹر چار ہفتوں کے لیے امریکہ گیا ہوا ہے۔ ۱۹۹۸ء میں ان کی کتاب مثنویاتِ شوق شائع ہوئی تھی۔ اس کی پانچ جلدیں شاہ جہان پور اور چھے جلدیں ممبئی بھیجنے کے لیے کہا گیا ہے۔ تبصرے کے لیے سات کتابیں الگ سے بھیجی جانی ہیں۔ ان حضرات و رسائل کے نام درج خط ہیں۔

۴۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط بمبئی سے لکھا گیا ہے۔ باری صاحب کی بھیجی ہوئی چھے کتابیں خاں صاحب کو مل گئی ہیں۔ ان کا ڈاکٹری معائنہ بھی ہو چکا ہے۔ ۲۶ر ستمبر کو بمبئی سے روانگی ہوگی۔

۴۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ۱۹۹۸ء میں مثنویاتِ شوق کی تدوین ہو رہی تھی اور اسی کے صفحات کی کمپوزنگ کا ذکر ہے۔

۴۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اس خط میں پانچ کتابیں لاہور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے نام بھیجنے کا ذکر ہے جو وہ آگے ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر تحسین الرحمٰن، منصورہ احمد اور تحسین فراقی کو دے دیں گے۔

۴۴ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اِس خط میں صرف عیدالفطر و نئے سال کی مبارک باد لکھی ہے۔

۴۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ۱۹۹۹ء میں رشید حسن خاں صاحب کی کتاب تدوین، تحقیق، روایت شائع ہوئی تھی۔ خاں صاحب نے باری صاحب کو اس کا اختیار دیا تھا کہ ۵۰ کتابیں اچھے اوسط درجے کے کاغذ پر چھاپیں باقی آپ کی مرضی کے مطابق انھیں صرف ۱۰۰ نسخے درکار ہیں۔ باقی آپ جیسے چاہیں بیچ سکتے ہیں۔ خط میں فروری کے آخر بمبئی جاتے ہوئے ایک دن دہلی میں رُکنے کا خیال ظاہر کیا ہے۔

۴۶ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ اس خط میں تدوین، تحقیق، روایت کتاب کا ذکر ہے۔ اس کے لیے چھپنے کی رقم ادا کرنے کا ذکر ہے جو ابھی خاں صاحب کے پاس نہیں۔

۴۷ مقام اوپر نہیں، تاریخ درج ہے۔ یہ خط جناب عبدالباری ثاقب (بک ڈپو انجمن ترقی اردو، ہند)، اردو گھر، راؤز ایونیو، نئی دہلی -۲ کے پتے پر لکھا گیا ہے۔ خاں صاحب کی کتاب مثنویاتِ شوق اسی سال یعنی ۱۹۹۹ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) سے چھپ کر سامنے آئی ہے۔ اسے وہ مختلف رسائل میں تبصرے کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں۔ اس لیے انھیں بھیجنے کے لیے اُن رسائل کے نام لکھے ہیں ساتھ ہی اشخاص کے بھی۔ فخرالدین علی احمد کمیٹی کی مالی امداد کی رقم کا بھی ذکر ہے۔

۴۸ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ پانچ کتابیں فخرالدین علی احمد کمیٹی (لکھنؤ) کو بھیجنے کی بات لکھی ہے۔ ۱۹۹۹ء میں خاں صاحب کی کتاب تدوین، تحقیق، روایت منظرِ عام پر آئی تھی۔ مثنویاتِ شوق انجمن ترقی اردو (ہند) سے ۱۹۹۸ء میں اور پاکستان سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی تھی۔

۴۹ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بمبئی سے لکھا گیا ہے۔ اس میں ۱۰ کتابوں کے بنڈل کے مل جانے کا ذکر ہے، جب کہ ۱۵ بھیجنے کا وعدہ تھا۔ دو اور ضروری بھیجیں اور شاہ جہان پور بھی روانہ کرنے کا ذکر ہے۔ ۲۲ مئی کو دہلی میں باری صاحب سے ملاقات نہیں ہو پائے گی خاں صاحب سیدھے شاہ جہان پور چلے جائیں گے۔

۵۰ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ جولائی میں غالب انسٹی ٹیوٹ میں داغ سمینار ہے تب اپنے آنے اور ملاقات کرنے کی اطلاع دی ہے۔

۵۱ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط بمبئی سے لکھا گیا ہے۔

۵۲ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ ثاقب صاحب کو اردو گھر کے پتے پر خط لکھا گیا ہے۔ خط میں شکایت درج ہے کہ آپ نے ابھی تک آجکل کے اڈیٹر محبوب الرحمن فاروقی صاحب کو تبصرے کے لیے کتاب کیوں نہیں بھیجی، اُن کا خط آیا ہے۔

۵۳ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ اس خط میں جولائی کے آخری ہفتے میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے داغ سمینار میں آنے کا ذکر ہے۔

۵۴ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ عبدالرشید صاحب کے نام پیکٹ بھینے کا ذکر ہے۔

۵۵ مقام اوپر درج ہے۔ تاریخ نہ اوپر نہ نیچے۔ پچھلے خط بہ تاریخ ۲۷ر ستمبر ۱۹۹۹ء میں ایک پیکٹ بھیجنے کا ذکر ہے، اُس کے ملتے ہی باری صاحب نے دوسرا پیکٹ بھیج دیا۔ اُسے دیکھ کر واپس کر رہے ہیں۔ اِس سے یہ بات صاف ہوتی ہے کہ یہ خط ماہِ اکتوبر ۱۹۹۹ء میں لکھا ہوا ہے۔

۵۶ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خاں صاحب نے خط میں لکھا ہے کہ ایک لفافے میں تین صفحات تصحیح بننے کے اور تین خط عبدالرشید صاحب، اسلم پرویز صاحب اور خلیق انجم صاحب کے نام کے تھے اُن کی رسید نہیں ملی۔ خط لکھیے۔

۵۷ یہ خط مقام اور تاریخ کے بغیر ہے۔ رمضان کے دسویں روزے کے دن کا لکھا ہوا ہے۔ سال اور ماہ معلوم نہیں۔ اندازاً یہ خط سال ۱۹۹۹ء کا ہے۔ اس وقت خاں صاحب شاہ جہان پور میں مقیم تھے۔ اِس لیے یہ خط شاہ جہان پور سے ہی لکھا گیا ہوگا۔

۵۸ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ کسی کتاب کے تصحیح شدہ صفحات خط میں رکھے ہیں۔

۵۹ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ۲۰۰۰ء میں مثنوی سحرالبیان شائع ہوئی تھی۔ اِس میں اِس کی جلدیں مختلف حضرات اور رسائل کو بھیجنے کا ذکر ہے۔

۶۰ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ کتابوں کے ملنے کا شکریہ ادا کیا ہے۔

۶۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط ممبئی سے لکھا گیا ہے۔

۶۲ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے۔ رشید حسن خاں صاحب کسی مرض سے متعلق دوائیں کھا رہے ہیں۔ اُنھوں نے ثاقب صدیقی صاحب کو لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کر کے فوراً اطلاع دیں کہ یہی دوائیں جاری رکھنی ہیں یا بدلنی ہیں۔

۶۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ باری صاحب کی بھیجی ہوئی دوائیں خاں صاحب کو مل گئیں۔

●●●

محبّ مکرم!

دو ہفتہ تک بمبئی میں رہا، ہر وقت آپ کی یاد آتی رہی۔
بے اطمینانی روشنی کا مطالعہ الہلال بھی گیا تھا۔ مسودے پڑھ لیا اور
اب یہ خط لکھ رہا ہوں۔

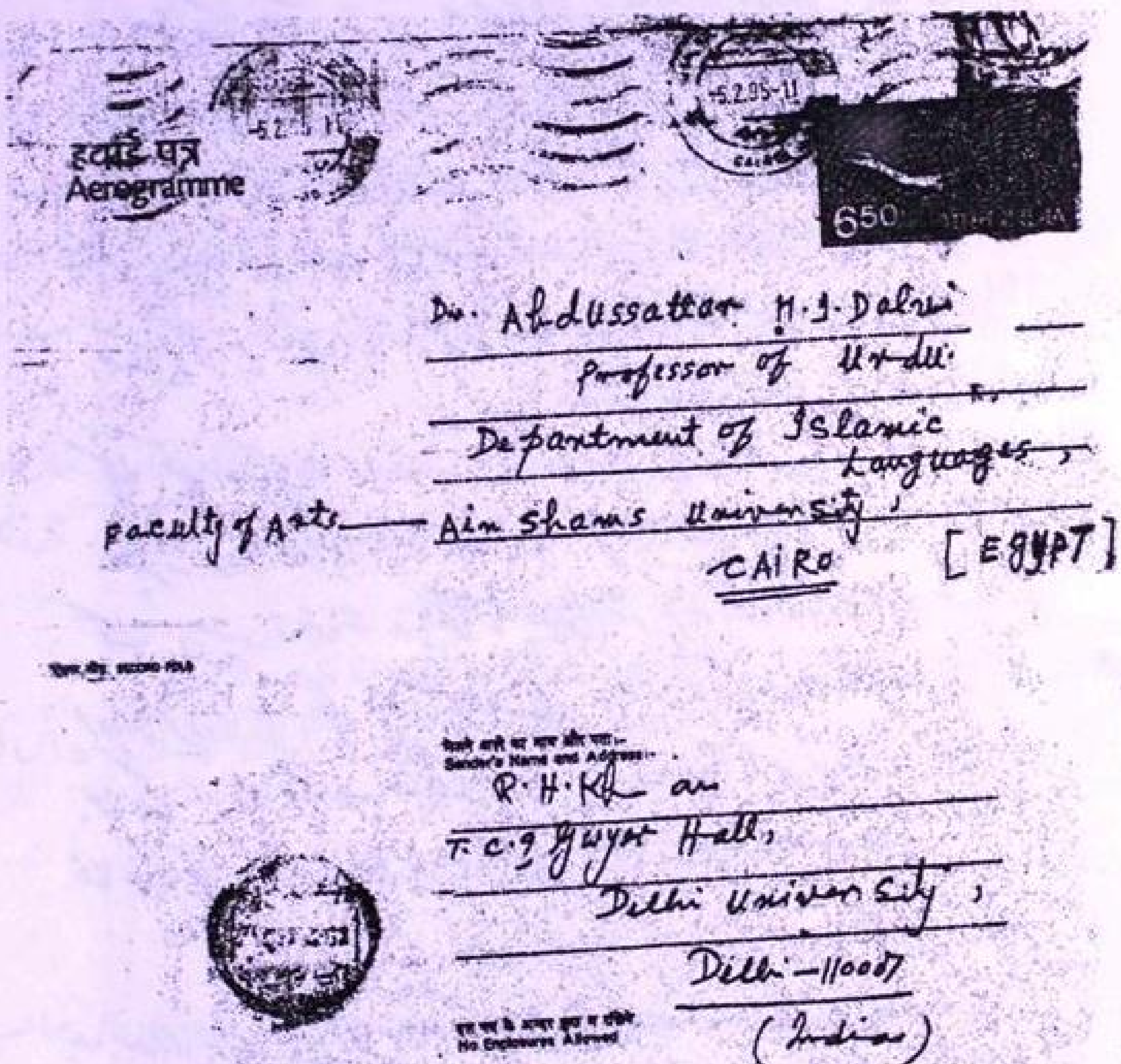
توقع کرتا ہوں کہ آپ بہر وجوہ بہ عافیت ہوں گے اور شعبے کی تشکیل
بدر حسن وغیرہ عمل میں آچکی ہوگی۔ بہاء صاحب سابق سب تک عزیزانہ
طور پر آپ کی جو گئی تھی، اس کی خلش دور نہ ہو سکی۔ جیسا بڑے صاحب
کو اس بار بھی بہت سی نصیحتیں کیں، غیرت بھی دلائی اور مستقبل کے
مصالح کو بھی سمجھایا۔ وعدے تو بہت سے کیے ہیں، شاید اس بار کا
کچھ کیجیے اثر کر رہا ہے۔

میمونہ صاحبہ سے بھی نیاز حاصل ہوا، مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ (عارضی طور پر)
کب واپس آ رہے تھے۔ اس کا تو یقین ہے کہ مزید ایک سال کی توسیع ضرور ہوگی۔
اور یہ ضروری بھی ہے تاکہ شعبے کا نقشہ درست ہو سکے اور مستقل طریقۂ کار
بن سکے۔ [illegible] ٹھیک ہیں اور اب وہ آپ کے معترف بھی ہیں اور
[illegible] بھی۔ میرا خیال ہے کہ اب کی پچھلی کوشش رائیگاں نہیں گئی۔

مثنوی گلزار نسیم مکمل ہو گئی اور چھپنے چلی گئی — ۷۲۴ صفحوں
میں سمائی ہے۔ اصل میں پورا [illegible] جلیبست [illegible] پر محاکمہ جو کیا تو
اس کے صفحات بڑھ گئے۔ آپ کا نسخہ محفوظ رہے گا۔ اب پیش منتخبات [illegible]
[illegible] کا کام شروع کیا ہے۔ اس کے بعد سحر البیان کا نسخہ تیار ہے۔

اور بھائی! ایک فرمائش ہے۔ جب بھی آپ آئیں، میرے لیے ایک
اچھا سا قلم ضرور لیتے آئیں۔ آپ کو مجھ سے جو ربط خاص ہے، اس کی
بنا پر یقین ہے کہ فرمائش بار خاطر نہیں ہوگی۔ ہم جیسے کتاب فروشوں کے لیے
قلم سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

رشید [illegible]
۳۱ جنوری [illegible]


हवाई पत्र
Aerogramme
650
Dr. Abdussattar M. I. Dalvi
Professor of Urdu
Department of Islamic Languages,
Faculty of Arts — Ain Shams University,
CAIRO [EGYPT]
Sender's Name and Address
R. H. Khan
T. C. G. Gwyer Hall,
Delhi University,
Delhi — 110007
(India)
No Enclosures Allowed

بنام: عبدالسّتار دلوی، پروفیسر

(۱)

ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷
۲۸ر دسمبر ۱۹۸۶ء

نیا سال مبارک ہو

مُحبِّ مکرّم!

یہاں آتے ہی غالب سمینار میں اُلجھ گیا تھا، یوں خط میں تاخیر ہوئی۔ آپ کا سمینار بہت کام یاب رہا، اِس کی مبارک باد۔ آپ نے جس تعلّقِ خاطر کے ساتھ مہمان نوازی کی اور جس طرح ہم سب کا خیال رکھا، اُس کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔

اب آپ ورک شاپ بھی کر ہی لیجیے، تا کہ اِس قدر کام یاب سمینار کا فائدہ بے کار نہ جائے اور صحیح معنی میں اِس سے استفادہ کیا جا سکے۔ یہ آپ کا بڑا کارنامہ ہوگا اور آپ اِس کے لیے مہاراشٹر کے اردو والوں کو خاص طور پر اور عام اردو والوں کو عام طور پر ممنون کریں گے۔ خرچ کا انتظام آپ کر ہی لیں گے، اِس کا مجھے یقین ہے۔

ورک شاپ میں صرف منتخب افراد کو بلایا جانا چاہیے، جو اس مسئلے سے کماحقہٗ واقف ہوں اور اس کے مطالعے میں اچھا خاصا وقت صرف کر چکے ہوں۔

ایک بار پھر مبارک باد

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۲۷رفروری ۱۹۸۹ء [۲]

مُحبّی !

خط آپ کا مل گیا۔آپ یہ بتائیے کہ یہ جو گڑبڑ ہوئی ہے وہاں کیا اِس کے نتیجے میں یہ تو نہیں ہوگا کہ عین وقت پر التوا عمل میں آجائے۔اُس سے مجھے یہاں خاصی پریشانی ہوگی۔ میں نے ابھی رزرویشن نہیں کرایا ہے، یہ آپ کا خط آنے پر ہوگا۔چوں کہ اب کچھ وقت مل گیا ہے، اِس لیے پرچہ لکھنا کسی نہ کسی طرح ممکن ہوسکے گا۔بہ راہِ کرم صورتِ حال سے مطلع کیجیے۔دتاسی والی تجویز کو قبول کرنے پر شکر گزار ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

ٹی بی ۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷ ۱۱۰۰۰۷

۱۶رمئی ۱۹۹۱ء [۳]

مُحبِّ مکرّم!

آج ایک خط ملا، پہلا خط بھی محفوظ تھا یہاں۔پرسوں استپال سے ہوسٹل آگیا ہوں کل ڈاکٹر نے سفر کی اجازت دے دی، یوں اب ۱۸رمئی کو شاہ جہان پور جاؤں گا ایک ماہ کے لیے، واپسی جولائی میں ہوگی، تب آپ کو خط لکھوں گا۔ڈاکٹر کا خیال ہے کہ تین ماہ میں بالکل ٹھیک ہوجاؤں گا۔آپ سے ملنے کی تمنا بہت ہے، مگر اب تو اگست کے بعد ہی اُدھر آنے کی صورت نکلے گی۔بہ ہر حال آپ غافل نہ رہیں۔یہ پہلا خط ہے جو آج آپ کو لکھ رہا ہوں۔ ڈاکٹر نے کچھ دیر تک پڑھنے اور لکھنے کی اجازت دے دی ہے۔بھابی صاحبہ کی خدمت میں آداب، اُن سے کہیے کہ ابھی مجھے اُن کی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔مکمّل صحت یابی کے لیے۔آپ بھی دعا کیجیے۔

مخلص رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۷/جولائی ۱۹۹۱ء
مُحبّ مکرّم!

۲۷/جون کا خط یہاں محفوظ تھا۔ میں نرسنگ ہوم سے نکل کر شاہ جہان پور چلا گیا تھا۔ ۲/جولائی کو واپسی ہوئی ہے۔ طبیعت پہلے سے تو بہتر ہے، کوئی ظاہری تکلیف بھی نہیں، مگر کم زوری ابھی ہے اور بہت۔ لکھنے پڑھنے کا کام ابھی تک شروع نہیں کرسکا ہوں۔ خیال یہ ہے کہ دو ہفتے ابھی اور آرام کروں گا اور پھر کام شروع ہوگا۔ مجھے بڑی فکر باغ و بہار کی ہے، سارا کام مکمل ہوگیا تھا، بس مقدّمے کے آخری ۲۰، ۳۰ صفحے لسانی بحث سے متعلق لکھنا تھے کہ قلم ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ خیر، اب سہی۔

انگریزی میں آپ نے جس خوبی کے ساتھ میری ناتمام تحریر کو منتقل کر کے، اُسے کارآمد بنایا ہے، اُس کا معترف ہوں۔ یقینِ دانش ہے کہ آپ (اپنی دوسری کوششوں کی طرح) اِس کوشش میں بھی کام یاب ہوں گے اور میں خلوص ومحبّت کے اِس نقش کو دل پر کندہ ہوتے ہوئے دیکھوں گا۔ اس بیماری کے بعد سچ تو یہ ہے کہ احباب سے ملنے کی خواہش کچھ اور بڑھ گئی ہے، خدا کرے جلد وہ دن آئے جب مل بیٹھیں۔

توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے اور اب شعبے میں کسی طرح کی چپقلش نہیں ہوگی۔ میمونہ صاحبہ کی خدمت میں آداب۔ توقّع کرتا ہوں کہ بمبئی کی بے کراں اور بے اماں بارش کے باوجود یہ خط آپ تک بہ حفاظت پہنچ جائے گا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۵)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
ٹی.بی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷

۲۷/اگست ۱۹۹۱ءؔ

مُحبِّ مکرّم!

بہت افسوس ہے اور شرمندگی بھی کہ آپ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ ۲۰/ کو میں نے شام تک آپ کا انتظار کیا، یوں کہ آپ کے خط سے میں یہی سمجھا تھا کہ ''آپ ۲۰/ کو آئیں گے۔ ۲۱/ کی صبح کو اسپتال میں میرا چک اَپ تھا، وہاں جانا لازم تھا، وہاں بہت دیر لگ گئی۔ کئی طرح کے ٹِسٹ ہونا تھے۔ واپسی جب ہوئی تو وقت بہت گزر چکا تھا۔ شام کو ۴ بجے میں بالکل تیار ہو گیا ساہتیہ اکیڈمی جانے کے لیے، ہوسٹل سے نکلا ہی تھا کہ بوندیں پڑنے لگیں اور پھر پانی برسنے لگا۔ چھتری ہے نہیں، اور ہوتی بھی تو کیا کرلیتی۔ یہ ہے داستان۔ ملاقات نہ ہونے کا سخت افسوس ہے۔ یہاں پچھلے چار دن سے لگاتار بارش ہورہی ہے، آنا جانا سب بند ہے۔ ۲۹/ کو پھر میرا ایک ٹِسٹ ہے اور پھر ۲۵/ ستمبر کو ہے۔ اِن چیزوں نے اور پریشان کر رکھا ہے۔

آپ نے جس قدر اور جس طرح زحمت گوارا کی، اُس کے لیے بہ دل ممنون ہوں اور متاسّف ہوں اپنے موجود نہ ہونے پر۔ باغ و بہار کا کام بھی ابھی پڑا ہوا ہے، لکھنا پڑھنا بس ذرا ذرا شروع کرسکا ہوں۔ آپ کے کاغذات بھی محفوظ ہیں، غالب نامے کا کام بھی ابھی تک نہیں دیکھ سکا ہوں، شاید اگلے شمارے سے کچھ دیکھوں اُسی وقت اُنھیں نکالوں گا۔

اور ہاں برادر! اُس مستشرقین والے مذاکرے کا کیا رہا؟ کیا وہ شاملِ فہرست ہے ابھی تک؟ اُسے تو ضرور کرلیجیے۔ آپ کے سوا اُسے اور کوئی نہیں کرسکتا۔ اب تو دیوانِ ولؔی بھی تیار ہوگیا ہوگا۔ میمونہ صاحبہ سے سلام کہیے اور ایک بار پھر میری معذرت قبول کیجیے۔ سخت افسوس ہے!

مخلص

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

ٹی سی. ۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۵/ اکتوبر ۱۹۹۱ء ۶
مُحبِّ مکرّم!

آج ہی آپ کا خط ملا۔ جی ہاں، اب پہلے سے بہتر ہوں، لیکن دوا مسلسل کھا رہا ہوں اور ابھی چھے مہینے تک یہی صورت رہے گی۔

مصر کا سفر خوب رہا۔ آپ کے مقالے کو پسند کیا گیا، اِس سے بہ طورِ خاص مسرّت ہوئی۔ اردو والے عام طور پر شعر و ادب کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے؛ آپ نے تاریخ اور سماجیات کے عناصر کو شامل کیا۔ اِس سے آپ کے ذوقِ نظر اور دائرۂ فکر کی وسعت ظاہر ہوتی ہے۔

ایک اچھی خبر میں بھی سناؤں: باغ و بہار کو مکمل کر کے انجمن کے حوالے کر دیا گیا اب سے چار دن پہلے۔ مقدّمے میں دلوی صاحبان کا بہ طورِ خاص شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ مگر یہ چھپے گا جنوری میں۔ قاسم صاحب اور آپ، دونوں کے نسخے پہنچیں گے۔ ضخامت بڑھ گئی ہے، 847 صفحے ہیں۔ متن 250 صفحات کا، مقدّمہ 124 صفحے کا، باقی سب حواشی و فرہنگ کے صفحات ہیں۔ آپ اِسے دیکھ کر یقیناً مسرور ہوں گے۔

میں ۲۹/ نومبر کو کراچی جاؤں گا نیاز لکچر کے سلسلے میں۔ واپسی ۱۲/ دسمبر تک ہوگی۔ یوں جنوری، فروری کا زمانہ ٹھیک رہے گا۔ اگر فروری مارچ کا زمانہ ہو سکے تو خوب تر ہو۔ جنوری میں سردی بہ ہر طور ہوتی ہے۔

اب ایک ضروری بات: قیام تو ہوسٹل میں رہے گا، مجھے وہ جگہ پسند ہے؛ مگر کھانے کا کیا ہوگا؛ پرہیز سخت تر ہے۔ گھی، مکھن، انڈا، گوشت؛ کچھ نہیں کھا سکتا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ پڑوس کے ہوسٹل سے چپاتی اور اُبلی ہوئی سبزی یا دال مل جایا کرے۔ اِس کا انتظام از بس ضروری ہے۔ ناشتا تو ہو جایا کرے گا، بس دوپہر اور رات کے کھانے کا مسئلہ رہے گا۔ اِس کی کوئی تدبیر نکالیے۔ میرے ہوسٹل میں تو اِس کا انتظام ہے، اِسی لیے یہاں ٹِکا ہوا ہوں۔ اب باقی سب کچھ آپ کی کارسازی پر چھوڑتا ہوں۔ فروری مارچ ہو تو خوب تر، ورنہ پھر جنوری فروری سہی۔ بیگم صاحبہ سے میرا سلام کہیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۷)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۹/اکتوبر ۱۹۹۱ء ؁

مُحبِّ مکرّم!

دونوں خط مل گئے، لیکن ۲۳/والا کل ملا تھا اور اُس سے پہلے والا آج ملا ہے۔ کل صبح میں شاہ جہان پور جاؤں گا۔ واپسی ۱۴/ یا ۱۵/نومبر تک ہو سکے گی۔ آتے ہی خود جاؤں گا اکیڈمی کے دفتر، اور بہ طورِ خود وہ تبصرہ مخمورؔ سعیدی کے حوالے کروں گا، تاکہ جلدتر شائع ہو سکے۔ اِس کی طرف سے اطمینان رکھیے۔ مخمورؔ آج کل دہلی سے باہر کسی مشاعرے میں گئے ہوئے ہیں۔ آپ کی عنایتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اب تو میں وہاں آہی رہا ہوں، یوں ساری باتیں بالمشافہ ہو جائیں گی۔ ۲۹/کو کراچی جانا ہے نیاز سمینار میں۔ یہ بات میں لکھ چکا ہوں۔ عبدالحق سمینار میں بھی تو ملاقات ہوگی، ہاں خواہش کے باوجود میں اس میں کچھ پڑھ نہیں سکوں گا۔ ابھی تک پوری طرح کام کر نہیں پاتا۔ خلیقؔ صاحب کا بہت اصرار تھا اور ہے، مگر معذرت کے سوا کوئی اور صورت نظر نہیں آتی۔ ہاں تاریخ کی مجھے ذرا اِس طرح اطلاع دیجیے گا کہ رزرویشن بہ آسانی کرا سکوں۔ میں راجدھانی سے آؤں گا اور اس میں ذرا پہلے سے رزرویشن کرانا ہوتا ہے۔ اِس گاڑی کا سفر معلوم نہیں ہوتا۔ دوسری گاڑیوں میں ۲۴ گھنٹے کا صبر آزما سفر اب برداشت نہیں ہو پاتا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۸)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
گائر ہال
۱۹/نومبر ۱۹۹۱ء ؁

مُحبِّ مکرّم!

میں کل ہی شاہ جہان پور سے واپس آسکا ہوں۔ مخمورؔ سعیدی سے گفتگو کرلی اور آج وہ تبصرہ اُن کے پاس پہنچ بھی گیا۔ جلدتر اشاعت پذیر ہوگا، اِس کا اطمینان رکھیے۔ میں کل جموں جاؤں گا اور پھر ۲۹ رکو کراچی، نیاز سمینار کے سلسلے میں۔ واپسی ۱۰ ردسمبر تک ہو سکے گی۔ آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۲۹ رنومبر ۱۹۹۱ء [۹]

مُحبِّ مکرّم!

جموں جانے سے پہلے میں نے ایک خط لکھا تھا، جس میں یہ اطلاع دی تھی کہ وہ تبصرہ مخمورؔ سعیدی صاحب کے حوالے کر دیا گیا، ایوانِ اردو میں جلد ہی چھپ جائے گا۔

آج شام کو میں کراچی جا رہا ہوں نیاز فتح پوری سمینار میں، ۷ ردسمبر کو واپسی ہوگی۔ اُس معاملے کا کیا ہوا؟ یا یہ کہ وہ کس منزل میں ہے۔ اگر اس سے متعلق، ضمنی طور پر سہی، کچھ معلوم ہو سکے تو خوب ہو۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۱۴ راپریل ۱۹۹۲ء [۱۰]

مُحبِّ مکرّم!

میں بہ خیریت ہوں۔ بمبئی کے قیام کے دوران آپ کی پیہم نوازشیں جس طرح شاملِ حال رہیں، اُن کے لیے سراپا ممنون ہوں اور شکر گزار۔ آج شام ہی کو لاہور کے لیے روانگی ہے، واپسی ۲۲ر تک ہوگی۔

ہاں برادر! باغ و بہار والا تبصرہ بھیج دیجیے، میں اُسے کراچی بھیجوں گا۔ توقع کرتا ہوں کہ اُسے آپ نے لکھ لیا ہوگا، یا اب لکھ لیں گے۔

میمونہ صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

گائر ہال

۷ر جون ۱۹۹۲ء[۱۱]

دلوی صاحب مکرّم!

آپ کا خط مل گیا تھا، لیکن میں موسمی حالات کا اچانک بے طرح شکار ہوگیا تھا۔ کل سے طبیعت رو براہ ہوئی ہے، سب سے پہلے وہ تحریر بھیج رہا ہوں۔ اِس کی رسید سے فوری طور پر مطّلع کریں، تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ میمونہ صاحبہ اب کیسی ہیں۔ اُن کی خیریت سے ضرور مطّلع کیجیے۔ الیاس صاحب اگر اُدھر آئیں تو اُن سے کہیے کہ میرے خط کا فوری طور پر جواب دیں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۱/جولائی ۱۹۹۲ء [۱۲]

دلوی صاحب مکرّم!

آپ نے وعدہ کیا تھا کہ باغ و بہار اور فسانۂ عجائب پر یک جائی تبصرہ ایک مضمون کی صورت میں لکھ کر کتاب نما کو بھیج دیں گے؛ معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک نہیں پہنچا۔ تغافل اور اِس قدر! توقع کرتا ہوں کہ اب جلدتر اِس طرف توجہ مبذول فرمائیں گے اور اُس کی ایک عکسی نقل مجھے بھی بھیج دیں گے۔ میمونہ صاحبہ اب کیسی ہیں، میری طرف سے پرسشِ مزاج کر لیجیے اور میرا اسلام کہیے۔ خط لکھیے۔

دس سالہ پروگرام کب سے شروع ہوگا؛ کیا خاکہ بن گیا ہے؛ اور ہاں توقع کرتا ہوں کہ حسبِ وعدہ ایم.فل کے کورس میں سے اردو کیسے لکھیں نکال کر، ادبی تحقیق اُس کی جگہ رکھ دی ہوگی۔ مقصود محض یاد دہانی ہے۔ آپ کے طلبہ کی محبت اور بے نہایت خلوص اکثر یاد میں جگمگا اُٹھتے ہیں۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
ٹی.بی.۹، گاڑہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۴/اکتوبر ۱۹۹۲ء [۱۳]

دلوی صاحب مکرّم!

خط آپ کا ملا تھا۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ صحت یاب ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ شعبے کے دس سالہ پروگرام کے تحت جو خاص سمینار ہونا تھا، جس میں دیوانِ ولی کو بھی پیش کیا جانا تھا، وہ کب ہوگا۔ کیا وہ نومبر میں ہوگا؟ اِس کی اطلاع ضرور دیجیے۔ میری کتاب کے مسوّدے کا کیا ہوا؟

میں بیماری ہی کے سلسلے میں دو چار دن کے لیے بمبئی آنا چاہتا تھا، اور چاہتا ہوں، خیال تھا کہ موجودہ سمینار کے موقعے پر اس کی صورت نکل آئے گی۔ ویسے ٹھیک ہوں اور آج کل مثنوی گلزارِ نسیم کی تدوین میں مصروف ہوں۔

خط ضرور لکھیے اور جلد تر۔ منتظر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۱ر ستمبر ۱۹۹۳ء[۱۴]

دلوی صاحب مکرّم!

میں یہ خط رجسٹری سے یوں بھیج رہا ہوں کہ مجھے یقین ہو جائے گا کہ کم از کم یہ خط آپ کو ضرور مل گیا۔

میں نے کئی خط لکھے، ایک کا جواب نہیں ملا۔ آپ یہاں آئے اور چلے گئے، معلوم بھی نہیں ہوا۔ آخر ایسا کیوں ہے!

گنتی کے جن چند لوگوں کو میں اپنا مخلص اور غمگسار سمجھتا ہوں، اُن میں آپ بھی شامل ہیں۔ یہ میرا مزاج ہے کہ اپنے مخلصین کی بے نیازی میرے لیے حد درجہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ باقی سب لوگ کچھ بھی کریں اور کہیں، مجھے اُس کی پروا نہیں ہوتی۔ چوں کہ آپ کو اپنا مخلص جانتا ہوں اور مانتا ہوں، یوں چاہتا ہوں کہ صحیح صورتِ حال سے واقفیت حاصل رہے اور کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے بے نیازی کو فروغ ملتا ہے۔ مجھے آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔ مجھے حسبِ سابق اپنا مخلص اور دعا گو سمجھیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
۴ر جون ۱۹۹۴ء[۱۵]

مُحبّ مکرّم!

آپ کا خط ملا۔ پچھلے ایک ماہ سے میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ عید کے دن یعنی ۲۲ر مئی کو تو میں پلنگ سے اُٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ بہ ہر حال، اب پہلے سے بہتر ہوں۔

آپ نے اپنے جن خطوں کا اور جس تحریر کا حوالہ دیا ہے، مجھے اُن میں سے کوئی چیز نہیں ملی، آپ سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے۔ بہت سی باتیں ہو جاتیں۔

مدنی صاحب کا نمبر ضرور مرتب کیجیے۔ آپ اِس کام کو دوسروں کے مقابلے میں بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ میں اُن سے قریب یا دور کی واقفیت نہیں رکھتا۔ اُن کی سب تحریریں بھی میں نے نہیں پڑھیں، یوں میرے لیے ممکن نہیں کہ میں کچھ لکھوں۔ اِس سلسلے میں میری معذرت قبول کیجیے۔ یہ پڑھ کر تکلیف ہوئی کہ آپ کی طبیعت بھی ناساز رہی۔ سارے کام کرنے والوں کا احوال ایک جیسا رہتا ہے۔ آرام میں بس وہ رہتے ہیں جو کام نہیں کرتے یا کم سے کم پر قناعت کرتے ہیں۔

دیوانِ ولی کا کیا ہوا؟ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔ خدا کرے آپ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکے ہوں، ابھی آپ کو بہت سے کام کرنا ہیں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

۱۸ر اگست ۱۹۹۴ء[۱۶]

مُحبِّ مکرّم!

آج ہی آپ کا محبت نامہ ملا۔ ملاقات نہ ہونے کا مجھے بھی افسوس ہے اور بہت، مگر مجبوری تھی، میں یہاں تھا ہی نہیں۔

مصر جانا مبارک ہو۔ اِس کا مجھے یقین ہی نہیں یقینِ کامل ہے کہ آپ کی بے مثال تنظیمی صلاحیتیں وہاں بھی اپنے جوہر دکھائیں گی اور اُردو کا شعبہ خصوصی امتیاز کے ساتھ قائم ہو سکے گا۔ جس نے بھی انتخاب کیا، صحیح تر انتخاب کیا۔ مجھے بے حد مسرّت ہوئی اِس اطلاع سے۔ میرے بس میں ہوتا تو وہاں آ کر مبارک باد دیتا۔

آپ کی عدم موجودگی میں، خیال میرا یہی ہے کہ آپ کی ہدایات کے مطابق اور آپ کے طرزِ عمل کی روشنی میں یہاں کے شعبے کا کام رواں دواں رہے گا۔ مولوی مدنی کی تو خیر بات ہی اور ہے، مگر اگاسکر صاحب بھی اب آپ کی روش اور طریقۂ کار کی تفصیلات کو ضرور

ملحوظ رکھیں گے اور رکھنا چاہیے۔ میں بھی دو چار دن میں اُن کو خط لکھوں گا۔

اگر آپ کے زمانے میں پروفیسر شپ کا معاملہ طے ہو جاتا تو خوب ہوتا۔ بس اِس کا ذرا سا قلق ہے کہ دتا سی والا کام اور ولی کے دیوان والا کام اب ملتوی رہے گا۔ خیر، پھر سہی۔ آپ کے آنے کے بعد شاید پہلے کے مقابلے میں بہتر طور پر ہو سکے گا۔ میں شاید اکتوبر نومبر میں جموں یونی ورسٹی جاؤں گا کچھ مدّت کے لیے۔

سفر مبارک ہو اور بسلامت روی و باز آئی۔ میمونہ صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

۳۱/جنوری ۱۹۹۵ء [۱۷]

مُحبِّ مکرّم!

۲۲/ سے ۲۸/ تک بمبئی میں رہا، ہمہ وقت آپ کی یاد آتی رہی۔ پُرانی روش کے مطابق الہلال بھی گیا تھا۔ سعد سے پتا لیا اور اب یہ خط لکھ رہا ہوں۔

توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں گے اور شعبے کی تشکیل بہ احسن وجوہ عمل میں آ چکی ہوگی۔ یہاں حسبِ سابق سب لوگ عزیزانہ ملے، مگر آپ کی جو کمی تھی، اُس کی خلش دور نہ ہو سکی۔ جینا بڑے صاحب کو اِس بار بھی بہت سی نصیحتیں کیں، غیرت بھی دلائی اور مستقبل کے مصالح کو بھی سمجھایا۔ وعدے تو بہت سے کیے ہیں، شاید اِس بار کا کہنا کچھ اثر کر جائے۔

میمونہ صاحبہ سے بھی نیاز حاصل ہوا، مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ (عارضی طور پر) کب واپس آئیں گے۔ اِس کا تو یقین ہے کہ مزید ایک سال کی توسیع ضرور ہوگی، اور یہ ضروری بھی ہے تا کہ شعبے کا نقش درست ہو سکے اور مستقل طریقۂ کار بن سکے۔ اگاسکر صاحب ٹھیک ہیں اور اب وہ آپ کے معترف بھی ہیں اور ثنا خواں بھی۔ میرا خیال ہے کہ میری پچھلی کوشش رائیگاں نہیں گئی۔

مثنوی گلزارِ نسیم مکمّل ہو گئی اور چھپنے چلی گئی۔ 724 صفحوں میں سما پائی ہے۔ اصل

میں پورے معرکۂ چکبست و شرر پر محاکمہ جو کیا تو اُس سے ضخامت بڑھ گئی۔ آپ کا نسخہ محفوظ رہے گا۔ اب میں نے مثنویاتِ نواب مرزا شوق لکھنوی کا کام شروع کیا ہے۔ اِس کے بعد سحرالبیان کا نمبر آئے گا۔

ہاں بھائی! ایک فرمایش ہے۔ جب بھی آپ آئیں، میرے لیے ایک اچّھا سا قلم ضرور لیتے آئیں۔ آپ کو مجھ سے جو ربطِ خاص ہے، اُس کی بنا پر یقین ہے کہ یہ فرمایش بارِ خاطر نہیں ہوگی۔ ہم جیسے کتاب خوانوں کے لیے قلم سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنامِ پروفیسر عبدالستار دلوی

ٹی بی۔۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔۱۱۰۰۰۷

۱۹ر مئی ۱۹۹۵ء [۱۸]

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا خط، جس پر ۲۰ر اپریل کی تاریخ پڑی ہوئی ہے، یہاں ۱۲ر مئی کو پہنچا۔ شاید یوں کہ بیچ میں عید کی چھٹّیاں آ گئیں۔ ۱۵ر کو میں نے ایک طالبِ علم کو جے۔این۔یو بھیجا۔ میں شعبۂ عربی کے انصاری صاحب سے قطعاً واقف نہیں۔ میں نے اُن کا نام اب پہلی بار سنا۔ خیر، معلوم ہوا کہ یونی ورسٹی بند ہے، لوگ جا چکے ہیں۔ فوراً اسلم پرویز صاحب کے گھر فون کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ۱۵ر ہی کو بمبئی گئے ہیں اپنی بیٹی کے پاس ایک ماہ کے لیے۔ پھر شعبۂ فارسی کے عبدالودود اظہر صاحب کو ڈھونڈھا۔ بہ مشکل رابطہ قائم ہو پایا۔ اُن کو انصاری صاحب کے متعلّق کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ مجھے چوں کہ انصاری صاحب سے شناسائی حاصل نہیں رہی، یوں مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ رہتے کہاں ہیں۔ غرض کہ چار پانچ دن مسلسل کوشش کے باوجود کچھ بھی معلوم نہیں کر سکا۔ گرمی کی چھٹّیاں نہ پڑ جاتیں، یا آپ کا خط مجھے ذرا پہلے مل جاتا تو کام بن جاتا اور میں اُن انصاری صاحب کو تلاش کر لیتا۔

بھائی! میں بہت شرمندہ ہوں کہ اِس چھوٹے سے کام کو انجام نہیں دے سکا، میں نے اپنی سی کوشش بہت کی، مگر ناکام رہا۔ مجھے اِس کا بہت افسوس ہے اور آپ سے شرمندگی ہے۔

اِس کا کفارہ، آپ جو تجویز کریں گے اور جس طرح تجویز کریں گے، میں بہ خوشیِ خاطر ادا کروں گا۔ اب تو آپ آنے والے بھی ہوں گے، جب آپ آئیں گے تو صرف آپ سے ملنے کے لیے میں ازخود بمبئی آؤں گا دو یا تین دن کے لیے۔ اور بس واپس چلا آؤں گا۔ یہ طے شدہ ہے۔ مقصود صرف آپ سے ملنا ہوگا اور اپنی کوتاہی کا کفارہ ادا کرنا۔ آپ بہ واپسیِ ڈاک یہ ضرور لکھیے کہ آپ کب آئیں گے، تاکہ میں اپنا پروگرام بنالوں اور رزرویشن کرالوں۔ میرا قیام انور قمر کے ساتھ رہے گا یا پھر پُرانی جگہ دو تین دن ہی کی تو بات ہے۔ آؤں گا ضرور۔ ازراہِ لطفِ خاص خط ضرور لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

ٹی۔ سی۔ ۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۷

۲؍جون ۱۹۹۵ء

مُحبِّ مکرّم!

اس سے پہلے ایک خط بھیج چکا ہوں جس میں ضروری تفصیلات لکھ دی تھیں۔ اُس کے بعد بھی میں کوشش کرتا رہا۔ J.N.U. کے ایک سینیر طالبِ علم کو بلوایا۔ خاص طور پر اُن کی ڈیوٹی لگائی انصاری صاحب کو ڈھونڈنے کی یونی ورسٹی کا کیلنڈر بھی احتیاطاً منگوالیا۔ کہیں انصاری صاحب کا نام نہیں ملا، نہ کسی نے اُن کا پتا دیا کہ وہ کون ہیں۔ اب یا تو آپ کو اشتباہ ہوا نام میں، یا پھر یہ کہ اُنھوں نے اپنا نام کوئی دوسرا یہاں بتایا ہو اور لکھایا ہو۔

مختصر یہ ہے کہ J.N.U. میں میں آپ کے انصاری صاحب کو تلاش نہیں کرسکا۔ اس کا مجھے افسوس ہے اور رہے گا کہ آپ نے ایک کام کے لیے کہا اور وہ بھی مجھ سے نہیں ہوسکا، میں اِس کے لیے آپ سے معذرت طلب ہوں، مگر ہوں بے قصور۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ ہاں آپ بمبئی کب آئیں گے اور کیا پھر دہلی کی طرف آنے کا کوئی پروگرام ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ ضرور ہوگا۔ اگر ایسا ہو تو آپ مجھے مطّلع ضرور کیجیے گا۔

مخلص رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
ٹی بی۔۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۲ر نومبر ۱۹۹۵ء [20]
مُحبِ مکرّم!

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے اور ترکی سے کام یاب و کام راں واپس آ چکے ہوں گے؛ مگر مجھے زیادہ فکر میمونہ صاحبہ کی ہے کہ اب اُن کی طبیعت کیسی ہے۔ از راہِ لطف اِس سے مطّلع کیجیے۔ گلزارِ نسیم چھپ کر آ گئی۔ آپ کا خط آ جائے تو ڈاک سے بھیجوں۔ میرا ارادہ آنے کا تھا، مگر اب شاید نہ آسکوں۔ بہ ہر طور آپ سے جلد تر ملاقات کرنے کو جی چاہتا ہے، یوں دسمبر یا جنوری میں دو چار دن کے لیے آنے کی کوشش کروں گا۔ خط فوری طور پر لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
گائر ہال
۲۵ر نومبر ۱۹۹۵ء [21]
مُحبِ مکرّم!

۲۲ر نومبر کا خط ملا، شکریہ۔ سمینار میں شرکت کا ارادہ بدل گیا تھا، آج جب آپ کا خط ملا تو اِس خیال سے کہ ملاقات کا ایک موقع نکل آئے گا، پھر نیت باندھ لی۔ میں ۱۶ر دسمبر کو یا پھر ۱۷ر دسمبر کو لاہور جانا چاہتا ہوں۔ وہاں اورینٹل کالج کی سوا سو سالہ جُبلی ہے، اُس کا دعوت نامہ آیا ہے۔ اگر ویزا مل گیا تو ضرور جاؤں گا۔ وہاں سے واپسی غالباً ۲۷ر کو ہوگی، تب ۲۹ر کو بمبئی کے لیے روانہ ہوں گا۔ آپ نے دعوت دی ہے کہ ''۳ر جنوری سے میں شعبۂ اردو کا مہمان ہو سکتا ہوں''۔ بسر و چشم۔ سمینار بھی کیجیے، ضرور حصّہ لوں گا۔ میں یہ فرض کیے لیتا ہوں کہ ''مہمان ہونے میں'' قیام اور طعام دونوں شامل ہوں گے؛ مگر میں ۸ر کو یا ۹ر کو ضرور

واپس آنا چاہتا ہوں، اس لیے مجوّزہ سمینار اگر انھی دنوں میں ہو جائے تو خوب ہو۔ جاں نثار اختؔر کی شاعری کا میں قائل ہوں۔ مضمون وہیں آ کر لکھوں گا۔ بس آپ اُن کا مجموعہ ''پچھلے پہر'' فراہم کر دیجیے گا۔ ہاں میرے لیے نیچے والا کمرا محفوظ کرائیے گا جس میں انگریزی انتظام ہے باتھ روم کا۔

آج سنیچر ہے، کل اتوار، یوں پرسوں دوشنبے کو گلزارِ نسیم بہ ذریعۂ ڈاک آپ کے نام روانہ ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کام بھی آپ کو پسند آئے گا۔

ایک خطبہ میں اِس موضوع پر ضرور دینا چاہتا ہوں کہ کیا متن صرف قاری کی ملکیت ہوتا ہے اور مصنّف کو بے دخل مان لینا چاہیے۔ یہ بات آج کل شدومد سے کہی جا رہی ہے۔ ساختیات اور پس ساختیات کی بھول بھلیوں میں شاید کچھ لوگ کھو گئے ہیں۔ ''کیا تحقیق کے لیے علم کافی ہے'' ایک دن اِس موضوع پر گفتگو ہو اور ایک دن اِس موضوع پر: اردو سے متعلق سرکاری اداروں کا احوال'' یا کوئی دوسرا موضوع جسے آپ تجویز کریں۔ کتاب کی رسید سے اور اِس خط کے جواب سے نوازیے، تب تک میں بمبئی آنے کی صحیح تاریخ بھی لکھ دوں گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۹ر نومبر ۱۹۹۵ء [۲۲]

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا خط ملا تھا۔ کل اُس کا جواب لکھ چکا ہوں۔ آج کل ڈاک کا نظام ابتر ہے، یوں آج پھر یہ ایک اور خط لکھ رہا ہوں اور اُنھی باتوں کو دُہرا رہا ہوں۔

گلزارِ نسیم کل آپ کے نام رجسٹری سے شعبے کے پتے پر ارسال کر دی گئی۔ میں نے تصدیق کر لی ہے۔ ازراہِ لطف اُس کی رسید سے فوری طور پر مطلع کیا جاؤں۔

میں ۱۶ر دسمبر کو لاہور جاؤں گا، واپسی ۲۷ر کو ہوگی۔ ۲۹ر کو راجدھانی سے بمبئی کے لیے روانہ ہوں گا، خلیق انجم بھی ساتھ ہوں گے۔ ۹ر کو میری واپسی ہوگی۔ اِس لیے آپ اپنے

سارے پروگرام ۸؍جنوری تک مکمل کر لیجیے گا (لکچر اور جاں نثار اختر مرحوم والا جلسہ)۔
لاہور میں محمد طفیل ایوارڈ کی تقریب بھی وہ لوگ کرنا چاہتے ہیں۔ ایوارڈ کا اعلان کر دیا تھا، مگر اُس کا جلسہ حالات کی بنا پر نہیں ہو سکا تھا، وہ اب کرنا چاہتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کو ۱۹۹۱ء کا اور مجھے ۱۹۹۲ء کا ایوارڈ دیا گیا تھا، اب دونوں کے لیے جلسہ ہوگا۔ یوں دو تین دن رُکنا پڑا، ورنہ میں تو ۴؍ہی کو چلا آتا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
گائر ہال
۴؍دسمبر ۱۹۹۵ء [۲۳]
مُحبِّ مکرّم!

ابھی آپ کا خط ملا۔ میں ۳۰؍دسمبر سے ۲؍جنوری تک انور قمر کے یہاں رہوں گا، یعنی آپ ہی کے سایۂ دیوار میں۔ اُن کا اصرار ہے۔ ۳؍سے آپ کے شعبے کا مہمان ہوں گا، اس لیے آپ ۳؍جنوری سے اُس کمرے کو بُک کرا دیجیے۔

بڑے میاں کا آج چھٹا بل کہ ساتواں خط آیا ہے۔ ہاں میں نے آپ کے نام گلزارِ نسیم بھجوائی ہے، ملی یا نہیں؟ اِس سے ضرور مطلع کیجیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

ابھی رفیع الدین ہاشمی صاحب کا خط آیا ہے کہ لاہور کا سمینار اب جنوری میں ہوگا۔ تاریخوں سے بعد کو اطلاع دی جائے گی، اِس لیے فی الحال وہاں کا سفر ملتوی۔ رفیع الدین ہاشمی صاحب نے یہ خط استامبول سے لکھا ہے، وہاں اقبال سمینار ہے کوئی۔ ۲۵؍نومبر کا لکھا ہو خط ہے۔

(۲۴)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۱۱ر دسمبر ۱۹۹۵ء[۲۴]

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا خط مرقومہ ۳۰ر نومبر، مجھے آج ملا۔ شکر گزار ہوں۔

میں جاں نثار اختر سمینار میں ضرور حصّہ لوں گا اور آپ کے مجوّزہ عنوانات پر گفتگو بھی کروں گا۔ بس پروگرام میں ذرا سی یہ ترمیم اگر ہو جائے تو خوب ہو کہ میں، بہ قول آپ کے، ۶ر جنوری تک شعبے کا مہمان رہوں، مگر میرا قیام مہمان خانے میں ۸ر جنوری تک رہے۔ ۷ر اور ۸ر، دو دن تک میں خود اپنا مہمان ہوں گا مع کرایہ اور طعام۔ ۹ر کی صبح کو چل دوں گا۔ یعنی ۶ر کے بعد مزید اُس کمرے میں قیام کرنا چاہوں گا، اِس لیے اُس کی بُکنگ اگر ۸ر جنوری تک کے لیے ہو تو خوب ہو۔

ہاں صاحب! میں نے گلزارِ نسیم کی ایک جلد رجسٹری سے بھیجی ہے، اُس کی رسید نہیں ملی۔ کیا کتاب اب تک آپ تک نہیں پہنچی؟ تعجب ہے!

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

شاہ جہان پور

۱۶ر اگست ۱۹۹۶ء[۲۵]

مُحبِّ مکرّم!

بہ عافیت شاہ جہان پور پہنچ گیا۔ آپ نے اِس بار جتنی نوازشوں سے گراں بار کیا، اُس کا شکریہ کیا ادا کروں، اُن سب کو میں نے اپنے دل پر لکھ لیا ہے۔

مجوّزہ سمینار میں دو مضمون تو اصولی ہونا چاہیے۔ ایک اِس موضوع پر کہ زبان اور رسم خط کا عالمی سطح پر کیا تعلق ہوتا ہے۔ دوسرا اِس پر کہ خاص کر اردو زبان اور اس کے رسم خط کا باہمی رشتہ لسانی اور سیاسی محرّکات کے تحت کس نوعیت کا ہے۔ ایک مضمون آوازوں کی تعداد پر ہونا چاہیے کہ اردو میں کتنی ہیں اور ناگری رسم خط میں اُن کی تعداد کیا ہے اور کیا یہ ممکن ہے کہ اردو آوازیں ہندی رسمِ خط میں ادا ہو سکیں۔

ایک مفصل مضمون اِس موضوع پر ضرور ہونا چاہیے کہ ناگری پرچارنی سبھا نے ناگری رسم خط میں اصلاح کے لیے جو کمیٹی بنائی تھی اور جس کی سفارشوں کو مان لیا گیا تھا اور اُنھی کے مطابق اردو کی خاص آوازوں کو ہندی رسم خط سے نکال دیا گیا تھا، اُس کی رپورٹ اور اُس پر اظہارِ خیال۔ یہ مصدقہ رپورٹ ہونا چاہیے۔ ناگری پرچارنی سبھا کے دفتر سے اس کی کاپی مل سکتی ہے۔ یہ بنیادی نوعیت کا مضمون ہوگا۔

ایک مضمون مستشرقین کے طرزِ عمل پر ہونا چاہیے۔ اِن میں لغت نویس (خاص کر فیلن، پلیٹس، فاربس، اسٹنگاس) اور مترجم شامل ہونا چاہیے کہ ان لوگوں نے اردو الفاظ کو جب رومن میں لکھا ہے اور جب ہندی میں لکھا ہے، تو کیا طریقۂ کار اختیار کیا ہے۔ پلیٹس وغیرہ نے لغات کے شروع میں اِن کی ٹیبل مرتب کی ہے۔ اُسے سامنے رکھنا چاہیے اور پھر لغات میں اردو کے خاص الفاظ کو جب ناگری خط اور رومن خط میں لکھا ہے، تو کس طرح آوازوں کی باز آفرینی اور حروف کی شناخت کا اہتمام کیا ہے۔

ایک مضمون دکنی اور مراٹھی کی آوازوں کی اردو میں صحیح ادائیگی کے موضوع پر ہونا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فہرست کافی ہے۔ لیجیے آپ کے حکم کی تعمیل ہوگئی۔ ڈاک کے احوال سے ڈرتا ہوں، اِس لیے میری درخواست ہے کہ اِس خط کی ایک سطری رسید سے ضرور نوازیے تاکہ مجھے اطمینان ہوجائے کہ خط آپ تک پہنچ گیا۔ اگر آپ کہیں گے اور اتفاق کریں گے تو آخری عنوان میں اپنے لیے رکھنا پسند کروں گا، مگر آپ کی پسندیدگی کے بعد۔

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

شاہ جہان پور

یکم نومبر ۱۹۹۶ء [۲۶]

مُحبِّ مکرّم!

بہ عافیت پہنچ گیا، آپ نے جس انداز سے، جس خلوص کے ساتھ اور جس سرگرمی کے ساتھ اپنی نوازشوں میں شامل رکھا، اُس کے لیے تہِ دل سے شکرگزار ہوں۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔

میں یہاں آتے ہی سحرالبیان کے کام میں مصروف ہوگیا۔ مثنویاتِ شوق کا بقیہ کام بھی مکمل ہوگیا اور اب یہ کتاب شاید دسمبر کے اواخر میں یا پھر جنوری میں چھپ سکے گی۔ آپ کے پاس پہنچے گی۔ لندن سے بھائی صاحب کے خط کا انتظار ہے۔

انڈیا آفس لندن سے خط آیا ہے کہ وہاں ۱۸۹۹ء کا اڈیشن ہے۔ کیا یہی پہلا اڈیشن ہے؟ اِس کو اب معلوم کرنا ہے۔ اگر یہی پہلا اڈیشن ہے تو پھر صورتِ حال بدل جائے گی اور اُس صورت میں حالی سمینار کو اوّلیت حاصل رہے گی، کیوں کہ یہ معلوم ہے کہ مقدمۂ شعر وشاعری ۱۸۹۳ء میں چھپا تھا، یوں تنقید کے سو سال پر بھی سمینار ہو سکے گا اور یہ بھی بہت اہم ہوگا۔ آپ کے پاس ایک خاتون کا تحقیقی مقالہ (مطبوعہ) (امراو جان ادا پر) ضرور ہوگا، جن کا نام مجھے یاد نہیں، بس یہ یاد ہے کہ نام کے آگے ''انصاری'' آتا ہے۔ شاید علی گڑھ کی طالبہ تھیں۔ اگر ہو تو ذرا دیکھیے کہ اُس میں امراو جان کی اشاعتِ اوّل کے لیے کیا لکھا ہے، اِس کا ذکر آپ ہی نے کیا تھا۔ میں بھی سرگرمِ تلاش ہوں۔

ہندی اردو رسمِ خط والا سمینار سب سے پہلے ہونا چاہیے۔ کہ یہ مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔

ہاں صاحب! امراو جان کے پہلے اڈیشن کا آپ بھی ذرا خیال رکھیے گا، شاید کہیں مل جائے۔ کتب خانۂ جامع مسجد کو بھی دیکھنا تھا، مگر میں نہیں دیکھ پایا۔ قدیم اڈیشن مل جائے تو بڑا کام ہو۔ اُسے بھی مرتب کرنا ہے مع مفصل حواشی۔

میمونہ صاحبہ کی خدمت میں آداب۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۷)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

۱۶۷-بازوزئی-دوم

شاہ جہان پور

۲۷ردسمبر۱۹۹۶ء ۲۷

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا خط مجھے کل ملا، جب غالب سمینار سے واپسی ہوئی۔ خیال تھا کہ وہاں آپ سے ملاقات ہوگی، مگر کسی وجہ سے آپ نہیں آئے۔

ارے صاحب! آپ سے متعلق گوشے میں شامل ہونا میرے لیے سچی مسرّت کا باعث ہوگا۔ میں لازماً شرکت کروں گا، یوں کہ میں آپ کی خدمات کا سچّے دل سے قائل ہوں۔ آپ کو خیال ہوگا کہ غالب نامہ میں میں نے آپ کی ایک کتاب پر تبصرہ کیا تھا اور اُس میں آپ کی خدمات کا بھی ضمنی طور پر ذکر آ گیا تھا، میں چاہتا ہوں کہ اسی میں مناسب طور پر اضافہ کر کے آپ کے پاس بھیج دوں۔ اب چوں کہ میں یہاں ہوں، اس لیے اُس شمارے کو نہیں پا سکتا، آپ کے پاس ضرور ہوگا۔ اگر ہو تو اس ٹکڑے کا عکس بھیج دیجیے، اِس طرح کام فوری طور پر ہو جائے گا۔ بالفرض نہ ہو، تو لکھیے، پھر میں ازسرِ نو لکھوں گا۔ لکھوں گا ضرور۔ سیمنار کا کیا ہوا۔ میں شاید فروری کے دوسرے ہفتے میں اُدھر آؤں، ابھی صرف خیال ہے۔ آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

(۲۸)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

شاہ جہان پور

۱۳ر جنوری ۱۹۹۷ء [۲۸]

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا خط ملا تھا اور میں نے فوری طور پر جواب لکھ دیا تھا، جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ غالب نامہ کا وہ شمارہ اگر آپ کے پاس ہو جس میں میں نے آپ کی ایک کتاب پر تبصرہ کیا تھا، تو اُس حصے کو میرے پاس بھیج دیجیے، میں اُس میں مناسب اضافہ کر کے اُسے مضمون کی شکل میں بنا دوں گا۔ اُس خط کا جواب اب تک نہیں ملا۔ از راہِ لطف اپنی خیریت سے مطلع کیجیے اور اِس سے بھی معنی تبسم صاحب اُس شمارے کو، جو آپ سے منسوب تھا، کب مرتب کریں گے۔ میں اُس میں شرکت ضرور کرنا چاہتا ہوں۔ اگر غالب نامے والا حصہ نہ ملا، تو ازسرِ نو لکھوں گا۔ میمونہ صاحبہ سے میرا سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: پروفیسر عبدالستار دلوی

۱۶۷-بازوزئی-دوم

شاہ جہان پور-۲۴۲۰۰۱

۱۶/ستمبر ۱۹۹۷ء [۲۹]

مُحبِّ مکرّم!

بہ عافیت شاہ جہان پور پہنچ گیا۔ حسبِ سابق اور حسبِ معمول اب کے بھی آپ کے التفاتِ خاص کا مستحق ٹھہرا۔ اِس لطفِ خاص کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور اپنے کاموں میں مصروف۔ میمونہ صاحبہ سے میرا سلام کہیے۔ اپنی خیریت سے اور تازہ صورتِ حال سے مطلع کرتے رہیے تاکہ حالات کا علم ہوتا رہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بغیر لفافے کے ہے۔

۲ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط Urdu Research Congress 3rd, January 22-24, 1989 کے لیٹر پیڈ پر ہے۔ لگتا ہے خاں صاحب نے اس میں شرکت کی ہے۔

۳ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاں صاحب ۱۴/مئی کو اسپتال سے ہوسٹل واپس آئے ہیں۔ وہ بغرضِ علاج اسپتال میں داخل تھے۔ ۱۸/مئی کو شاہ جہان پور جائیں گے۔ لفافے کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۱۶/مئی ۱۹۹۱ء کی ہے اور باندرہ کی مہر بھی ۱۶/مئی ۱۹۹۱ء کی ہے۔ اِس کا مطلب ہوا کہ خط اُسی دن بمبئی پہنچ گیا۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی کا پتا یوں درج ہے:

Dr. A. Dalvi
3-Al-Hilal
13-Bandra Reclamination
Bombay-400050

۴ خط کے اوپر خاں صاحب کے مکمل پتے (دہلی) کی مہر ثبت ہے۔ شاہ جہان پور سے حال ہی میں لوٹے ہیں، لکھنے پڑھنے کا کام بند ہے۔ باغ و بہار کے مقدمے کے ۲۰، ۳۰ صفحات لکھنے باقی ہیں۔ دہلی کے ڈاک خانے کی مہر ۸/جولائی ۱۹۹۱ء کی ہے اور بمبئی باندرہ کی ۱۰/جولائی

۱۹۹۱ء کی، کیوں کہ یہ خط دلوی صاحب کے گھر کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔

۵ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں ہے۔ خط لفافے میں ملفوف ہے۔ لفافے کی پُشت پر خاں صاحب کے دہلی یونی ورسٹی والے پتے کی مکمّل مہر ثبت ہے۔ ودیا نگری بمبئی کے ڈاک خانے کی مہر (۳؍اگست ۱۹۹۱ء کی ہے۔ باقی دو دُھندلی ہیں۔ اس خط میں خاں صاحب کا بمبئی علاج کی غرض سے جانا اور دلوی صاحب سے ملاقات کے نہ ہونے کا ذکر ہے۔ باغ و بہار کا کام رُکا ہوا ہے۔ پتا:

Prof. A. Dalvi
Head Department of Urdu
University of Bombay
Vidya Nagari
Bombay-400098

۶ مقام کی مہر ثبت ہے اور تاریخ بھی اوپر درج ہے۔ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ اس میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ باغ و بہار مکمّل کر کے انجمن ترقی اردو (ہند) کے حوالے کر دی گئی ہے۔ ڈاک خانہ باندرہ بمبئی کی مہر ۱۹؍اکتوبر ۱۹۹۱ء کی ہے۔

۷ یہ خط غالب نامہ کے لیٹر پیڈ پر ہے، جس میں مدیران کے ناموں میں رشید حسن خاں صاحب کا نام پہلا ہے، دوسرا پروفیسر عبدالودود اظہر اور تیسرا شاہد ماہلی صاحب کا ہے۔ مدیر اعلا پروفیسر نذیر احمد ہیں۔ اس میں خاں صاحب کا ۱۹؍کو کراچی نیاز سمینار میں شمولیت کے لیے جانے کا ذکر ہے۔ خط کی پُشت پر خاں صاحب کا دہلی یونی ورسٹی کا مکمّل پتا مہر کی صورت میں ثبت ہے۔ باندرہ بمبئی کے ڈاک خانے کی مہر ۲؍اکتوبر ۱۹۹۱ء کی صاف نظر آتی ہے۔ دوسری دُھندلی ہے۔

۸ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۷ ۱۱۰۰۰ سے لکھا گیا ہے۔

۹ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر لکھا ہوا لفافے میں ملفوف ہے۔ آج شام کو خاں صاحب کراچی نیاز سمینار میں شامل ہونے جا رہے ہیں۔ خط کی پُشت پر خاں صاحب کے پتے کی مہر ثبت ہے۔ باندرہ بمبئی کے ڈاک خانے کی مہر کی تاریخ ٹھیک سے نہیں پڑھی جاتی۔

۱۰ یہ خط بغیر لفافے کے ملا، لیکن متن سے ثابت ہوتا ہے کہ دہلی سے لکھا گیا۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۱ مقام کی جگہ صرف گائر ہال لکھا ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ میں نے پتا مکمّل لکھ دیا ہے۔ یہ خط ادارہ فروغ اردو، ایبک روڈ، انار کلی، لاہور، فون نمبر ۵۳۵۲۵۱ ۶۴۸۹۸ کے لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا

ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سنہ ۱۹۹۱ء میں خاں صاحب ایوارڈ لینے لاہور گئے تھے تو وہاں کے منتظمین نے ایک لیٹر پیڈ تحفے کے طور پر دیا ہوگا۔ یہ خط لفافے میں ملفوف ہے۔ لفافے کی پُشت پر ایک مہر بمبئی کی ہے لیکن تاریخ مگنی فائی گلاس کی مدد سے بھی صاف نہیں پڑھی گئی۔ دوسری زیادہ دُھندلی ہے۔

۱۲ مقام و تاریخ خط کے اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی پُشت پر خاں صاحب کا مکمل پتا مہر کی صورت میں ثبت ہے۔ بمبئی کے ڈاک خانے کی مہر کی تاریخ صاف نظر نہیں آتی۔ خاں صاحب نے دلوی صاحب کو مشورہ دیا ہے کہ ایم.فل کے کورس سے اردو کیسے لکھیں نکال کر ادبی تحقیق شامل کر دیں۔

۱۳ ▯غالب نامہ کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔ اوپر کی جگہ خاں صاحب کی مہر ثبت ہے اور تاریخ بھی لکھی ہے

۱۴ خط سادہ کاغذ پر ہے۔ اوپر صرف گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی لکھا ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۵ خط اِن لینڈ لیٹر ہے۔ پُشت پر دلوی صاحب اور خاں صاحب کے مکمل پتے درج ہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۶ مقام اوپر درج نہیں ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں پروفیسر عبدالستار دلوی کا مصر جانے اور وہاں اردو شعبہ قائم کرنے کا ذکر موجود ہے۔ خط پر بمبئی کی ودیانگری کے ڈاک خانے کی مہر اگست ۱۹۹۴ء کی ثبت ہے۔ تاریخ کٹ چکی ہے۔

۱۷ خط ایروگرام لیٹر پر لکھا گیا ہے۔ خاں صاحب کا دہلی یونی ورسٹی کا پتا ہے اور دلوی صاحب کا Dr. Abdussattar M. I. Dalvi Professor of Urdu, Department of Islamic Languages, Faculty Arts Ain Shams University, CAIRRO (Egypt) لکھا ہے۔

۱۸ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ پہلا خط ہے جو خاں صاحب نے پروفیسر عبدالستار دلوی کو ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک لینگوج فیکلٹی آف آرٹس اَن شمس یونی ورسٹی، کیسرو، مصر کے پتے پر لکھا گیا ہے۔ خط پر ڈاک خانے کی مہریں دُھندلی ہیں۔

۱۹ خط کے اوپر مقام نہیں تاریخ درج ہے۔ خط کی پُشت پر دہلی یونی ورسٹی کا مکمل پتا درج ہے۔ اس خط پر دہلی ڈاک خانے کی ایک مہر ۲/جون ۱۹۹۵ء کی ہے۔ اس خط پر قریب دس مہریں ثبت ہیں جن میں سے کیرو کی دو ۱۳/جون ۱۹۹۵ء کی ہیں اور ایک AIN SHMS یونی ورسٹی مصر کی ہے۔ باقی کی دھندلی ہیں۔ یہ خط Department of Islamic Languages, Faculty of Art, AIN SHMS University, CAIRO (Egypt) کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۲۰ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ اس میں گلزارِ نسیم کے چھپ کے آنے کا ذکر ہے۔ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں مگر دہلی اور ممبئی کی مہریں دُھندلی ہیں۔

۲۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اس میں ۱۶، ۱۷ر دسمبر کو لاہور جانے کا ذکر ہے۔ یہ خط بغیر لفافے کے ہے۔

۲۲ مقام اوپر اور تاریخ اوپر نیچے دونوں جگہ درج ہے۔ یہ خط لفافے میں ملفوف ہے اور اس کے دونوں طرف دونوں حضرات کے مکمل پتے درج ہیں۔ لفافے پر ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں۔ ایک دھندلی ہے۔ ممبئی کی مہر ۲ر دسمبر ۱۹۹۵ء کی ہے۔ اس خط میں اس بات کا ذکر ہے کہ لاہور میں محمد طفیل ایوارڈ ۱۹۹۱ء کا احمد ندیم قاسمی کو اور ۱۹۹۲ء کا رشید حسن خاں صاحب کو دیا گیا ہے۔

۲۳ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔ اس خط میں رشید حسن خاں صاحب کا ممبئی یونی ورسٹی کے اردو شعبے کا مہمان ہونے، گلزارِ نسیم کے بھجوانے، لاہور کے سفر کے ملتوی ہونے اور پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کے استامبول سے خط لکھنے کا ذکر ہے۔ اس خط پر ممبئی ڈاک خانے کی مہر ۷ر دسمبر ۱۹۹۵ء کی ثبت ہے۔

۲۴ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط کے لفافے پر ودیا نگری ممبئی کے ڈاک خانے کی مہر ۱۵ر دسمبر ۱۹۹۵ء کی صاف نظر آتی ہے۔ دوسری مہر بھی ایسی ہی ہے۔ خاں صاحب نے جاں نثار اختر سمینار میں حصہ لینے کی ہامی بھر لی ہے۔

۲۵ یہ خط اِن لینڈ لیٹر ہے، شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۶ یہ بھی اِن لینڈ لیٹر ہے، یہ بھی شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲۷ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ شاہ جہان پور ڈاک خانے کی مہر ۲۸ر دسمبر ۱۹۹۶ء کی ہے، جب کہ ممبئی کے ڈاک خانے ودیا نگری کی مہر ۳۱ر جنوری ۱۹۹۷ء کی ہے۔

۲۸ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے، شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲۹ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط پر دو مہریں ثبت ہیں۔ ایک شاہ جہان پور کی ہے، مگر تاریخ نہیں پڑھی جاتی، دوسری دُھندلی ہے۔

○○○

بہ نام: عبدالودود، قاضی

(۱)

شاہ جہان پور
۱۵؍مئی ۱۹۶۲ء[1]

محترمی! کل شام کو خط موصول ہوا، میں نے متعلقہ کاغذات کو بذریعہ رجسٹرڈ پارسل کئی دن پہلے روانہ کر دیا تھا۔ غالباً اب وہ پارسل مل گیا ہوگا۔ ایک ضروری بات میں اپنے خط میں لکھنا بھول گیا تھا۔ قاطع برہان کے مسودے میں کتنے صفحے بھجوائے۔ ایک صفحہ ۸۵......... اور جس کا نمبر اس وقت مجھے یاد نہیں ہے۔ میں نے ایک کاغذ پر اس کو لکھ لیا تھا،....اس وقت نہیں .... یہ دو صفحے چوں کہ میرے سامنے نہیں تھے، اس لیے میں .... عبارت کو نہیں دیکھ سکا۔ چوں کہ آپ کل صفحات کو دیکھیں گے ہی، اس لیے یہ .... اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

یہ پڑھ کر بے حد دکھ ہوا کہ ادارۂ تحقیقات .... اور یہ کہ آیندہ اس کے نیم سرکاری بننے کے امکانات ہیں، یہ سب دراصل میرے ہی سعی و کاوش کا نتیجہ ہیں، اس زمانے میں درباداری .... دربار کے علاوہ..... کرنا ایسی کامیابی حاصل کرنا، معجزہ نہیں، تو کرامت ضرور ہے۔

غالباً مزاج گرامی بہ خیر ہوگا۔

نیاز مند رشید حسن خاں

(۲)

بہ نام: عبدالودود، قاضی

رضا لائبریری، رام پور
۱۵؍اکتوبر ۱۹۶۲ء[2]

محترمی! سلام نیاز

میں دسہرے کی تعطیل میں شاہ جہان پور گیا تو وہاں آپ کا گرمی نامہ ملا، میں نے غالباً آپ کو یہ نہیں لکھا تھا کہ میری رخصت میں مزید ۶ ماہ کی توسیع منظور ہوگئی ہے۔ اِس لیے میں دسمبر ۱۹۶۲ء تک کے لیے پھر دہلی پہنچ گیا ہوں اور آج کل یونی ورسٹی کے کام کے سلسلے میں رام پور آیا ہوا ہوں۔ میں غالباً اس ماہ کے آخر تک رام پور میں رہوں گا۔

علی حیدر صاحب کا خط مورخہ ۳۰ رستمبر ملا تھا، آج ہی انھیں بھی جواب لکھا ہے۔

معاصر اور معیار کے قدیم شمارے ہنوز مجھے نہیں ملے ہیں، نہ اِس کا کوئی نیا شمارہ ہنوز ملا ہے۔

میرا مستقل پتا وہی ''1/B لکھنؤ روڈ، دہلی 6'' ہے۔ آپ دہلی کب تک تشریف لائیں گے؟

میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مطلع کیجیے۔

خادم رشید حسن خاں

(۳)

بہ نام: عبدالودود، قاضی

علی گڑھ

۲۴ ر دسمبر ۱۹۶۲ء

جناب قاضی صاحب قبلہ آداب عرض

ایک ہفتے سے پلنگ پر پڑا ہوں۔ ٹانگ میں شدید چوٹ آگئی ہے۔ یہ خط پلنگ ہی سے لکھ رہا ہوں۔

اس وقت ان حضرات کی تفصیلی فہرست تو بھیجنے سے رہا جن کو میں نے تحقیق کے رسالے دیے تھے یا بھیجے تھے۔ حافظے سے لکھ رہا ہوں:

۱- عابدی صاحب نے غالباً پچیس لیے تھے
۲- مختارالدین نے غالباً دس لیے تھے
۳- ڈاکٹر نذیر احمد نے شاید پندرہ لیے تھے
۴- سروری صاحب کو پانچ بھیجے تھے
۵- شمیم احمد صاحب جعفر پور کو دس بھیجے تھے
۶- جاوید اقبال صاحب کو پانچ گئے تھے۔
۷- خلیق انجم نے پانچ لیے تھے

۸- جن لوگوں کو ایک دیے گئے تھے، ان کے نام درج ذیل ہیں:

نثار فاروق، قمر رئیس، رشید حسن خاں، جگن ناتھ آزاد، صدیق الرحمٰن قدوائی اور کوئی نام یاد نہیں آرہا ہے۔ سب کی کاپی اس رجسٹر میں جو دفتر میں ہے، اس میں شاید درج ہے۔ جو..... دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ خط میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۴)

بہ نام: عبدالودود، قاضی

40- جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی 6

۲۰ رجنوری ۱۹۶۳ء

محترمی! سلام نیاز

میں کہ اتوار کو جامعہ گیا تھا۔ تاباں صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تیار شدہ کاپیاں پریس کو آج بھیج دی جائیں گی۔ پندرہ یا بیس دن کے اندر پروف آجائیں گے۔ اب حسبِ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) پروف کیا آپ کے پاس بھیجے جائیں گے؟ یا یہیں دیکھے جائیں گے؟

(۲) تاباں صاحب نے کہا ہے کہ شروعِ کتاب میں ایک صفحے پر ناشر و طابع کا نام، پریس کا نام، سنہ اشاعت اور تعدادِ اشاعت، درج ہونا چاہیے، یہ قانوناً لازمی ہے۔ اسی صفحے پر قیمتِ کتاب بھی عموماً درج کی جاتی ہے۔ اب آپ مطلع فرمایئے کہ اس کی کیا صورت ہوگی؟ ویسے یہ صفحہ آخر کتاب میں بھی ہوسکتا ہے لیکن بدنما معلوم ہوگا۔

(۳) یہ بھی کہا ہے کہ آپ کا مقدمہ یا ۴ صفحے کا ہو یا ۸ صفحے کا یا ۱۶ صفحے کا، تاکہ جز بندی ہوسکے، جتنے صفحے کا بھی مقدمہ ہو، ان میں وہ صفحہ بھی شامل ہونا چاہیے، جس پر مندرجۂ بالا تفصیلات درج کی جائیں گی۔

(۴) تاباں صاحب نے ایک صورت یہ تجویز کی ہے کہ مقدمے کے علاوہ اور اس سے پہلے دو صفحے مزید شروعِ کتاب میں شامل کیے جائیں۔ ایک صفحے پر ان سب رسائل کا نام

ہو، جو اس جلد میں ہوں گے، اور اس کی پشت پر پریس وغیرہ کی مندرجۂ بالا تفصیلات۔ بہر حال جس طرح آپ پسند کریں۔

(۵) یہاں صرف قاطع برہان، لطائف غیبی، اور سوالات عبدالکریم کے سرورق موجود ہیں۔ جن کی کتابت کی جا چکی ہے۔ آپ کی ہدایت کے بموجب یہ اسی لفاف میں مرسل ہیں۔ براہِ کرم بقیہ دو رسائل، یعنی تیغ تیز اور نامۂ غالب کے سرورق کی عبارتوں کو جلد روانہ فرمائیے۔ تیغ تیز اور نامۂ غالب کے مطبوعہ نسخوں کے سرورق کے فوٹو یہاں موجود ہیں۔

یہاں ص ۲۰۸ تک کاپیاں تھیں، جو آج پریس پہنچ جائیں گی۔ اب آپ بقیہ کاپیاں ارسال فرماءیے۔ اور جیسا کہ میں نے اس سے قبل اپنے عریضے میں لکھا تھا، جس قدر کاپایاں مکمل ہوتی جائیں، ارسال فرماتے جائیے۔ آپ کے مفصل جواب کا منتظر رہوں گا۔ یہ خط احتیاطاً انڈر پوسٹل سرٹی فکٹ بھیج رہا ہوں۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

(۵)

بہ نام: عبدالودود، قاضی
40- جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی 6
۶/جون ۱۹۶۳ء ۵

محترمی!

آپ کا خط آج ملا۔ میں اِدھر کچھ تو چھٹی پر رہا، کچھ جائے قیام بدلنے کی پریشانی میں، بعض مجبوریوں کی بنا پر پُرانا مکان چھوڑنا پڑا، اور جبلی ہال میں آنا پڑا۔ اسی لیے جواب میں تاخیر ہوئی، نیز خط لکھنے میں۔ مجھے آپ کا پارسل مل گیا تھا۔ کاپیاں تصحیح کے بعد، تاباں صاحب کو دے دی گئیں۔ آپ کی لکھی ہوئی جملہ ہدایات کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا لیکن کاتب صاحب ابھی آخری ۴ کاپیوں کی تصحیح نہیں کر سکے ہیں، وہ مکتبے کے ایک اور ضروری کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ کل میں جامعہ گیا تھا، معلوم ہوا کہ وہ آج سے تصحیح شروع کریں

گے۔ جن کاپیوں کی تصحیح وہ کر چکے ہیں، ان کو میں نے دیکھ کر، دوبارہ تصحیح کے لیے واپس کر دیا تھا۔ بہر حال ۱۵/۱۶ر جون تک آپ کی بھیجی ہوئی جملہ کاپیاں بہر طور مکمل ہو جائیں گی۔

اب آپ باقی کاپیاں بھی بھیج دیجیے۔ اب ان شاء اللہ خط اور جوابِ خط میں تاخیر نہیں ہوگی۔

تحقیق کا مسودہ اور کاپیاں میرے پاس ہیں۔ جناب نثار احمد فاروقی امروہے گئے ہوئے ہیں، وہ عید کے بعد ہی چلے گئے تھے اور ابھی تک نہیں آئے ہیں۔ میں نے ایک صاحب سے کہہ رکھا ہے، جس دن اُن کے آنے کی اطلاع ملی، اُسی دن وہ کاپیاں اُن کو پہنچا دوں گا۔ میرا نیا پتا اوپر درج ہے، اب آپ اسی پر خط لکھیے اور پارسل بھیجیے۔ میں منتظر ہوں۔

کاتب صاحب نے آپ کے نشان زدہ عبارتوں کو پھر سے لکھا ہے اور اب اُن مقامات پر وہ خرابی نہیں رہی ہے۔

رشید حسن خاں

(۶)

بہ نام: عبدالودود، قاضی

40-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی 6

۲۲ر مئی ۱۹۶۴ءِ

محترمی!

میں تقریباً ایک ماہ کے بعد پرسوں واپس آیا ہوں۔ کل جامعہ گیا تھا، معلوم ہوا کہ کاپیاں آپ کے پہنچ گئی ہیں۔ اب جب آپ انھیں واپس کریں گے، تو میں یہیں دیکھ لوں گا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا، پہلی قسط اس مجوزہ مجموعے کے مضامین کی ارسال فرمایئے تاکہ آپ کی ہدایتوں کے مطابق کام کا آغاز کر دیا جائے۔ خواجہ صاحب آج کل حیدرآباد میں ہیں۔ مالک رام صاحب آچکے ہیں۔ آج ہی ۵ بجے جگن ناتھ آزاد کے یہاں ان کے اعزاز میں ایک پارٹی ہے۔ ملاقات ہوگی۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۷)

بہ نام: عبدالودود، قاضی
40-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی 6
۲۴؍جون ۱۹۶۴ء ؁

محترمی! سلام نیاز

میں معذرت طلب ہوں کہ اسٹیشن پر حاضر نہیں ہوسکا، کچھ اس طرح اور اسی قدر دور الجھ گیا کہ آتے آتے گیارہ بج گئے۔ بس مل ہی نہیں سکی۔

اب آپ پہلی فرصت میں گلستانِ سخن اور اس کا تبصرہ ارسال فرمایئے۔ چشم براہ ہوں۔

آپ کے عطا کیے ہوئے آم نہایت بامزہ تھے، خدا کرے پھر ایسا کوئی موقع آئے۔

ایک اور بات عرض کرنا چاہتا ہوں، خواجہ صاحب ۱۸؍جولائی کو حیدرآباد سے آئیں گے۔ پھر ایک دو ہفتے اُن سے نپٹنے میں لگیں گے۔ اس لیے آپ ابھی اُس تبصرے کو ذرا اور روک لیجیے۔ اصل میں اب کے یار لوگوں نے بعض وجوہ سے اس بات کو بہت ہوا دی ہے کہ اس کام کو میں نے دانستہ ٹھیک نہیں کیا، حالاں کہ یہ غلط محض ہے۔ جس انداز سے یہ کام ہوا اس کا تقاضی ہی یہ تھا کہ یہ اسی طرح ہو۔ بہرحال، اب وہ لوگ اس سے کچھ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، میرا ہاتھ ابھی پتھر تلے ہے۔ اس لیے مجبور ہوں اور مکلّف۔

نیازمند
رشید حسن خاں

(۸)

بہ نام: عبدالودود، قاضی
40-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی 6
۲۵؍جولائی ۱۹۶۴ء ؁

محترمی!

میں نے تلاش کرکے، قدیم دلّی کالج نمبر حاصل کرلیا ہے۔ اب آپ گلستانِ سخن

ارسال فرمایئے، تاکہ آغازِ کار ہو سکے۔ چشم براہ ہوں۔ کریم الدین کے تذکرے کی تلاش جاری ہے، جس وقت ملا، فوراً مطلع کروں گا۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۹)

بہ نام: عبدالودود، قاضی

182- جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی 6

۱۱/اگست ۱۹۶۴ء[9]

محترمی!

اس سال ہوسٹل میں میرا کمرہ بدل گیا ہے۔ پہلے میں 40 میں تھا۔ اب 182 میں منتقل ہو گیا ہوں، اطلاعاً عرض ہے۔

گلستانِ سخن اور معاصر ۱۹ کا منتظر ہوں۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۱۰)

بہ نام: عبدالودود، قاضی

182- جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی 6

۱۷/اگست ۱۹۶۴ء[10]

اس سے قبل دو خط لکھ چکا ہوں۔ اخبار سے معلوم ہوا کہ صدر جمہوریۂ ہند نے اس سال جن اصحاب کو سندِ امتیاز عطا کی ہے، ان میں آپ کا نام بھی ہے۔ تعجب آمیز مسرّت ہوئی۔ اس دورِ بے امتیازی میں یہ کارِ معقول ہو گیا! اس اعزاز سے درحقیقت خود اس اعزاز کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے، اور اب اس کے بعد جس کسی کو یہ اعزاز ملے گا، اُس کے لیے یہ بہ طورِ خاص قابلِ ذکر بات ہوگی کہ یہ وہی اعزاز ہے جو اس سے پہلے قاضی عبدالودود صاحب کو مل

چکا ہے۔ میں نہایت خلوص کے ساتھ ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

(۱۱)

بہ نام: عبدالودود، قاضی

F 3/4, Model Town
Delhi-9

۲۲/اکتوبر۱۹۷۳ء [۱۱]

محترم بندہ، آداب

میں نے ۹/اکتوبر کو ایک عریضہ لکھا تھا، جس کے جواب سے اب تک محروم ہوں۔ یہ خیال کرکے کہ شاید وہ خط آپ تک نہیں پہنچ سکا ہوگا اُس خط کے مطالب کی تکرار کرتا ہوں۔ آپ کی شفقت سے متوقع ہوں کہ جواب سے سرفراز کیا جاؤں۔

میری فرمائش پر، گوپال متل صاحب نے یہ طے کیا ہے کہ رسالۂ تحریک کا ایک خاص نمبر آپ سے متعلق شائع کیا جائے۔ متل صاحب نے ازراہِ لطف ترتیب کی ذمّے داری مجھ سے متعلق کی ہے۔ مجھے آپ کی خدمت میں نیاز مندی کا شرف حاصل ہے۔ جی تو یہ چاہتا تھا کہ کوئی اس سے بھی اچھا کام انجام دیتا، مگر نارسائی سے مجبور ہوں۔ آپ سے یہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اِس سلسلے میں مجھے آپ کی مدد اور آپ کے مشوروں کی ضرورت ہے۔ آپ کی شفقت کے بغیر، میں اس کام کو انجام نہیں دے سکوں گا۔

آپ نے ایک بار مجھ سے فرمایا تھا کہ پٹنے میں کوئی صاحب آپ کے جملہ مطبوعہ مضامین کا اشاریہ تیار کر رہے ہیں۔ یہ بے حد اہم چیز ہے۔ ملتمس ہوں کہ یہ اشاریہ اِس نمبر میں ضرور شامل ہو۔ اِس کا حصول آپ ہی کے واسطے سے ممکن ہے۔

یہ بھی التماس ہے کہ آپ اپنے سوانح سے متعلق ایک مضمون ضرور تحریر فرمائیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ درخواست بھی قبولیت کا شرف حاصل کرے گی۔ اِس مضمون میں، حالات کے علاوہ، یہ بھی ہے کہ آپ کو ....اور یہ کہ آپ کا نقطۂ نظر اِس سلسلے میں (آداب، معیار اور مقصود کے لحاظ سے) کیا ہے۔

ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اور چیزوں کے علاوہ، اِس خاص نمبر میں آپ کے چار مطبوعہ تبصرے اور تین چار مطبوعہ مضامین بھی شامل کیے جائیں۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ اِس سلسلے میں آپ میری رہ نمائی فرمائیں کہ کون سے تبصرے یا مضامین زیادہ مناسب ہوں گے۔

متّل صاحب کا خط بھی آپ تک پہنچا ہوگا، میں آپ کے جواب کے لیے چشم براہ ہوں۔

نیازمند
رشید حسن خاں

(۱۲)

بہ نام: عبدالودود، قاضی

T.C. 4, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-7

۱۰/اپریل ۱۹۷۸ء

مخدوم بندہ، آداب

آپ کا گرامی نامہ محبّ مخمور سعیدی صاحب نے سنیچر کی شام کو مجھے دیا تھا۔ کل اتوار تھا۔ آج پیر کے دن یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ مطلوبہ معلومات کے سلسلے میں اُس مضمون کا ابتدائی حصّہ اِسی لفافے میں بھیج رہا ہوں، تاکہ آپ بہ چشمِ خود اُسے دیکھ سکیں۔ پتا اور نام بھی اُسی میں مل جائے گا۔

ڈاکٹر محمد اسلم سے میں واقف نہیں۔ اُن کی کتاب بھی میں نے نہیں دیکھی۔

ترقّی اردو بورڈ نے اپنے لُغت کا کچھ حصّہ بہ طورِ نمونہ شائع کیا ہے۔ وہ کتابچہ بھی آپ کے ملاحظے کے لیے بھیج رہا ہوں، اس خیال سے کہ شاید اُن لوگوں نے نہ بھیجا ہو۔ کل شام کو شہباز حسین صاحب کے گھر پر ایک جلسے میں، جس میں بورڈ کے ایک ذمّے دار فرد بھی موجود تھے، میں نے اس پر زبانی اظہارِ رائے کیا تھا۔ میرا کہنا یہ تھا کہ یہ مجرمانہ کام ہے اور آج تک اِس قدر جہالت مآبی کے ساتھ ایسا کوئی کام شاید نہیں کیا گیا ہوگا۔ اور کچھ تو کر نہیں سکتا، البتّہ اس پر تبصرہ ضرور لکھوں گا۔ تبصرے کی فرمایش متعلّقین ہی نے کی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر اِسی طرح یہ لُغت مرتّب ہوا اور شائع ہوا تو یہ سب سے بڑا جرم ہوگا ادبی دنیا میں۔ ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ مرتبین نے احساسِ ذمہ داری سے قطعِ تعلق کرلیا ہے اور بے ضمیری کو رہ نما بنالیا ہے۔

میری درخواست یہ ہے کہ اِس سلسلے میں چند سطریں آپ بھی لکھ دیں، خواہ وہ تحریر، خط کی صورت میں ہو۔ شاید آپ کی تحریر کا اثر ہو، اگرچہ یہ سب ہیں عادی مجرم۔ بہ ہر حال، ایک طرح سے ادائے فرض کا مسئلہ ہے۔ میں ۱۲/اپریل کو شاہ جہان پور جاؤں گا اور وہاں سے ۲۴/اپریل کو واپس آؤں گا اور اُس وقت اِس حصہٗ لُغت پر تبصرہ کروں گا۔ دعاؤں کا طالب ہوں۔

خدا کرے مزاج گرامی اب پہلے سے بہتر ہو۔ توقع ہے کہ خیریتِ مزاج سے مطلع کیا جاتا رہوں گا۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۱۳)

بہ نام: عبدالودود، قاضی

بہ نام عبدالودود، قاضی

T.C. 4, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-7

۱۹/جون ۱۹۷۸ء ۱۳

مخدومِ بندہ! نیاز مندانہ آداب بجالاتا ہوں۔

گرامی نامہ مورخہٗ ۷/جون یہاں ۱۱/جون کو پہنچا۔ اِس سے پہلے ایک اور مکرمت نامہ مل چکا تھا۔ اُس خط میں بہ ظاہر کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ فوری طور پر جواب طلب ہوں، اِس لیے میں نے اُس کا جواب نہیں لکھا تھا۔ یقیناً یہ میری کوتاہی تھی اور اِس پر معذرت طلب ہوں۔ اِس دوسرے خط کا جواب بھی بروقت نہیں لکھ سکا، لیکن اِس بار یہ صورت ہوئی کہ میری آنکھوں میں کچھ تکلیف ہوگئی تھی، تقریباً دس دن ایک طرح سے بے کار سا رہا، چلتا پھرتا تھا، لیکن لکھنا پڑھنا بند تھا۔ توقع کرتا ہوں کہ اِس تاخیر کے لیے میری معذرت قبول کرلی جائے گی۔

تاریخ ادبِ اردو کا تبصرہ جناب باقر مہدی اپنے رسالے اظہار کے لیے لے گئے تھے۔ دو تین مہینے ہو گئے۔ اب وہ برابر یہی لکھتے ہیں کہ بس اب آیا اور اب آیا۔ تازہ اطلاع یہ دی ہے کہ جولائی کے پہلے ہفتے میں ضرور آجائے گا۔ تصنیف و تالیف پر تبصرہ ضرور لکھوں گا۔ لیکن یہاں موسم بے حد ناخوشگوار ہے، میں جولائی کے پہلے ہفتے میں شاہ جہان پور جانا چاہتا ہوں ایک ماہ کے لیے، واپسی پر وہ تبصرہ لکھوں گا۔ آپ کی ہر تحریر میرے لیے باعثِ عزت افزائی ہوتی ہے اور میں اُس سے کچھ نہ کچھ ضرور سیکھتا ہوں۔ میں آپ کی تحریر کو کسی اور روشنی میں دیکھوں گا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ پچھلے خط کی بھی یہی صورت ہے۔ آپ میری نیازمندی کی طرف سے مطمئن رہیے، اِس طرح کی غلط فہمی کی مطلق گنجایش نہیں۔ میں نے پہلے خط کا وہی مفہوم سمجھا تھا، جس کی صراحت آپ نے اِس آخری خط میں بھی کی ہے۔ میری نیازمندی اِس طرح کی غلط فہمیوں سے بری رہی ہے اور رہے گی۔

کل اتوار کو تاباں صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ اُن کا کہنا یہ ہے کہ آپ کا ایک خط اُن کے نام اُس زمانے میں آیا تھا، جب وہ پاکستان گئے ہوئے تھے، ایک ماہ کے لیے، واپسی پر جب اُن کو خط ملا، تو انھوں نے اُس کا جواب لکھا، لیکن غالباً پتا غلط ہو گیا۔ وہ ''پٹنہ ۹'' لکھ گئے تھے اُس کے بعد اُنھوں نے مجھ سے پتا مانگا اور ''پٹنہ ۴'' کے پتے پر خط لکھا۔ کیا یہ خط آپ تک پہنچا تھا؟

آپ کی صحت و عافیت کے لیے دست بہ دعا رہتا ہوں۔

نیازمند

رشید حسن خاں

(۱۴)

بہ نام:: قاضی عبدالودود

ٹی ہی ۴، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۲۱ رجون ۱۹۷۸ء[۱۴]

مخدومی!

ایک خط آج ہی حوالۂ ڈاک کیا ہے۔ اِس وقت یہ عریضہ ایک خاص ضرورت سے لکھ

رہا ہوں اور ملتمس ہوں کہ فی الفور جواب سے نوازا جاؤں۔

آجکل کے اردو تحقیق نمبر (۱۹۶۷ء) میں آپ کا جو مقالہ ہے، اُس میں ص ۷ پر حـ۱ کے تحت، آقاے پورداؤد کا ایک قول نقل ہوا ہے: ''قزوینی نے زبان نامہ کی ترتیب و تصحیح میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا''۔ خط کشیدہ نام دریافت طلب ہے۔ کیا یہ ''مرزبان نامہ'' ہے؟ چشم بہ راہ ہوں۔

نیازمند

رشید حسن خاں

(۱۵)

بہ نام:: قاضی عبدالودود

۱۶۷، بازوزئی دوم، شاہ جہان پور (یوپی)

۲۸/جولائی ۱۹۷۸ء[۱۵]

مخدومی! آداب

یہاں آکر معلوم ہوا کہ ''جھولے'' یہاں کا بہت اہم اور مشہور جشن تھا۔ اِس کو ''ہنڈولے'' بھی کہا جاتا تھا۔ ختمِ زمینداری کے بعد اس کا وہ پُرانا احوال نہیں رہا، مگر ہوتا اب بھی ہے۔ چوں کہ یہ ہندوؤں کے علاقے میں ہوتا ہے اور اُنھی کی خاص چیز ہے، اِس لیے اب اکثر مسلمان اِس سے آشنا نہیں رہے، لیکن پُرانے زمانے میں مسلمان بھی اِس میں شریک ہوا کرتے تھے۔

جو کچھ بتایا گیا، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ساون کی اکیدشی [دوسرے پکھواڑے کی گیارہ تاریخ = ساون کی چھبّیس تاریخ] سے جنم اشٹمی [یعنی بھادوں کی آٹھویں] تک [یہ تقریباً تیرہ دن ہوئے] شاہ جہان پور میں ایک خاص جشن منایا جاتا تھا، جس کو ''ہنڈولے'' اور ''جھولے'' کہا جاتا تھا۔ اِس شہر میں ''موتی چوک'' کا علاقہ، ہندو آبادی کا قابلِ ذکر علاقہ ہے۔ مشہور صرّافہ بازار بھی یہیں ہے۔ موتی چوک میں دو مشہور مندر ہیں، ایک کا نام ہے: ننگولال کا مندر اور دوسرے کا نام ہے: دَڈّو کا مندر؛ اِن دونوں مندروں میں یہ جشن خاص طور پر منایا جاتا تھا۔ اِن میں ہنڈولا سجایا جاتا تھا، جس میں کرشن اور رادھا کی مورتیاں ہوتی تھیں اور مندر کے اطراف کو مختلف جھانکیوں سے آراستہ کیا جاتا تھا— اِس حد تک، لیکن

چھوٹے پیمانے پر، یہ طریقہ سبھی مندروں میں رائج تھا؛ لیکن اِن دو مندروں میں خاص بات یہ تھی کہ یہاں بارہ تیرہ دن کی مذکورہ مدّت میں بہت بڑے پیمانے پر موسیقی کی محفلیں آراستہ کی جاتی تھیں، جن میں اِس صوبے کے اور ہندستان کے باکمال موسیقار اور ساز نواز خاص طور پر شریک ہوتے تھے اور اپنے کمالات دکھاتے تھے۔ یہ موسیقار سالانہ رسم کے طور پر یہاں آیا کرتے تھے اظہارِ عقیدت اور اظہارِ کمال کے لیے۔ موسیقی کی یہ شبانہ محفلیں بہت مشہور تھیں اور دور دور سے لوگ ان میں شرکت کرنے آیا کرتے تھے۔ شہر کے مسلمان بھی، جن کو موسیقی سے لگاو ہوتا تھا، اِن محفلوں میں خاص طور پر شرکت کرتے تھے۔ جنم اشٹمی کے سلسلے میں مندروں میں ہنڈولا سجانا عام رسم ہے، اِسی نسبت سے اس کا نام ''ہنڈولے'' اور ''جھولے'' پڑ گیا۔ یہ بھی بتایا گیا کہ شاہ جہان پور کے اطراف میں بل کہ اِس صوبے میں بھی، اِس پیمانے پر اور اس انداز سے موسیقی کی مسلسل بارہ تیرہ دن تک ایسی شبانہ محفلیں کہیں اور نہیں ہوتی تھیں۔ یہ یہاں کی خاص چیز تھی، اِسی لیے اطراف و جوانب سے بہت لوگ آیا کرتے تھے۔ موسیقی کی محفلیں اب بھی ہوتی ہیں لیکن بہت معمولی، اب ان میں کوئی خاص بات نہیں رہی، اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ تقسیمِ زمینداری کے بعد آمدنی بہت کم ہوگئی۔ ہاں، موسیقی کی یہ محفلیں اِنھی دو مندروں میں ہوا کرتی تھیں، باقی مندروں میں عام مذہبی رسمیں ادا کی جاتی تھیں، جس طرح اور سب جگہ ادا کی جاتی ہیں۔

میں یہاں ۱۵راگست تک رہوں گا۔ اگر ۱۴راگست سے ''جھولے'' کا وہ جشن شروع ہوگیا، تو میں پہلے دن اُس میں ضرور شرکت کروں گا اور دیکھوں گا کہ اب صورتِ حال کیا ہے۔ یہ ساری معلومات موتی چوک کے معتبر ہندو حضرات سے حاصل کی گئی ہے۔ اگر میں اِس جشن میں شریک ہوسکا تو جو کچھ دیکھوں گا، اُس سے آپ کو ضرور مطلع کروں گا۔

دست بہ دعا ہوں کہ اب آپ کا مزاج پہلے سے بہتر ہو اور صحتِ کلّی حاصل ہو۔ اگر ممکن ہو تو مصحفؔی کا وہ شعر، جس میں جھولے کا ذکر آیا ہے، لکھ دیجیے۔ غالباً لکھنؤ جاتے ہوئے، وہ ساون کے مہینے میں یا اوائلِ بھادوں میں ادھر سے گزرے ہوں گے اور شہرت سن کر شاید شرکت بھی کی ہو۔ یا پھر دوسروں سے سنا ہو۔

بہ راہِ کرم اِس خط کی رسید سے ضرور مطلع فرمایئے تاکہ اطمینان ہو کہ خط آپ تک پہنچ گیا۔

نیاز مند رشید حسن خاں

(۱۶)

بہ نام: قاضی عبدالودود
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۹/اکتوبر ۱۹۷۸ء[۱۶]

مخدومِ بندہ، آداب

کئی ہفتے ہو گئے کہ آپ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی، بہ راہِ کرم مطلع فرمایئے کہ اب مزاج کیسا ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ طبیعت اب پہلے سے بہتر ہوگی۔

چشم بہ راہ ہوں۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

(۱۷)

بہ نام: قاضی عبدالودود
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۳/نومبر ۱۹۷۸ء[۱۷]

مخدومِ بندہ، آداب

گرامی نامہ موصول ہوا۔ میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کروں کہ اِس سے پہلے آپ کے کسی خط میں کسی بھی مضمون کی فرمائش نہیں کی گئی تھی۔ آپ کے خط میں بہت احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھتا ہوں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ آپ حکم دیتے اور میں تعمیل نہ کرتا۔ بہ ہر صورت اب اِس سے مطلع کیا جاؤں کہ کیا کسی خاص موضوع پر مجھے لکھنا ہے؟ اگر ایسا ہو تو اُس موضوع سے مطلع کیا جاؤں۔ اگر ایسی کوئی تخصیص نہیں تو پھر اِس سے مطلع کیا جاؤں۔ آپ کے خط کے لیے چشم براہ رہوں گا۔ خط ملتے ہی اور صورتِ حال سے مطلع ہوتے ہی تعمیلِ حکم کی تیاری شروع کردی جائے گی اور کوشش کی جائے گی کہ جلد از جلد وہ مضمون حاضرِ خدمت کر دیا جائے۔

تبصرۂ فرہنگِ آصفیہ کا ہنوز انتظار ہے۔ میری کتاب، جس میں تاریخِ ادبِ اردو والا تبصرہ بھی شامل ہے، پریس میں ہے۔ غالباً اِس ماہ کے آخر تک آجائے گی، اور فی الفور روانۂ خدمت کی جائے گی۔

نیازمند

رشید حسن خاں

(۱۸)

بہ نام: قاضی عبدالودود

ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

۱۸ر جنوری ۱۹۷۹ء[۱۸]

مخدومی! آداب

میں نے اپنی کتاب بہ ذریعۂ رجسٹری بھیجی تھی۔ اُس کے بعد مسلسل دو خط لکھے۔ نہ کتاب کی رسید ملی، نہ خطوں کے جواب۔ تشویش ہے۔

بہ راہِ کرم خیریتِ مزاج سے مطلع فرمائیں۔

نیازمند

رشید حسن خاں

(۱۹)

بہ نام: قاضی عبدالودود

ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۰ر اپریل ۱۹۷۹ء[۱۹]

مخدومی! آداب

گرامی نامہ موصول ہوا۔ اِس کتاب پر آپ کی چند سطریں ہی میرے لیے سرمایۂ نازش وافتخار ہوں گی۔ منتظر رہوں گا۔

کتاب کا انتساب آپ کے نام، اِس بات کا اعتراف ہے کہ تحقیق کی حد تک میں

نے جو کچھ سیکھا سمجھا ہے، وہ آپ کا فیض ہے۔ یہ اعتراف بھی ہے اور اظہارِ عقیدت بھی۔ میں آپ کو اپنا معنوی اُستاد سمجھتا ہوں اور فخر کے ساتھ اِس کا اعتراف اور اظہار کرتا ہوں۔

فرہنگِ آصفیہ والا تبصرہ اب تک مجھے نہیں ملا۔ میں نے بیدار صاحب کو ایک رجسٹرڈ خط لکھا تھا، اُس سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ کسی طرح اگر ممکن ہو تو اُسے عنایت فرمایئے۔

میرٹھ کے کسیرو کے متعلق، میرٹھ کے کسی پُرانے آدمی سے پوچھ کر اطلاع دوں گا۔

مصحفی کے اِسی دیوانِ ہشتم میں شاہ جہان پور کے ایک میلے کا بھی ذکر آیا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا تھا اور میں نے اُس کا مفصّل جواب لکھا تھا، کئی مہینے ہوئے۔

آپ کی صحت کے لیے دست بہ دعا رہتا ہوں۔

آج یہاں ایوانِ غالب میں تقسیمِ انعامات کا جلسہ ہے، افسوس ہے کہ آپ نہیں ہوں گے۔ اِس کمی کا سبھی کو احساس رہے گا۔ مَتّل صاحب کے انتخاب پر خاص طور پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۲۰)

بہ نام: قاضی عبدالودود

ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۷

۳۰/ جولائی ۱۹۷۹ء [۲۰]

مخدومِ بندہ، آداب

میں طویل رخصت کے بعد واپس آیا تو عابدی صاحب سے بیگم صاحبہ کے حادثے کا علم ہوا۔ اِس اندوہ ناک حادثے سے آپ جس قدر غمگین ہوئے ہوں گے، اُس کا اندازہ کرنا آسان نہیں۔ میں اِس غم میں آپ کا شریک ہوں اور دست بہ دُعا ہوں کہ مرحومہ کی روح کو جوارِ رحمت میں جگہ ملے۔

میں چوں کہ یہاں موجود نہیں تھا، اِس لیے مجھے بہت تاخیر سے علم ہوسکا۔ دنوں سے

آپ کی طبیعت کا حال بھی معلوم نہیں ہوسکا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ کیفیتِ مزاج سے مطلع فرمائیں گے۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۲۱)

بہ نام: قاضی عبدالودود

ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۵ردسمبر ۱۹۷۹ء[۲۱]

مخدومِ بندہ، آداب

گرامی نامہ ملا تھا۔ میں پچھلے دو ہفتے سے ملیریا میں مبتلا تھا، اِس لیے جلد جواب نہیں لکھ سکا۔ معذرت طلب ہوں۔

میں نے اس سے پہلے ایک لفافہ لکھا تھا، جس میں شاہ جہان پور کے جھولوں کے متعلق تفصیل لکھی تھی، یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ خط آپ تک پہنچا یا نہیں؟

میرٹھ کا کوئی ایسا آدمی ابھی نہیں ملا ہے جس سے کسیرو کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہوسکے۔ تلاش میں ہوں۔

میرا پٹنہ آنا فی الحال مشکل معلوم ہوتا ہے۔ جس جلسے کی تقریب سے آنے کا پروگرام بنایا تھا، وہ ملتوی ہوگیا۔ آپ کی خدمت میں حاضری دینے کی بڑی تمنا ہے، کیا کروں!

گوپال متل صاحب سے دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی، تحریک کبھی کبھی تو آجاتا ہے۔

خدا کرے مزاج گرامی بہ خیر ہو۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۲۲)

بہ نام: قاضی عبدالودود

ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۳/جنوری ۱۹۸۰ء[۲۲]

مخدومِ بندہ، آداب

گرامی نامہ موصول ہوا۔ یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہوگی کہ میں اُس ادارے کا ممبر بنوں۔ ویسے بھی آپ کا حکم واجبُ التعمیل ہے میرے لیے۔

میں فی الوقت پچاس روپے ارسال کرسکتا ہوں۔ براہِ کرم مطلع فرمایئے کہ یہ رقم کب بھیجوں؟

چشم براہ ہوں۔

محبِّ مکرّم مسعود صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ خدا کرے مزاج گرامی بہ خیر ہو۔

نیازمند

رشید حسن خاں

(۲۳)

بہ نام: قاضی عبدالودود

ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
مارچ ۱۹۸۰ء[۲۳]

مخدومی، آداب

ایک عریضہ کل حوالۂ ڈاک کیا ہے، یہ خط اس لیے لکھ رہا ہوں کہ مجھے بعض اشعار کا انتساب معلوم کرنا ہے۔ اگر جواب سے فی الفور نوازا جاؤں تو عین کرم ہوگا۔

میں آج کل شعبۂ اردو کے لیے فسانۂ عجائب کو مرتب کر رہا ہوں، اُس میں درج بعض اشعار کا انتساب دریافت طلب ہے۔ اشعار درجِ ذیل ہیں:

(۱) رباعی

پیشِ از ہمہ شاہانِ غیور آمدہ ای   ہر چند کہ آخر بہ ظہور آمدہ ای
اے ختمِ رسل قربِ تو معلوم شدہ ای   دیر آمدہ ای، ذرہ دور آمدہ ای

(۲) سُنارِضواں بھی جس کا خوشہ چیں ہے   وہ بے شک لکھنؤ کی سرزمیں ہے

(۳) بیکار باش، کچھ کیا کر ....

(۴)

(۵) یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ سن رکھو تم فسانہ ہیں ہم لوگ

(۶)

(۷) چناں بموسمِ سرما دوشالہا بخشید کہ گرم شد ہمہ بنگالہ سرد شد کشمیر

(۸)

(۹)

(۱۰)

(۱۱)

بے حد ممنون ہوں گا اگر فوری طور پر جواب سے نوازا جاؤں۔ میں نے پہلے خط میں یہ لکھا ہے کہ میں پچاس روپے فوری طور پر بھیج سکتا ہوں بہ سلسلۂ ممبری۔ اب آپ مطلع فرمایئے کہ میں کب بھیجوں؟ اُنھی کے ساتھ ممبری کی درخواست بھی ارسالِ خدمت کروں گا۔

مسعود صاحب کی خدمت میں آداب

نیازمند

رشید حسن خاں

(۲۴)

بہ نام: قاضی عبدالودود

ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

۱۹/ستمبر ۱۹۸۰ء[۲۴]

مخدومی! آداب

گرامی نامہ موصول ہوا۔ اِس عزّت افزائی کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں خود پٹنے آنا چاہتا ہوں۔ اگر یومِ شیرانی کے سلسلے میں آنا ہو تو نہایت عمدہ بات ہوگی۔ میں ضرور حاضر ہوں گا۔ مضمون بھی ضرور لکھوں گا۔ آپ کے حکم کی تعمیل تو فرض ہے۔ عابد رضا بیدار صاحب سے بھی اِس سلسلے میں گفتگو ہوئی تھی۔

میں آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔ درخواست یہ ہے کہ دس بارہ دن پہلے مطلع کیا جاؤں تا کہ ٹرین کا رزرویشن بہ آسانی ہو سکے۔

نیازمند
رشید حسن خاں

(۲۵)

بہ نام: قاضی عبدالودود
ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۴؍اکتوبر ۱۹۸۰ء [۲۵]

مخدومی! آداب

یومِ شیرانی کا دعوت نامہ ملا تھا۔ میں ۲۶؍کی شام کو یہاں سے چلوں گا اور ۲۷؍کی صبح کو وہاں پہنچوں گا۔ اکیڈمی کے سکریٹری کے نام منظوری کا خط بھیج چکا ہوں۔ ایک خط عابد رضا بیدار صاحب کو بھی لکھ چکا ہوں۔ اطلاعاً عرض ہے۔

وہاں آتے ہی حاضرِ خدمت ہوں گا۔ خدا کرے مزاج گرامی بہ خیر ہو۔

نیازمند
رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ یہ پوسٹ کارڈ باڑوزئی دوم شاہ جہان پور سے ۱۵؍مئی ۱۹۶۲ء کو قاضی عبدالودود صاحب کے نام پٹنہ کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ پوسٹ کارڈ کرم خوردہ ہے۔ متن کے بہت سے حصے ضائع ہو چکے ہیں۔ اِس خط پہ دو مہریں ثبت ہیں۔ ایک شاہ جہان پور کی ۱۶؍مئی ۱۹۶۲ء کی ہے اور دوسری بہت دھندلی ہے عکسی شیشے سے بھی نہیں پڑھی جاتی۔ پوسٹ کارڈ کی قیمت پانچ پیسے ہے۔ قاضی صاحب اُس وقت ادارۂ تحقیقات پٹنہ-۴ میں کام کر رہے تھے۔

۲۔ یہ اِن لینڈ لیٹر رضا لائبریری رام پور سے ۱۵؍اکتوبر ۱۹۶۲ء کو لکھا گیا، مخلص و محترمی قاضی عبدالودود صاحب زاد مجدہ پٹنہ-۴، بہار۔ باقی پتا لکھ کر کاٹ دیا گیا ہے۔ اِس خط میں خاں صاحب کی چھے ماہ کی رخصت میں توسیع، ساتھ ہی ۳۱؍اکتوبر تک رضا لائبریری میں کام کی

غرض سے رہنے کا بھی ذکر ہے۔ ''شاہجہانپور'' اور ''کوئی'' کا املا اس طرح کیا ہے جب کہ ۱۹۷۴ء میں اِن کی کتاب ''اردو املا'' کے شائع ہونے کے بعد انھوں نے اِن الفاظ کا املا ''شاہ جہان پور'' اور ''کوئی'' کیا ہے۔ خط پر دو مہریں ثبت ہیں، ایک ۱۵ر اکتوبر اور دوسری ۱۷ر اکتوبر ۱۹۶۲ء کی، پہلی پر ۸-اے .ایم اور دوسری پر ۱۱.۳۰ اے ایم بھی ساتھ نظر آتا ہے۔

۳۔ یہ خط علی گڑھ سے ۲۴ر ستمبر ۱۹۶۲ء کو لکھا گیا ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب کے نام Bahur Pokhar, Patn-4 کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ اِس خط میں اِس بات کا ذکر ہے کہ رشید حسن خاں صاحب کی ٹانگ میں چوٹ لگی ہے اور وہ پلنگ پر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ خط پوسٹ کارڈ ہے جس کی قیمت ۵ر پیسے ہے۔ اِس خط میں دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۸ر دسمبر ۱۹۶۲ء کی ثبت ہے۔

۴۔ یہ خط سادہ کاغذ پر تحریر ہے اور لفافے میں رکھ کر بھیجا گیا۔ لفافہ سات نہیں اِس لیے قاضی صاحب کا پتا بھی نہیں۔ غالباً یہ خط بھی ''ادارۂ تحقیقاتِ اردو، پٹنہ-۴، بہار'' ہی کے پتے پر بھیجا گیا ہوگا کیوں کہ تصحیح شدہ کاپیوں کو پریس بھیجنے کا ذکر ہے۔ کتاب کے اندر پہلے صفحے پر کن کن اندراجات کا ہونا ضروری ہے، وہ درج ہیں۔ مقدمہ ۴، ۸ یا ۱۶ صفحے کا ہونا چاہیے تاکہ جزبندی ٹھیک ہو، تیغ تیز اور نامۂ غالب کے سرورق کی عبارتوں کو جلد روانہ کرنے کا بھی ذکر ہے۔ یہ خط انڈر پوسٹل سرٹی فکٹ بھیجا جا رہا ہے۔ آخر میں نیازمند رشید حسن کے دستخط ہیں۔ ''خاں'' شاملِ نام نہیں۔ یہ خط ۲۰ر جنوری ۱۹۶۳ء کا ہے۔

۵۔ یہ خط ۴۰-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۶ سے ۶ر جون ۱۹۶۳ء کو محترمی قاضی عبدالودود صاحب زاد مجدہ، بانکی پور پٹنہ-۴، [بہار]'' کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ پتا انگریزی میں بھی درج ہے۔ پوسٹ کارڈ ۶ر پیسے کا ہے۔ ''تحقیق'' کے مسودے کے علاوہ کسی اور مسودے کی کاپیوں کی تصحیح کا ذکر ہے۔ خاں صاحب پہلے کہیں اور قیام کرتے تھے۔ مذکورہ پتا اِن کا نیا پتا ہے۔ پتا پوسٹ کارڈ کے داہنے طرف اوپر کونے میں مع تاریخ درج ہے۔ آخر میں صرف رشید حسن لکھا ہے۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر 6-6-63, 5.30 PM ثبت ہے۔

۶۔ یہ خط ۲۶ر مئی ۱۹۶۴ء کو جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ اِس میں خواجہ احمد فاروقی، مالک رام اور جگن ناتھ آزاد کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی کسی مجموعے کی کاپیاں دیکھنے کا بھی ذکر ہے۔ یہ خط قاضی صاحب کے نام بانکی پور، پٹنہ-۴ کے پتے پر بھیجا گیا۔ یہ چھے پیسے کا ہے۔ اِس پر ڈاک خانے کی دو مہریں ہیں، ایک ۲۷ر مئی کی اور دوسری ۲۹ر مئی ۱۹۶۴ء کی۔

'فرمایئے' کا املا 'فرماءے' لکھا ہے۔ یہ املا خان صاحب کی کتاب اردو املا (۱۹۷۴ء) سے پہلے کا ہے۔

۷ خط میں رشید حسن خاں کا پتا و تاریخ اوپر درج ہے۔ آخر میں نیاز مند اور خاں صاحب کے دستخط ہیں۔ ''گلستانِ سخن'' اور اس کا تبصرہ روانہ کرنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ ''حالاں کہ'' اور ''فرمایئے'' کا املا قدیم طرز پر ''حالانکہ'' اور ''فرماءیے'' کیا ہے۔ قاضی صاحب کے بھیجے ہوئے 'آموں کو بامزہ' اور 'خدا کرے پھر ایسا کوئی موقع آئے' لکھا ہے۔ خط اِن لینڈ لیٹر ہے۔ قیمت ۱۰/ پیسے۔ پشت پر دونوں پتے یوں درج ہیں: ''محترمی قاضی عبدالودود صاحب زادمجدہ، ادارۂ تحقیقاتِ اردو، پٹنہ-۴ Patna بہار'' اور ''رشید حسن خاں، ۴۰-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی-۶'' خط پر ڈاک خانے کی چار مہریں ثبت ہیں، محدّب شیشے کی مدد سے صرف ایک پر ۸/۲۶-اے-ایم پڑھا جاتا ہے۔

۸ یہ پوسٹ کارڈ جس کی قیمت چھے پیسے ہے، ۴۰-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۶ سے ۲۵/ جولائی ۱۹۶۴ء کو محترمی قاضی عبدالودود صاحب ادارۂ تحقیقاتِ اردو، پٹنہ-۴، Patna-4 [بہار] کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔ اس خط کے متن میں 'قدیم کالج نمبر' کے مل جانے، ''گلستانِ سخن'' کے ارسال فرمانے اور ''کریم الدین کے تذکرے'' کی تلاش کا ذکر ہے۔ پوسٹ کارڈ پر دو مہریں ثبت ہیں۔ دہلی کی مہر شیشے کی مدد سے بھی نہیں پڑھی جاتی ہے۔ ہاں Bankipore ۲۷/ جولائی ۸.۳۰ اے ایم پڑھا جاتا ہے دوسری مہر سے۔ آخر میں نیاز مند رشید حسن خاں کے دستخط ہیں۔

۹ یہ خط 182-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-6 سے ۱۱/ اگست ۱۹۶۴ء کو ''محترمی قاضی عبدالودود صاحب زادمجدہٗ ادارۂ تحقیقاتِ اردو، پٹنہ-۴، Patna-4 [بہار] کے پتے پہ روانہ کیا گیا ہے۔ اس میں ہوسٹل کے کمرے کے بدل جانے کی اطلاع ہے۔ پہلے 40 نمبر تھا اب 182 نمبر ہے۔ گلستانِ سخن اور معاصر کے انتظار کا ذکر ہے۔ خط پر تین مہریں ثبت ہیں، ایک Quick delivery کی اور دو تاریخوں کی۔ پہلی مہر کی تاریخ پڑھی نہیں جاتی، دوسری 4.PM، Bankipore, 12 Aug. کی ہے۔

۱۰ یہ خط 182-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-6 سے ۱۷/ اگست ۱۹۶۴ء کو ''محترمی قاضی عبدالودود صاحب زادمجدہٗ ادارۂ تحقیقاتِ اردو، پٹنہ-۴، Patna-4 [بہار] کے پتے پہ روانہ کیا گیا ہے۔ اس خط میں قاضی عبدالودود صاحب کو صدر جمہوریۂ ہند کی طرف سے ''سندِ امتیاز'' عطا کی گئی ہے، دوسرے منتخب حضرات کے ساتھ۔ رشید حسن خاں صاحب نے اِنھیں

مسرّت آمیز مبارک باد پیش کی ہے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے جو قاضی عبدالودود صاحب کو اُن کی ادبی خدمات کے سلسلے میں عطا کیا گیا ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ متن کے آخر میں نیاز مند رشید حسن لکھا ہے "خاں" کا لاحقہ ساتھ نہیں ہے۔ خط کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا صرف "رشید حسن، دہلی-6" درج ہے۔ ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں۔ دہلی والی ۱۷راگست کی ہے جب کہ دوسری بانکی پور 18 Aug. 64, 4.PM کی ہے۔ یہ صرف ایک صفحے کا خط ہے۔ دوسرے صفحے پر "رشید حسن خاں" کے دستخط ہیں۔ تیسرا خالی ہے۔

۱۱ یہ خط F3/4, Model Town, Delhi-9 سے ۲۲راکتوبر ۱۹۷۳ء کو لکھا گیا ہے۔ رشید حسن خاں صاحب کا پہلا پتا بدل گیا ہے جو دہلی یونی ورسٹی کے کمرہ نمبر 182، جبلی ہال والا تھا۔ یہ خط لفافے میں بند ہوگا اور لفافہ ساتھ نہیں، یہ سادہ کاغذ پر تحریر کیا گیا ہے۔ اِس خط میں قاضی عبدالودود صاحب سے درخواست کی گئی ہے کہ گوپال متل رسالہ تحریک کا قاضی عبدالودود نمبر شائع کرنا چاہتے ہیں اور اس کی ترتیب کی ذمہ داری رشید حسن خاں صاحب کو سونپی گئی ہے۔ خاں صاحب نے قاضی صاحب سے درخواست کی ہے کہ وہ چند مضامین اور تبصرے انتخاب کرکے مع اپنے مختصر سوانحی حالات کے روانہ کریں تاکہ رسالے کی ترتیب ممکن ہوسکے۔ خط کی نیچے سے اوپر کی طرف آٹھویں سطر کرم خوردہ ہوچکی ہے درمیان سے۔ خط کے آخر میں نیاز مند رشید حسن خاں درج ہے، اب "خاں" کا لاحقہ ساتھ نظر آیا ہے۔

۱۲ یہ خط ٹی۔بی۔۴، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷ سے ۱۰راپریل ۱۹۷۸ء کو یونی ورسٹی کے لوگو لگے لیٹر پیڈ کے ایک صفحے پر لکھا گیا ہے۔ لفافہ ساتھ نہیں اس لیے کس پتے پر بھیجا گیا، معلوم نہیں۔ ترقی اردو بورڈ نے بہ طورِ نمونے اپنے لغت کا کچھ حصہ شائع کیا ہے۔ انھوں نے اِسے دیکھا اور اس سے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے کہ "اگر اِسی طرح یہ لُغت مرتب ہوا اور شائع ہوا تو یہ سب سے بڑا جرم ہوگا ادبی دنیا میں" وہ اس پر تبصرہ بھی لکھیں گے انھوں نے متعلقینِ لغت کو "عادی مجرم" قرار دیا ہے اور قاضی صاحب سے بھی اِس سے متعلق کچھ لکھنے کی فرمایش کی ہے تاکہ قاضی صاحب کی تحریر کا اِن لوگوں پر کچھ اثر ہو۔ خط کے آخر میں نیاز مند رشید حسن خاں لکھا ہے۔ خط کی تحریر اس قدر سخت ہے تو تبصرے کی تحریر کی کیا صورت ہوگی۔

۱۳ یہ خط بھی پہلے ہی پتے سے ۱۹رجون ۱۹۷۸ء کو یونی ورسٹی کے لوگو لگے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔ اِس خط میں خاں صاحب نے "تاریخ ادب اردو" پر لکھے تبصرے کا ذکر کیا ہے جو اِن سے باقر مہدی اپنے رسالہ اظہار کے لیے دو تین ماہ قبل لے گئے تھے مگر وہ شائع نہیں ہوا۔

انھوں نے قاضی صاحب کی کتاب تصنیف و تالیف پر تبصرہ لکھنے کا اظہار بھی کیا ہے اور اِسے اپنی نیاز مندی بتایا ہے۔ خط کے آخر میں نیاز مند رشید حسن خاں لکھا ہے۔

۱۴ یہ خط ٹی.سی.۴۴، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷ سے ۲۱؍جون ۱۹۷۸ء کو قاضی صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا۔ یہ خط یونی ورسٹی آف دہلی کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔ لفافہ ساتھ نہیں ہے۔ اِس لیے خط کے پہنچنے کی تاریخ سے متعلق پتا نہیں چلتا۔ اس خط میں قاضی صاحب کا جو مقالہ آجکل کے اردو تحقیق نمبر (۱۹۶۷ء) میں شائع ہوا ہے اُس میں شائع دو باتوں کی طرف اُن کی توجہ دلائی ہے کہ ان کی وضاحت کی جائے۔ آخر میں نیاز مند رشید حسن خاں لکھا ہے۔

۱۵ یہ خط ۱۶۷-باڑوزئی-II شاہ جہان پور سے ۲۸؍جولائی ۱۹۷۸ء کو روانہ کیا گیا ہے۔ یہ دو صفحات پر مشتمل ہے۔ اِس خط میں رشید حسن خاں صاحب نے شاہ جہان پور کے ایک میلے (’ہنڈوے‘ یا ’جھولے‘) کا ذکر تفصیل سے لکھا ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب نے اِس سے متعلق معلومات طلب کی تھیں کیوں کہ مصحفی کے دیوانِ ہشتم میں اِس کا ذکر آیا ہے۔ خاں صاحب نے لکھا ہے کہ شاہ جہان پور کے ’’موتی چوک‘‘ میں دو ہندوؤں کے مندر ہیں ’’ننگولال کا مندر‘‘ اور ’’ڈڈّو کا مندر‘‘۔ ان میں کرشن جنم اشٹمی کے دوران ’ہنڈوے‘ اور ’جھولے‘ ڈالے جاتے تھے۔ یہ رسم آج بھی تمام ہندستان اور بیرونِ ملک یہاں بھی کرشن مندر ہیں وہاں کرشن جنم اشٹمی کے تہوار پر ’جھولے‘ ڈالے جاتے ہیں، مگر شاہ جہان پور میں ان دنوں یہاں موسیقی کی خاص محفلیں منعقد ہوتی تھیں اور تمام ہندستان کے باکمال یہاں جمع ہوتے تھے۔ مگر یہ زمینداری دور کی باتیں تھیں۔ اُس دور کے ختم ہوتے ہی یہ محفلیں مدھم پڑ گئی ہیں۔ خاں صاحب نے اِس تہوار کے شروع ہونے اور اِس میں شامل ہونے کے بعد تفصیل لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔

۱۶ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے پتے سے لکھا گیا ہے۔ صرف قاضی صاحب کی طبیعت سے متعلق پوچھا گیا ہے اور کوئی خاص بات درجِ متن نہیں۔ یہ خط یونی ورسٹی آف دہلی کی لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔ لفافہ ساتھ نہیں۔ آخر میں صرف نیاز مند رشید حسن خاں درج ہے۔ تاریخ ۱۹؍اکتوبر ۱۹۷۸ء اوپر درج ہے۔

۱۷ یہ خط ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی ۱۱۰۰۰۷ سے ۳؍نومبر ۱۹۷۸ء کو قاضی عبدالودود صاحب کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ خاں صاحب قاضی صاحب کو لکھتے ہیں کہ میں ہمیشہ آپ کے خط ’’بہت احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھتا ہوں‘‘ آپ نے کبھی کسی مضمون کی

فرمایش نہیں کی۔ اب کی بار آپ کے حکم کی تعمیل فوراً ہوگی۔ آپ صرف موضوع سے متعلق مطلع کر دیجیے۔ خاں صاحب کو قاضی صاحب کے تبصرۂ فرہنگِ آصفیہ کا انتظار ہے۔ خاں صاحب نے اُنھیں یہ، اطلاع بھی دی ہے کہ اِن کی وہ کتاب جس میں تاریخِ ادبِ اردو والا تبصرہ بھی شامل ہے، پریس میں ہے۔ آتے ہی آپ کی خدمت میں روانہ کر دی جائے گی۔ آخر میں نیاز مند رشید حسن خاں درج ہے۔" آپ کے خط میں بہت احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھتا ہوں" راقم کو عجیب سا لگا۔ راقم نے رشید حسن خاں صاحب کے لکھے ہوئے دوسروں کے نام ۱۵۰۰ سے زیادہ خطوط جمع کر لیے ہیں۔ پہلا مجموعہ فروری ۲۰۱۱ء، 1038 خطوط پر مشتمل ہے اور دوسرا مجموعہ کمپوز ہو چکا ہے۔ اس کی تیسری بار تصحیح ہو رہی ہے۔ جلد ہی یہ مجموعہ بھی مکمل ہو جائے گا۔ مگر رشید حسن خاں صاحب کے گھر سے ایک بھی خط کسی حضرت کا رشید حسن خاں صاحب کے نام کا نمونے کے طور پر نہیں ملا۔ اُنھوں نے سبھی حضرات کے خطوط تلف کر دیے، ادب کا کتنا بڑا نقصان ہوا۔ اِس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اِن کے حلقۂ مکتوبات میں اعلا سے اعلا حضرات شامل تھے۔ صرف اندرونِ ملک ہی نہیں بل کہ بیرونِ ملک بھی، مثلاً: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر جمیل جالبی، جناب مشفق خواجہ پاکستان سے، وہاب اشرف صاحب نیویارک سے، ڈاکٹر گیان چند جین کیلی فورنیا سے، ہاشم دلوی اور رفعت شمیم انگلستان سے۔ یہ صرف چند نام ہیں، ورنہ فہرست بہت طویل ہے۔ اپنی ابتدائی ادبی زندگی سے آخری وقت تک رشید حسن خاں صاحب نے مکتوبات کو محفوظ رکھا ہوتا تو ایک دفترِ ضخیم تیار ہو سکتا تھا۔ دوسروں نے اِن کے ایک یا دو سطری خطوط کو بھی محفوظ رکھا ہے۔

۱۸ یہ خط فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز یونی ورسٹی آف دہلی کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا۔ اِس کے ساتھ لفافہ نہیں ہے جس سے پتا چلے کہ یہ کس پتے پر لکھا گیا ہے۔ ہاں خاں صاحب نے یہ خط اپنے مکمل پتا ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷ کے پتے سے ۱۸ر جنوری ۱۹۷۹ء کو لکھا ہے۔ اِس میں کتاب بھیجنے اور رسید نہ ملنے کا ذکر ہے۔ یہ صرف تین سطری خط ہے۔ آخر میں خاں صاحب کی کتاب "ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ" شائع ہوئی تھی پہلی بار ایجوکیشن بک ہاؤس سے۔ خاں صاحب نے یہی کتاب قاضی صاحب کے نام رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجی ہے۔

۱۹ یہ خط ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷ سے ۲۰ر اپریل ۱۹۷۹ء کو قاضی صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا۔ ہوسٹل کا کمرہ نمبر بدل گیا ہے۔ جنوری ۱۹۹۶ء تک رشید

حسن خاں صاحب اسی کمرے میں رہے۔ آخر اسی کمرے سے شاہ جہان پور منتقل ہوئے۔ خاں صاحب نے اپنی کتاب کا انتساب قاضی عبدالودود صاحب کے نام کیا ہے۔ خاں صاحب نے اپنی کتاب پر چند سطریں لکھنے کے لیے قاضی صاحب سے درخواست کی ہے۔ خاں صاحب نے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ قاضی صاحب کو اپنا معنوی استاد مانتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی تھی۔ اِس کا اعتراف خاں صاحب نے مختلف خطوط میں کیا ہے۔ خط کی پشت پر چار اشعار درج ہیں جو خاں صاحب کے قلم سے نہیں لکھے گئے ہیں یہ کسی اور کے قلم سے ہیں۔ یہ خط سادہ کاغذ پر تحریر کیا گیا ہے۔ لفافہ ساتھ نہیں۔ خط کے آخر میں نیاز مند رشید حسن خاں لکھا ہے۔

۲۰۔ یہ تعزیتی خط ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷ سے ۳۰ر جولائی ۱۹۷۹ء کو قاضی عبدالودود صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا۔ قاضی صاحب کی بیگم صاحبہ کا انتقال ہوگیا۔ خاں صاحب دہلی میں نہیں تھے۔ وہ طویل رخصت پر گھر چلے گئے تھے یا شاید کہیں اور۔ رشید حسن خاں صاحب کا پورا پتا مع تاریخ خط کے اوپر داہنے کونے میں درج ہے۔ آخر میں نیاز مند رشید حسن خاں درج ہے۔ یہ خط یونی ورسٹی آف دہلی کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے جس پر بائیں کونے میں اوپر لوگو بنا ہوا ہے۔ اس کا لفافہ ساتھ نہیں، لہٰذا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دہلی ڈاک خانے سے یہ کب نکلا اور کب پٹنہ پہنچا۔

۲۱۔ یہ خط ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷ سے ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو قاضی صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے، اس پر قاضی صاحب کا پتا جو خط کی پشت پر درج ہے، اُس کا عکس پورا نہیں آیا ہے۔ صرف جناب قاضی عبدالودود، Bankipore, Bi نظر آتا ہے۔ خاں صاحب کا پتا یوں درج ہے: رشید حسن خاں، گائر ہال، دہلی-۷۔ پشت پر دو مہریں ہیں، ایک ۲۹ر دسمبر ۱۹۷۹ء کی، دوسری دھندلی ہے۔ پچھلے خط کی تفصیل ''میلے'' سے متعلق لکھا ہے۔ میرٹھ کے کسیرو کی تلاش جاری ہے۔

۲۲۔ یہ خط ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷ سے ۱۳ر جنوری ۱۹۸۰ء کو قاضی عبدالودود صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا ہے۔ قاضی صاحب نے رشید حسن خاں صاحب کو کسی ادارے کا ممبر بنانا چاہا۔ انھوں نے اِس بات کو اپنے لیے ایک قسم کا اعزاز سمجھا اور فوراً پچاس روپے چندہ بھیجنے کے لیے تیار ہوگئے۔ خاں صاحب کا مکمل پتا خط کے اوپر داہنے کونے میں درج ہے۔ آخر میں صرف نیاز مند رشید حسن خاں درج ہے۔ یہ خط Faculties of Arts and Social Science university of Delhi کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔

لفافہ ساتھ نہیں ہے جس سے پتا چلے کہ کس مقام پہ بھیجا گیا ہے۔

۲۳ یہ خط دہلی یونی ورسٹی سے قاضی عبدالودود صاحب کو پٹنہ، بہار کے پتے پر لکھا گیا ہے، اس میں تاریخ اوپر درج تو تھی مگر اتنی دھندلی ہوگئی کہ محدب شیشے سے بھی پڑھی نہیں جاتی۔ متن کے بہت سے مقامات گردشِ ایام کی وجہ سے زیادہ ہی خراب ہوگئے کہ پڑھے ہی نہیں جاتے۔ یہ کتاب پہلی بار شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی کی طرف سے تیار کی جارہی تھی یعنی فسانۂ عجائب۔ ۱۸ر مارچ ۱۹۸۰ء کو ایسا ہی ایک خط رشید حسن خاں صاحب نے پروفیسر حنیف نقوی کے نام دہلی یونی ورسٹی سے بنارس ہندو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے پتے پر روانہ کیا تھا۔ اُس میں بھی بہت سے اشعار درج ہیں جن کے شاعروں سے متعلق خاں صاحب جاننا چاہتے ہیں یعنی یہ اشعار کن شعرا کی تخلیق ہیں۔ اس خط کا ۲، ۳ اور ۷واں شعر حنیف صاحب والے خط میں بھی شامل ہیں جو راقم کے مرتب کردہ ''رشید حسن خاں کے خطوط'' کے صفحہ ۳۱۵ اور ۳۱۶ پر درج ہیں۔ اِس شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط بھی حنیف صاحب کے خط کے ایک دن آگے، ایک دن پیچھے یا اُسی دن لکھا گیا ہوگا یعنی نصف مارچ ۱۹۸۰ء کے آس پاس۔

۲۴ یہ خط ٹی. سی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷ سے ۱۹ر ستمبر ۱۹۸۰ء کو قاضی عبدالودود صاحب کی خدمت میں پٹنے بھیجا گیا ہے۔ قاضی صاحب نے انھیں پٹنے آنے کی دعوت دی ہے۔ وہاں یومِ شیرانی منایا جارہا ہے۔ خاں صاحب نے اِس حکم کی تعمیل کو اپنا فرض اور اعزاز سمجھا ہے۔ اِنھوں نے مضمون لکھنا اور پڑھنا بھی منظور فرمایا ہے۔ آخر میں نیازمند رشید حسن خاں لکھا ہے۔ اوپر کا پتا رشید حسن خاں ہمیشہ انگریزی زبان میں لکھا کرتے تھے مع انگریزی ہندسوں کے۔ یہ خط لکیر دار کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ لفافہ ساتھ نہیں۔

۲۵ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے پتے سے ۱۴ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو قاضی عبدالودود صاحب کی خدمت میں پٹنے بھیجا گیا۔ یومِ شیرانی کا دعوت نامہ رشید حسن خاں صاحب کو ملا۔ اکیڈمی کے سکریٹری کے نام شرکت کی منظوری کا خط بھیج دیا گیا۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کی شام کو دہلی سے چل کر ۲۷ر اکتوبر کی صبح کو پٹنے پہنچیں گے اور آتے ہی حاضرِ خدمت ہوں گے، قاضی صاحب کے ہاں۔ معمول کی طرح خط کے آخر میں نیازمند رشید حسن خاں درج ہے۔ یہ خط بھی لکیر دار کاغذ پر تحریر کیا گیا ہے۔ لفافہ اِس کے ساتھ بھی نہیں۔

●●●

بنام: عارف نوشاہی، پروفیسر

رشید حسن خاں☆

پوری اور آدھی ملاقاتیں

اردو زبان کے نامور محقق، کلاسک اردو متون کے مرتّب و مدوّن، رشید حسن خاں (دسمبر ۱۹۲۵ء تا ۲۶؍فروری ۲۰۰۶ء، شاہ جہاں پور) سے کون واقف نہیں؟ جسے بھی اردو تحقیق سے کچھ علاقہ ہے وہ ان کے نام سے آگاہ اور ان کی خدمات کا مدّاح اور معترف ہے۔ اصولِ تحقیق اور اردو طریقۂ املا میں وہ خاص نظریات کے حامل تھے اور انھی نظریات کے تحت انھوں نے اپنا تحقیقی اور تدوینی کام پیش کیا ہے۔ یہاں ان کے علمی کارنامے گنوانا مقصود نہیں، بل کہ راقم السطور سے جو تعلق رہا، اسے یاد کرنا ہے۔

(۱)

خان صاحب سے مراسلت تو پہلے سے ہی تھی، لیکن ان سے میری ملاقات ۱۲؍جولائی ۱۹۸۷ء کو اسلام آباد ہوٹل، اسلام آباد میں ہوئی، جب وہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو (۱۹۲۴ء تا ۲۰۱۰ء) اور بیگم ممتاز مرزا کے ساتھ بھارت سے نقوش کا ''طفیل ایوارڈ'' وصول کرنے پاکستان آئے تھے۔

دوسری ملاقات مارچ ۱۹۸۸ء میں میرے سفرِ دہلی میں ہوئی۔ میں دہلی یونی ورسٹی

☆ پروفیسر عارف نوشاہی شعبۂ فارسی گورڈن کالج، راول پنڈی (پاکستان) کے نام کے تین خط جو مرحوم رشید حسن خاں صاحب نے اُنھیں وقتاً فوقتاً لکھے جن کی تحریر کا عنوان ''رشید حسن خاں: پوری اور آدھی ملاقاتیں'' کتاب نما، دہلی کے شمارہ مئی ۲۰۱۴ء کے صفحہ ۴۱ تا ۴۶ مع حواشی شائع ہوئے ہیں۔ یہ تینوں خط مع تحریر اور حواشی کے شاملِ مجموعہ کیے جا رہے ہیں۔ اِن اوراق کے عکس ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں سینئر ریسرچ فیلو رضا لائبریری رام پور نے روانہ کیے ہیں۔ اِس عنایت کے لیے راقم تہِ دل سے اُن کا شکر گزار ہے۔

شعبۂ فارسی میں اپنے احباب سے ملنے گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ دہلی یونی ورسٹی کے T.C.9, Gwyer Hall میں خان صاحب مستقل اقامت رکھتے ہیں۔ یونی ورسٹی میں ان سے ملے بغیر جانا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ شعبۂ فارسی کے ڈاکٹر شریف حسین قاسمی مجھے اپنے اسکوٹر پر بٹھا کر ہاسٹل کے دروازے تک چھوڑ آئے۔ میں نے خان صاحب کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی: کون؟ میں نے بتایا: ''عارف نوشاہی اسلام آباد سے''؛ اندر ہی سے بولے: ''اخاہ!'' اور دروازہ کھول دیا۔ خان صاحب کا وطن شاہ جہان پور ہے، وہاں ہوسٹل میں اکیلے رہتے تھے۔ بیٹھتے ہی مجھ سے علمی مسائل پر گفتگو شروع کر دی۔ خاص طور پر لغات اور املا کے موضوعات پر، جو ان کے مرغوب موضوعات ہیں۔ املا کے بارے میں انھوں نے اپنا نقطۂ نظر مجھے بتایا کہ یہ مصنف کے منشا کے مطابق ہونا چاہیے یعنی مصنف نے وہ لفظ جیسا خود لکھا، ہمیں بھی اس کا املا ویسے ہی رکھنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ ہم وہ املا تبدیل کر دیں۔ انھوں نے علامہ اقبال کی آخری رباعی کی مثال دی اور کہا کہ اس کا املا ''سر آمد روزگارِ این فقیرے'' ہی درست ہے نہ کہ ''فقیری''۔ انھوں نے املا کے مسائل پر اپنا ایک تازہ غیر مطبوعہ مقالہ ''ہندستانی فارسی میں تلفظ اور املا کے بعض مسائل (تدوین کے نقطۂ نظر سے)'' اور اپنی مطبوعہ کتاب اردو املا مجھے عنایت کی۔ انھوں نے مجھ سے عبدالواسع ہانسوی کی غرائب اللغات کے قلمی نسخہ قومی عجایب گھر پاکستان، کراچی، نمبر N.M.1957-975/3 کے عکس کی فرمائش کی، جو میں نے پاکستان پہنچ کر پوری کر دی۔ میں دہلی اپنے ساتھ اپنی زیرِ ترتیب کتاب بھارت میں مخطوطات کی فہرستیں: کتابیات کا مسودہ بھی لے گیا تھا، خان صاحب وہ مسودہ بڑی دل چسپی سے دیکھتے رہے۔ جب ان سے باتیں ہو چکیں تو انھوں نے فرمایا: ''میں شرمندہ ہوں کہ ہوسٹل میں مقررہ اوقات ہی میں چائے اور کھانا ملتا ہے اور اس وقت میں آپ کی کوئی خاطر تواضع نہیں کر سکتا''۔ میں نے کہا: ''اس کی ضرورت بھی نہیں، آپ سے مل لینا ہی میرے لیے سعادت کا باعث ہے، اب مجھے اجازت دیجیے اور آپ کمرے ہی میں تشریف رکھیے''۔ فرمایا: ''میں اتنا گیا گذرا بھی نہیں کہ آپ کو باہر تک چھوڑنے نہ آؤں'' اور مشایعت کے لیے ساتھ ہو لیے۔ جب ہم باہر ہوسٹل کے چمن میں پہنچے تو میں نے اُن کے ساتھ تصویر اُتروانے کی خواہش ظاہر کی۔ کہنے لگے: ضرور۔ میں

انتظار کرنے لگا کہ اِدھر سے کوئی آدمی گذرے تو اسے کیمرہ پکڑا کر تصویر بنواؤں۔ بڑی مشکل سے میں ایک بندے کو ڈھونڈ کر لایا اور اسے سمجھایا کہ کیمرے سے کس طرح تصویر اتارنا ہے۔ میں کیمرہ اسے پکڑا کر خان صاحب کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور پوز بنالیا لیکن وہ شخص تصویر نہیں اتار رہا تھا۔ میں نے پوچھا: ''بھائی کیا بات ہے، تصویر کیوں نہیں اتار رہے؟'' وہ شخص بولا: ''میرا تو دایاں بازو ہی کٹا ہوا ہے، میں کیمرہ کیسے پکڑوں اور بٹن کیسے دباؤں!'' خیر، جیسے تیسے تصویر بن ہی گئی۔ میں نے کمرے میں بیٹھے ہوئے بھی خاں صاحب کی کچھ تصویریں بنالی تھیں جو میرے پاس محفوظ ہیں۔

(۲)

خان صاحب کے میرے نام تین مکتوب (ایروگرام) میرے ذخیرۂ خطوط میں محفوظ ہیں۔ پہلے دو مکتوب اُس دور کے ہیں جب میں اسلام آباد میں تھا۔ تیسرا خط اُس وقت کا ہے جب میں بہ سلسلۂ ڈاکٹریٹ، تہران میں مقیم تھا اور یہ وہاں ہوسٹل کے پتے پر ملا تھا۔ ان کے کچھ خطوط، جب میں ایران کلچرل قونصلیٹ، اسلام آباد کے سہ ماہی دانش کا مدیر تھا (۸۹-۱۹۸۶ء)، اس حیثیت میں بھی ملے جو دفتر کے رکارڈ میں رہ گئے ہیں اور میرے پاس ان کی کوئی نقل نہیں ہے۔ یہاں خان صاحب کے تینوں خطوط پیش خدمت ہیں۔ یہ بالترتیب ۱۹۸۷ء، ۱۹۸۸ء، ۱۹۹۱ء کے لکھے ہوئے ہیں۔ خان صاحب اس کے بعد تقریباً ۱۵ سال حیات رہے، لیکن اس کے بعد ان کا کوئی خط میرے پاس نہیں ہے۔

ان خطوط کے لہجے میں خان صاحب کی شرافتِ نفسی بالکل عیاں ہے۔

(۱)

بنام: عارف نوشاہی، پروفیسر
۲۲ر اکتوبر ۱۹۸۷ء

محبِّ مکرّم!

مکتوب، مرقومہ ۲۰ر ستمبر ۱۹۸۷ء موصول ہوا تھا۔ اس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ صاحب! میں آپ کے خلوص کا معترف ہوں، آپ کی نوازشوں کا بہ دل قائل ہوں اور آپ کے علمی کاموں کا قدردان ہوں۔ دل سے آپ کی عزّت کرتا ہوں، خاص کر یوں کہ

اب ایسے لوگ کم اور بہت کم ہیں جو پیر توڑ کر بیٹھیں اور دل لگا کر کام کریں۔ ہر شخص کمیٹی اور ترقّی کے پھیر میں پڑا ہوا ہے۔ آپ جیسے چند افراد کا موجود رہنا ہم جیسے دور افتادہ علم دوستوں اور قدر شناسوں کے لیے تسکین کا ذریعہ ہے اور خیال ہوتا ہے کہ ابھی ناامید ہونے کی ضرورت نہیں۔

آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس اعتراف اور اس احساس کے بعد آپ کا حکم میرے لیے گویا واجب العمل ٹھہرے گا۔ ایسا ہی ہے۔ مگر میں اپنی آنکھوں کا کیا کروں؟ موتیابند بڑھتا ہی جاتا ہے اور آپریشن میں ابھی ذرا سی دیر ہے۔ یوں کام جم کر نہیں کر سکتا، بس بھرتا بھگتتا رہتا ہوں۔ خط لکھ لیے یا ایسی ہی بعض اور تحریریں۔ بجلی کی روشنی میں اب کام کر ہی نہیں سکتا۔ بس زبان چلانے کا اختیار رہ گیا ہے۔

بھائی! جیسے ہی یہ صورتِ حال ختم ہوئی، میں بسروچشم آپ کے جملہ احکام کی تعمیل کیا کروں گا۔ شرفائے ادب بہت سے ناکارہ لوگوں کو بھی نباہتے رہتے ہیں، مجھے بھی اسی طرح نباہیے اور ممنونِ کرم بناتے رہیے۔

کتاب شناسی تو اس کے بعد ہی نکلے گا اور نکلتا ہی رہے گا۔ یوں میری شرکت ہو ہی جائے گی۔

توقّع کرتا ہوں کہ حسبِ معمول آپ کی عنایات میرے شاملِ حال رہیں گی اور میری عارضی کوتاہ قلمی آپ کی ناراضی کا باعث نہیں بنے گی۔

خدا کرے آپ معِ متعلّقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: عارف نوشاہی، پروفیسر

۲۶ر جولائی ۱۹۸۸ء

برادر مکرّم!

بے حد ممنون ہوں کہ غرائب اللغات کا عکس مل گیا۔ یہ آپ نے ایسا کام کیا کہ

بہت کم لوگوں کے بس کا تھا۔ حد یہ ہے کہ جب خود کراچی میں تھا تو ساری کوشش کے باوجود میوزیم سے کوئی بھی چیز حاصل نہیں کر سکا تھا۔ مشفق خواجہ صاحب[۵] بھی عاجز آ گئے تھے۔ ''این کار از تو آید''[۶] دل سے دعا نکلی کہ خداے پاک آپ کو اور آپ کے متعلقین کو ہمیشہ شاد کام و کامران رکھے اور وہ علمی روایت، جو آپ کے خانوادے کا شان دار ورثہ ہے، اور جس میں آپ نے اضافہ کیا ہے، وہ فروغ پاتی رہے۔

اس کا امکان ہے کہ اسی سال کے آخر تک کسی وقت اُدھر کا پھیرا ہو۔ ابھی کچھ طے تو نہیں، مگر مقتدرہ سے جمیل جالبی صاحب[۷] کا خط آیا ہے، اُسی سے امکان کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر آنا ہوا تو پہلے آپ کو مطلع کروں گا۔ دراصل میری آنکھوں میں اب اچھی خاصی تکلیف ہے۔ موتیا بند بڑھ گیا ہے، یوں تامل ہوتا ہے سفر میں۔ اگر اُس وقت تک زیادہ پریشانی نہ بڑھی تو ہمّت کروں گا۔ اسی وقت فیصلہ بھی کروں گا اور پہلے آپ کو اطلاع دوں گا۔

خدا آپ کو خوش رکھے۔

[پس نوشت] میری تحریر کس شمارے میں شائع ہوگی؟[۸]

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: عارف نوشاہی، پروفیسر

۷رجولائی ۱۹۹۱ء

محبِّ مکرّم!

ڈاکٹر شریف حسین قاسمی[۹] نے آپ کا خط لا کر دیا۔ پڑھ کر جی خوش ہوا اور آنکھیں روشن ہوگئیں۔ دنوں کے بعد آپ نے یاد کیا۔ مگر یہی کیا کم ہے کہ یاد رکھا۔

۱۹راپریل کی رات میں دل کا شدید دورہ پڑا تھا، بس سخت جانی آڑے آگئی جو بچ گیا۔ مہینا بھر سے زیادہ نرسنگ ہوم میں رہا۔ اب بھی صحت پوری طرح بحال نہیں ہو پائی ہے۔ لکھنا پڑھنا ابھی شروع نہیں کر سکا ہوں۔ مگر جلد ہی اس کی کوشش کروں گا۔ نقاہت رہی اور بہت۔

باغ و بہار کی تدوین مکمل ہوگئی تھی، کتابت بھی ہوگئی، بس مقدّمے کے آخری ۲، ۳

صفحے لکھنا باقی تھے کہ قلم ہاتھ سے نکل گیا۔ اب سب سے پہلے اُسی کی فکر کروں گا۔ اُس کے بعد غرائب اللّغات کو لوں گا، جس کا قیمتی عکس آپ کی عنایت سے حاصل ہوا تھا۔ ذرا یہ تو دیکھ لیجیے گا کہ وہاں [۱۱] تو کہیں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں (اگرچہ امکان کم ہے)۔ آپ کی دعاؤں کی اس وقت بہت ضرورت ہے۔

اور ہاں برادر! آپ نے لاہور سے مطبوعہ کلیاتِ اقبال کا مطالعہ کیا؟ مجھے بہت حیرت ہوئی اُسے دیکھ کر یعنی فارسی والے حصّے کو دیکھ کر۔ پہلے ہی مرقوم ہے ''سر آمد روزگاری این فقیری'' بھائی! اضافت کے لیے اس صورت میں لکھنے کا تو فارسیِ جدید میں بھی رواج نہیں۔ ہائے مختفی کے بعد کی صورت دوسری ہے۔ اب جو دیکھتا ہوں تو پورا متن ایسے عجائب سے پُر ہے۔ ذرا طبیعت روبراہ ہو تو تفصیل کے ساتھ اُسے دیکھوں۔ کوئی ایرانی (خاتون؟) دکتر ''شہیندخت کامران مقدم'' ہیں انھوں نے تصحیحِ متن فرمائی ہے اور یہ ستم کیا ہے کہ کہیں تو خالص ہندستانی اندازِ کتابت رکھا ہے جیسے ''دانائی'' اور کہیں ایرانی انداز ہے اور کہیں ایسا انداز ہے جو نہ یہاں ہے، نہ وہاں، مثلاً:

''ماہی بچۂ شوخ بہ شاہین بچۂ گفت''

کیا آپ ان خاتون سے واقف ہیں؟ [۱۲]

یا مثلاً:

''اگر دانایی راز آید کہ نیاید'' (دو یٰ کے ساتھ)

اگر فرصت ملا کرے تو کبھی کبھار اپنی خیریت سے مطّلع کرتے رہا کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ یہ مقالہ میں نے اپنی ادارت (باشتراک ڈاکٹر گوہر نوشاہی) میں شائع ہونے والے پرچے کتاب شناسی کے دوسرے شمارے (اسلام آباد، ۱۹۸۸، صفحات: ۱۷۶-۱۴۵) میں شائع کر دیا۔

۲۔ غرائب اللّغات پہلا اردو-فارسی لغت ہے۔ سراج الدین علی خاں آرزو نے اس کا محاکمہ نوادر الالفاظ کے نام سے لکھا۔ نوادر الالفاظ ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم کے اہتمام سے انجمن ترقی اردو،

کراچی سے ۱۹۵۱ء اور ۱۹۹۲ء میں چھپ چکی ہے، لیکن خود غرائب اللغات ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ خان صاحب اسے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اواخر حیات میں یہ منصوبہ ترک کردیا۔ غرائب کے نسخۂ کراچی کی افادیت اور اہمیت یہ ہے کہ کاتب نے اس کے حاشیے پر خان آرزو کے حواشی بھی نقل کردیے ہیں جو نوادر الالفاظ سے قدرے مختلف ہیں۔ ان حواشی کو نوادر کا پیش نویس کہنا چاہیے۔

۳۔ بعد میں یہ مسودہ اسی نام سے مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور نے اگست ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔

۴۔ مجلہ کتاب شناسی کا اجرا میں نے ڈاکٹر سفیر اختر (اختر راہی) کے ساتھ مل کر ۱۹۸۶ء میں کیا تھا۔ یہ پرچہ کتاب نویسی، کتاب آرائی اور کتاب شناسی کے جملہ مسائل اور مباحث اور تازہ مطبوعہ کتب پر ٹھوس ناقدانہ تبصروں کے لیے شروع کیا گیا۔ اس کا دوسرا شمارہ ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر گوہر نوشاہی کے ساتھ مل کر نکالا اور تیسرا ۱۹۹۱ء میں تن تنہا چھاپا۔ اس کے بعد اس کی اشاعت بند ہوگئی۔

۵۔ مشفق خواجہ (۲۰۰۵-۱۹۳۵ء) اردو کے نامور محقق جو کراچی میں مقیم تھے اور وہیں انتقال کیا۔

۶۔ حقیقت یہ ہے کہ غرائب اللغات کے نسخۂ میوزیم کی فوٹو کاپی کے لیے میں نے اپنے دوست مکرّم ڈاکٹر ظفر اقبال، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی سے کہا تھا اور انھوں نے اپنے اثر و رسوخ سے یہ "ناممکن" کام انجام دیا اور فوٹو کاپی بنوا کر مجھے ارسال کی جو خان صاحب کی خدمت میں پیش کردی گئی۔

۷۔ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد [اب نیا نام: ادارۂ فروغ قومی زبان] کے صدر نشین ڈاکٹر جمیل جالبی (عرصۂ صدارت: ۱۷ رنومبر ۱۹۸۷ء تا ۱۶ رنومبر ۱۹۹۴ء) اور تاریخ ادب اردو کے مصنف۔

۸۔ یہ استفسار کتاب شناسی کے لیے دیے گئے مقالے کے بارے میں ہوسکتا ہے جو اسی سال شمارہ ۲ میں شائع ہوگیا تھا۔

۹۔ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی، سابق صدر شعبۂ فارسی دہلی یونی ورسٹی، میرے قیامِ تہران کے دوران کسی کانفرنس میں شرکت کے لیے تہران تشریف لائے تھے، یہ خط ان کے ہاتھ بھیجا گیا۔

۱۰۔ باغ و بہار از میر امّن دہلوی، مرتبہ رشید حسن خاں، شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، ۱۹۹۲ء۔

۱۱۔ وہاں سے مراد ایران ہے جہاں ان دنوں مقیم تھا۔ میں نے ایران کی تا حال جامع ترین فہرست مخطوطات، فہرست وارۂ دست نوشت ہای ایران مرتبہ مصطفیٰ درایتی سے رجوع کیا۔ ایران میں غرائب کا کوئی نسخہ نہیں ملا۔

۱۲۔ ایرانی خاتون ڈاکٹر شہیندخت کامران مقدم (مرحومہ) کچھ عرصہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

سے وابستہ رہیں اور اکادمی کی فارسی مطبوعات میں مشیر رہیں۔ کلیاتِ اقبال جس کا ذکر ہوا ہے، وہ بھی اسی اکادمی سے شائع ہوا تھا۔ مرحومہ نے اکادمی کے کچھ اردو کتب کے فارسی تراجم کیے اور اکادمی سے چھپوائے، جن میں جسٹس جاوید اقبال کی زندہ رود کا ترجمہ جاویدان اقبال، مطبوعہ ۱۹۸۵ء بھی شامل ہے۔ میں ان سے پاکستان میں چند بار مل چکا تھا۔ مرحومہ کے ''کارناموں'' میں ایک یہ ہے کہ انھوں نے دو پاکستانی مصنفین حافظ نذر احمد و مخدوم صابری کا ایک اردو-فارسی لغت، فرہنگ عصریہ، جو پہلے لاہور سے شائع ہو چکا تھا، اسی کا عکس تہران سے کتاب کا نام بدل کر [فرہنگ مختصر اردو-فارسی] اپنے نام سے چھپوالیا!

◆◆◆

بنام: عبید اعظمی، ممبئی

(۱)

شاہ جہان پور
۱۷؍جون ۲۰۰۳ء[۱]

عزیزم عبید صاحب!

آپ کا خط مرقومہ ۲۵؍مئی، مجھے مئی کے آخر میں مل گیا تھا، لیکن خرابیِ صحت کی وجہ سے بروقت جواب نہیں لکھ سکا، معذرت طلب ہوں۔ اردو چینل کا ایک شمارہ بھی ملا تھا، اِس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

عروض میری مجبوری رہا ہے، دل چسپی کی چیز کبھی نہیں بن سکا۔ یہ قطعی طور پر درست نہیں کہ شاعر کے لیے عروض جاننا ضروری ہے۔ موزونیِ طبع اصل چیز ہے۔ جو لوگ اشعار میں عروضی ایچ پیچ کے کرشمے دکھاتے ہیں (ایسے بعض حضرات موجود ہیں) اُن کے ایسے اشعار عموماً شعریت سے معرّا ہوتے ہیں۔ میرا بس چلے تو میں ایسے پیچ دار شعر کہنے والوں کو پُرانے سوویت لیبر کیمپ میں بھجوادوں۔ ہاں مدوّن کے لیے عروض جاننا لازم ہے، یہ اُس کی مجبوری بھی ہے اور ضرورت بھی۔ مدوّن اور محقق مجبور ہے کہ ہر ضروری عروضی بحث قدیم نظام کے تحت کی جائے؛ یوں کہ جو اشعار زیرِ بحث آتے ہیں، وہ اُسی قدیم نظام کے تحت کہے گئے ہیں۔ کسی بھی جدید نظام کے تحت اُن پر گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ کی جائے گی، تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ جس طرح جدیدیت، مابعد جدیدیت، ردِ تشکیل وغیرہ مباحث تخلیق کاروں کے کام کی چیز نہیں، یہ صرف ناقدین کی سخن طرازیوں کے لیے ہیں؛ اُسی طرح عروض بھی شاعروں کے لیے نہیں، شاعری پر بحث کرنے والوں کے لیے کبھی کبھار ضروری ہوسکتا ہے۔

اب رہا نیا نظامِ عروض؛ تو کئی بار اِس سلسلے میں کوشش کی گئی، مگر کوئی بات نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ اور یہ میں کہہ چکا ہوں کہ تدوین اور تحقیق میں اگر عروضی بحث کسی جگہ آئے گی، تو وہ مقرّرہ نظام کے تحت ہی ہوگی۔

میں بوڑھا اور از کارِ رفتہ شخص، نئے خیالات کا شاید ساتھ نہیں دے پاتا۔ کیا کروں، اِس مجبوری کا علاج مجھے نہیں معلوم۔ یہ تو شاید لاعلاج ہے۔ آپ نئے خیالات اور نئے اندازِ نظر کے ساتھ بہت کچھ کر سکتے ہیں اور یہ آپ ہی لوگوں کا حق ہے۔ جب کتاب مکمل ہو جائے گی، تب اُسے دیکھ کر کوئی حتمی رائے دے سکوں گا۔ آپ نے خط لکھا، اِس سے جی خوش ہوا اور آپ کے لیے دل سے دُعا نکلی۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: عبید اعظمی
شاہ جہاں پور
یکم جنوری ۲۰۰۴ء

عزیزم عبید صاحب!

بہت سی دُعائیں۔

پیکٹ کل ملا۔ ارے بھائی! آپ کو میری صحت کا احوال شاید پوری طرح معلوم نہیں۔ رباعی سے متعلق چند سطریں لکھنے کے لیے، پچھلی بحثوں کو از سرِ نو دیکھنا ضروری ہے اور اِس مرحلے کو طے کرنا اب میرے لیے بہت مشکل ہے۔ سرسری طور پر یا رسماً چند سطریں لکھنا، اِس کو میں نے کبھی درست نہیں سمجھا اور اب بھی درست نہیں سمجھتا۔ یہ قطعی طور پر غیر علمی طریقۂ کار ہے۔ تو میری اس مشکل کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے میری معذرت قبول کر لیجیے۔ یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ نے فرمایش کی اور یہ میری بے توفیقی ہے کہ اُس کو پورا نہیں کر سکتا۔ پہلے کی طرح صحت مند ہوتا تو لازماً آپ کی فرمایش کی طرف توجہ کرتا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ عبید اعظمی، ممبئی میں رہتے ہیں، شاعر ہیں اور عروض پر کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ اِنھوں نے اپنا نام عبید اعظمی عروضی رکھا ہے۔ راقم پچھلے سال ممبئی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں دو دن لکچر دینے گیا تھا، وہاں اِن سے ملاقات شعبۂ اردو میں ہوئی تھی۔ یہ، مجھے ملنے اور رشید حسن خاں صاحب کے دو خطوں کا عکس دینے آئے تھے۔ اچھے، با اخلاق اور ملنسار انسان ہیں۔ یہ خط خاں صاحب نے شاہ جہان پور سے ۱۷رجون ۲۰۰۲ء کو لکھا تھا۔ اِس کی پُشت پر شاہ جہان پور ڈاک خانے کی مہر ۲۱رجون ۲۰۰۳ء کی ہے اور ممبئی کی ۲۳رجون ۲۰۰۳ء کی۔ ایسا لگتا ہے کہ ۲۰۰۲ء خاں صاحب کے قلم کی لغزش ہے۔

۲ یہ، دونوں خط ۲۲-بازو زئی دوم، شاہ جہان پور (یوپی) ۲۴۲۰۰۱ سے

Mr. Obaid Azmi,
3/304, Shama Complex
Pipe Road, Kurla, Mumbai-400070

کے پتے پر لکھے گئے ہیں۔

●●●

بنام: عقیل رضوی، پروفیسر سیّد محمد

(۱)

ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۸؍اپریل ۱۹۷۹ء[1]

مُحبِّ مکرّم! تسلیم

محبت نامہ ملا تھا۔ مجھے باضابطہ اطلاع اب ۱۴؍اپریل کو ملی ہے۔ جواب میں تاخیر کی وجہ یہی ہے۔

صاحب! آپ کی مبارک باد میرے لیے اُس رقم سے کہیں زیادہ حیثیت رکھتی ہے، اس لیے کہ اُس کی حیثیت محض مالی امداد کی ہے اور اِس کی حیثیت ایک ادیب کے جذبے کی اور ادبی انا اِسی کی بھوکی ہوتی ہے۔

بھائی! وہ تبصرہ میری طرف سے تو آپ کے ذمّے ہے۔ اب آپ اگر اُس کتاب کو اپنے لائق نہیں سمجھتے تو یہ دوسری بات ہے، اگر آپ کے سوا کسی اور صاحب کا تبصرہ شائع ہوا تو میں یہی سمجھوں گا، میں اِس سلسلے میں لین دین کا قائل نہیں۔ جین صاحب ریڈیو پر تبصرہ کر چکے ہیں لوگ سُن چکے ہیں، اب وہی چھپے تو یہ تکرارِ محض ہوگی۔ جین صاحب نے خط میں مجھے اس سے مطلع کیا ہے۔ میں نے آج ہی اُن کو بھی خط لکھا ہے، لیکن اِس سلسلے میں نہیں۔ اُسے کہیں اور بھیجنے دیجیے اور یہاں مشینوں کی تکرار کو روا مت رکھیے۔

ہاں بائی! امیر خسرو سے جو کچھ منسوب ہے (ہندوی کلام) اُس کا انتساب قابلِ قبول نہیں، ہرگز نہیں۔ کوئی قابلِ قبول سند اب تک نہیں ملی ہے۔ ہندوی بھی انھوں نے کہا ضرور ہے، وہ ہے کہاں اِس کا احوال معلوم نہیں۔ جو کچھ اُن سے اب منسوب کیا جاتا ہے یا کہا گیا ہے وہ سب تحقیق کے نقطۂ نظر سے قطعاً قابلِ قبول نہیں۔ یوں لوگ راگ گاتے رہیں اور ستار بجاتے رہیں اور ان سب کو امیر خسرو کا فیض سمجھتے رہے، عرس اور قوالی میں جو کچھ گایا

جاتا ہے، وہ بجاے خود دل چسپ ہوتا ہے لیکن عموماً معتبر نہیں ہوگا، اوروں کے لیے ہوگا، ہمارے آپ کے لیے نہیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

شاہ جہان پور

۲۰ رمئی ۲۰۰۵ء

حضورِ والا، جنابِ عالی!!

کیسا مزاج ہے؟ میں نے کئی بار فون کیا، رابطہ نہیں ہو سکا، بتایا گیا کہ یہ نمبر غلط ہے۔ میرے پاس یہ نمبر ہے: 2659535۔ نیا نمبر کیا ہے، مطّلع کیا جاؤں۔ آواز سن کر ہی یہ فرض کرلوں گا کہ دیکھا بھی اور باتیں بھی کیں۔ یہ آپ بار بار نمبر کیوں بدلتے ہیں؟ ایک نمبری کیوں نہیں ہو جاتے۔

ایک نیا کام شروع کیا ہے، اردو کا پہلا لغت جو آج تک چھپا نہیں۔ یہ اردو کے تشکیلی دور کے دستاویزی لسانی بیانات کا مجموعہ ہے گویا۔ ہریانی کے اثرات کا اِس سے صحیح طور پر اندازہ ہو سکے گا۔ ابتداے عہدِ عالم گیر اِس کا زمانہ ہے۔ خانِ آرزو نے اس بیچارے مرتب مولوی ہانسوی کو جگہ جگہ عوام اور جُہّال کا نمایندہ بتایا ہے۔ تعجب ہوتا ہے اُن کے بیانات پڑھ کر جو سراسر تشکیلی دور کی لفظ سازی اور علاقائی استعمالِ عام سے کم آشنائی پر مبنی ہیں۔ بہ ہر طور، کل بے اختیار جی چاہا کہ آپ جیسے مخلص کی راے پوچھ لوں کہ یہ (۱) کام کرنے کا ہے؟ (۲) یہ انداز ٹھیک ہے؟ ایک پڑھا کو بزرگ کیا فرماتے ہیں بیچ اِس مسئلے کے؟ چشم براہ ہوں۔

بھائی! اِس کام کو یوں زور کررہا ہوں کہ کوئی دوسرا نہیں کرے گا، بہت صبر آزما اور پُول کھُول کام ہے۔ اب آپ میری سخت جانی کی داد دیجیے یا پھر اُس پر تین حرف بھیجیے مگر اپنی راے لکھیے، جو مزاجِ یار میں آئے۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی
شاہ جہان پور
۲۹/جون ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم!

۲۶/جون کو آپ کا خط ملا جس پر تاریخِ تحریر ۲۷/مئی لکھی ہوئی ہے، یہ مہینا بھر کہاں رہا، معلوم نہیں۔

ہاں صاحب! مجھے آپ کے خط کے ایک ایک لفظ سے مکمل اتفاق ہے۔ میں نے خط ملنے کے دوسرے ہی دن ہانسوی صاحب کے کاغذات کے بستے کو بہت احتیاط کے ساتھ باندھ کر طاقِ نسیاں کا گلدستہ بنادیا۔ سچ ہے، اِسے کون پڑھتا! اصل میں قلم گھسنے کی عادت اِس قدر راسخ ہو چکی ہے کہ بیکار بیٹھا نہیں جاتا۔ چوں کہ گھر سے باہر نکلنا ہوتا نہیں ڈاکٹری ہدایت کے مطابق، یوں جی گھبرانے لگتا ہے۔ ایک چھوٹے سے کمرے کا قیدی ہو کر رہ گیا ہوں۔ بہ ہر طور یہ دن بھی گزر ہی جائیں گے۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ کسی دن فون پر گفتگو ہوگی۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی
شاہ جہان پور
۲۴/جولائی ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم!

خط ملا تھا۔ آپ کی تجویز عمدہ ہے، خوب اور بہت خوب ہے، مگر اِس میں میرے لیے ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ میں نے کبھی کسی طرح کی یادداشتیں تیار نہیں کیں، دوسری طرف میری اپنی یادداشت کا احوال اب یہ ہو گیا ہے کہ نام تو عموماً بھول جاتا ہوں، واقعات نئے ہوں یا پُرانے آدھے تہائی یاد آتے ہیں اور بہ مشکل۔ یہ عالم پچھلے ڈیڑھ سال سے ہے اور یہ غالباً مسلسل بیمار رہنے کا نتیجہ ہے؛ ایسی صورت میں پچھلی باتوں کو لکھنا ممکن نہیں۔ غیر

مرتب اور پارہ پارہ واقعات لکھنے کا حاصل کچھ نہیں۔ اب تو یہ حال ہوگیا ہے کہ چند روز پہلے پڑھی ہوئی تحریروں کا بڑا حصہ ذہن میں کہیں گم ہو جاتا ہے، ہر بار اصل کو دیکھنا پڑتا ہے۔ آپ خود سوچیے کہ احوال یہ ہو تو کیا لکھوں گا۔ اِس کا افسوس ہے کہ ایک بہت عمدہ تجویز پر عمل نہیں کر سکتا، معذرت طلب ہوں۔

فی الوقت تو اشاریۂ کلامِ غالبؔ کے کمپوز شدہ صفحات کی تصحیح میں مصروف ہوں۔ یہ بھی صبر آزما کام ہے، اِس سے ذرا نجات ملے تو پھر کچھ اور سوچوں گا اور آپ سے مشورہ کروں گا۔

ہاں صاحب! پچھلے پانچ دن میں پانچ بار آپ کو فون کیا۔ گھنٹی ہر بار بجتی رہی، کسی نے فون اُٹھایا ہی نہیں۔ کیا فون خراب ہے؟

پرسوں ایک صاحب نے فون پر بتایا کہ الٰہ آباد سے نیا سفر دوبارہ نکلنا شروع ہوگیا ہے، کیا یہ خبر درست ہے؟

توقع کرتا ہوں کہ مزاج بہ خیر ہوگا۔ آخر شب خون کو آپ نے بند کرا ہی دیا!

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ کسی کتاب کے تبصرے اور امیر خسروؔ کے کلام سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

۲ مقام شاہ جہان پور، تاریخ ۲۰ رمئی ۲۰۰۵ء؛ دونوں اوپر درج ہیں۔ اس خط کے ذریعے سیّد محمد عقیل رضوی صاحب کو یہ اطلاع دی ہے کہ اِنھوں نے ایک نیا کام مولوی ہانسوی کے غرائب اللغات کو مرتب کرنا شروع کیا ہے۔ یہ لغت ابتدائے عہدِ عالم گیر کا ہے۔ خاں صاحب نے عقیل رضوی صاحب کی رائے طلب کی ہے کہ کیا یہ کام مرتب کرنے کا ہے۔ اپنا انداز ظاہر کیا ہے اور اِس کے درست ہونے سے متعلق پوچھا ہے، خاں صاحب نے یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ یہ کام کرنے کا ہے، کیوں کہ اور کوئی اِسے نہیں کرے گا۔ خاں صاحب نے اِس کام کو ۲۰۰۵ء میں شروع بھی کیا تھا۔ بیچ میں اِنھوں نے اِس کام کو روک دیا اور پروفیسر رفیع الدین ہاشمی (لاہور والے) کے اشتراک سے اقبالؔ کے کلامِ اردو کی تدوین شروع کر دی، لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور فروری ۲۰۰۶ء میں وہ اللہ کو پیارے ہوگئے اور یہ دونوں کام دھرے رہ گئے۔ اب کوئی یہ کام نہیں کرے گا۔

۳ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ سیّد محمد عقیل رضوی کی ہدایت کے مطابق خاں صاحب نے

مولوی ہانسوی کے غرائب اللغات کا بستہ بڑی احتیاط کے ساتھ باندھ کر طاقِ نسیاں کا گلدستہ بنادیا۔ واقعی اگر یہ مرتب ہو بھی جاتا تو اسے کون پڑھتا۔

۴۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ سیّد محمد عقیل رضوی صاحب نے کسی تحریر کے لکھنے کی فرمائش کی ہے، مگر خاں صاحب نے معذرت کرلی ہے کہ ایک تو وہ کلامِ غالب کے اشاریے کے کمپوز شدہ اوراق کی تصحیح کررہے ہیں، دوسرے اب پُرانے واقعات کا بڑا حصہ انھیں یاد نہیں رہتا۔ اس لیے وہ اس عمدہ تجویز پر عمل نہیں کرسکتے۔

○○○

بنام: فاروق انصاری، ڈاکٹر

(۱)

ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۶/اگست ۱۹۹۴ء[۱]

عزیزم!

خط ملا۔ میں ایک ضرورت سے ۳۱/اگست کو شاہ جہان پور جاؤں گا، واپسی ۱۶/ستمبر کو ہوگی۔ اب آپ اِس طرح خط لکھیں کہ مجھے ۱۶/کو مل جائے۔ حالات معلوم کرنے کی فکر لگی رہے گی۔

اطہر فاروقی صاحب کہاں ہیں۔ آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ یہاں نہیں۔ اُن کو میرا پروگرام بتا دیجیے اور کہیے کہ ۱۶/ستمبر کے بعد مل لیں اور خط اِس طرح لکھیں کہ مجھے ۱۶/کو مل جائے۔

رشید حسن خاں

(۲)

بہ نام: ڈاکٹر فاروق انصاری
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۵/ستمبر ۱۹۹۴ء[۲]

عزیزم!

۲۷/اگست والا خط مجھے ۲۳/ستمبر کو ملا، یوں کہ میں ۲۴ دن کے بعد ۲۳/ہی کو واپس آیا۔ جو ہوا، وہ ٹھیک ہوا۔ آئندہ بھی جو ہوگا، وہ ٹھیک ہوگا۔ معاملات کو اِسی نظر سے دیکھنا

چاہیے۔ مناسب مشورے کے تحت یہی کرنا چاہیے تھا۔ دہلی جب بھی آنا ہو، خط ضرور لکھ دینا۔ رہنے کا انتظام ہوگیا، اِس سے مجھے بہت اطمینان ہوا۔ اپنی ذمّے داریوں کو اچھی طرح پورا کرنا چاہیے۔ ابھی تک جنوب والے، شمال والوں کے مقابلے میں زیادہ پابندی پسند ہیں۔ وہاں اُس قماش کی آزادی نہیں ہوگی جو یہاں حاصل تھی اور اُس کی تمنا بھی نہیں کرنا چاہیے۔ غالباً اکتوبر میں اِدھر کا پھیرا ہوگا، اُس وقت مفصّل گفتگو ہو سکے گی، اب اکتوبر بھی کچھ دور نہیں۔ میری دعائیں کارفرما رہیں گی۔ خط پابندی سے آنا چاہیے، یعنی مہینے میں ایک خط تو ضرور ملنا چاہیے تاکہ حالات معلوم ہوسکیں۔ اطہر فاروقی کا خط آیا تھا، کمرا خالی کرنے کا نوٹس اُن کو ملا ہے۔ بہ مشکل ایک ماہ کی اجازت مل سکی ہے۔ وہ ۳۰ر کو آئیں گے تو پوری بات معلوم ہو سکے گی۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

(۳)

بہ نام: ڈاکٹر فاروق انصاری
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔ ۱۱۰۰۰۷
۳۱ر اکتوبر ۱۹۹۴ء سے

عزیزم!

خط ملا، اطمینان ہوا۔ تمھارا بھیجا ہوا نقشہ وہاں کے حساب سے ٹھیک معلوم ہوتا ہے، البتہ ایک دو باتیں محلِ نظر ہیں۔

''ذ ز ژ ض ظ'' اِس گروپ میں ''ژ'' کیوں شامل کی گئی، جب کہ اِس کا تلفظ ی کا سا ہوتا ہے، جیسے: مژگاں۔ ذ ز ض ظ اِن چاروں آوازوں کا مخرج ایک ہے، مگر ژ کا مخرج بالکل الگ ہے۔ اس کا مخرج وہی ہے جو ی کا ہے۔ بول کر دیکھیے۔ ث ص س کا ہم مخرج ہیں، مگر ش کا مخرج الگ ہے۔ یہ سب سے الگ مخرج کا حرف ہے۔

ی ن م۔ اس میں ی کی شمولیت سمجھ میں نہیں آئی، ء ھ کا ساتھ بھی بے اصولا ہے۔ دونوں بالکل الگ الگ آوازیں ہیں۔ جاذ اور بھگت میں کیا چیز مشترک ہے؟

ہاں حروف یا آوازوں کی ٹیبل جو بنائی ہے، اُس میں ہندی کی خاص آواز اے، ای میں ای کو اِی لکھی ہے، یہ، درست نہیں، اَی ہونا چاہیے۔ اردو میں یہ، واول مفرد صورت میں شاید ہی کہیں آیا ہو، ہاں بعض مرکّب آوازوں میں اتا ہے، مگر وہ دوسری چیز ہے۔

اردو میں ابتدائے لفظ میں خُوشہ (کلسٹر) نہیں آتا، ہندی میں آتا ہے، انگریزی میں بھی آتا ہے جیسے School، اردو والے اِسکول کہتے ہیں۔ ساؤتھ میں شاید سکول کہتے ہوں، لیکن وہ معیاری اردو کا لہجہ نہیں۔ اردو میں مخلوط آواز کے ساتھ خوشہ آتا ہے جیسے: پیار۔ اِسے پیَار لکھتے ہیں اور پ کے نیچے زیر مانتے ہیں اور ی کو مخلوط مانتے ہیں۔ لسانیات میں ایسا نہیں۔ مئی مہینے کا نام ہے، اس میں اردو گرامر کے لحاظ سے ہمزہ مخلوط ہے اور اِس کی جو آواز ہے، یعنی مخلوط آواز، وہ اَی سے قریب ہے۔ مئی، اِسی طرح گجئی (گیہوں جَو ملے ہوئے) اَگرئی، سُرمئی۔ تو یہ مخلوط آواز اَی سے قریب ہے۔ اِس وقت میرے ذہن میں کوئی ایک بھی ایسا لفظ نہیں جس میں اَی کی مفرد آواز ہو، جیسے اَو یا اُو، یا ای کی ہے۔ اس کے متعلق وہاں کے اساتذہ سے بات کرلینا۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب حروفِ علّت (ا، و، ی) ساکن ہوتے ہیں، تب تو یہ حروفِ علّت ہوتے ہیں، مگر جب یہ متحرّک ہوتے ہیں، اُس وقت یہ حرفِ صحیح کا کردار ادا کرتے ہیں، مثلاً: ''وَقت'' اور ''بَخت'' میں واو اور ب کا کردار ایک جیسا ہے۔ اسی لیے قواعد میں حروفِ علّت کو دُہرے کردار کے حرف مانا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب یہ ساکن ہوں گے، تب حرفِ علّت ہوں گے، لیکن جب یہ متحرّک ہوں گے، تب یہ حرفِ صحیح ہوں گے۔ لسانیات والے کیا کہتے ہیں، یہ معلوم کرلو اور مشورہ کرلو وہاں۔

خط لکھتے رہو، بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

(۴)

بہ نام: ڈاکٹر فاروق انصاری
ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔۷۔۱۱۰۰۰۷
۲۱ر اپریل ۱۹۹۵ء

عزیزم!

خط مرقومہ ۵؍اپریل مل گیا، مگر صرف ایک ہفتے پہلے۔ یہ پڑھ کر اطمینان ہوا کہ وہاں کا کام بہ خوبی انجام کو پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ خدائے پاک کام یابی کو رفیق کار رکھے۔ مولانا منظور یہاں آئے تھے، بہت مصروف تھے، بس دور سے سلام دعا ہو سکی۔ اُن کی مصروفیت میں مخل ہونا میں نے مناسب نہیں سمجھا۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

(۵)

بہ نام: ڈاکٹر فاروق انصاری
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۰؍جولائی ۱۹۹۵ء [۵]

عزیزم!

خط ملا۔ سمینار کی کام یابی سے جی خوش ہوا۔ یہ دراصل تمھاری لگن اور کوشش کا نتیجہ ہے۔ ترقّی کی خبر سے بھی مسرّت ہوئی۔ خدا مزید ترقّی عطا کرے۔ دل لگا کر کام کرتے رہو، کچھ نہ کچھ ضرور ہو رہے گا۔

میں ستمبر بھر جموں میں رہوں گا۔ یکم ستمبر سے ۳۰؍ستمبر تک، وہاں یونی ورسٹی میں ۱۲ لکچر دینا ہیں۔ پھر گھر جاؤں گا ۱۵ دن کے لیے۔ ۱۵؍اکتوبر کے بعد سے خالی ہوں گا اور جو کام ہوگا اُسے ضرور دیکھ لوں گا۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ یہ خط دہلی یونی ورسٹی سے لوکل پتے پر جناب ایم. فاروق انصاری، ۲۵۹- Preyar Hostel J.N.U., New Delhi-110067 کے نام لکھا گیا ہے۔ اِس پر دہلی ڈاک خانے کی دو مہریں ہیں، دونوں ۲۷؍اگست ۱۹۹۴ء کی ہیں۔

۲۔ یہ خط دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا۔ دہلی ڈاک خانے کی مہر دُھندلی ہے۔ Manasgangotri

Mysore کی مہر ۲۸ر ستمبر ۱۹۹۴ء کی ہے۔ فاروق انصاری صاحب اس وقت سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف لینگویجز میسور میں اردو اڈیٹر کے عہدے پر کام کررہے تھے۔ وہاں کا پن نمبر ۵۷۰۰۰۶ ہے۔ اِن لینڈ لیٹر ۷۵ر پیسے کا ہے۔

۳۔ یہ خط دہلی سے فاروق انصاری صاحب کے نام جو Manasgangotri C.I.I.L میسور میں آڈیو کیسٹ اڈیٹر کے عہدے پر کام کررہے ہیں، لکھا گیا ہے۔

۴۔ یہ اَن لینڈ لیٹر ۷۵ر پیسے کا ہے۔ دہلی سے لکھا گیا ہے۔ فاروق انصاری صاحب S.R.L.L.C سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف لینگویجز Manasgangotri میں آڈیو کیسٹ پروجیکٹ میں کام کررہے تھے۔

۵۔ اِس خط پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۱ر جولائی کی ہے۔ دو مہریں Manasgangotri Mysore کے ڈاک خانے کی ہیں، ایک ۲۴ر جولائی کی اور دوسری ۲۵ر جولائی ۱۹۹۵ء کی۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔ اس کی قیمت ۷۵ر پیسے ہے۔ فاروق انصاری صاحب اُس وقت Casette Covers Project Central Institute of Inain Languages میں کام کررہے تھے۔ وہاں کا پن کوڈ نمبر ۵۷۰۰۰۶ ہے۔

●●●

بنام: قمر الہدیٰ فریدی

(۱)

شاہ جہان پور

یکم جنوری ۲۰۰۴ء[1]

عزیز مکرّم!

ابھی خط ملا۔ مبارک باد کا شکریہ۔ ایسے مخلص عزیزوں کی مبارک باد سے بہت سے دکھوں کا اور غموں کا مداوا ہو جایا کرتا ہے۔

میری طرف سے نئے سال کی مبارک باد قبول کیجیے۔ ہاں بھائی! آپ تو الفاظ کے ساتھ میرے یہاں آیا کرتے تھے۔ رسالہ آیا، سمجھ لیا آپ بھی آ گئے۔ کیا وہ رسالہ بند ہو گیا؟ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

●●●

نوٹ: اُن دنوں سہ ماہی الفاظ علی گڑھ کی ادارت مکتوب الیہ قمر الہدیٰ فریدی کے سپرد تھی۔ خط میں اسی کا ذکر ہے۔ یہ خط ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی ڈیپارٹمنٹ آف اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ (یوپی) کے پتے پر بھیجا گیا ہے۔

بنام: کرامت علی کرامت، ڈاکٹر

(۱)

ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔۱۱۰۰۰۷
۱۴/دسمبر ۱۹۹۱ء[1]

مُحبِّ مکرّم!

میں کراچی گیا ہوا تھا، نیازؔ فتح پوری میموریل لکچر کے سلسلے میں واپسی پر آپ کا خط ملا۔ آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر، ضرور لکھوں گا، بس ذرا سی مہلت دے دیجیے۔ میں ۱۹/دسمبر سے وسطِ جنوری تک دہلی سے باہر رہوں گا، اُس کے بعد پہلا کام یہی ہوگا کہ آپ کے رسالے کے لیے کچھ لکھوں۔

اجرائے رسالہ کی مبارک باد۔ خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر کرامت علی کرامت
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔۱۱۰۰۰۷
۹/ستمبر ۱۹۹۲ء[2]

مُحبّی! آداب

خط ملا، شکریہ۔ میں ادھر دنوں سے مسلسل بیماری کی الجھنوں میں گرفتار رہا اور اب بھی دوا علاج جاری ہے، یوں لکھنا پڑھنا بس یوں ہی سا ہے۔

ایک بات ذہن میں آئی ہے۔ کراچی جب میں گیا تھا، وہاں ایک ادبی رسالے اقدار نے میرا انٹرویو لیا تھا اِس موضوع پر کہ زندہ لوگوں کو موضوعِ تحقیق بنانا چاہیے یا نہیں اور یہ کہ نئے شاعروں کے متعلق میری رائے کیا ہے، یعنی ان کی شعر گوئی سے متعلق۔ یہ اب چھپا ہے۔ ہندستان میں اسے کسی نے دیکھا ہی نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ رسالہ یہاں شاید ہی کسی کے پاس آتا ہو۔ اگر آپ کہیں تو میں اُس پر نظرِ ثانی کردوں، کچھ ترمیم اور کچھ تنسیخ کردوں اور اِس طرح آپ اُسے شاملِ رسالہ کرلیں۔ اگر آپ کو یہ منظور ہو تو خط لکھیے، میں اُسے دیکھ کر آپ کے پاس بھیج دوں گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

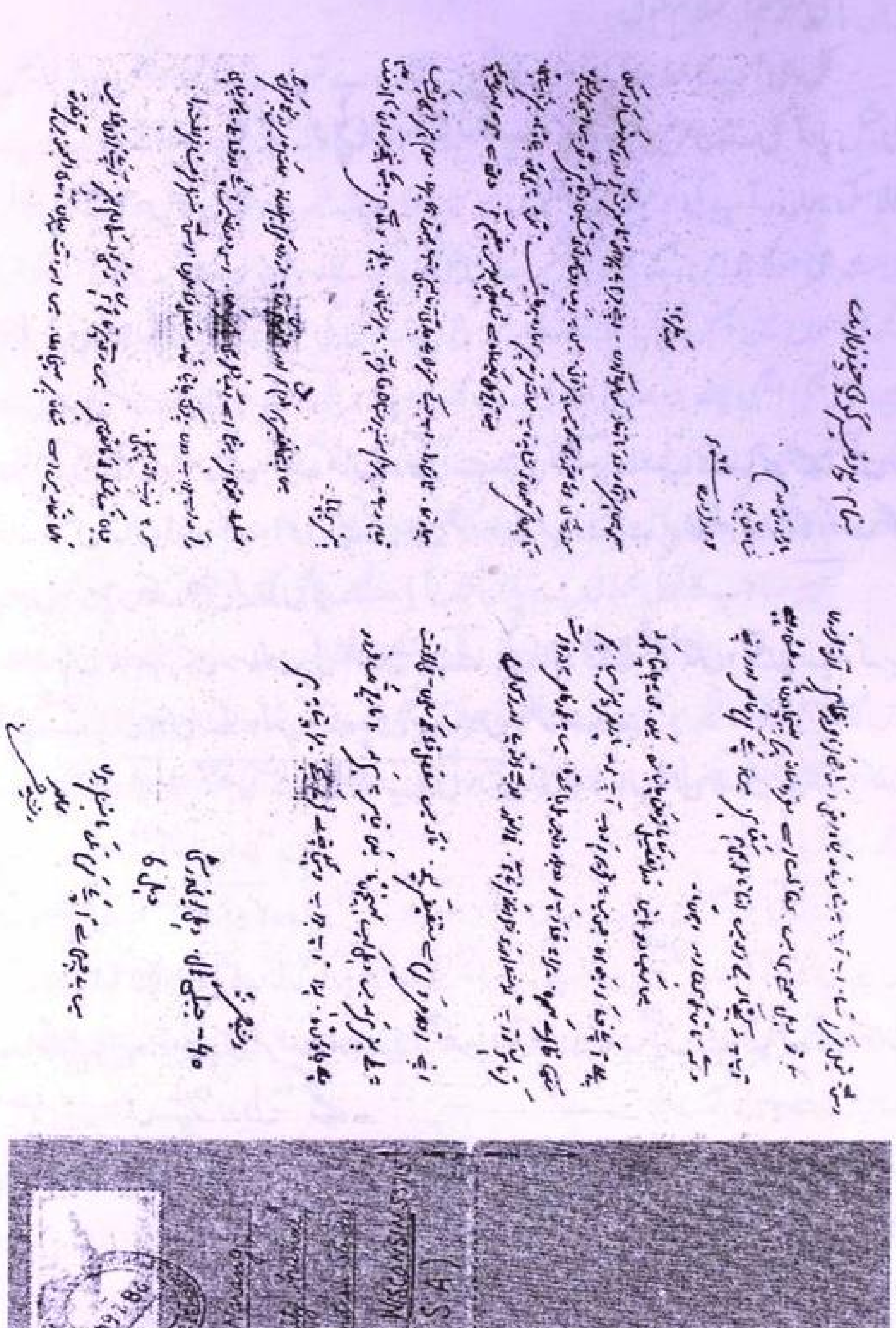
رشید حسن خاں

حواشی:

۱؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷ سے لکھا گیا ہے۔ لفافے کے عکس پر مہر کا اُلٹا عکس نظر آرہا ہے۔ کرامت علی کرامت صاحب نے کوئی رسالہ جاری کیا ہے، اُس کے لیے خاں صاحب سے کوئی تحریر مانگی ہے۔ خاں صاحب نے وعدہ کیا ہے مگر فرصت ملنے کے بعد۔ ماہ دسمبر ۱۹۹۱ء کے شروع میں خاں صاحب کراچی (پاکستان) نیاز فتح پوری میموریل لکچر کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔

۲؎ یہ خط ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷ سے لکھا گیا۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے جس کی قیمت ۷۵ پیسے ہے۔ اس پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ہے اور کٹک جی.پی.او کی مہر ۱۴ر ستمبر ۱۹۹۲ء کی بھی مہر ہے۔ کرامت علی کرامت صاحب نے اِس کا جواب ۱۷ر ستمبر ۱۹۹۲ء کو دیا ہے۔ پشت پر رشید حسن خاں صاحب کے دستخط بھی ہیں۔ پتا: ڈاکٹر کرامت علی کرامت، رحمت علی بلڈنگ، دیوان بازار، کٹک، اڑیسہ، پن: ۷۵۳۰۰۱

●●


بنام پروفیسر گوپی چند نارنگ
۴۰- جوبلی ہال، دہلی یونیورسٹی
دہلی ۶
BY AIR MAIL
AEROGRAMME
MADISON, WISCONSIN
(U.S.A)

بنام: گوپی چند نارنگ، پروفیسر

(۱)

۴ر فروری ۱۹۶۱ء[1]

برادرِ مکرّم!

دو کتابیں حاضر ہیں، ایک کتاب رہ گئی ہے، اس کو قمر صاحب کے ہاتھ بھیجنا ممکن نہ تھا۔ خاصی گراں ڈیل ہے، اس لیے کسی دن خود لے کر درِ دولت پر حاضر ہوں گا، ٹکٹ بھی پرسوں، ترسوں تک پیش کردوں گا۔

ہاں برادر! تین رسالوں کی سخت ضرورت ہے، اور مجھے توقع نہیں، یقین ہے، کہ یہ آپ کے پاس ہوں گے۔ آپ کے پاس تو کتابوں کا خزانہ ہے۔

(۱) ڈاکٹر جعفر حسین (عثمانیہ یونی ورسٹی) کا رسالہ جس کا نام غالبن [کذا] ''آسان املا'' ہے۔

(۲) الیاس برنی کا رسالہ

(۳) سجاد مرزا کا رسالہ ''اردو رسم خط''

بہ راہ کرم یا از راہ سرپرستی مرحمت فرمایئے۔ شکریہ ادا کرنے کا نہ سلیقہ ہے، نہ اس کے آداب معلوم ہیں، اس لیے ''دردل'' سمجھیے۔

آپ کا نیازمند

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ

باڑوزئی دوم

شاہ جہان پور

۲۹ر مئی ۱۹۶۲ء[2]

اخی مکرم! سلامِ شوق

کل ہی آپ کا خط ملا، یادآوری کا شکریہ۔ آپ نے لکھا ہے کہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کی مثل یاد آ گئی۔ میں عرض کروں گا کہ یہ وہم کبیر تم کو گنہ گار نہ کردے۔ بھلا میں آپ کو کیسے بھلا سکتا ہوں۔ آپ کی کرم فرمائی، خلوص اور ہمدردی ہمیشہ میرے شاملِ حال رہی۔ کوئی کافر طبیعت ہی ہوگا جو اس کے بعد بھی مکرنے کی کوشش کرے۔ بات یہ ہے کہ یہاں آتے ہی کچھ الجھنوں میں پھنس گیا۔ بچہ ہنوز زیرِ علاج ہے۔ اس کی طبیعت اب پہلے سے نسبۃً بہتر ہے، پھر بھی ابھی چند ماہ علاج جاری رہے گا۔ دوبار بریلی لے جاچکا ہوں۔ کئی دوسرے گھریلو قضیے میری راہ دیکھ رہے تھے، ان سے بھی نپٹنا پڑا، کچھ اب بھی دامن گیر ہیں۔ ان وجوہ سے خط نہیں لکھ سکا، اس تاخیر پر بے حد منفعل ہوں اور معذرت طلب۔

ظہیر صاحب کا کوئی خط میرے پاس نہیں آیا۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ ہیں کہاں۔

میں ان شاء اللہ ۲۱/ یا ۲۲/جون کو دہلی پہنچوں گا اور سب سے پہلے حاضر خدمت ہوں گا۔ ریویو کی تاخیر پر بھی معذرت خواہ ہوں۔ لیکن اب ان شاء اللہ جلد ہی اس فرض کو ادا کردوں گا۔ لطیف صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ انھوں نے کہا تھا کہ جامعہ کے ایک صفحے سے زیادہ نہ ہو۔

باڑوزئی اور متعلق سوال پر زبانی گفتگو ہوگی اور بالتفصیل۔ دیوانِ قائم کے کچھ اوراق میں یہاں لیتا آیا تھا۔ ظہیر صاحب کی فرمایش کے مطابق، آجکل انھیں کو نقل کر رہا ہوں۔ ۲۰/جون تک یہ کام بھی مکمّل ہو جائے گا۔ اسے بھی ساتھ لے کر آؤں گا۔ آپ اس زمانے میں دہلی سے باہر تو نہیں جائیں گے؟

ہاں یہ بھی دریافت طلب امر ہے کہ لاہور نمبر کے بعد نقوش کا کوئی عام شمارہ آیا یا نہیں؟ اردوے معلّی تو اب چھپ کر آ گیا ہوگا۔ اس کا منتظر ہوں۔ براہِ کرم جواب سے نوازیے۔ اور اگر کوئی قابلِ ذکر بات ہو تو اس سے بھی مطّلع فرمائیے، چشم براہ ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ

اسٹیٹ لائبریری
قلعہ رام پور
۵؍ستمبر ۱۹۶۲ء سہ

برادر مکرّم! سلامِ شوق

میں ۳؍کو بعد دوپہر یہاں پہنچ گیا۔ یہاں دیوان میر سوز کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے۔ کاتب بھی معقول معلوم ہوتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس میں کلام، نسخۂ علی گڑھ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس سے اندازہ کیجیے، کہ نسخۂ علی گڑھ میں حمد کی صرف ایک غزل ہے، اور اِس میں تین غزلیں ہیں۔

میں نے اصول یہ پیش نظر رکھا ہے، کہ متن بہرصورت صحیح ہو، اس کے لیے یہ فرض کرلیا ہے، کہ نسخۂ رامپور اصل ہے۔ اسی اصول کی بنا پر، متن کو نسخۂ رامپور کے مطابق صحیح کررہا ہوں۔ بعض مقامات ایسے ہیں، جہاں نسخۂ علی گڑھ کا متن صحیح معلوم ہوتا ہے، ایسے مقامات پر، نسخۂ علی گڑھ کا متن اختیار کیا ہے، اور نسخۂ رامپور کے متن کو، حاشیے میں، بہ طور اختلاف نسخ درج کیا ہے۔ زائد اشعار کو اسی غزل کے حاشیے پر لکھ لیا ہے اور زائد غزلوں کو، نمبر شمار ڈال کر، علاحدہ کاغذ پر درج کررہا ہوں۔ اگر اس طریق کار میں کچھ ترمیم کی ضرورت ہو، تو لکھیے، بہرصورت آپ کی مہر تصدیق، یا مزید رائے کا منتظر ہوں۔ ظہیر صاحب کو بھی میں نے یہی لکھا ہے۔

برادر! بے حد نامعقول شہر ہے۔ قلعہ وسیع، خوب صورت، شہر تنگ بدصورت۔ بھلا وہ بھی کوئی شہر ہے، جہاں نہ کوئی قاعدے کی چائے کی دکان ہو نہ صاف ستھری کھانے کی کوئی جگہ ہو۔ ایسی گندی دکانیں، کہ جامع مسجد کے علاقے کی دکانیں بھی شرما جائیں گی، اور ایسا بُرا کھانا کہ خدا کے بجائے صرف شیطان یاد آئے۔ لاحول ولاقوۃ۔ وہ تو یہ کہیے کہ چائے کا مکمل سامان، مع اسٹوو، ساتھ لے کر آیا تھا، ورنہ آدمی کے بجائے بنگالی بن کر لوٹتا۔

کاشف الحقائق کی جلد دوم، اکبر علی خاں کے حوالے اسی دن کردی۔ بے چارے ہمہ وقت مدد کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ ہاں صاحب! آپ کا پتا مجھے نہیں معلوم تھا، اس لیے یہ خط ظہیر صاحب کے لفافے میں ملفوف ہے۔ براہِ کرم اپنا پتا تحریر کیجیے، کہ باقاعدہ خط لکھوں کیوں کہ مہمان طفیلی نبود اہل قلم را۔

آپ کے مفصل خط کا منتظر ہوں۔ بھابھی صاحبہ کو سلام اور اس شریر بچے کو پیار۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ

رضا لائبریری، رام پور

۱۵/۱کتوبر ۱۹۶۲ء

مکرّمی نارنگ صاحب! سلام نیاز

آج ہی گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت! آپ میرے مکرّم ہیں، میں نے جو کچھ لکھا تھا، محض بر بنائے شگفتگی خاطر لکھا تھا۔ خدانخواستہ مقصود حقیقی وہ نہیں تھا۔ پھر بھی معذرت قبول کیجیے۔

ردیف ی کی غزلیات کے ۲۳ صفحے ارسال ہیں، حوالۂ زیدی صاحب کر دیجیے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کا ہاتھ نہ رکنے پائے۔

آپ نے یہ نہیں لکھا کہ میرے بھیجے ہوئے اوراق میں، طریق کار آپ نے پسند کیا یا نہیں میں آپ کی رائے کا منتظر تھا اور ہوں۔

یہ پڑھ کر سخت تشویش ہوئی کہ مزاج ناساز ہے۔ خدا کرے اب آپ مکمل صحت یاب ہو چکے ہوں۔

بے حد مسرّت ہوئی کہ حضرت خورشید الاسلام کے فرمودات سے آپ بھی لطف اندوز ہوئے اور میرے ریمارک سے بھی، آج کل ان کی ایک شاگردہ اور آپ کی بھی، اسما سعیدی صاحبہ یہاں آئی ہوئی ہیں میں نے ایک دن ان کے سامنے ان کے استاد کی خاصی مدح وثنا کی تھی۔ سنا ہے وہ بھی اب محققین میں شامل ہو رہے ہیں۔ جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا، واقعی اب ادب کے بُرے دن آگئے ہیں۔ پچھلے ہفتے میں نے یہاں ایک انجمن میں تقریر کرتے ہوئے اس بات کو کہہ دیا تھا، تو لوگوں نے نگاہ تعجب سے دیکھا تھا۔

جواب کا منتظر ہوں

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ

باڑوزئی دوم

شاہ جہان پور

۲۶ر فروری ۱۹۶۴ء

محبِ مکرّم!

سمجھ میں نہیں آتا کہ خط کا آغاز کس طرح کروں۔ اپنے جرم بے پروائی کا معترف ہوں اور اس حد تک کہ اس کی معذرت کی کوئی صورت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ بس یہ ایک احساس دل کو تسکین دیتا ہے کہ اگر میں اپنی پریشانیوں کا کچھ حال لکھوں تو شاید آپ معاف کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اگرچہ یہ بھی کوئی پناہ گاہ نہیں ثابت ہوگی۔

میں آج کل ایک ماہ سے شاہ جہان پور میں مقیم ہوں۔ دنوں سے بیوی اور ایک بچہ بیمار تھا۔ ٹالتا رہا، اب جب کہ منزل بے چارگی آن پہنچی، تب مجبوراً آنا پڑا۔ معلوم نہیں ابھی کب تک قیام رہے۔ بڑا سخت پریشان خاطر ہوں۔ یہ پریشانی، پانچ، ۶ ماہ سے ہے۔ جس کے نتیجے میں کوئی کام ڈھنگ کا نہیں ہو پایا۔

میں اپنی تقصیر پر نادم ہوں اور متوقع ہوں کہ آپ از راہ کرم برادرانہ معاف کرنے میں دریغ نہیں کریں گے۔ مخطوطہ محفوظ ہے۔ میں نے اسے ایک نظر بھی نہیں دیکھا۔ اس دوران میں آپ کے دو خط ملے۔ یہ سوچتا ہی رہا کہ اب جواب دوں۔ چوں کہ چاہتا تھا کہ مفصل خط لکھوں، اس لیے منتظر فرصت و فراغت رہا۔ سو یہ نوبت آن پہنچی۔

جہاں تک مخطوطے کا تعلق ہے، میں وعدے پر قائم ہوں کہ کسی کو اس کا علم نہیں، آپ نے آخری خط میں لکھا تھا کہ میں اسے مکان پر پہنچا دوں۔ میں اس وقت یہاں آنے کی الجھن میں گرفتار تھا اس لیے تعمیل نہیں کر سکا۔ اب آپ یہ بتائیے کہ کیا واقعی اس کا جمع کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ ضروری ہو تو دہلی پہنچتے ہی میں بحفاظت اسے مقررہ مکان پر پہنچا دوں گا مطمئن رہیے آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ مجھے اس میں ادنا تامل بھی ہو سکتا ہے۔ میں آپ کے کرم خاص اور اپنے وعدے کا قائل ہوں اور رہوں گا۔

میں ایک دو باتیں ذرا تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن جی یہ چاہتا ہے کہ پہلے

آپ کے خط کو دیکھ لوں، جس میں یہ تحریر ہو کہ اب آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں۔ پھر سکون خاطر سے لکھوں۔ میرا یہ خط آپ کو دو چار دن میں مل جائے گا۔ میں بہ طور خاص یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ گذشتہ امور کو نظر انداز کرتے ہوئے فی الفور جواب سے نوازیے اور اس طرح اپنے اخلاص و کرم سے مستفیض کیجیے۔ تاکہ میں مفصل خط لکھ سکوں۔ فی الوقت یہ طے نہیں ہے کہ میں دہلی کب پہنچوں گا، لیکن خیال یہ ہے کہ ۱۰ر مارچ تک ضرور چلا جاؤں گا۔ لہٰذا آپ جواب وہیں کے پتے سے تحریر کیجیے، میرا پتا یہ ہے:

رشید حسن خاں

40۔ جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی 6

میں بے چینی سے آپ کے کرم نامے کا منتظر ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ

40، جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی 6

۱۶ر اپریل ۱۹۶۴ء

محبِّ مکرّم! سلام شوق

آپ کا پوسٹ کارڈ، جس پر ۵ر اپریل کی تاریخ درج تھی، مجھے ۱۴ر اپریل کو ملا۔ منت پذیر ہوں کہ آپ نے از راہ کرم خاص نوازا اور میری تاخیر مسلسل کو نظر انداز کر دیا۔ اب ان شاء اللہ یہ صورت نہیں پیدا ہوگی۔ مجھے یہ تو یقین تھا کہ آپ کی ناراضی بہ ہر صورت ختم ہو جائے گی، کیوں کہ اچھے آدمی دوسروں کے اعتراف قصور کو ضرور تسلیم کر لیتے ہیں۔

پہلے تو مخطوطے کے بارے میں عرض کروں۔ وہ ہنوز اُسی طرح محفوظ ہے، میں نے اس کا ایک ورق بھی نہیں دیکھا۔ آپ بالکل مطمئن رہیے۔ یہ آپ کی امانت ہے اور یہ اسی طرح محفوظ رہے گی جس طرح میری عزیز ترین اشیا رہتی ہیں۔ آپ اس دوران میں بھی جس وقت لکھیں گے، میں اس کو واپس کر دوں گا۔ یہی وعدہ پہلے بھی تھا اور وہ ہنوز قائم ہے۔

اگر ضرورت نہ ہو، تو اُسے فی الحال میرے ہی پاس رہنے دیجیے۔ یہ مزید کرم ہوگا۔

یہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ علی گڑھ تاریخ ادب اردو کی پہلی جلد شائع ہو گئی۔ بڑا شور سنتے تھے، ایک قطرہ بھی نہیں نکلا۔ اڈیٹوریل بورڈ میں سارے معروف بزرگانِ ادب کے نام درج ہیں، لیکن کتاب، بلا مبالغہ گناہ گار کا نامۂ اعمال ہے۔ میں نے اس پر ایک سرسری تبصرہ لکھا تھا، اتفاق یہ کہ وہ بے حد پسند کیا گیا اور آٹھ مختلف رسائل و اخبارات نے اسے، طویل حواشی کے ساتھ نقل کیا۔ بات اس حد تک بڑھی کہ آخر یونی ورسٹی کو اس کی فروخت باضابطہ روک دینا پڑی۔ آپ یہاں ہوتے تو اس تبصرے کی داد آپ سے لیتا۔ اب کتاب اسٹاک روم میں پڑی ہے، میں نے اربابِ اختیار میں سے ایک سے پوچھا کہ حضرت! غلط نامہ کتنی جلدوں میں ہوگا؟ جواب ندارد۔ آپ آئیں گے تو وہ تبصرہ آپ کو دکھاؤں گا۔

مکتبہ جامعہ نے سستی کتابوں کا ایک سلسلہ میری ہی تجویز پر شروع کیا ہے۔ اسی سلسلے کی پہلی کتاب باغ و بہار ہوگی۔ شرط یہ ہے کہ ان کا متن بالکل صحیح اور مستند مآخذ پر مبنی ہوگا۔ پھر ایسے سارے لفظ جن کے تلفظ میں ذرا سا بھی غلطی کا احتمال ہوگا، ان پر اعراب لازماً لگائے جائیں گے، مفصل فرہنگ ہوگی، توقیف نگاری ہوگی۔ نصف کتاب مکمل ہو چکی ہے۔ غالباً دو مہینے میں بازار میں آجائے گی۔ دوسری کتاب اس سلسلے میں فسانۂ عجائب ہوگی۔ باغ و بہار کا متن دو نسخوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ فورٹ ولیم کالج کی جو میر امن کی موجودگی میں چھپا تھا، بنیاد بنایا ہے۔ اور مشہور مستشرق ڈنکن فوربس کا نسخہ جو لندن سے شائع ہوا تھا، اور جس کے متعلق اس کا دعوا ہے کہ یہ میر امن کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے مخطوطے پر مبنی ہے، اس کو معاون نسخے کی حیثیت سے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ آپ حیرت کریں گے کہ انجمن سے جو نسخہ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم نے شائع کیا تھا، وہ اصل نسخے سے جگہ جگہ مختلف ہے۔ معلوم نہیں مرحوم کو کون سا نسخہ ہاتھ لگا تھا۔ غالباً کوئی نہایت غلط سلط کسی معمولی پریس کا نسخہ تھا۔ کراچی سے ممتاز حسین نے بھی اس کا اڈیشن اہتمام سے شائع کیا ہے۔ یہ فوربس کے مذکورہ نسخے پر مبنی ہے، یہ بھی یوں ہی ہے۔

توبہ توبہ! کس قدر پریشان نگاری سے میں نے کام لیا ہے اور طول بیانی سے۔ اب آپ یہ لکھیے کہ آپ آئیں گے کب؟ بھابھی کیسی ہیں۔ بچہ کیسا ہے، مصروفیات کیا ہیں۔ ہاں آپ نے لکھا ہے کہ عید کارڈ ملا ہوگا۔ اس پر یگانہ کا مصرع یاد آیا:

اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ

40- جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی 6

۸/جولائی ۱۹۶۴ء

محبِّ مکرّم! سلام شوق

آپ کا محبت نامہ ملا تھا۔ لیکن اُس عالم میں جب یہاں چاروں طرف ویرانی کی حکومت تھی، گرمی شباب پر تھی، اور میں پا بہ رکاب۔ واپسی پر خاصا پریشان رہا۔ پھر موسم ایسا تھا کہ کچھ لکھنے پڑھنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ ہر طرف سناٹا بلکہ سناہٹا۔ کافی ہاؤس اور وِنگرس دو ویران بستیاں تھیں، اور راستے ویران تر۔ نہ کسی رہ گزر سے قہقہوں کی آواز، نہ کسی گوشے سے عہد و پیمانِ وفا کی سرگوشی۔ آپ ہی انصاف سے کہیے کہ اس زمانے میں کچھ نہ لکھنا ہی بہتر تھا یا برا۔

میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے غالب پرائز کی۔ اللّٰھم زد فزد۔ واقعی جی خوش ہوگیا۔ آج خواجہ صاحب بھی حیدر آباد فرخندہ بنیاد سے واپس آرہے ہیں۔ اب کل سے باضابطہ کاروبار شروع ہو جائے گا۔ میں نے تحریک کے دفتر میں ہدایت کی تھی کہ وہ اس کا تازہ شمارہ آپ کو بھیج دیں جس میں میرا ایک تبصرہ چھپا ہے۔ غالباً ملا ہوگا۔ اب آپ کی رائے کا مشتاق ہوں۔

باغ و بہار تیار ہے۔ اب مثنوی گلزارِ نسیم کو شروع کیا ہے۔ دیکھیے کب مکمل ہوتی ہے۔ آپ کا بچّہ، جن کا نام ذہن سے اتر گیا، اب تو خاصا شریر ہوگیا ہوگا۔ پہلے ہی کیا کم تھا۔ میری طرف سے اسے پیار کیجیے، اور بھابھی صاحبہ کی خدمت میں سلام نیاز پیش

کر دیجیے۔ خدا کرے آپ یہاں جلد واپس آئیں۔ اب تو بہت دن ہو گئے ہیں۔ اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔

خدا کرے آپ بعافیت کامل ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ
102، جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی 6

۶/اکتوبر۱۹۶۴ء[ف]

نارنگ صاحب مکرّم! سلام شوق

کئی مہینے ہوئے کہ میں نے ایک عریضہ لکھا تھا، طویل انتظار کے باوصف جواب سے محروم رہا۔ سوچتا ہوں کہ میری نیاز مندی میں کچھ کمی آپ کو محسوس ہوئی یا انداز پذیرائی ہی بدل دیا ہے؟ بہر حال ہم اپنی وضع کیوں بدلیں۔ میں ہنوز آپ کا ویسا ہی نیاز مند ہوں اور عقیدت کیش۔

شعبے میں نئے اضافوں کا حال تو کئی زبانوں سے سن لیا ہوگا۔ اب آپ آئیں تو لطفِ سخن کے ساتھ ساتھ ''حسن عمل'' بھی سامنے آئے۔ نورانی صاحب قبلہ پبلشنگ انچارج ہو کر آئے ہیں، ابھی مجھ سے ملاقات کی نوبت نہیں آئی ہے، کسی مناسب موقعے پر یہ فرض بھی ادا ہو رہے گا۔

کہیے آپ نے ادھر کیا کیا کیا۔ یہ تو یقین ہے کہ بہت کچھ کر لیا ہوگا، بھابھی صاحبہ کو سلام اور بچے کو پیار۔

ہم غربت زدوں اور درماندوں کو بھی نگاہِ التفات سے کبھی کبھی نواز لیا کیجیے۔ اس سے آپ کی رفعت میں کچھ کمی نہیں ہوگی البتہ کلاہ گوشۂ دہقاں آسمان پر پہنچ جائے گی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ
182 جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی 7
۰۳رجنوری ۱۹۶۵ء

محب مکرّم!

آپ کا محبت نامہ پہلے ملا تھا۔ بعض پریشانیوں کے باعث جواب میں تاخیر ہوئی معذرت طلب ہوں۔

کل بذریعہ تار اطلاع ملی کہ میرے خسر صاحب کا انتقال ہوگیا۔ سخت پریشان ہوں۔ آج رات میں گھر جا رہا ہوں۔ اس بنا پر یہ چند سطریں بے ربطی کے ساتھ لکھ رہا ہوں کیوں کہ آپ ناراض ہو رہے ہوں گے۔

آپ میرے لیے ۹ ڈالر والا فاؤنٹن پین لیتے آیئے غالباً ۴۵ روپے بنیں گے۔ اس کا انتظام ہو ہی جائے گا۔ شکریہ پیشگی۔

میں پھر معذرت طلب کرتا ہوں ان دو سطروں پر اور اس تاخیر پر، بے حد الجھن میں ہوں۔ براہِ کرم آپ مکتوب محبت سے ضرور نوازیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ
۴رستمبر ۱۹۷۴ء

نارنگ صاحب مکرّم!

کل مجھے یہ بات معلوم ہو پائی کہ جامعہ میں آپ کا انتخاب بہ حیثیت پروفیسر ہوا ہے۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کیجیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ
۲۷/اپریل ۱۹۷۹ء[۱۱]

نارنگ صاحب مکرّم!

(۱) ۲۹/کی یاددہانی ۶ بجے شام۔ اتوار کا دن۔ یعنی پرسوں۔

(۲) حیدرآباد سے خط آگیا۔ اب الکشن ضرور لڑنا ہے۔ کچھ بھی ہو چکا ہو۔ آپ کا ووٹ لازم ہے۔ جین صاحب کو خط ابھی لکھا ہے۔ صاحب! میں آپ سے اب مفصّل گفتگو نہیں کروں گا، اُس کا وقت ہی نہیں۔ اب مختصر بات کا وقت ہے، اسی لیے خط ختم۔ ذرا میرے اعتماد کی تو داد دیجیے آپ کیا کریں گے، یہ آپ جانیں، مجھے بہ ہر حال توقع بل کہ یقین ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ
۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی
۲۶/اگست ۱۹۸۸ء[۱۲]

محبّ مکرّم!

آپ کا خط مرقومہ ۲۳/اگست موصول ہوا۔ اِس التفاتِ خاص کے لیے شکرگزار ہوں۔

ارے صاحب! آپ جیسے حضرات کا شریکِ انجمن ہونا اور رہنا ازبس ضروری ہے۔ اِس سے آپ میری رائے کا بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میں تو آپ کا ہوں ہی۔ بل کہ میری رائے تو یہ ہے کہ ایسے مواقع پر رائے شماری کھلی ہوئی ہونا چاہیے، تاکہ یہ جو ہر بار فتنہ اُٹھتا ہے کہ فلاں نے وعدہ خلافی کی یا فلاں صاحب نے کرم نہیں فرمایا، یہ نہ اُٹھے، مگر اِس بات کو مانے گا کون۔ ہوتا یہی کہ ہر شخص سچ یا جھوٹ یہی کہتا رہے گا کہ میں نے تو آپ کی طرف داری کی تھی؛ اِس میں مجھ جیسے کم آمیز اور کم سخن لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے پچھلی بار نیّر مسعود صاحب کا نام پیش کیا تھا، اِس سے بالکل قطع نظر کر کے کہ دوسرے لوگ

کیا چاہتے ہیں۔ میں اپنے مزاج کے لحاظ سے کسی پالٹکس میں کوئی رُول ادا کر ہی نہیں سکتا۔

اور ہاں بھائی! یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ ''کاش آپ میرا ساتھ دیں تو بہت سی باتوں کو سنوارا جاسکتا ہے'' تو بھائی! آپ نے تو کسی وقت کوئی منصوبہ انجمن کے سلسلے میں پیش ہی نہیں کیا۔ اِس لیے ساتھ دینے یا نہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب آپ کوئی منصوبہ بنایئے سُدھار کا، پھر دیکھیے کہ میں ساتھ دیتا ہوں کہ نہیں! پچھلی دفعہ تو سالانہ جلسے میں شرکت بھی آپ نے کچھ یوں ہی سی کی تھی۔ میں بھی خاموش رہا تھا۔

سمینار میں عدمِ شرکت پر معذرت طلب ہوں۔ دراصل اب سورج ڈوبنے کے بعد مجھے آنکھوں کی بنا پر دقت بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور سمیناروں میں تاخیر تو ضرور ہوتی ہے، یوں حاضری نہیں دے سکا۔ یہ بھی تھا کہ ''وائرل فیور'' کے شدید اثرات سے پوری طرح نجات حاصل نہیں کرسکا تھا۔ اب کے اِس کا حملہ شدید تر ہوا تھا اور اس نے ہلکان کر کے رکھ دیا۔

بھابھی سے سلام کہیے اور بچے کو پیار۔ ملاقات کی تمنا ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ

شاہ جہان پور

۹ رجنوری ۲۰۰۲ء [۱۳]

محبِّ مکرّم!

بہ عافیت پہنچ گیا، ہاں اسٹیشن پر بہت پریشان ہوا پُل پر سے اُترنے چڑھنے کے پھیر میں۔ موسم کی تیزی اُس پر اضافہ۔ اب آرام کر رہا ہوں۔

آپ نے جس تعلقِ خاطر کے ساتھ پذیرائی کی، اُس کے لیے شکر گزار ہوں۔ کلاسکی ادب کا لغت شاید دو مہینے میں چھپے گا اور وہ پہنچے گا۔ بیگم صاحبہ سے میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: پروفیسر گوپی چند نارنگ

مکرّمی نارنگ صاحب! تسلیم [۱۴]

اس سے پہلے ایک رجسٹرڈ پیکٹ بھیج چکا ہوں، رسید سے محروم رہا۔ آج دوسرا پیکٹ بھیج رہا ہوں براہ کرم اس کی رسید سے جلد مطلع فرمائیے۔ دو چار دن کے بعد بقیہ اوراق بھی مکمل کر کے بھیج دوں گا، مطمئن رہیے۔ ظہیر صاحب کہاں ہیں، خط لکھا تھا۔ جواب ندارد۔ اس وقت رات کے ۹ بجے ہیں۔ خط لکھ رہا ہوں اور ہزاروں مچھر میرے چاروں طرف گردش کر کر کے اپنے نغموں سے بھی نواز رہے ہیں اور اپنی خوش فعلیوں سے بھی مزاج پرسی کرتے جارہے ہیں۔ بخدا سخت نا معقول شہر ہے، توبہ توبہ۔ سورج چھپا اور یہ حملہ آور ہوئے۔ بلا مبالغہ اس کمرے میں دس، پندرہ ہزار تو ہوں گے۔ نہ رات کو نیند آتی ہے، نہ شام کو چین ملتا ہے۔ دن بھر پرانی کتابیں اور ان سے بھی زیادہ پرانے چہرے!! نہ معلوم کس گناہ کی یہ سزا مل رہی ہے، اور وہ بھی آپ کے ہاتھوں۔ سچ ہے برا وقت آتے دیر نہیں لگتی۔ ہائے اب یاد آتا ہے وہاں کا کافی ہاؤس اور اس کا ہم قافیہ مرنڈا ہاؤس زباں پہ بارِ خدایہ کس کا نام آیا۔ اس دیوار کے سایہ کے تلے پڑے رہتے، تو کیا برا تھا۔ لیکن آپ کا حکم! اچھا ہے سارے گناہوں کی سزا اسی دنیا میں مل جائے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ یہ خط ۴؍فروری ۱۹۶۱ء کا تحریر کردہ ہے۔ رشید حسن خاں صاحب ۱۹۵۹ء میں دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں ملازم ہوئے تھے۔ اس خط میں ۳ رسالوں کا ذکر ہے۔ آسان املا الیاس برنی کا رسالہ، اور اردو رسم خط شاید رشید حسن خاں صاحب اُس وقت اردو املا کا کام شروع کر چکے تھے جو ۱۹۷۴ء میں مکمل ہوا تھا۔ خط کے آخر میں انھوں نے نیاز مند لکھ کر اپنا نام ''رشید حسن'' لکھا ہے۔ اس وقت تک وہ اپنا نام صرف ''رشید حسن'' لکھتے تھے۔ ''خان'' ان کے نام کا جز نہیں بنا تھا۔ ''فرمائیے'' کو ''فرماءیے'' لکھا ہے۔ پرانے املا کے مطابق۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط کہاں سے لکھا گیا پتا نہیں، کیوں کہ پشت کا عکس ساتھ نہیں ہے۔

۲۔ اس خط میں ذکر ہے کہ وہ ظہیر صاحب کی فرمائش کے مطابق دیوانِ قائم کے نسخے کو شاہ جہان پور ساتھ لے آئے تھے اور اُس کی نقل کر رہے ہیں۔ اِس کے علاوہ نقوش کے لاہور نمبر اور بعد کے نمبر، اردوئے معلّٰی کے چھپنے کی بات کہی گئی ہے۔ ''کوئی'' کا املا ''کوئ'' لکھا ہے۔ اسی طرح ''باڑوزئی'' کو ''باڑوزئ'' درج کیا ہے۔ نارنگ صاحب کا پتا یوں لکھا ہے:

مکرّمی ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، 31/2 راجندر نگر، نئی دہلی -۵۔ اس خط پر ڈاک خانے کی تین مہریں ثبت ہیں، پہلی شاہ جہان پور کی ۲۹ رمئی کی، دوسری دہلی کی ۳۰ رمئی شام ۴ بجے کی اور تیسری نئی دہلی صبح ۱۰ بجے کی۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ۱۰ پیسے کا ہے۔ اس پر ایکسپریس ڈیلوری کی مہر بھی لگی ہوئی ہے۔

۳۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ خاں صاحب دیوانِ میر سوز کے نسخے کی نقل تیار کر رہے ہیں، قلعۂ رام پور میں بیٹھ کر۔ علی گڑھ کا نسخہ بھی ساتھ لائے ہیں۔ شہر تنگ اور بدصورت ہے۔ دیوانِ میر سوز ان کی تصنیفات میں شامل نہیں۔ پھر یہ کام انھوں نے کس کے لیے کیا۔ ظہیر صاحب شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی کے اساتذہ میں شامل تھے۔ ''لفافے'' اور ''کوئی'' کا املا 'لفاف'' اور ''کویٔ'' درج کیا ہے۔ ''کاشف الحقائق'' کی جلد دوم کا بھی ذکر ہے جو انھوں نے اکبر علی خاں کے حوالے کر دی تھی۔ خط کے آخر میں نام کی جگہ صرف ''رشید حسن'' لکھا ہے۔ ''خاں'' جزوِ نام نہیں۔

۴۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ خاں صاحب دیوانِ میر سوز کے جتنے اوراق نقل کرتے ہیں دہلی روانہ کر دیتے ہیں تاکہ کاتب کا ہاتھ نہ رُکنے پائے۔ حضرت خورشید الاسلام اور ان کی شاگردہ اسما سعیدی صاحبہ کا بھی ذکر ہے۔ ''ہوئی'' اور ''آئی'' کا املا خاں صاحب نے ''ہویٔ'' اور ''آیٔ'' کیا ہے۔

۵۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اس میں کسی مخطوطے کا ذکر ہے جو خاں صاحب کی حفاظت میں ہے۔ جس کا تقاضا نارنگ صاحب نے کیا ہے۔ ''پروائی''، ''کوئی'' کا املا ''پروایٔ'' اور ''کویٔ'' کیا ہے۔ یہ خط مکتوب الیہ کے اس پتے پر لکھا گیا ہے:

Dr. G.C Narang, 9.5 University Avenue
Dept. of Indian Studies MADISON-15
WISCONSIN-53715 U.S.A

یہ خط اِن لینڈ لیٹر کی طرز کا ہے، یہ By Air Mail Aerogramme ہے، اس پر ۵ اور ۵۰ پیسے کی دو ٹکٹیں لگی ہیں۔ شاہ جہان پور ڈاک خانے کی مہر ۲۸ رفروری ۱۹۶۴ء کی ہے۔

۶۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ اس میں پچھلے نسخے کا ذکر ہے جو ابھی تک رشید حسن صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ انھوں نے مکتبہ جامعہ کی سستی کتابوں کے سلسلے میں باغ و بہار کو ترتیب دینا شروع کیا ہے۔ انھوں نے علی گڑھ تاریخ ادب اردو کی پہلی جلد پر تبصرہ لکھا ہے جو آٹھ مختلف رسائل میں شائع ہوا ہے۔ کتاب کی فروخت روک دی گئی ہے۔ اس کتاب کو انھوں نے ''گناہ گار کا نامۂ اعمال'' قرار دیا ہے۔ ان کے تبصرے کی وجہ سے اس پروجیکٹ کو منسوخ کر دیا گیا

ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے:

Dr. G.C Narang, 9.5 University Avenue
Dept. of Indian Studies MADISON-15
WISCONSIN-53715 U.S.A

یہ خط ایر میل ہے اور لیٹر ۵۵ پیسے کا ہے۔ خط پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے۔

۷ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ نارنگ صاحب کو غالب پرائز ملنے کی مبارک باد پیش کی ہے۔ تحریک میں ان کا ایک تبصرہ چھپا ہے (یعنی رشید حسن خاں صاحب کا)۔ باغ و بہار مکمل ہو چکی ہے اور اسی سال چھپی بھی ہے۔ اب انھوں نے مثنوی گلزارِ نسیم شروع کی ہے۔ پہلے نارنگ صاحب کا پتا یوں لکھا گیا ہے:

G.C Narang, 9.5 University Avenue
Dept. of Indian Studies MADISON
WISCONSIN-53715 U.S.A

پھر اسے کراس کر کے یوں پتا لکھا گیا ہے:

Forward to Mr. G.C. Narang
Menutt Quadraugle, N-249, Indian University
Bloonington, Indiana-47406, U.S.A

یہ ایر میل لیٹر ہے۔ اس پر دو نام اردو میں دائرے میں ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب م محمد حسن، م احتشام۔ اس پر ڈاک خانے کی ایک مہر دہلی کی ۸ر جولائی 1.50 پی۔ ایم اور دوسری گول مہر Madison ۱۸ر جولائی 9.45 am ۱۹۶۴ء WIS کی ہے۔ اس کا مطلب ہوا نارنگ صاحب دوسری جگہ چلے گئے۔ ایک پر مہر لگی ہے: 25 years social security in Amrica۔

۸ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ متن میں پہلے خط کے جواب کے نہ آنے کی شکایت ہے۔ خط کے آخر میں مخلص "رشید حسن" لکھا ہے۔ "خاں" کا لاحقہ یہاں بھی نہیں۔ "مکرّم" اور "ہوئی" کا املا "مکرم" اور "ہوی" لکھا ہے۔ یعنی مکرّم پر تشدید نہیں اور یاے معروف اور سرا اوپر کی طرف نہیں۔ یہ خط ایر میل ہے۔ اس پر دہلی کے ڈاک خانے کی مہر ۶ر اکتوبر کی ہے لیٹر ۵۵ پیسے کا ہے۔ نارنگ صاحب کا پتا پھر پہلے والا ہی ہے:

G.C Narang, 9.5 University Avenue
Dept. of Indian Studies MADISON
WISCONSIN-53715 U.S.A

انھوں نے اپنا پتا بھی انگریزی میں لکھا ہوا ہے جو خط کے سرنامے پر ہے۔

۹ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اس خط میں رشید حسن صاحب نے اپنے خسر صاحب کے انتقال کا

ذکر کیا ہے۔ دیر سے جواب لکھنے کی معذرت بھی کی ہے۔ ایک خاص بات کہ رشید حسن صاحب نے ڈالر یعنی ۴۵؍روپے والا فاؤنٹن پن منگوایا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں اتنی رقم بڑی رقم ہوا کرتی تھی۔ آج کے دور میں ۹ ڈالر قریب ۵۰۰؍روپے کے برابر ہیں۔ مرحوم خاں صاحب کو قیمتی پن جمع کرنے کا شوق تھا۔ وہ ہمیشہ فاؤنٹن پن سے ہی لکھا کرتے تھے۔ سیاہ اِنک کا استعمال کرتے تھے۔ اِن کی تحریر باریک ہوا کرتی تھی۔ ایرمیل لیٹر ۵۵ پیسے کا ہے۔ پتا وہی پہلے والا ہے، نارنگ صاحب کا۔ دہلی ڈاک خانے کی مہر ۳۰؍جنوری ۱۹۶۵ء کی ہے۔ دوسری کوئی مہر خط کی پشت پر نہیں۔

۱۰۔ مقام اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ ڈیڑھ سطری خط ہے۔ اس میں نارنگ صاحب کا بحیثیت پروفیسر جامعہ میں منتخب ہونے پر مبارک باد دی ہے۔ خط کے پشت کا عکس نہیں اس لیے یہ پتا نہیں چلتا کہ مکتوب نگار نے مکتوب الیہ کو کہاں سے اور کس پتے پر خط لکھا ہے۔ اس خط میں آخر میں مخلص کے بعد ''رشید حسن خاں'' لکھا ہوا ہے۔ یہ خط ۴؍ستمبر ۱۹۷۴ء کا ہے۔

۱۱۔ مقام اوپر درج نہیں، صرف تاریخ لکھی ہے۔ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا ہے۔ بائیں ہاتھ اوپر یونی ورسٹی کا لوگو بنا ہوا ہے۔ اس میں کسی الکشن کا ذکر ہے جو ۲۹؍اپریل ۱۹۷۹ء بروز اتوار شام ۶ بجے ہونا ہے۔ خاں صاحب کو اعتماد ہے کہ نارنگ صاحب کا ووٹ انھیں ملے گا۔ اور ڈاکٹر گیان چند جین کا بھی۔ آخر میں ''رشید حسن'' لکھا ہوا ہے۔ خط کی پشت کا عکس نہیں اس لیے پتا نہیں چلتا کہ یہ خط کہاں سے اور کس جگہ کے لیے لکھا گیا ہے۔

۱۲۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اس خط میں اس بات کا خاص ذکر ہے کہ خاں صاحب کو سورج غروب ہونے کے بعد آنکھوں میں دقت ہونے لگتی ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے:

Prof. G.C. Narang
D-252, Sarvodaya Colony
Delhi-17 (110017)

خط پر لوکل لکھا ہوا ہے۔ دو مہریں ثبت ہیں جن میں سے ایک ۲۶؍اگست ۱۹۸۸ء کی ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے جس کی قیمت ۳۵ پیسے ہے۔ پشت پر خاں صاحب نے اپنا پورا پتا درج کیا ہے۔

۱۳۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ اس خط میں جو خاص بات درج ہے، وہ یہ ہے کہ کلاسکی ادب کا لغت شاید دو مہینے میں چھپ جائے گا اور وہ آپ تک پہنچے گا۔ خط کی پشت پر ڈاک خانے کی مہر ۹؍جنوری ۲۰۰۲ء کی ثبت ہے، مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے:

Prof. G.C. Narang
D-252, Sarvodaya Colony
Mahroli Road, Delhi-110017

اس بار خاں صاحب نے خط کی پشت پر اپنا پتا درج نہیں کیا۔ اِن لینڈ لیٹر دو روپے کا ہے۔

۱۴۔ مقام اور تاریخ دونوں درج ہیں۔ ہاں خط کے متن سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط اسٹیٹ لائبریری قلعہ رام پور سے لکھا گیا ہے۔ خاں صاحب وہاں نارنگ صاحب کے کہنے پر گئے تھے۔ دیوان میر سوز پر کام کررہے تھے۔ شہر کی نامعقولیت اور مچھروں کی بہتات کا ذکر ہے۔ وہاں بیٹھے خاں صاحب کو کافی ہاؤس اور مرنڈا ہاؤس یاد آتے ہیں۔ یہاں بیٹھ کے کافی پیتے ہوئے دل و دماغ اور آنکھیں روشن ہوجاتی ہیں۔ یہ خط بھی اکتوبر یا نومبر ۱۹۶۲ء میں ہی لکھا گیا ہے، کیوں کہ اِس کا متن پہلے والے خطوں کی طرز کا ہے۔

○○○

بنام: گیان چند جین، پروفیسر

(۱)

ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۷-۱۱۰۰۰۷
۱۶/اگست ۱۹۸۲ء

مکرّم بندہ! آداب

جس دن آپ کا خط ملا تھا، اُسی دن تنویر علوی صاحب نے ذکر و فکر کا ایک نسخہ دیا، اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ میرا پچھلا خط آپ کو مل چکا ہوگا۔ میں نے کتاب کو از اوّل تا آخر پڑھ ڈالا۔ چوں کہ آپ کی عنایت میرے شاملِ حال رہی ہے، اِس لیے یہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اِس مجموعے میں ناہمواری بہت ہے بہ لحاظِ مضامین و موضوعات۔ میرا خیال ہے کہ آپ مجھ سے اِس باب میں متفق ہوں گے کہ ہم دن بھر جتنی باتیں کرتے ہیں، وہ سب درجِ رجسٹر ہونے کے لائق نہیں ہوتیں، یہی احوال تحریروں کا بھی ہے، بہت سے اخباری تبصرے اور ریڈیائی نشریے ایسے ہوتے ہیں جو کسی اچھے مجموعے کے اجزا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اب یہ تو کیا کہوں کہ ہر طرح کی تحریریں معرضِ وجود ہی میں کیوں آئیں۔ ہم سب کو اِس مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے اور بہت کچھ لکھنا پڑتا ہے اور یہ ایسی مجبوری ہے جس کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہوسکا ہے، مگر انھیں مجموعے میں کیوں شامل کیا جائے؟ ہر تحریر اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ زندہ رہے یا اُسے وہ درجہ دیا جائے جو اہم مقالوں کا ہوتا ہے۔ آپ اِس قدر اچھی تحریریں لکھ چکے ہیں اور ایسے پُر مغز مقالے تحریر کر چکے ہیں کہ اب ایسی پھٹکر تحریروں کا انتساب آپ سے اچھا نہیں معلوم ہوتا جن کی ادبی حیثیت یا اہمیت کم اور کم تر ہو۔ ایسی قلم برداشتہ تحریریں یہ تاثر بھی پیدا کر سکتی ہیں کہ جیسے اب لکھنے کے لیے کچھ اور باقی نہیں رہا ہے۔

میں معذرت طلب ہوں کہ یہ غیر مناسب باتیں لکھ رہا ہوں، لیکن توقع یہی ہے کہ

ایک نیازمند کی عرضِ نیاز کی روشنی میں اِسے دیکھا جائے گا اور یہ خیال نہیں کیا جائے گا کہ میں اعتراض کر رہا ہوں۔ آپ کی ایسی اچھی تحریریں میں نے پڑھی ہیں کہ اب جی نہیں چاہتا کہ اُن کے مقابلے میں ہلکی پھلکی یا کم رتبہ تحریریں بھی آپ ہی کے نام سے پڑھوں اور وہ بھی ایک مجموعے میں۔ آپ کی نوازش کے لیے منّت پذیر ہوں۔

نیازمند

رشید حسن خاں

○○○

---

۱ یہ خط غلطی سے بہ نام ڈاکٹر اخلاق اثرؔ رشید حسن خاں کے خطوط کے پہلے مجموعے میں شامل ہو گیا تھا، اب اِسے اِس مجموعے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ یہ خط ۱۶؍اگست ۱۹۸۲ء کا ہے۔

بنام: ایم. جبیب خاں

(۱)

ٹی.سی.۹، گائرہال
دہلی یونی ورسٹی
۳۱رمئی ۱۹۹۵ء[۱]

خاں صاحب!

کل دوپہر کو خط ملا، شکریہ۔ اگر آپ نہ لکھتے تب بھی میں خلیق صاحب ہی کا نام لکھتا، اور اب تو لازم ہے۔ آج ہی فارم بھر کر حوالۂ ڈاک کردوں گا۔ خدا کرے وہاں دفتر میں ہیرا پھیری نہ ہو، یعنی خط پہنچے ہی نہ۔ اگرچہ اِس کا امکان بہت کم ہے۔ خطوطِ غالب کی تدوین کے بعد یہ اُن کا حق ہے، مروّتاً نہیں، حقیقتاً۔ اور بھائی! خلیق صاحب تو میرے مخلص اور غم گسار ہیں، میں اُن کی دل سوزی اور خبر گیری کا معترف ہوں، اِس لحاظ سے بھی یہ میرے اوپر لازم ہے۔ اُن کا نام نہیں لکھوں گا تو کیا قمر رئیس صاحب کا نام لکھوں گا۔

رشید حسن خاں

---

[۱] مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط ایم. جبیب خاں صاحب کو لکھا گیا ہے۔ اس میں غالب انسٹی ٹیوٹ ایوارڈ کے لیے خلیق انجم صاحب کے نام کی سفارش کی گئی ہے۔ ایک تو خلیق صاحب نے خطوطِ غالب کی تدوین کی ہے جس سے اُن کا اِس ایوارڈ کا حق بنتا ہے، دوسرے خاں صاحب کے یہ دوست بھی ہیں۔

بنام: محبوب علی اخگر

(۱)

ٹی.بی.۹، گائر ہال،
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۲؍اپریل ۱۹۸۰ء[1]

مکرمی، آداب

کل تنویر علوی صاحب نے آپ کا خط دیا۔ اُن سے کئی دن کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ میرے پاس ۱۲۵۹ھ کا مطبع حسنی والا نسخہ موجود ہے۔ اُس کے آخر میں وہ نثر موجود ہے جس کا آپ نے ذکر کیا ہے یعنی محمد علی شاہ کی بادشاہت اور شرف الدولہ کی وزارت (جس کو "نیابت" لکھا گیا ہے) کا تذکرہ ہے۔

میرا خیال ہے کہ ۱۲۵۹ھ کا یہ اڈیشن، اس کتاب کا پہلا مطبوعہ اڈیشن ہے اور مطبع مصطفائی کا نسخہ (سالِ طبع ۱۲۶۲ھ) اِسی کی نقل ہے۔ مصطفائی نسخہ بھی یہاں موجود ہے۔ البتہ کریم الدین والا نسخہ فی الوقت میرے پاس نہیں۔ میں نے اُسے حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کی، اس لیے کہ متن کی ترتیب کے لیے صرف اُن نسخوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے جس پر مصنّف نے نظرِ ثانی کی ہے۔ باقی بے شمار نسخے، انھی نسخوں کی نقل ہیں۔ اِس لحاظ سے صرف مندرجہ ذیل نسخے اہمیت رکھتے ہیں:

(۱) مطبع حسنی کا نسخہ ۱۲۵۹ھ۔ یہ گویا پہلا مطبوعہ نسخہ ہوا۔

(۲) اسی مطبعے سے ۱۲۶۳ھ میں دوبارہ یہ کتاب چھپی۔ اس کی صراحت کی گئی ہے کہ سرور نے اس پر نظرِ ثانی کی تھی، سرور کی اپنی تحریر موجود ہے اسی نسخے کے آخر میں جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ صاحبِ مطبع کی فرمایش پر میں نے نظرِ ثانی سے کام لیا ہے۔ اِس نسخے میں محمد علی شاہ اور شرف الدولہ والی وہ مذکورہ عبارت موجود نہیں، جو اشاعتِ اوّل میں تھی۔

(۳) حاجی حرمین شریفین محمد حسین کے مطبع محمدی کان پور میں یہ کتاب ۱۲۶۷ھ میں چھپی۔

سرور کی نظرِ ثانی کے بعد۔ کتاب میں اِس کی صراحت موجود ہے۔ یہ نسخہ اِس لحاظ سے اہم ہے کہ سرور نے نظرِ ثانی میں بہت سی تبدیلیاں کی ہیں۔ اسے ایک نیا اڈیشن سمجھنا چاہیے۔ محمد علی شاہ اور شرف الدولہ والی عبارت اس میں بھی موجود نہیں۔

(۴) چوتھا نسخہ ہے جو مولوی محمد یعقوب انصاری کے مطبع افضل المطابع محمدی کان پور میں ۱۲۷۶ھ میں چھپا تھا۔ سرور نے اِس پر بھی نظرِ ثانی کی تھی۔ یہ اڈیشن اشاعتِ ثانی (مطبع حسنی ۱۲۶۳ھ) کے مطابق ہے، معمولی ترمیمات کے ساتھ۔

یہ چار نسخے ایسے ہیں جن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ مصنف کی نظر سے گزرے ہیں۔ اگر نظرِ ثانی کو بنیاد بنایا جائے تو یہ چوتھا نسخہ (۱۲۷۶ھ والا) آخری نسخہ ہوگا مصنف کا دیکھا ہوا۔ مصنف کی زندگی کا آخری اڈیشن وہ ہے جو نول کشور نے ۱۲۸۳ھ میں چھاپا تھا، حقوقِ اشاعت خریدنے کے بعد۔ یہ اشاعت اب تک مجھے نہیں ملی ہے، البتہ اِس اشاعت پر یعنی جو بعد کو نسخے چھپے ہیں اسی پریس سے، وہ میرے سامنے ہیں، یعنی اُن میں سے قدیم اور اہم نسخے، ان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مصنف نے نظرِ ثانی بھی کی تھی۔ نول کشور پریس سے ۱۲۸۳ھ سے پہلے بھی یہ کتاب چھپی ہے، مثلاً ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء کا چھپا ہوا ایک نسخہ میرے سامنے ہے، زیرِ عبارت (محمد علی شاہ والی) اس میں بھی موجود نہیں۔ ۱۲۸۳ھ کے بعد نول کشور سے جو نسخے چھپے، وہ سب اِسی نسخے کے مطابق ہیں۔

مطبع احمدی شاہدرہ دہلی کا نسخہ، سالِ طبع ۱۲۷۷ھ اور سلطان المطابع کا چھپا ہوا نسخہ سالِ طبع ۱۲۶۷ھ بھی یہاں موجود ہیں۔ زیرِ بحث عبارت کسی نسخے میں موجود نہیں۔ یہ جتنے موخر نسخے ہیں، یہ سب ۱۲۶۳ھ کے مطبع حسنی والے نسخے کی نقل ہیں۔ کریم الدین والا نسخہ خیال یہ ہے کہ اشاعتِ اوّل (۱۲۵۹ھ) کی نقل ہوگا، اس لیے اس کا امکان ہے کہ وہ عبارت اُس نسخے میں ہوں۔ مجھے کچھ ایسا یاد پڑتا ہے کہ انجمن ترقی اردو کے کتاب خانے میں جو چار، پانچ نسخے فسانۂ عجائب کے ہیں، اُن میں وہ بھی ہے، لیکن مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔

طولِ کلام کی معذرت۔ اگر اِس سلسلے میں مزید معلومات کی ضرورت ہو تو بلا تکلف تحریر کیجیے گا، مجھے مسرت ہوگی۔

ہاں، اگر وہ نول کشوری نسخہ ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۷ء والا اگر حیدرآباد میں کہیں موجود ہو اور

آپ کے علم میں ہو تو ضرور مطلع کیجیے گا۔ میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں، خواہ اس کے لیے مجھے حیدرآباد آنا پڑے۔ میرا خیال ہے کہ سرور نے اس اشاعت کے لیے نظرِ ثانی سے قطعاً کام نہیں لیا اور اس کے بجائے مطبعے کے کارپردازوں نے متن میں ازخود بہت سی تبدیلیاں کی ہیں یا یوں کہیے کہ تحریف سے کام لیا ہے، مثلاً سرور نے ''بیانِ مولف دربارۂ لکھنؤ'' کے آغاز میں لکھا ہے: ''یہ نسخہ وہاں ... مرزا رجب علی تخلص سرور، متوطن خط، انظر''۔ نول کشوری نسخوں میں یہاں ''متوطن حال'' ملتا ہے اور یہ لازماً اضافہ ہے کسی بزرگوار کا۔ کسی اور نسخے میں لفظ ''حال'' موجود نہیں۔ اسی طرح اور بہت سی لفظی تبدیلیاں ہیں۔ اگر وہ نول کشوری نسخہ مل سکے تو خوب ہو، اس سلسلے میں آپ کی زحمت فرمائی کے لیے منت پذیر ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: محبوب علی اخگر

شاہ جہان پور

۴رفروری ۲۰۰۱ء

مکرمی! آداب

کلیاتِ صفی کا تحفہ ملا تھا، معذرت طلب ہوں کہ رسید بھیجنے میں ناروا تاخیر ہوئی، اِس کی اصل وجہ خرابیِ صحت تھی۔

یہ آپ نے بڑا کام کیا۔ یہ بات ہم سب کے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ ہمارے اساتذہ کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اُنھوں نے سارے ہندستان میں زبان کی صحت کو اور معیار کے تصوّر کو کارفرما رکھا۔ یہ بات میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ دانش گاہوں میں ہمارے اچھے اساتذہ نے ادب کا جتنا بھی اور جیسا بھی شعور اپنے طلبہ میں پیدا کیا ہو؛ مگر زبان کا شعور پیدا کیا ہمارے اِن اساتذہ نے، آج ہم جن کو صرف شاعر سمجھتے ہیں۔ ان حضرات نے تلامذہ اور متعلقین کے واسطے سے لفظوں کے برمحل استعمال کے احساس کو زندہ رکھا اور اِس تصوّر کو زندہ رکھا کہ زبان کو صحیح طور پر استعمال کرنا کیوں ضروری ہے اور اِس لحاظ سے اِن سب حضرات کو فوقیت حاصل ہے۔ حضرت صفی کا شمار بھی ایسے ہی اساتذہ میں کیا جانا چاہیے۔ اُن کے حالات پڑھ

کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زبان کی صحت و صفائی کو خاص طور پر قابلِ توجہ سمجھتے تھے، مگر اِس سے بھی بڑھ کر یہ بات کہ وہ اس نکتے سے خوب واقف تھے کہ برمحل لفظ کی کیا حیثیت ہوتی ہے شعر میں اور اِسی لیے وہ مسلسل اپنے کلام کو اس نظر سے دیکھتے رہتے تھے اور کلام میں تبدیلیاں کرتے رہتے تھے۔ یہ سادہ لفظوں میں محض تبدیلیاں نہیں، ایسا نہیں کہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ لکھ دیا۔ یہ تو لفظ شناسی کے شعور کی کارفرمائی ہے اور اِس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خوب سے خوب تر کی جستجو اُن کے ذہن میں کس طرح محرّک رہتی تھی۔

میں آپ کا بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایک مقتدر اُستاد اور شاعر کے کلام کو مکمل طور پر پڑھنے کا موقع فراہم کیا، ورنہ میں اِس سے محروم ہی رہتا۔

توقع کرتا ہوں کہ مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: محبوب علی اخگر

شاہ جہان پور

۵ر جنوری ۲۰۰۵ء

مکرمی! آداب

کتاب کا تحفہ ملا، ممنون ہوں اور شکر گزار۔ آپ نے ایک دل چسپ پہلو پیدا کر لیا خیال اور بیان کے تقابل کا، توقع کرتا ہوں کہ خوش ذوق قارئین اِس کی داد دیں گے۔ یاد آوری کے سپاس گزار ہوں۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں گے۔

باہمہ افکارِ صفی اورنگ آبادی

مخلص

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۷ سے لکھا گیا ہے۔ محبوب علی خاں اخگر نے خاں صاحب سے فسانۂ عجائب کے کسی قدیم نسخے سے متعلق دریافت کیا ہے۔ خاں صاحب نے بھی قدیم نسخوں کی نشان دہی کردی ہے، کیوں کہ یہ بھی قدیم نسخے رجب علی بیگ سرور کے نظرِ ثانی شدہ ہیں اور مطبوعہ بھی۔

۲ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ محبوب علی خاں اخگر نے کلیاتِ صفی کا تحفہ خاں صاحب کے لیے بھیجا، وہ اسے پاکر اور پڑھ کر خوش ہوئے۔ انھوں نے اخگر صاحب کو لکھا کہ آپ نے ایک بڑا کام کیا ہے۔ قدیم اساتذہ نے زبان کی صحت اور صفائی پر خاص توجہ مبذول کی ہے۔ یہ کام آج کل کی دانش گاہوں میں نہیں ہوتا۔

۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہیں۔ اخگر صاحب نے کوئی کتاب بھیجی ہے۔ اُس کا انھوں نے شکریہ ادا کیا ہے اور کتاب کی تعریف کی ہے۔

●●●

بنام: مخمورؔ سعیدی

(۱)

ٹی بی ۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی
۲۷ر فروری ۱۹۹۰ء[1]

مخمورؔ صاحب!

آپ کا ٹیلیفون میرے سامنے ہی آ گیا تھا۔ یہ خط بہ طورِ یاددہانی لکھ رہا ہوں۔

(۱) (سعدیہ بنتِ خورشید حسن خاں) کی تصویر اِسی شمارے میں آنا چاہیے، ورنہ سوشل بائیکاٹ ہو جائے گا؛ رنگین تصویر ہونا چاہیے، کالی نہیں۔

(۲) شاہد علی خاں کو ٹیلیفون کر دیا؟ مضمون لکھ لیا، آپ کی وضع داری سے یہی توقع تھی، جیتے رہیے اور خوش رہیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

○○○

---

[1] مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ مخمورؔ سعیدی صاحب کی فرمائش پر خاں صاحب نے مضمون لکھ دیا ہے۔

بنام: مرتضیٰ حسین بیدار بلگرامی

(۱)

رضالائبریری، رام پور
۱۶/اکتوبر ۱۹۶۲ء[۱]

بلگرامی صاحب مکرّم!

(سلام مسنون... قلم زد)

سینوں کی رعایت سے سلام مسنون قبول ہو۔

کہیے قبول کیا۔

آپ کے فوری جہاد کا نتیجہ مجھے ۵/اکتوبر کو بیمہ کی صورت میں مل گیا تھا۔ کس منہ سے شکریہ ادا کروں؟ پھر سوچتا ہوں کہ کے بار ادا کروں گا؟ لہٰذا حساب دوستاں دردل! برادرم! اب تو آپ لوگوں کو توبہ توبہ! (لوگوں کو) دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی ہیں۔ اِدھر یہ میر سوز پرتسمہ پا بن کر گریبان گیر ہو گئے ہیں خدا ہی اِن سے رہائی دلائے تو ملے۔ ویسے اب خیال آتا ہے کہ اگر خواجہ صاحب یہاں ہوتے، تو خدا سے رہائی کی دُعا کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی (ہائے کس وقت میں یاد آئی ہے اور کس عنوان سے)۔

بھائی قمر صاحب کا بھی کوئی خط آیا؟ مجھے تو اِنھوں نے خواجہ صاحب کی تقلید میں بھلا ہی دیا ہے۔ خیریت تو معلوم ہو جاتی۔ قدوائی صاحب سے خدا ہی انتقام لے گا۔ آخر تک رسم پیام وسلام سے بھی شاد نہیں کیا۔ اِنھیں کیا بدد عا دے سکتا ہوں اس کے سوا کہ خدا کرے حمیدہ سلطان اِنھیں اپنا لے یا لک بنالیں (آمین) آپ بھی کہیے (ثم آمین)۔

ہاں، جان اردو بل کہ جانان ڈپارٹمنٹ کے متعلّق کیا خبر ہے؟ مقصد یہ کہ قصیدہ، تہنیت کا انتظام کیا جائے یا قطعہ تعزیت کا اور اِس امتیاز کی بھی کیا ضرورت ہے۔ جانبین میں سے ایک کے لیے تو قطعہ تعزیت کا انتظام کرنا ہی پڑے گا۔ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اِس کا آسماں کیوں ہو؟ ہائے رفیع احمد خاں نے کیا شعر کہا ہے:

اُبھرتا جاتا ہے کس زاویے سے اِن کا حسن
ادھڑتی جاتی ہے سینوں مری (یا کسی) میانی کی

خط تاخیر سے لکھ رہا ہوں اِس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ خطا نمودہ دم چشم آفرین دارم۔

رشید حسن خاں

مکرّر ظہیر صاحب کو ایک خط لکھا تھا جواب ندارد۔ ذرا میری طرف سے تقاضا تو کر دیجیے۔ نارنگ صاحب کے کئی خط البتہ مل چکے ہیں آج ہی اِنھیں بھی رجسٹرڈ خط بھیج رہا ہوں میں برابر اِنھیں کا کام کر کے اوراق بھیج رہا ہوں کہ کام نہ رُکے ... ظہیر صاحب سے بھی کہہ دیجیے گا۔

مخلص رشید حسن خاں

(۲)

بنام: مرتضیٰ حسین بیدار بلگرامی
۱۶۷-باروزئی دوم
شاہ جہان پور
۲۰؍جون ۱۹۶۳ء

برادرِ مکرّم!

مُحبت نامہ ملا، جس دن سے آیا ہوں چارپائی نشین ہوں۔ آنے سے پہلے نزلہ ہوا تھا، رات بھر سفر کی خرابی اور تھکان اور بجلی کے پنکھے کی ہوا، گھر پہنچتے پہنچتے بخار آگیا اور اب بھی آرہا ہے۔ نہ کہیں آجا سکتا ہوں نہ کوئی کام کر سکتا ہوں اگر یہی عالم رہا تو آنا بھی بے کار سا ہو کر رہ جائے گا۔ علی گڑھ کی نمایش اصطلاح میں بس: فنگر ورک، پر گزر بسر ہوگی، افسوس صد افسوس بل کہ صد ہزار افسوس۔

میری ایک حقیقی بھانجی ٹی بی کی مریض ہے وہ بریلی کے مشن اسپتال میں زیرِ علاج ہے۔ آپریشن ہونے والا ہے۔ میں اسے دیکھنے نہیں جا سکا ہوں۔ اس کا بہت قلق ہے۔ اب کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واپسی میں ایک دن کے لیے بریلی اُتر کر ہی دیکھ سکوں گا۔ ایک دن رام پور میں بہرطور رہنا ہے۔ یہ بھی واپسی میں ہوگا۔ اس لیے غالباً آپ کی فرمایشِ آم پوری نہیں ہو سکے گی۔ اور اِس تفصیل کے بعد آپ تو خیر آلِ رسول ہیں مزید شیطان بھی کوئی

ہو، تو معاف کردے گا۔

تبصرہ نگار کی پسندیدگی کا شکریہ۔ دیکھیے یار لوگ کیا کہتے ہیں۔ میں نے بہر حال تبصرے کے آداب کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور صرف اعتراض نہیں کیے ہیں۔ مرتبین سے زیادہ کام بھی کرایا ہے اور یہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کتاب پڑھ کر تبصرہ لکھا ہے۔

اور کیا حال ہے ظہیر صاحب آئے یا نہیں؟ پیر و مرشد کا صحیح پروگرام کیا ہے؟ علی گڑھ سے ہنوز کچھ نہیں آیا ہے آپ کے جواب کا سخت بے چینی سے منتظر ہوں۔ خصوصاً پیر و مرشد کے پروگرام کے سلسلے میں۔ یہ خط دیکھتے ہی جواب لکھ کر حوالۂ ڈاک کر دیجیے۔

رشید

حواشی:

۱ سینوں کی رعایت... مقصود یہ کہ سنی سنائی والا اسلام۔ فوری جہاد... رشید صاحب کی تنخواہ ۲۰ ماہ سے نہیں مل سکی تھی اس کی منظوری UGC سے کوشش کر کے منگائی اور تنخواہ واگزار کرادی۔ پھر سوچتا ہوں کے بار ادا کروں گا... یعنی ہر مشکل تو مرتضیٰ آسان کرا دیتا ہے اِس کا شکریہ ادا کرنا آسان نہیں (یہ جملہ رشید حسن خاں صاحب نے خوب بوقتِ ملاقات ادا کیا تھا)۔ میر سوز دہلوی کے کلام کی ترتیب و تہذیب کی دقتوں سے تنگ آ گئے تھے، لہٰذا مقصد یہ کہ اگر خواجہ احمد فاروقی صدرِ شعبۂ اردو ہوتے تو کسی عنوان سے چھٹکارا حاصل کر لیتے۔ دراصل خواجہ صاحب اُن دنوں بیرونِ ہند کے سفر پر تھے۔ بھائی قمر سے مراد قمر رئیس ہیں جو شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی کے استاد اور شاہ جہان پور کے ہی رہنے والے تھے۔ قمر صاحب اُن دنوں روس میں فرائضِ استادی ادا کر رہے تھے۔ لہٰذا خط و کتابت کا سلسلہ مفقود تھا۔ اس کا شکوہ کیا ہے۔ قدوائی: صدیق الرحمٰن قدوائی، استاد شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی سے مراد ہے۔ حمیدہ سلطان: خواتین دہلی اور اردو کی مایۂ ناز رفیقہ وادیبہ۔ آپ صدر مملکت فخر الدین علی احمد صاحب کی ہمشیرہ تھیں اور انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی شاخ کی نگراں، بقیہ جملہ مزاحیہ ہے۔ ہان جان اردو سے مراد محترمہ نکہت جہاں ہیں جو حسن و جمال کی وجہ سے صدر شعبہ کی منظورِ نظر تھیں اور بقول پروفیسر احتشام حسین (صدر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونی ورسٹی) ملکہ اردو کم، جان خواجہ پیر زیادہ۔ بروقت اِس سے زیادہ کچھ بیان کرنا نامناسب بات ہوگی۔ اس لیے کہ شعبۂ اردو کی ذلت کے سامان زیادہ تھے۔ اس لیے رشید صاحب نے قصیدہ تہنیت یا قطعہ تعزیت کی ترکیب استعمال کی ہے۔ ظہیر صاحب سے مراد پروفیسر ظہیر احمد صدیقی سے ہے جو شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی کے سینئر

اساتذہ میں تھے اور سب کے نزدیک لائقِ احترام۔ نارنگ صاحب: پروفیسر گوپی چندن نارنگ، جو جامعہ ملیہ دہلی یونی ورسٹی کے سینئر استاد بھی تھے۔ رام پور سے مخطوطے کے اوراق کی ترسیل کے سلسلے میں مطلع کیا ہے جس کی اطلاع ظہیر صاحب کو بھی دینے کی تاکید کی ہے۔
مقام و تاریخ خط کے اوپر درج ہے۔ جناب مرتضیٰ حسین بیدار بلگرامی پہلے پریس انفارمیشن بیورو گورنمنٹ آف انڈیا پارلیمنٹ اسٹریٹ، نئی دہلی سے منسلک تھے، بعد میں اردو شعبہ دہلی یونی ورسٹی سے وابستہ ہو گئے۔

۲۔ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج ہے۔ یہ خط باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور سے جناب مرتضیٰ حسین بیدار بلگرامی کو ۲۰ر جون ۱۹۶۳ء کو درج ذیل پتے پر لکھا گیا:

پتا: (بہ زبانِ اردو) جناب مرتضیٰ حسین بیدار بلگرامی، شعبۂ اردو
فیکلٹی آف آرٹس، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۶

مہر کیمپس پوسٹ آفس: ۲۹ر جون ۱۹۶۳ء

اِس خط میں چند الفاظ کا املا یوں کمپوز ہوا ہے: شاید خاں صاحب نے یوں ہی لکھا ہو۔ لیکن ۱۹۷۴ء میں جب اُن کی مشہور کتاب اردو املا شائع ہوئی تو ان الفاظ کے املا میں تبدیلی کی گئی، مثلاً ''باروزئی''، ''شاہجہان پور''، ''نمائش''، ''بلکہ''، ''فرمائش''، ''کہہ'' کو ''باروزئی''، ''شاہ جہان پور''، ''نمایش''، ''بل کہ''، ''فرمایش'' اور ''کہ'' لکھا جانے لگا۔

●●●

بنام: مشفق خواجہ

[۱۹۳۵-۲۰۰۵ء]

(۱)

شاہ جہان پور
۲۱/دسمبر ۲۰۰۴ءؔ

خواجہ صاحب مکرّم!

سلامِ شوق۔ ہاشمی صاحب کا خط مجھے نہیں ملا، مگر فون پر آپ کا کہنا خط سے بڑھ کر ہے، اب آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ طریقِ کار سے متعلق بعض باتیں واضح ہوجائیں، تاکہ آگے چل کر کسی طرح کی الجھن نہ پیدا ہو۔

میں نے وضاحت کی خاطر بانگِ درا کی پہلی نظم ہمالہ کے شروع کے چند بند لیے، پھر دو غزلیں نکالیں اور پھر بالِ جبریل سے دو قطعے لیے۔ اِس طرح جو کارڈ بن سکے، اُن میں سے دو صفحات کے بقدر [کذا] مسالا الگ کرلیا گیا۔ اب یہ آپ کے ملاحظے کے لیے بھیج رہا ہوں، کہ جو ردّ و بدل ہونا ہو، وہ ابھی ہوجائے۔

(۱) یہ پہلے ہی طے ہوجائے کہ صرف لفظ شماری مقصود نہیں۔ معنویت کا پہلو بھی ساتھ ساتھ نمایاں رہنا چاہیے۔ صرف لفظ شماری تو نرا ٹکنکل کام ہوگا لائبریری سائنس والوں کے مطلب کا۔

(۲) لفظ شماری کے لحاظ سے ہر لفظ کو جلی کمپوز کیا جائے گا۔ مفرد لفظ ہے تو وہی جلی ہوگا۔ مرکّب لفظ ہے تو پہلا لفظ اُس مرکّب کا، جو شمار میں آئے گا، جلی کمپوز ہوگا، باقی دو یا تین لفظ معمول کے مطابق کمپوز ہوں گے۔

ہاں! جو مرکّب لفظ استعمالاً ایک لکھے کے طور پر آتا ہے، اُس کو بھی بہ طور ایک لفظ کے جلی لکھا جائے گا، جیسے: خیمہ زن، دل کشا، راہزن [کذا]، دل کش (وغیرہ) کہ یہ (بہ لحاظِ قواعد اسمِ فاعل سماعی ہیں) ایک اسم اور فعلِ امر کے صیغۂ واحد حاضر سے مل کر بنے ہیں اور اب بہ طور ایک کلمے کے مستعمل ہیں۔ اِسی طرح ان سے بنے ہوئے اسمِ مصدر، جیسے: بزم

آرا اور بزم آرائی، دل کشی، نکتہ چیں اور نکتہ چینی، گلچیں [گل چیں] اور گلچینی [گل چینی] وغیرہ۔ یا ایسے ہی دوسرے کلمے، جیسے: سیہ بختی، خوش بختی، بدنصیبی، کم توجّہی [ان سب میں ایک بات مشترک ہوتی ہے کہ اِن کا جزوِ آخر کسی بھی مرکّب کا جزوِ اوّل نہیں بن سکتا، مثلاً سیہ بختی ہے اور بختی سیہ نہیں ہوسکتا وغیرہ] یہ سب بھی بہ طور ایک کلمے کے جلی کمپوز ہوں گے... ٹھیک ہے نا!

(۳) میں نے لفظ کی معنویت کو نمایاں کرنے کے لیے یا اُس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہر لفظ (خواہ مفرد ہو یا مرکّب) کے ساتھ وہ مصرع لکھا ہے جس میں وہ آیا ہے۔ صرف مستثنا صورتوں میں دونوں مصرعے لکھے جائیں گے، جیسے صفحہ نمبر۲ یا تازیانہ، کہ یہاں معنویت کے لحاظ سے دونوں مصرعے لکھنا ضروری ٹھہرا۔... اب یہ بتائیے کہ بہ طورِ عموم ایک مصرع کافی ہے یا دونوں مصرعے ہوں؟

(۴) ایسے اشاریوں میں ایک مشکل یہ ہوتی ہے کہ جس نسخے کے صفحات نمبر دیے گئے ہوں مصرعے کے ساتھ، وہی نسخہ قاری کے پیشِ نظر ہو، ورنہ وہ اُس لفظ کو تلاش نہیں کرپائے گا— میں نے یہ کیا ہے کہ ہر لفظ کے ساتھ، متعلقہ مصرعے کے بعد صفحہ نمبر لکھا ہے، پھر نظم کا عنوان لکھا ہے۔ اگر غزل یا قطعہ ہے، تو اُس کی نشان دہی کی ہے اور آخر میں اُس مجموعے کا مخفف نام لکھا ہے جس میں وہ نظم، غزل یا قطعہ ملتا ہے۔ اِسی طرح نظم کے عنوان اور مجموعے کے نام کی مدد سے وہ شخص بھی اِس کتاب سے استفادہ کرسکے گا [اور بہ قولِ فاروقی صاحب: استفادہ حاصل کرسکتا ہے] جس کے پاس اقبالؔ کا کوئی بھی مجموعہ ہو — آپ کی رائے اس باب میں کیا ہے؟

(۵) مجموعوں کے نام مکمّل لکھے جائیں یا مخفف صورت میں، جس طرح میں نے لکھے ہیں۔ کیا رائے ہے آپ کی؟ کیا فرماتے ہیں مفتیِ شرعِ متینِ ادب بیچ ان مسائل کے؟ بیّنوا وَ توجروا۔ آپ کے خط کے لیے چشم براہ رہوں گا۔

(۶) ہر لفظ کے متعلّق حاشیے میں یہ لکھا جائے گا کہ کلامِ اقبالؔ میں یہ گل کتنی بار آیا ہے: کتنی بار بہ طورِ مفرد اور کتنی بار بہ طورِ مرکّب۔

ہاں صاحب! آپ نے اُس جن کو شیشے میں اُتار لیا غالبؔ کے واسطے سے؟

رشید حسن خاں

حاشیہ:

۱؎ خاں صاحب لفظیاتِ اقبال مرتّب کرنا چاہتے ہیں بہ طرزِ لفظیاتِ غالب۔ اِنھوں نے بانگِ درا کی پہلی نظم ہمالہ، دو غزلیں اور بالِ جبریل سے دو قطعے لے کر اُن کے کارڈ بنا کر نمونے کے طور پر مشفق خواجہ کو بھیجے ہیں تا کہ وہ دیکھ کر اگر کچھ ردّ و بدل کرنا چاہیں تو کردیں اور اُسی طرز پر کام کو آگے بڑھایا جائے۔ مگر یہ کام شروع ہی نہیں ہوا، کیوں کہ ۲۶؍فروری ۲۰۰۶ء کو خاں صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ہاں اُنھوں نے پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کے اشتراک سے کلامِ اقبال کی تدوین نئے تدوینی اصولوں کے مطابق شروع کی تھی اور قریب ۵۰ صفحات مرتّب بھی کر لیے تھے کہ دربارِ الٰہی سے پیغامِ واپسی آگیا اور اُنھوں نے اُس کی تعمیل کرلی۔

بنام: منظور احمد، سیّد (میسور)

(۱)

ٹی بی. ۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔۱۱۰۰۰۷
۲؍فروری ۱۹۸۸ء[۱]

مکرّمی! سلامِ مسنون
آپ کی بھیجی ہوئی تینوں کتابیں کل مجھے مل گئیں۔ اِس عنایت کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔ فرصت ملتے ہی اِن کو دیکھوں گا۔
توقّع کرتا ہوں کہ آپ مع متعلّقین بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: سیّد منظور احمد
ٹی بی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۷؍فروری ۱۹۸۹ء[۲]

منظور صاحب! آداب
آپ کا خط ملا تھا۔ میں چند روز کے لیے دہلی سے باہر چلا گیا تھا۔ میرے پاس ابھی تک ضابطے کا کوئی خط نہیں آیا ہے، اِس لیے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خط آئے تو پروگرام معلوم ہو اور پھر میں اُس کے مطابق اپنا پروگرام بناؤں۔
کرناٹک میں یہ املا کی پہلی ورک شاپ نہیں ہوگی، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے؛ یہ تیسری ہوگی۔ سب سے پہلے کرناٹک یونی ورسٹی کی طرف سے دھارواڑ میں کرناٹک کالج میں ہوئی تھی، اُس کے اگلے سال ہبلی میں ہوئی تھی۔ یہ دونوں صرف اساتذہ کے لیے تھیں۔
خدا کرے آپ مع متعلّقین بہ عافیت ہوں۔ آپ سے ملاقات ہو سکے گی، اِس سے

مجھے بہت مسرّت ہوئی۔

رشید حسن خاں مخلص

(۳)

بنام: سیّد منظور احمد
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۴؍جنوری ۱۹۹۱ء

منظور صاحب مکرم! آداب

آپ کا خط مل گیا۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ دلّی اردو اکادمی یا کسی اور ادارے نے مجھے کوئی ایوارڈ نہیں دیا۔ معلوم نہیں آپ کو یہ خبر کہاں سے ملی اور کس کی تصنیف کی ہوئی ہے۔

آپ نے خط لکھا، اِس کے لیے شکر گزار ہوں۔ توقّع کرتا ہوں کہ آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۴)

بنام: سیّد منظور احمد
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۶؍فروری ۱۹۹۱ء

منظور صاحب مکرم!

میری داہنی آنکھ کا آپریشن ہوا تھا، ابھی تک باقاعدہ لکھنا پڑھنا شروع نہیں ہوسکا ہے۔ یہ چند سطریں بہ مشکل آپ کو لکھ سکا ہوں۔ آپ کی عنایت کا شکریہ۔ آپ اپنی تحریر بھیج سکتے ہیں۔ میں دو تین ہفتے کے بعد ہی دیکھ سکوں گا۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: سیّد منظور احمد
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۷
۱۲/ اپریل ۱۹۹۱ء

منظور صاحب مکرم!

سلیم[۵] صاحب کے خط سے آپ کے والد کے انتقال کی اندوہ ناک خبر ملی، بیان نہیں کرسکتا کہ کس قدر قلق ہوا۔ چوں کہ میں اِس حادثے کی اندوہ ناکی سے ذاتی طور پر دوچار ہوچکا ہوں، اِس لیے آپ کے غم کو سمجھ سکتا ہوں۔ میں اِس غم میں آپ کا شریک ہوں۔ خداے پاک مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۶)

بنام: سیّد منظور احمد
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی
۶/ جولائی ۱۹۹۱ء[۶]

عزیز مکرم!

میرا تعزیت نامہ تو مل ہی گیا ہوگا۔ آپ کا یہ خط مجھے کل ملا۔ میں ۲/ جولائی کو دہلی پہنچا۔ پہلے سے بہتر ہوں، مگر پوری طرح صحت یاب نہیں ہوسکا ہوں۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہوگا، وہ بجاے خود خوب ہوگا۔ آپ کی تحریر اصلاح کی محتاج نہیں، پھر بھی اگر آپ مصر ہیں تو اپنے مضمون کو بھیج دیجیے، میں اُسے دیکھ کر جلد تر واپس کردوں گا۔ دُعا کیجیے کہ جلد تر صحتِ کامل نصیب ہو۔ آپ سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے۔ خیر، پھر سہی۔ خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

مخلص رشید حسن خاں

(۷)

بنام: سیّد منظور احمد
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۳۰/ جولائی ۱۹۹۱ء[۷]

منظور صاحب!

آپ کا پچھلا لفافہ مل گیا تھا۔ چند روز میں اُسے دیکھوں گا۔ کتاب بھیجی جا رہی ہے، اِس کی رسید بھیجیے۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: سیّد منظور احمد
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۶/ اگست ۱۹۹۱ء[۸]

منظور صاحب!

ادبی تحقیق آپ کو رجسٹرڈ ڈاک سے بھیج دی گئی تھی، اب تک آپ نے اُس کی رسید نہیں بھیجی، آخر کیوں؟

اس کا خیال رکھیے کہ تحریر میں حشو و زوائد نہ ہوں اور شعری زبان کو حاوی نہیں ہونا چاہیے۔ تمہید پھر سے لکھیے، مگر صرف چند جملوں میں، غیر متعلق باتیں نہ لکھیے۔ عبارت کو بہت زیادہ تاثراتی نہیں ہونا چاہیے۔ رسالے کا انتخاب آپ خود کیجیے۔ یہ مختصر تحریر ہے، اِسے ذرا بڑھایئے، تاکہ کوئی رسالے والا اِسے چھاپ سکے۔ یہ تو معلوم ہو کہ آپ نے کوئی کتاب پڑھ کر یہ مضمون لکھا ہے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا:

سیّد منظور احمد، بی.ایس.سی، بی.ایڈ،

ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ آف اردو،

جے.ایس.ایس.کالج، میسور- ۵۷۰۰۰۷

۲ مقام نہیں، تاریخ اوپر درج ہے۔ کرناٹک میں املا پر دو ورکشاپوں کے ہونے کا ذکر ہے جو وہاں کے اساتذہ کے لیے منعقد ہوئی تھیں۔ خط کے پشت کا عکس نہیں ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا پہلے والا ہی ہے۔

۳ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اس میں کسی ایوارڈ کا ذکر ہے جو خاں صاحب کو نہیں ملا۔

۴ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے پتے سے لکھا گیا۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۵ سلیم تمنائی مرحوم مشہور ادیب، صدر انجمن ترقی اردو (ہند) میسور۔

۶ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ صاحب ۲/ جولائی کو دہلی پہنچے۔ اُن کی صحت کچھ ٹھیک نہیں رہتی۔

۷ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خاں صاحب نے منظور صاحب کے لیے کتاب بھیجی ہے ادبی تحقیق۔

۸ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس میں ادبی تحقیق پر تبصرہ لکھنے کی بات کہی گئی ہے۔

○○○

بنام: مہر الٰہی ندیم (علیگ)

(۱)

شاہ جہان پور

۲۱ر نومبر ۲۰۰۲ء[۱]

مہر الٰہی صاحب! آداب

کل آپ کی بھیجی ہوئی کتاب ملی۔ اِس عنایت کے لیے شکرگزار ہوں۔ سلیم صاحب سے بھی میری طرف سے شکریہ ادا کردیجیے گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

●●●

۱۔ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ ڈاک خانے کی ایک مہر ۳۰ر نومبر ۲۰۰۲ء کی ہے، دوسری بہت دُھندلی ہے۔ کسی کتاب کے ملنے کا ذکر ہے۔

شاہ جہاں پور
۳ مارچ ۲۰۰۱ء

عزیزم،

تمہارا خط مرقومہ ۲۶ فروری ۲۰۰۱ء — ایک مدت کے بعد تمہارا خط پا کر بے حد خوشی ہوئی۔ توقع کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی کبھی اپنی خیریت سے آگاہ کرتے رہو گے۔ میری صحت اب ٹھیک نہیں رہتی اور یہ بھی ہونا تھا۔ عمر ترقی دھوپ ہے اب یہ چھیاسیواں سال ہے عمر کا، بس اب دو چار سال کی بات اور ہے۔ مصروفیات رہی لکھنے پڑھنے کی۔ آج کل گفتگو کی زبان کا مکمل لغت مرتب کر رہا ہوں۔

اب تمہارے سوالات:

① عروض کتابوں سے نہیں آتا۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسے کسی جاننے والے سے پڑھا جائے اور عملی مشق کر کے سیکھا جائے۔

② تقفیہ کے معنی ہیں: کسی لفظ کو کسی دوسرے لفظ کے ساتھ بطورِ قافیہ لانا۔ یہ مصدر ہے۔ لغوی معنی ہیں: قافیہ کرنا، قافیہ بنانا۔

③ بعض ادارے سارے ہندسوں کو رومن میں لکھتے ہیں اور بعض اردو میں۔ یہ اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ زبان اور قواعد ترقی اردو کونسل نے چھاپا ہے، جو سرکاری ادارہ ہے؛ وہ لوگ اپنی ہر کتاب میں انگریزی اعداد لکھتے ہیں، جبکہ جامعہ والے اور انجمن ترقی اردو کے لوگ اپنی کتابوں میں اردو ہندسے لکھتے ہیں۔

④ تہجد کو بروزنِ تنفّس درست لکھا گیا ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے، میں نہیں سمجھ سکا۔ لغت نویسوں کا یہ عام طریقہ رہا ہے کہ بعض دفعہ کسی لفظ کی حرکات لکھنے کے بجائے، اس کا ہم وزن لفظ لکھ دیتے ہیں؛ مثلاً: ماہر بروزنِ شاعر۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس طرح شاعر میں ع کے نیچے زیر ہے، اسی طرح ماہر میں ہ کے نیچے زیر ہے۔ شاعر کا تلفظ سب کو معلوم ہے، اس طرح شاعر کا ہم وزن جو بھی لفظ ہوگا، اس کا تلفظ بھی اسی قیاس پر معلوم ہو جائے گا۔

⑤ تم نے لکھا ہے: "کسی لفظ میں دو حرف اکٹھے نہیں لکھے جاتے" — یہ قول اس طرح درست نہیں۔ "دُر" کے معنی ہیں: موتی؛ اس کی جمع ہے: دُرَر۔ — چھننا، بھننا، جاننا جیسی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ وجہ اتفاق ہوتی ہے۔ مثلاً "دُرَر" جمع ہے، اسے "دُرّ" نہیں لکھا جا سکتا، ورنہ جمع وزن (فُعَل) باقی نہیں رہے گا۔ چھننا (مصدر) مرکب لفظ ہے (چھن-نا)، اس لیے دونوں نون لکھے جائیں گے۔ "تحقّق" (ربا کا اسم فاعل ہے) بروزن "تفعّل"، ان میں بھی لازماً دو ق لکھے

अंतर्देशीय पत्र कार्ड
INLAND LETTER CARD

بخدمت جناب ... صاحب

Mr. Mohinder ... Pardesi

19 - New plots Jammu,

P.O.: SARWAL Colony

JAMMU PIN 180005

NO ENCLOSURES ALLOWED
WRITE PIN CODE IN ADDRESS
SENDER'S NAME AND ADDRESS:—

[illegible]

PIN 242001

جاتی تھی۔ ذہن کو ایسے مختلف لفظوں میں تکرارِ حرف کی وجہیں الگ الگ ہیں۔ ایسے سب لفظوں کے
متعلق یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حرف یا حرف کے [illegible] خاص بات ہے۔
ایک بات اور: اردو میں یہ لازم ہے کہ حرفِ مشدد پر حرکت باقی رہے یعنی وہ ساکن نہ ہو، متحرک رہے۔
محقق میں حرفِ مشدد متحرک ہے، دوسرا قاف متحرک نہیں ہو سکتا۔ یوں [illegible] مشدد ہو ہی نہیں
سکتی۔ تشدید دو حرفوں کی نسبت ہے تلفظ کی، جیسے: [illegible] ۔ [illegible] مشدد ہے اور
وہ دو الگ حرفوں سے مرکب ہے، ایک [illegible] اور دوسرا [illegible] ہے۔ [illegible] حرفِ آخر
ساکن ہوتا ہے اور مشدد بھی ہے۔ جیسے: [illegible] ۔ اردو میں جب یہ ترکیب کے ساتھ مستعمل ہو، جیسے:
"[illegible]" تب [illegible] مشدد ہے [illegible] تشدید ختم ہو جاتی ہے اور [illegible] ۔ یہی وجہ ہے کہ "[illegible]"
میں مشدد حرف دونوں حرفوں سے مرکب ہے یعنی [illegible] ۔ جب یہ صورت نہیں ہے تو تشدید [illegible]
[illegible] اور [illegible] کے ساتھ [illegible] ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو بڑا اشتباہ پیدا ہو سکتا
[illegible] تو اس کا بڑا امکان رہتا ہے کہ [illegible]
[illegible] لفظوں میں [illegible] ایسے حرف [illegible] دونوں [illegible]
[illegible]
[illegible] اس خط کا جواب فوراً بھیجیے اور [illegible]
[illegible]

بنام: مہندر لال پروانہ، ڈاکٹر

(۱)

شاہ جہان پور
۱۲رفروری ۱۹۹۶ءؔ

عزیزم!

آج ہی تمھارا خط [ملا]۔ کتابیں سب ابھی تک یوں ہی ڈھیر ہیں۔ بہ مشکل دو چار کتابیں نکال سکا۔ بیش تر سوال حل ہو گئے ہیں۔ جو باقی ہیں، وہ وہاں آ کر دیکھ لوں گا۔

تم نے یہ نہیں لکھا کہ قتیلؔ کے متعلق تم کو ضرور معلومات اُس کتاب سے مل گئی یا ابھی کچھ کمی ہے۔ رینا صاحب کو جو خط میں نے لکھا تھا، اُس میں تاکیداً لکھ دیا تھا کہ وہ تم کو یہ اطلاع دے دیں کہ کتاب مجھے مل گئی۔ اگر اُنھوں نے نہیں کہا تو اُن سے میری طرف سے جواب طلب کرو۔

جو باتیں مبہم ہوں یا ناتمام، اُن کو پھر پوچھ سکتے ہو۔ خط لکھتے رہو۔ اِس خط کی رسید فوراً بھیجو۔ تمھاری ناسازیِ طبع سے پریشانی ہوئی۔ خدا تم کو جلد تر صحت یاب کرے۔

ڈاکٹر صاحب کیسے ہیں، اُن سے میرا اسلام کہو۔ وہ اکثر یاد آتے ہیں۔ اُن کا کام ہو رہا ہے؟ اُس کی بھی مجھے فکر ہے۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت:

تصحیح: تیغِ ذکر کو اپنی سیہ تاب کیجیے۔ یہ مطلع رنگینؔ کا نہیں کسی دوسرے شاعر کا ہے۔ رنگینؔ نے اپنی کتاب مجالسِ رنگین میں اِسے نقل کیا ہے۔ یہ لکھا ہے کہ ایک شام کو محفل میں ایک صاحب نے یہ مطلع پڑھا۔ پھر اِس پر ایک اعتراض کا ذکر آیا ہے کہ میں نے اس پر اعتراض کیا تھا کہ تیغ کو سیہ تاب نہیں کیا جاتا، قبضۂ تیغ کو سیہ تاب کیا جاتا ہے۔ [مجالسِ رنگین، مرتبۂ مسعود حسن رضوی، ص ۳۶، مجلسِ دوم]۔

اِس کی رسید فوراً بھیجو۔

(۲)

بنام: مہندر لال پروانہ، ڈاکٹر
شاہ جہان پور
۱ مارچ ۱۹۹۶ء

عزیزم! کئی روز سے موسمی اثرات کا شکار تھا، یوں جواب میں تاخیر ہوئی۔ صفحے کے اوپر جو کچھ نقوش ہیں وہ مجھ سے زیادہ پڑھے لکھے فرد کے بنائے ہوئے ہیں۔ میری پوتی ہے چار سال کی، اُس نے املا نامہ کیا ہے کہ دادا کو اچھا لکھنا نہیں آتا، اور یوں اُس نے ''اچھا'' لکھ کر نمونہ پیش کیا ہے، لہٰذا آپ بھی اِس سے سبق لیجیے۔ دوسری نے جو اُس سے ذرا بڑی ہے، مزید میری تعلیم کے لیے کچھ لکھا ہے۔ میں نے صبر کرلیا، آپ بھی صبر کر لیجیے۔ تو یہ کہانی تھی اوپر کے نقش و نگار کی۔

ہاں، تم اب املا کی غلطیاں بہت کرنے لگے ہو، اس پر تعجب ہوتا ہے۔

توقع کرتا ہوں کہ اب تمھاری طبیعت بہت حد تک ٹھیک ہو چکی ہوگی۔ تمھاری بیوی کو بہت سی دعائیں اور بچّی کو بہت سا پیار۔

رینا صاحب سے کہو کہ خط لکھیں اور کام کی تفصیل سے مطلع کریں۔

ڈاکٹر صاحب کا خیال برابر میرے دل میں چٹکیاں لیتا رہتا ہے۔ اُن کی طرف سے غافل نہیں، مگر اُن کی مدد یہاں بیٹھے بیٹھے نہیں کر سکتا۔ ہاں وہاں آکر اُن کی مکمّل طور پر مدد کروں گا۔ اُن سے میرا اسلام کہیے اور کہہ دیجیے کہ دل مَیلا نہ کریں۔ اُن کا کام میں آکر دیکھ لوں گا اور وہ مکمّل بھی ہو جائے گا۔ واہ گرو کا خالصہ اور واہ گرو کی فتح (انشاء اللہ)۔

میں دل جیت ورما کے تھیسس میں اُلجھ گیا تھا۔ اب اُس سے فرصت ملی ہے۔ وہ بھی بہت پریشان تھا اور کالرا صاحب نے اُس کی سفارش بھی کی تھی، یوں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ کیا کروں:

خنجر چلے کسی پہ، تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

میں نے دوسروں کی مدد کرنا اپنا شیوہ یوں بنالیا ہے کہ میں نے بہت گناہ کیے ہیں، بہت دل دُکھائے ہیں۔ یہ دل تو حرام زادگانِ ادب کے تھے اُنھیں تو ٹوٹنا ہی چاہیے تھا؛ مگر افسوس تو

بہر حال ہوتا ہے، اِس لیے میں طالبِ علموں کی مدد کرنا ضرور سمجھتا ہوں کہ شاید اِس طرح کفارہ ادا ہو جائے اور انجام اچھا ہو۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال میرے دل میں الگ سے محفوظ ہے اور اُن کی مناسب مدد ضرور کی جائے گی۔ بس میرا وہاں آنا شرط ہے۔ کانفرنس میں مدعو تھا، مگر ایک دو دن کے لیے کیا آتا، یوں معذرت کر لی۔

تم خط کی رسید نہیں بھیجتے، اِس سے مجھے بہت اُلجھن ہوتی ہے؛ اِس خط کی رسید فوراً بھیجو۔ خط کا متعلقہ حصّہ ڈاکٹر صاحب کو پڑھا دینا اور رینا صاحب تک پیغام پہنچا دینا اور اب املا کی غلطیاں کم کرنا۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: مہندر لال پروانہ، ڈاکٹر
شاہ جہان پور
۱۱رجنوری ۱۹۹۹ء

عزیزم!

نئے سال کی مبارک باد کا شکریہ، تم نے یاد رکھا اور یاد کیا، اِس سے جی بہت خوش ہوا، دل سے دُعا نکلی کہ تم ہمیشہ شادکام اور صحت مند رہو۔ میری طرف سے سب گھر والوں کو نیا سال مبارک ہو۔ تم نے خط لکھنا کیوں چھوڑ دیا۔ خط لکھتے رہا کرو، اِس سے رابطہ برقرار رہتا ہے اور یاد تازہ ہوتی رہتی ہے۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: مہندر لال پروانہ، ڈاکٹر
شاہ جہان پور
۳رمارچ ۲۰۰۱ء

عزیزم!

تمھارا خط مرقومہ ۲۶رفروری ملا۔ ایک مدّت کے بعد تمھارا خط پا کر بے حد خوشی ہوئی۔ توقع کرتا ہوں کہ آیندہ کبھی کبھی اپنی خیریت سے آگاہ کرتے رہو گے۔ صحت میری بھی

اب ٹھیک نہیں رہتی اور یہی ہونا تھا۔ اُترتی دھوپ ہے اب، یہ چھہتر واں سال ہے عمر کا، بس اب دو چار سال کی بات اور ہے۔ مصروفیات وہی لکھنے پڑھنے کی۔ آج کل ٹھگوں کی زبان کا مکمل لغت مرتب کر رہا ہوں۔

اب تمھارے سوالات:

(۱) عروض کتابوں سے نہیں آتا۔ اِس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُسے کسی جاننے والے سے پڑھا جائے اور عملی مشق کر کے سیکھا جائے۔

(۲) تَقْفِیَہ کے معنی ہیں: کسی لفظ کو کسی دوسرے لفظ کے ساتھ بہ طورِ قافیہ لانا۔ یہ مصدر ہے، لفظی معنی ہیں: قافیہ کرنا، قافیہ بنانا۔

(۳) بعض ادارے سارے ہندسوں کو رومن میں لکھتے ہیں اور بعض اردو میں۔ یہ اپنا اپنا طریقۂ کار ہے۔ زبان اور قواعد ترقی اردو کونسل نے چھاپی ہے، جو سرکاری ادارہ ہے؛ وہ لوگ اپنی ہر کتاب میں انگریزی اعداد لکھتے ہیں، جب کہ جامعہ والے اور انجمن ترقی اردو کے لوگ اپنی کتابوں میں اردو ہندسے لکھتے ہیں۔

(۴) تَجَدُّد کو بروزنِ تَعَمُّق درست لکھا گیا ہے۔ اِس میں کیا شُبہ ہے، میں نہیں سمجھ سکا۔ لغت نویسوں کا یہ عام طریقہ رہا ہے کہ بعض دفعہ کسی لفظ کی حرکات لکھنے کے بجائے، اُس کا ہم وزن لفظ لکھ دیتے ہیں؛ مثلاً: ماہر بروزنِ شاعر۔ اِس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس طرح ''شاعر'' میں ع کے نیچے زیر ہے، اُسی طرح ''ماہر'' میں ہ کے نیچے زیر ہے۔ شاعر کا تلفظ سب کو معلوم ہے، اِس طرح شاعر کا ہم وزن جو بھی لفظ ہوگا، اُس کا تلفظ بھی اِسی کے قیاس پر معلوم ہو جائے گا۔

(۵) تم نے لکھا ہے: ''کسی لفظ میں دو حرف ایک ساتھ نہیں لکھے جاتے''۔ یہ قول اِس طرح درست نہیں۔ ''دُر'' کے معنی ہیں: موتی؛ اِس کی جمع ہے: دُرَر۔ چُننا، بُننا، جاننا جیسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ وجہ الگ الگ ہوتی ہے۔ مثلاً ''دُرَر'' جمع ہے، اِسے ''دُرّ'' نہیں لکھا جاسکتا، یوں کہ جمع وزن (فُعَل) باقی نہیں رہے گا۔ چُننا (وغیرہ) مرکّب لفظ ہیں [چُن۔نا]، اِس لیے دونوں نون لکھے جائیں گے۔ ''مُحَقِّق'' عربی کا اسمِ فاعل ہے بروزنِ مُفَعِّل، یوں اِس میں بھی لازماً دو ق لکھے جائیں گے۔ غرض کہ ایسے مختلف لفظوں میں تکرارِ حرف کی وجہیں الگ الگ ہیں۔ ایسے سب لفظوں کے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیے کہ صرف یا نحو کے لحاظ سے اِن میں کوئی خاص بات ہے۔

ایک بات اور: اردو میں یہ لازم ہے کہ حرفِ مشدّد پر حرکت باقی رہے؛ یعنی وہ ساکن نہ ہو، متحرّک رہے۔ مُحقّق میں حرفِ مشدّد متحرّک ہے، دوسرا قاف متحرّک نہیں ہوسکتا، یوں اُس پر تشدید بھی نہیں آسکتی۔ تشدید دو طرفہ نسبت ہے تلفّظ کی، جیسے: مدّت = مُ دْ دَت: مُدّت۔ دال مشدّد ہے اور وہ دونوں طرف کے حرفوں سے مربوط ہے؛ ایک طرف مَ سے اور دوسری طرف تَ سے۔ عربی میں حرفِ آخر ساکن ہوتا ہے اور مشدّد بھی، جیسے: ظِلّ (سایہ)۔ اردو میں جب یہ ترکیب کے ساتھ مستعمل ہو، جیسے: ظلِّ الٰہی، تب ل مشدّد رہے گا، ورنہ تشدید ختم ہوجائے گی اور ''ظِل'' کہیں گے۔ وجہ وہی ہے کہ ''ظلِّ الٰہی'' میں مشدّد حرف دونوں طرف کے حرفوں سے مربوط ہے، یعنی متحرّک ہے۔ جب یہ صورت نہیں رہی تو تشدید بھی نہیں رہی۔

(۶) ل اور الف کے ساتھ ک کا جوڑ حلقے دار ہوتا ہے۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتو بڑا اشتباہ پیدا ہوسکتا ہے لفظوں میں۔ ''کلا'' کو اگر ''کللا'' لکھا جائے، تو اِس کا بڑا امکان رہے گا کہ ک کا مرکز لام تک پہنچ جائے اور یوں لفظ ہی بگڑ جائے۔ اِسی لیے صرف دو حرفوں کے ساتھ اِسے اِس طرح لکھا جاتا ہے کہ دونوں کے ڈنڈی دار سِرے: کُل ـ کللا'' لکھاوٹ کو خراب نہ کریں۔ ''کلا'' اور ''کللا'' کو دیکھو، خود کہو گے کہ ''کلا'' میں وضاحت ہے اور ''کللا'' میں اشتباہ ہے۔ قلم کی روانی ''کلا'' کو بہ آسانی کللا (ل ک ا) بنا سکتی ہے۔ اِس خط کی رسید فوراً بھیجو اور مزید سوالات بھی۔

رشید حسن خاں

ہاں، میرا امکان نہیں بدلا، صرف اُس کا نمبر چنگی والوں نے بدل دیا ہے۔ اور کچھ تو وہ لوگ کرتے نہیں، بس یہی کرتے ہیں۔

(۵)

بنام: مہندر لال پروانہؔ، ڈاکٹر

شاہ جہان پور

۹ر جنوری ۲۰۰۲ء ؁

عزیزم پروانہؔ! بہت سی دُعائیں۔

ایک زمانے کے بعد تمھارا خط ملا، احوال معلوم ہوا۔ اب تم سب سے پہلے اپنا نیا پتا

لکھو۔ معلوم نہیں یہ خط تم تک پُرانے پتے پر پہنچے گا بھی یا نہیں۔

(۱) گَل اور گُل میں گَل پہلے آئے گا۔ لُغت میں ایسے الفاظ کی ترتیب اِس طرح ہوتی ہے کہ پہلے زبر، پھر زیر، پھر پیش — جیسے: مَل، مِل، مُل۔

(۲) شَقُّ القمر: یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ رسول اللہ کے ایک اُنگلی سے اشارہ کرنے پر چاند بیچ میں سے دو ٹکڑے ہو گیا تھا، پھر دونوں ٹکڑے مِل گئے۔

(۳) پہلے یہ عام بات تھی کہ بڑے لوگ، مشہور لوگ (شاعر، طبیب، عالم وغیرہ) اپنے نام کی مُہر ضرور بنواتے تھے۔ یہ کسی دھات کے ٹکڑے کی ہوتی تھی، جس پر اُس شخص کا نام، یا خطاب یا نام مع خطاب کھُدا ہوتا تھا۔ جو لوگ مُہریں بناتے تھے، اُنھیں "مُہر گن" کہتے تھے۔ [کندن: کھودنا۔ گن: کھودنے والا۔ مُہر گن: مُہر پر نام کھودنے والا]۔ یہ مُہریں خطوں یا دوسرے نوشتوں کے آخر میں نام کے طور پر یا نام کے ساتھ لگائی جاتی تھیں۔ شاہی کاغذوں پر شاہی مُہریں ضرور ہوتی تھیں۔ بہت سے پُرانے قلمی نسخوں پر بھی اُن کے کاتبوں کی یا اُن کے مالکوں کی مُہریں ملتی ہیں۔ مُہر لگانے کے لیے آج ہی کی طرح سیاہی کا پیڈ استعمال کیا جاتا تھا۔ [اب ربر کی مُہریں بنتی ہیں]۔

(۴) جب نیا بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا تو اُس کے نام کا نیا سکّہ چلن میں آتا تھا۔ تخت نشینی کے موقعے پر شاعر حضرات ایسے شعر کہتے تھے جو نئے شاہی سکّے پر کھودے جا سکیں (کوئی ایک شعر)۔ بہادر شاہ ظفر جب بادشاہ ہوئے تھے، تو شاعروں نے سکّے کہے تھے۔ جب غدر ہوا تو انگریزوں کو اطلاع دی گئی کہ مرزا غالب نے بھی بہادر شاہ کی تخت نشینی کے موقعے پر سکّہ (یعنی سکّے کے لیے شعر) کہا تھا۔ مرزا صاحب کے مقدمۂ پنشن پر اس سے بُرا اثر پڑ سکتا تھا، یوں وہ اِس پر بہت پریشان رہے اور یہ کہتے رہے کہ میں نے کوئی سکّہ نہیں کہا تھا۔

جو فون نمبر تم نے خط میں لکھا ہے، وہ بالکل درست ہے۔ تم اس پر کبھی فون تو کرو۔ یہ تم نے کیسے مان لیا کہ وہ غلط ہے۔ تم خط برابر لکھا کرو۔ تمھاری پریشانیاں خواہ دور نہ ہوں کم تو ضرور ہو جائیں، اِس کے لیے دُعا کرتا ہوں۔ زندگی کی بخشی ہوئی پریشانیاں مکمّل طور پر شاید کبھی دور نہیں ہو پاتیں، ہاں کم ہو سکتی ہیں، یا اُن کی صورت کچھ بدل سکتی ہے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ یہ ۸؍فروری ۱۹۹۶ء کو ڈاکٹر مہندر لال پروآنہ کے لکھے ہوئے خط کے جواب میں روانہ کیا ہوا رشید حسن خاں صاحب کا خط ہے۔

۲ یہ خط پروانہ صاحب کے ۱۲؍مارچ ۱۹۹۶ء کے جواب میں رشید حسن خاں صاحب کا قلم بند کیا ہوا ہے۔ اصل میں خاں صاحب نے پروانہ صاحب کے خط کی پُشت پر لکھ کر واپس لوٹا دیا۔ بہت سے سوالوں کے جوابات بھی تحریر کیے ہیں۔ خط کے نیچے دستخط تو ہیں مگر تاریخ درج نہیں۔

۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط مہندر لال پروآنہ کو ۲۸؍جنوری ۱۹۹۹ء کو ملا۔ پُشت پر تاریخ موصولہ درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے جس کی قیمت ایک روپیہ ہے۔ جمّوں ڈاک خانے کی مہر بھی ثبت ہے۔

۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ پُشت پر جمّوں ڈاک خانے کی مہر ۵؍مارچ ۲۰۰۱ء کی ثبت ہے۔ قیمت خط دو روپے ہے۔ پُشت پر دونوں پتے درج ہیں۔

۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط لفافے میں بند تھا۔ لفافے پر جمّوں ڈاک خانے کی مہر ۱۱؍جنوری ۲۰۰۲ء کی ثبت ہے۔

○○○

بنام: میکش اکبرآبادی

(۱)

70-جُبلی ہال، مال روڈ
دہلی-7
۵ر دسمبر ۱۹۶۹ء

مخدومِ مکرّم! سلام نیاز۔

گرامی نامہ موصول ہوا تھا۔ منفعل ہوں کہ خاصی تاخیر سے عریضہ لکھنے کی توفیق ہوئی ہے۔ اور اس کی ذمّے داری میری اچانک علالت پر ہے۔ سردی کا موسم مجھے کبھی راس نہیں آتا۔ چودہ، پندرہ سال سے یہ صورت ہے کہ اچانک نزلے کا حملہ ہوتا ہے اور نیز بخار مسلط ہو جاتا ہے اب کے بھی یہی ہوا۔ کل کچھ افاقہ ہوا ہے اور آج یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ متوقع ہوں کہ اس تاخیر بے جا کا عذر آپ قبول فرمالیں گے۔

خدا کے فضل سے امیدوار ہوں کہ اب مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ براہ کرم مزاج گرامی کی خیریت سے ضرور مطّلع فرمایئے۔

فرہنگ نظیر، بے حد ضروری کتاب ہے اور اس کا چھپ جانا ہم جیسے کم سوادوں کے لیے بے حد ضروری ہے۔ آج کل قبلہ سرور صاحب، امریکہ تشریف لے گئے ہیں اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب ان کی جگہ انجمن کے نگراں ہیں آپ اس موقعے پر جو اتفاق سے فراہم ہوا ہے ان کو خط لکھیے، اگر وہ مسودہ محفوظ ہوا تو وہ ضرور واپس بھیج دیں گے۔ جب مسودہ واپس مل جائے تو آپ مجھے مطّلع فرمایئے گا، اس کے چھپنے کا انتظام ہو جائے گا۔ سرور صاحب نے اتنے کام اپنے ذمّے لے رکھے ہیں، کہ کوئی بھی اللہ کا بندہ انھیں نپٹا نہیں سکتا۔ اس کے لیے الہ دین کا چراغ ضروری ہے، اور مشکل یہ ہے کہ وہ اس زمانے میں ملتا نہیں۔ ان کے اندر وہی ہوسِ اقتدار ہے جو سرمایہ داروں کا خاصّہ ہوا کرتی ہے۔ اچھی کتابیں پڑی رہیں گی، ہاں، چار آنے والا انتخاب چھپ جائے گا۔ کیا آپ کے پاس اُس مسودے کا وصول یابی کی رسید محفوظ ہے؟ اگر وہ ہے تو پھر سرور صاحب کی واپسی پر

(اگر ان کی عدم موجودگی میں یہ کام نہ ہوسکا) باضابطہ وصول یابی ہوسکتی ہے۔ مجھے تو یہی تشویش ہے کہ ان کی چوپال میں وہ مسودہ محفوظ بھی ہوگا! خدا کرے محفوظ ہو۔

ماہنامہ کتاب نما کے تازہ شمارے میں غزل دیکھی۔ کیا مرصّع غزل ہے۔ اس ردیف میں تغزل کو سمونا بڑی بات تھی۔ آپ نے قافیے جس پہلو سے بیٹھائے ہیں ان کی داد تو میں کیا دے سکتا ہوں، محض لطف لے سکتا ہوں۔ جہادِ کم نظری کے اِس دور میں ایسی آوازیں بڑا سہارا ہیں "آبروے شک بھی گئی" کیا نفیس شعر ہے اور کیا تراشا ہوا اسلوب ہے۔ دن ہوئے، آپ کا ایک شعر کہیں پڑھا تھا، آج تک بعض خاص لمحوں میں اِسے دہراتا ہوں اور وجد کرتا ہوں، بوے گل، رنگِ چمن، یہ عمر گزراں سب ٹھہر جائیں گے، کوئی اُسے روکے تو سہی۔ ایسے ہی اشعار کے لیے کہا گیا ہے کہ ان کے تاثر کو الفاظ میں قید کرنا دشوار ہے۔

خدا کرے مزاجِ گرامی بہ خیر ہو۔ آپ کی دعاؤں کا حاجت مند اور متمنی ہوں۔ کیا ادھر تشریف لانے کا ارادہ ہے؟

مخلص رشید حسن خاں

(۲)

بنام: میکش اکبر آبادی

F/4, Jublilee Hall
Mall Road, Delhi-7
۱۲ر مئی ۱۹۷۲ء

مخدومِ بندہ۔ نیاز مندانہ آداب بجالاتا ہوں۔

گرامی نامے نے سرفراز کیا۔ اپنی بے توفیقی کیا عرض کروں ۵۹ء میں دہلی آیا تھا، خیال یہ تھا کہ اوّلین فرصت میں تاج محل کو دیکھوں گا۔ اب تک وہ ساعت سعید نہیں آئی ہے۔ ہر سال پروگرام بناتا ہوں اور رہ جاتا ہوں۔ اِس جنگ کے دوران میں بارہا یہ خیال آیا کہ خدانکردہ اس عمارت کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو کیا ہوگا۔ آنکھیں محروم ہی رہیں گی۔

اس بار پھر یہ ارادہ کیا ہے کہ اکتوبر کے شروع میں سفر کیا جائے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس طرح آپ کی خدمت میں حاضری دے کر سعادت اندوزی کی جاسکے گی، اور یہ واقعی بڑے شرف کی بات ہوگی۔ دعا فرمایئے کہ اِس بار اس سعادت سے محروم نہ رہوں۔ میں تو

خدا کو مانتا ہوں، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ فتح العزائم کے پھیر میں کیوں مبتلا کر دیا گیا ہوں۔

چوں کہ اس بار اِس سفر کے لیے آپ سے توجہ کا طلب گار ہوا ہوں، اس لیے اس کی امید ہے کہ اب یہ سفر ضرور انجام کو پہنچے گا۔ میں یونی ورسٹی کے ہوسٹل میں رہتا ہوں اور وہاں کا پتا اوپر درج ہے۔ ملتمس ہوں کہ کبھی کبھی گرامی ناموں سے سرفراز کیا جاتا رہوں۔ آپ کا یہ شعر اکثر دہراتا رہتا ہوں۔ کیا بے مثال، بلیغ اور پُر کیف شعر ہے:

بوے گل، رنگِ چمن اور یہ عمرِ گزراں
سب ٹھہر جائیں گے، کوئی اُسے روکے تو سہی

خادم رشید حسن

حواشی:

۱ علامہ میکش اکبرآبادی صاحب حضرت شیخ قادر جیلانی پیرانِ پیر دست گیر بڑے پیر صاحب رحمت اللہ علیہ کی نسل سے تھے۔ آپ حنیف سیّد (آگرہ والے، افسانہ نگار) کی اہلیہ محترمہ کے چچا لگتے تھے۔ حنیف سیّد صاحب کو وہیں سے قادریہ سلسلے کی خلافت اپنے ہم زلف سے ملی جس پر رشید حسن خاں نے آستانہ میکش کے راستے کی نشان دہی اور وہاں جانے کی بات کہی۔ حنیف سیّد صاحب وہاں پہنچے تو اِن کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ انھوں نے برجستہ کہا کہ شیخ جی اور مے خانہ! حیرت ہے۔ جس پر رشید حسن خاں نے علامہ میکش اکبرآبادی کے سارے مجموعے دکھلاتے ہوئے بتایا کہ میں اُن کا نقدِ اقبال پڑھ کر اُن سے ملنے آگرہ گیا تھا۔ اُس کے بعد رشید حسن خاں اکثر علامہ میکش اکبرآبادی کا ذکر کرتے اور علامہ میکش اکبرآبادی کے اشعار سنایا کرتے جو اِنھیں ازبر تھے۔ میکش اکبرآبادی کے صاجزادے محترم حیدر علی رند اکبرآبادی اِس وقت گوشہ نشیں ہیں۔ حنیف سیّد صاحب کا اور اُن کا ایک دوسرے کے ہاں اکثر آنا جانا رہتا ہے۔ یہ باتیں حنیف سیّد صاحب نے آگرہ سے بہ ذریعہ ای میل آج ۲۳ رفروری ۲۰۱۴ء کو بھیجی ہیں میں اُن کا نہایت شکر گزار ہوں۔

۲ 'فرمایئے' کا املا رشید حسن خاں صاحب نے خط میں یوں لکھا ہے: 'فرماءیے'۔

بنام: نامی انصاری

(۱)

ٹی.سی.۹، گائرہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۰ر اگست ۱۹۹۴ء[1]

مکرّمی! آداب

آپ کا خط مرقومہ ۳۰ر جولائی ملا تھا، تاخیرِ جواب کے لیے معذرت طلب ہوں۔
غالب کے شعر میں ''ہوتے تک'' صحیح متن ہے۔ اِس کے خلاف نہیں لکھا جائے گا، اگر اِسے ''ہونے تک'' لکھا جائے گا تو تحقیق کی زبان میں اِسے تحریف کہا جائے گا۔
جو تبدیلی موخر زمانے میں ہوئی ہو، اُسے زمانہ ماقبل کے الفاظ پر نافذ نہیں کیا جاسکتا۔
اِسی طرح کسی بھی زمانے کے کسی بھی شخص کے متن کو کسی بھی صورت میں بدلا نہیں جاسکتا۔ یہ قطعی اصول ہے۔ جہاں تک پسند کا سوال ہے، تو یہ قطعی طور پر ذاتی چیز ہوا کرتی ہے، تحقیق اور تدوین کا اِس سے کچھ تعلق نہیں۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: نامی انصاری
شاہ جہان پور
۱۱ر مارچ ۱۹۹۸ء[2]

انصاری صاحب! آداب

آپ کا بھیجا ہوا تحفہ یہاں میری عدم موجودگی میں آیا تھا، میں دو ماہ سے بہ غرضِ علاج بمبئی میں مقیم تھا۔ صحت میری کچھ یوں ہی سی رہتی ہے۔ دن بھر دوائیں کھاتا رہتا ہوں۔
شکر گزار ہوں اور ممنون کہ آپ نے اِس تحفے سے نوازا۔ کتاب میں نے اپنی میز پر

رکھ لی ہے۔ رفتہ رفتہ دیکھوں گا اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتا رہوں گا۔ سب سے اچھا تحفہ کتاب ہی ہے، یوں بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔

یہ آپ نے مجھ پر ظلم کیا کہ جوابی لفافہ بھیجا۔ میں خطوں کا جواب لکھنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔ اب کتابوں پر تبصرہ کرنے کی مہلت نہیں مل پاتی، صحت کی خرابی اور کاموں کی زیادتی نے مجبور کر رکھا ہے۔ دو سال سے سحرالبیان کی تدوین شروع کر رکھی ہے، اسی کی تکمیل نہیں ہو پاتی، شاید ابھی دو سال اور لگیں گے۔ یہ احوال ہے میرا۔ ایسے میں مخلصین جب یاد کرتے ہیں تو اُن کا شکر گزار ہوتا ہوں، کتابوں کو پڑھتا ضرور ہوں اور لطف اندوز ہوتا ہوں، خواہ اُن سے متعلق کچھ لکھ نہ پاؤں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: نامی انصاری

شاہ جہان پور

۷/اپریل ۱۹۹۸ء

نامی صاحب! آداب

آپ کا خط ملا۔ پتا میرا وہی ہے جو آپ نے خط میں لکھا ہے۔ ٹیلیفون میں نے دہلی میں کبھی نہیں رکھا تھا، تو یہاں بھی نہیں۔ اس سے کاموں میں بڑا خلل پڑتا ہے۔ آپ سے ملاقات کر کے مجھے مسرّت ہوئی۔ از راہِ لطف اپنے آنے کی تاریخ سے مطلع فرمایئے اور یہ بھی کہ اندازاً آپ کس وقت تشریف لائیں گے۔ میں ہنوز زیرِ علاج ہوں، مگر اپنے ضروری کاموں میں مصروف۔ آپ کی کتاب ابھی نہیں پڑھ سکا ہوں اطمینان اور فرصت کا متلاشی ہوں۔ پڑھوں گا ضرور اور لطف اندوز ہوں گا۔ ہاں وقت کی بات میں نے یوں لکھی ہے کہ یہاں بجلی نے اندھیر مچا رکھا ہے۔ دن میں گیارہ بجے کے آس پاس میرے علاقے میں بجلی آتی ہے اور پھر تین بجے سے چھے بجے تک رہتی ہے۔ اگر اِس دوران آپ آسکیں تو خوب

ہو۔ اچھا نہیں لگتا کہ مہمانِ عزیز آئے اور اندھیرے میں بیٹھا رہے۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: نامی انصاری
شاہ جہاں پور
۸ رمئی ۲۰۰۰ء

نامی صاحب! آداب

۶ رمئی کا خط ملا، یاد آوری کے لیے شکر گزار ہوں۔ اردو میں مستعمل متعدّد اسماے جمع کا احوال اِس لحاظ سے خاصا دل چسپ ہے کہ وہ اختلافِ تذکیر و تانیث کے لحاظ سے بحث طلب یا وضاحت طلب ہیں۔ یہ لفظ بھی اُنھیں میں سے ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ فیروز اللغات میں اِسے مونث لکھا گیا ہے؟ مگر ترقی اردو بورڈ کراچی کے لغت میں اِسے مذکر لکھا گیا ہے۔ اِس میں لطیفہ یہ ہے کہ معاشیات کی اصطلاح کے طور پر اِس لفظ کے استعمال کے تحت جو عبارت لکھی گئی ہے، اُس میں مونث ہے۔ یہاں بحث یا وضاحت سے قطعِ نظر کرتے ہوئے یہ عرض کروں کہ میں اِس لفظ کو مونث لکھتا ہوں۔ اگر کوئی شخص ''زندگی کے اقدار'' لکھے (مثلاً) تو اُسے میں غلط نہیں کہوں گا، مگر خود کبھی مذکر نہیں لکھوں گا۔

ہاں، آپ نے جوابی خط بھیجا، کیوں؟ کیا آپ کا خیال تھا کہ میں اِس کے بغیر جواب نہیں لکھوں گا۔ ارے بھائی، خطوں کا جواب لکھنا میرے لیے اخلاقی فریضے کا حکم رکھتا ہے۔ آیندہ اِس تکلف سے کام نہ لیجیے گا، ممنون ہوں گا۔ ہاں خط کبھی کبھار ضرور لکھتے رہیے گا کہ اِس طرح رابطہ برقرار رہتا ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

میرے مکان کا نمبر بدل گیا ہے، یعنی میونسپلٹی نے بدل دیا ہے۔ چوں کہ وہ لوگ اور کوئی کام نہیں کرتے اس لیے یہ کام کیا ہے۔ نیا نمبر 22 ہے۔

حواشی:

۱ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ رشید حسن خاں صاحب نے نامی انصاری صاحب کو جواب دیا ہے کہ غالب کے شعر میں "ہوتے تک" ہے نہ کہ "ہونے تک"، غالب کے اصل کلام میں "ہوتے تک" ہے، جسے بعد والوں نے "ہونے تک" کر دیا اور یہ اصولِ تحقیق و تدوین کے خلاف ہے۔

۲ مقام اور تاریخ دونوں اوپر درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے۔ اِس میں نامی صاحب کی بھیجی ہوئی کتاب کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ اِس میں یہ بھی ذکر ہے کہ سحر البیان کی تدوین میں دو سال صرف ہو گئے ہیں اور ابھی دو سال اور لگیں گے۔ اس لیے تبصرے سے معذرت۔ خط کے لکھنے سے قبل خاں صاحب دو ماہ کے لیے بہ غرضِ علاج بمبئی میں مقیم تھے۔

۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ انصاری صاحب نے رشید حسن خاں صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ خاں صاحب نے گیارہ سے چھے بجے تک بجلی کے آنے کا ذکر کیا ہے۔ باقی وقت میں بجلی غائب رہتی ہے۔ اس لیے ملنے کا یہی وقت مناسب رہے گا۔ اِنھوں نے اپنے بیمار رہنے کا بھی ذکر کیا ہے۔

۴ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط میں نامی صاحب نے کسی لفظ کے مذکر و مونث استعمال ہونے کا فرق معلوم کیا تھا۔ خاں صاحب نے اِس کا جواب دیا ہے کہ اگر کوئی اسے مذکر استعمال کرتا ہے تو میں اُسے غلط نہیں کہوں گا لیکن میں خود اِسے مونث لکھوں گا۔ ساتھ ہی جوابی خط بھیجنے کی شکایت کی ہے۔

●●●

بنام: نثار احمد فاروقی، پروفیسر

(۱)

شاہ جہان پور
۷؍مارچ ۱۹۹۶ء[1]
مخبی فاروقی صاحب!

آپ کا خط مرقومہ ''یومِ عیدالفطر'' اور دوسرا خط جس پر ۲۸؍فروری کی تاریخ مندرج ہے، مجھے کل ایک ساتھ ملے۔ اِسے ڈاک کا ادنا کرشمہ کہیے، اب یہ معمول سا ہو گیا ہے۔

بھائی! میں آپ کی نوازشِ برادرانہ کا معترف ہوں اور ممنون کہ آپ یاد رکھتے ہیں اور یاد کرتے رہتے ہیں۔ یہاں آتے ہی ''غربت در وطن'' کے معنی معلوم ہوئے۔ گھر کے سبھی افراد کے پاس رہنے کی جگہ میرے سوا، کہ میرا شمار پردیسیوں میں ہوتا رہا ہے۔ آپ اِسے یوں دیکھیے کہ چار چھے دن پہلے میرا پوتا (چار سال کا) اپنی ماں سے کہنے لگا کہ دادا ہمارے گھر اب رہیں گے، اپنے گھر دہلی نہیں جائیں گے۔

ساری کتابوں کے بنڈل بندھے پڑے ہیں اب تک۔ اس لیے مجبوراً ایک کمرا اپنے لیے بنوانا چاہا (یعنی دروازے پہ ہاتھی باندھنا چاہا)۔ جوں توں کام شروع ہو گیا۔ اپنے پاس تو دستِ خالی کی لکیریں ہیں، بہ ہر طور کچھ کیا۔ آج کل وہی کام ہو رہا ہے، صبح سے شام تک راج مزدوروں کے ساتھ سر کھپانا پڑتا ہے۔ خیال ہے کہ دس بارہ دن میں یہ بن جائے گا۔

یہ فضول داستان اس لیے سنائی کہ آپ یہ نہ سمجھیں آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والا معاملہ ہے۔ اگر دو دن کے لیے بھی اس وقت ہٹ جاؤں گا تو کام بگڑ جائے گا۔ کفایت شعاری کے لفظ سے راج مزدور واقف نہیں، اور میرا کام اصلاً اِسی کا تعارف ہے، یوں ہٹ نہیں سکتا۔

مقصد اِس ساری درازنفسی کا یہ ہے کہ اِس بار میں غیر حاضر ہی رہوں گا، یہ کوئی آخری جلسہ تو ہے نہیں اس ادارے کا، اِس لیے اِس کا وعدہ کرتا ہوں کہ اگلی بار ضرور شرکت کروں گا۔ آپ مجھ سے متفق ہیں نا!

رشید حسن خاں

حاشیہ:

۱؎ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ نثار احمد فاروقی صاحب کی خدمت میں یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے۔ خط میں اپنے اور اپنی کتابوں کے لیے کمرہ بنوانے کا ذکر ہے۔ دہلی یونی ورسٹی کی ملازمت کی سبکدوشی کے بعد جنوری ۱۹۹۶ء میں رشید حسن خاں صاحب مستقل طور پر اپنے آبائی وطن شاہ جہان پور منتقل ہوگئے تھے۔ جو کمرہ خان صاحب نے اپنی کتابوں اور ڈرائنگ روم کے طور پر بنوایا تھا اُس میں اُن کی وفات کے بعد قلفی بنانے کی مشین اور جنریٹر لگادیے گئے ہیں، جن کا شور دن رات جاری رہتا ہے۔ کتابیں وہاں سے ہٹا کر ایک الگ کمرے میں بند کردی گئی ہیں۔

●●●

بنام: نسیم اقتدار علی خاں

(۱)

ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۵/اگست۱۹۸۲ء[1]

مکرمہ!

خط ملے۔ میں اِن دنوں یا تو دہلی سے باہر رہا یا بیمار۔ کل صباح الدین صاحب کا خط ملا، جس سے بیماری کا احوال معلوم ہوا۔ دست بہ دعا ہوں کہ خدائے پاک آپ کو شفائے کامل عطا فرمائے۔

میں غالباً ستمبر کے آغاز میں وہاں آؤں گا دو دن کے لیے، اور ایک دن آپ کے کام کے لیے محفوظ رکھوں گا۔ اُسی دن نقل والا کام بھی دیکھ لوں گا اور اُسی دن وہیں بیٹھ کر خاکہ بھی بنادوں گا۔ یہ عملی صورت ہے۔ یہاں بیٹھ کر ایسا الجھا رہتا ہوں کہ کسی کام کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ وہاں آکر اور وہیں بیٹھ کر یہ کام فوراً ہو جائے گا اور بہ خوبی تمام۔

اب میں آپ کے لیے خدائے پاک سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو جلد از جلد صحت یابی سے نوازے۔ اقتدار صاحب کی خدمت میں سلامِ مسنون۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: نسیم اقتدار علی خاں
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۱/دسمبر۱۹۸۲ء[2]

بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب بجالاتا ہوں اور پھر مبارک باد پیش کرتا ہوں اِس پر

کہ آپ ایک بڑی ذمّے داری سے بہ حُسن وخوبی سبک دوش ہوسکیں گی۔ دعا کرتا ہوں کہ دولھا اور دُلھن دونوں کام یاب و کامراں رہیں۔ اقتدار صاحب سے میرا سلام کہیے اور مبارک باد بھی اُن تک پہنچا دیجیے۔

میں اورنگ آباد گیا ہوا تھا، اِس لیے اس خط میں کچھ تاخیر ہوئی۔ اِس کا واقعی افسوس ہے کہ اِس پُرمسرّت اور مبارک تقریب میں شرکت نہیں کر سکا۔ براہِ کرم میری معذرت قبول فرمایئے۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ خوبی و عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

اِس کا ہلکا سا امکان ہے کہ جوہر سمینار میں شرکت کے لیے ۶ رجنوری کو یا ۷ رجنوری کو وہاں آنا ہو، اگر شرکت کر سکا تو میں آپ کو ٹیلیفون پر اپنی آمد سے ضرور مطّلع کر دوں گا۔ یہ سمینار اکیڈمی کی طرف سے ہوگا۔ میں یہاں غالب سمینار میں آج کل اُلجھا ہوا ہوں۔

(۳)

بنام: نسیم اقتدار علی خاں

۱۹ رنومبر ۱۹۹۱ء

محترمہ! آداب

بہت شرمندہ ہوں کہ آپ نے زحمت فرمائی اور میں موجود نہیں تھا۔ اُس وقت میں پیر و مرشد کے حضور میں آداب بجا لا رہا تھا۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ آپ لکھنؤ واپس جا چکی ہیں، یوں وہاں حاضری نہیں دے سکا۔

کتاب مل گئی تھی۔ دیکھ کر جی خوش ہوا۔ میری طرف سے اِس سلسلے میں ہدیۂ مبارک باد قبول فرمایئے۔ آپ کے مقدّمے کو بہت توجّہ کے ساتھ پڑھوں گا اور اپنی معلومات میں اضافہ کروں گا۔

میں کل ہی جمّوں جا رہا ہوں اور پھر ۲۹ رکو کراچی جانا ہوگا نیاز فتح پوری سمینار کے سلسلے میں۔ واپس آ کر اس کتاب کو از اوّل تا آخر پڑھوں گا۔

کتاب کے لیے ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں اور مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اقتدار

صاحب کی خدمت میں میرا سلام پیش کر دیجیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۴)

بنام: نسیم اقتدار علی خاں
۱۸؍جنوری ۱۹۹۲ء ۳

محترمہ! آداب

مکتوب مرقومہ ۱۴؍جنوری مل گیا تھا۔ صباح الدین صاحب کے انتقال کی خبر رباب نے بھیجی تھی، مگر اُس وقت مجھے نہیں معلوم تھا کہ اُن کے اہلِ خانہ کہاں ہیں؛ لکھنؤ میں یا رائے بریلی میں۔ بہ ہر حال میں نے عابد سہیل کو مفصّل تعزیتی خط لکھا۔ بارے وہ خود گئے اور بیگم صاحبہ سے میری طرف سے تعزیت کی اور خط بھی سنا دیا۔

مرحوم کیا اُٹھے، میرے لیے تو پورا لکھنؤ بے نور ہو گیا۔ غالبؔ کے اس مصرعے کے معنی صحیح طور پر اب معلوم ہوئے: ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے۔ اب تک اُس حادثے کے اثرات سے ذہن پر دباو اور دل میں گداختگی ہے۔

اقتدار صاحب کا احوال پڑھ کر مزید قلق ہوا۔ اللہ میاں بھی خوب ہیں، سارے حرام زادوں کی رسّی دراز کر رکھی ہے اور شرفا کو مبتلاے عذاب یا مبتلاے آزمایش کر رکھا ہے۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ خداے پاک اُن کو جلد تر شفاے کامل عطا کرے۔

میں نیاز میموریل لکچر دینے کے لیے کراچی گیا تھا۔ اب ۳۰؍جنوری کو بمبئی جانا ہے۔ بمبئی یونی ورسٹی نے ''وزیٹنگ فیلو'' کی حیثیت سے دو ماہ کے لیے بلایا ہے۔ یکم فروری سے ۳۰؍مارچ تک وہاں رہوں گا، پھر شاہ جہان پور جانے کا ارادہ ہے۔ دہلی میں ۱۵؍اپریل تک واپسی کی توقع ہے۔

خدا کرے حالات اب پہلے سے بہتر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: نسیم اقتدار علی خاں

ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۵؍اگست ۱۹۹۲ء ۵

محترمہ! آداب

آپ کا خط یہاں اُن دنوں پہنچا تھا جب میں شاہ جہاں پور گیا ہوا تھا، یہی وجہ ہے کہ بروقت جواب خط نہیں لکھ سکا، معذرت طلب ہوں۔ میری طبیعت پوری طرح رو براہ نہیں ہو پا رہی ہے۔ اب گلے میں ایک نئی تکلیف کا اضافہ ہو گیا ہے۔ طبیعت پریشان رہتی ہے۔ لکھنؤ دن بھر کے لیے آنا چاہتا ہوں۔ مرحوم کے یہاں تعزیت کے لیے بھی جانا ہے، مگر ہمت نہیں پڑتی۔ علاج برابر جاری ہے۔

آپ کے یہاں کا احوال پڑھ کر مزید تشویش ہوئی۔ آپ کی پریشانیوں کا اندازہ کرسکتا ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ ستمبر کے اواخر میں لکھنؤ آؤں، آنے سے پہلے آپ کو مطلع کروں گا اور خود حاضری دوں گا۔ مبارک باد کا شکریہ۔ آپ جیسے مخلصین کی دعاؤں کا یہ اثر ہے، ورنہ ہر طرف حرام زادگانِ ادب کا دور دورہ ہے۔

خدا کرے اب تک اقتدار صاحب اور والد صاحب صحت یاب ہو چکے ہوں اور آپ کی ذمے داریوں اور پریشانیوں میں کچھ کمی آچکی ہو۔

نیازمند
رشید حسن خاں

(۶)

بنام: نسیم اقتدار علی خاں
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۷؍اپریل ۱۹۹۴ء ۶

محترمہ! آداب

خط ملا۔ میں شاہ جہاں پور سے اِس قدر بے تعلق سا ہو گیا ہوں کہ اہم خبریں بھی بروقت نہیں ملتیں۔ شبیر حسن خاں کا انتقال ہو گیا، میرے ایک کرم فرما عشرت اللہ صاحب اُٹھ گئے، بروقت کچھ معلوم نہیں ہوا۔ اِسی طرح والدہ صاحبہ کے انتقال کی خبر بھی وقت پر نہیں

مل سکی۔ مجھے بہت تاسّف ہے کہ میں بروقت تعزیت نہیں کر سکا، حالاں کہ یہ میرا فرض تھا۔ اِس غم میں بہ ہر طور آپ کا شریک ہوں۔

صحت میری بے طرح خراب رہنے لگی ہے۔ داہنے گھٹنے کی ہڈّی بڑھ گئی ہے، یوں چلنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اُکڑوں تو بیٹھ ہی نہیں پاتا۔ پلتھی مار کر بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ اکثر بخار آجاتا ہے۔ بایاں ہاتھ مستقلاً پریشان کرتا ہے کہ اوپر کی طرف اُٹھتا نہیں۔ کپڑے اُتارنے اور پہننے میں خاصی الجھن ہوتی ہے۔ کہیں آنا جانا بھی نہیں ہو پاتا۔ بس میز پر بیٹھا لکھتا پڑھتا رہتا ہوں۔ آپ کے یہاں مدّت سے حاضر نہیں ہو سکا ہوں، اِس کا غم ہے۔ کوئی صورت نکلی تو اپنی سی کوشش ضرور کروں گا۔ اقتدار علی خاں صاحب کا احوال پڑھ کر دُکھ ہوا۔ کیسا شریف آدمی، کیسا نیک اور معقول شخص، اور اُس کا یہ احوال!

میرا بس چلے تو اِسی ماہ شاہ جہان پور چلا جاؤں، اب یہاں رہا نہیں جاتا۔ خرابیِ صحت کی وجہ سے گھر یاد آتا ہے۔ ایک کام ہاتھ میں ہے، اس سال کے آخر تک مکمّل ہو جائے گا، بس میں چل دوں گا۔ یعنی دہلی میں غالباً یہ میرا آخری سال ہے۔ آپ بھی آمین کہیے۔ میرا بس چلتا تو تعزیت کے لیے خود آتا، لیکن کیا کروں، دل بہت چاہتا ہے حالات ساتھ نہیں دیتے۔ پھر بھی اپنی سی کوشش تو ایک بار ضرور کروں گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: نسیم اقتدار علی خاں

شاہ جہان پور

۲ر اپریل ۱۹۹۸ء ؁

محترمہ! آداب

آفریدی صاحب نے آپ کا خط کل دیا تھا۔ جس خلوص کے ساتھ آپ نے مبارک باد دی ہے، اُس کا معترف ہوں اور شکر گزار۔ مجھ جیسے خانہ نشین اور گوشہ گیر شخص کو احباب نے نوازا، اِس کے لیے اُن سب کا ممنون ہوں۔ آپ کی ناسازیِ طبع سے پریشانی ہوئی۔ توقع کرتا ہوں کہ اب تک آپ پوری طرح صحت یاب ہو چکی ہوں گی۔

ہاں یہ سچ ہے کہ اِس موقعے پر مجھے صباح الدین صاحب بہت یاد آئے۔ افسوس کہ

اُنھوں نے بہت دور بستی بسالی ہے۔ وہ ہوتے تو مجھ سے بھی زیادہ مسرور ہوتے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

آپ جب بھی یہاں تشریف لائیں، مجھے کسی سے مطلع کرا دیجیے گا، میں اِس بار خود آپ کے یہاں آنا چاہوں گا۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط بغیر لفافے کے ہے اور سادہ کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔

۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط بغیر لفافے کے ہے اور سادہ کاغذ پر تحریر ہے۔

۳ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ محترمہ تسنیم اقتدار علی خاں صاحبہ خاں صاحب سے ملنے تشریف لائیں اور وہ موجود نہیں تھے۔ اِس میں محترمہ کی کتاب کا ذکر ہے جو اُنھیں مل گئی، اِس میں ۲۰ر نومبر ۱۹۹۱ء کو جموں اور ۲۹ر نومبر کو کراچی نیاز فتح پوری سیمنار میں جانے کا ذکر ہے۔ یہ خط لافے میں رکھا ہوا ہے اور سادہ کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ مگر لفافہ ساتھ نہیں ہے۔

۴ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں صباح الدین صاحب کے انتقال کی خبر درج ہے۔ اقتدار صاحب کی علالت کا بھی ذکر ہے۔ رشید حسن خاں صاحب نیاز میموریل لکچر دینے کراچی گئے ہوئے تھے۔ اب ۳۰ر جنوری کو بمبئی یونی ورسٹی میں 'وزیٹنگ فیلو' کی حیثیت سے دو ماہ کے لیے جا رہے ہیں۔ یہ خط 21- New Bery Road, Lucknow-226001 (U.P) کے پتے پر لکھا گیا ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ قیمت ۷۵ پیسے ہے۔

۵ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط 21- New Bery Road, Lucknow-226001 کے پتے پر لکھا گیا ہے۔ یہ ڈاک خانے کے ایک روپے والے لفافے میں ملفوف ہے۔

۶ یہ خط T.C.9 گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷ سے لکھا گیا ہے۔ اس خط میں شبیر حسن خاں، عشرت اللہ صاحب اور محترمہ تسنیم اقتدار علی خاں صاحبہ کی والدہ کے انتقال کا ذکر ہے۔ ڈاک خانے کی خط پر دو مہریں ثبت ہیں، ایک دہلی کی، دوسری لکھنؤ کی۔ پتا:

محترمہ تسنیم اقتدار علی خاں

21- New Beri Road, Lucknow-226001

۷ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ خط محترمہ تسنیم اقتدار علی خاں کے خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اُنھوں نے خاں صاحب کو کسی اعزاز سے نوازے جانے کے سلسلے میں مبارک باد کا خط لکھا تھا۔

○○○

خانه [illegible]

۱۲ مئی ۱۹۸۶ء

نیر صاحب!

اس ہفتے آپ کا خط ملا۔ اطمینان ہوا۔ دہلی خط لکھ چکا ہوں۔ ۱۲ مئی کو دہلی جا رہا ہوں
انجمن کی میٹنگ ہے۔ آپ سے اُس کا ذکر کر دوں گا۔ وہ مضمون [illegible] کا [illegible]
ہے۔ [illegible] [illegible] کا خط آیا تھا۔ جواب نہیں آیا۔ یہ خط پہلے آیا تھا [illegible]
عجیب [illegible] [illegible] ... [illegible] کی وجہ سے [illegible]
[illegible]۔ اس خط کا جواب کا انتظار ہے۔ [illegible] [illegible]۔ [illegible] وقت [illegible]
دلوائیں [illegible]۔ [illegible] دہلی والے کچھ [illegible] نہیں۔ جی [illegible]
[illegible]۔ ایک خط آج پھر ابھی لکھ رہا ہوں۔

[illegible] [illegible]۔ [illegible] وہ عام دین اور [illegible]
اور [illegible]۔ [illegible] [illegible]
[illegible]۔ [illegible] [illegible]
[illegible] کے مالک اور بس۔

[illegible] تھا، اب ذرا اطمینان ہوا۔

جی ہاں بمبئی میں دو ماہ رہنا ہوگا۔ وہاں سے میں تو [illegible] شرکت کے لیے [illegible]
[illegible] [illegible] بجے پہنچوں گا۔ [illegible] اگر آپ اسی وقت
وہاں فون کر لیں [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] احساس محسوس

۱۲ مئی ۱۹۸۶ء
۱۱۹۲

[illegible] کے علاج سے بالکل ختم ہو گئی تھی، [illegible] بمبئی
[illegible] [illegible] نہیں معلوم۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] بمبئی سے پہلے
[illegible] [illegible]
[illegible] 610-2068 [illegible]
[illegible] [illegible]

کیا آپ کے خط کا انتظار کروں؟

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

وہاں [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] جانتے ہیں۔
خط لکھ دیجیے [illegible]۔ [illegible]

بنام: نیّر مسعود رضوی، پروفیسر

(۱)

باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور
۲/اپریل ۱۹۵۳ء[۱]

مکرمی ومحترمی! تسلیم ونیاز

آپ فی الوقت یقیناً بے حد مصروف ہوں گے۔ لیکن ایک ضرورت کے تحت ایک زحمت دینا چاہتا ہوں، اس توقّع کے ساتھ کہ آپ معاف فرمائیں گے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ مولانا اختر علی صاحب تلہری کے ساتھ میں دولت خانے پر حاضر ہوا تھا اور لفظ ''یوطی'' کے متعلّق ایک انگلش پرشین ڈکشنری سے حوالہ نقل کیا تھا۔ مصنّف کا نام غالباً ''اسٹرنگس[۲]'' تھا یا کچھ اور۔ وہ حوالہ تو میرے پاس محفوظ ہے، لیکن مصنّف کا نام اور اس لغت کی تاریخِ تصنیف محفوظ نہیں۔ میں اس لفظ پر ایک مضمون لکھ رہا ہوں۔ اس میں اس لغت کی تاریخِ تصنیف درکار ہے۔ متوقّع ہوں کہ جناب نقل فرما کر ارسال فرمادیں۔

میرا ارادہ لکھنؤ آنے کا تھا، لیکن بچند وجوہ پورا نہ ہوسکا۔ ورنہ خود حاضر ہو جاتا اور یہ زحمت بچ جاتی۔ غالباً آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

خادم رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر نیّر مسعود رضوی
شاہ جہان پور
۱۲/مئی ۱۹۹۸ء[۳]

نیّر صاحب!

ابھی ۵/مئی کا خط ملا۔ اطمینان ہوا۔ دہلی خط لکھ چکا ہوں۔ ۲۱/مئی کو وہاں جانا ہے انجمن کی میٹنگ میں، اپنے سامنے اُس کام کو کرادوں گا۔ وہ مضمون مثنویاتِ شوق کا تمہیدی حصّہ ہے۔ انجمن سے ابھی تک یعنی آج تک میرے خط کا جواب نہیں آیا ہے۔ یہ خط پہلے آیا

تھا کہ کتاب چھپ گئی ہے۔ میں نے لکھا کہ اُسے فوراً روک دیا جائے، کیوں کہ اُس حصّے کی کتابت از سرِ نو ہوگی۔ اس خط کے جواب کا انتظار ہے۔ خیر، ۲۱رمئی بھی دور نہیں۔ آپ نے بروقت توجہ دلائی، اِس کے لیے ممنون ہوں۔ خدا کرے دہلی والے کچھ شرارت نہ کریں۔ جی لگا ہوا ہے کہ مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ ایک خط آج پھر ابھی لکھ رہا ہوں۔

لوزی سے شوستری کا مراد نہیں ہوں گے، بل کہ نہیں ہو سکتے۔ وہ عالمِ دین اور یہاں بیان ہے راگ ورنگ کا اور ڈھول تاشوں کا۔ میر حسن متعدّد مقامات پر رعایتِ لفظی کے بے طرح مارے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ بھی ویسا ہی مقام ہے۔ اردو میں میں نے دیکھ لیا، کوئی صاحب دیوان لوزی اُس زمانے تک نہیں تھا۔ تذکرۂ میر حسن میں صرف دو نوری ہیں، پھکّڑ اشعار کے مالک اور بس۔

چہل کا مسئلہ حل ہو گیا تھا، اب مزید اطمینان ہوا۔

جی ہاں بمبئی میں دو ماہ رہنا ہوگا۔ وہاں سے میں تقریب میں شرکت کے لیے شاید نہیں آسکوں گا۔ ۱۹رمئی کو ریڈیو اسٹیشن آنا ہے۔ ۱۱½ بجے پہنچوں گا۔ بھائی! اگر آپ اُس وقت وہاں فون کرلیں غزالہ شہناز کو، تو آپ سے بات ہو جائے، فوری طور پر واپسی ہوگی ریڈیو سے سیدھا بس اڈّے، موسم کی برداشت اب مشکل ہوتی جارہی ہے۔ آپ کی طرف اُس دن نہیں آپاؤں گا۔ صائمہ سے کہیے کہ وہ اہتمام ابھی سے شروع کردیں، اُن کی خاطر مکمل بدپرہیزی کروں گا، مگر ذرا سا وقفہ مل جائے۔ ذہنی طور پر ذرا پریشان ہوں کہ گردن میں پُرانی جگہ پر پھر کچھ اٹھان محسوس ہونے لگا ہے، یہ چھے ماہ کے علاج سے بالکل ختم ہو گیا تھا، گھبرا کر بمبئی جانے کا پروگرام بنایا ہے، گھر میں کسی کو بھی نہیں معلوم، بتانا مناسب نہیں سمجھا ہے۔ آپ بھی ابھی کسی سے نہ کہیں۔

آپ میری خاطر ایک زحمتِ ناروا اور بے جا گوارا کرلیں گے؟؟ شمیمہ رضوی سے فون پر ذرا سی دیر کے لیے بات کرلیجیے اور اُن سے پوچھ لیجیے کہ پروگرام کیا ہے۔ اگر مئی میں نہ ہو تو دس جون کے بعد ہرگز نہ رکھیں، میں بمبئی سے نہیں آپاؤں گا، یا پھر اُنھیں ہوائی جہاز کا کرایہ دینا ہوگا اور اس میں مشکل ہوگی اُن کو۔ ۱۲رجون کے بعد کسی تاریخ کو بمبئی جاؤں گا۔ دہاں کا فون نمبر ہے: 610206۔ کیا آپ کے خط کا انتظار کروں؟

ہاں برادر! ڈاک کا احوال بُرا ہے آج کل، اگر آپ غیر مناسب نہ سمجھیں تو مخمور کو ایک

احتیاطی خط لکھ دیں۔ وہاں وہ جناب نیرنگ بھی تو ہیں، اُن کی شرارت سے ڈرتا ہوں۔ آپ بھی اُن کو خوب جانتے ہیں۔ خط لکھ ہی دیجیے اس وجہ سے۔ احتیاط اچھی ہوتی ہے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ یہ خط ۲؍اپریل ۱۹۵۳ء کا شاہ جہان پور سے لکھا ہوا ہے۔ یہ خط خاں صاحب سے دہلی آنے کے چھے سال قبل کا ہے۔ خاں صاحب ۱۹۵۹ء میں دہلی آئے تھے۔

۲۔ F. Steingass کا فارسی انگریزی لغت (نیّر مسعود)۔

۳۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہیں۔ اِس خط کو دوبارہ اس مجموعے میں اِس لیے شامل کیا جارہا ہے کہ اِس کا آخری اقتباس پہلے مجموعے کے خط میں درمیان میں کمپوز ہوگیا ہے جس سے متن کی ترتیب بگڑ گئی ہے۔ یہ غلطی کس سے ہوئی پتا ہی نہیں چلا۔

●●●

ضمیمہ (1)

بنام: مدیر 'آج کل'، نئی دہلی

(۱)

دسمبر ۱۹۷۲ء[۱]

جشنِ سیمیں نمبر خوب ہے لیکن تکلف برطرف یہ یادگار نمبر نہ بن سکا حالاں کہ بہ آسانی اس کی حیثیت دستاویزی ہو سکتی تھی۔

ایک بے حد عجیب بات یہ ہے کہ پچیس سال کے جائزے میں غزل تحقیق، ڈراما کا خانہ خالی رہا۔ حالاں کہ تحقیق میں سب سے زیادہ کام اس طرف ہوا ہے اور غزلوں میں بھی متعدد اہم عناصر اسی دور میں شامل ہوئے ہیں۔ یہ واقعی بہت بڑی کمی ہے۔ ناول اور افسانے کو الگ الگ ہونا چاہیے تھا۔ تنقید اور فکشن پر مضامین سطحی ہیں۔ ان سے ان موضوعات کا حق ادا نہیں ہوا۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ اس خاص نمبر میں ایسے مضامین کو شامل نہیں ہونا چاہیے تھا جن کو اس سے نسبت نہیں جیسے قومی یک جہتی کا مذاکرہ، فلم بنانا کھیل نہیں ہے یا دونوں افسانے۔ یا پھر ان کو آخر میں آنا چاہیے تھا۔ رسالے کا آغاز غیر اہم عناصر سے ہوتا ہے۔

رشید حسن خاں (دہلی)

---

۱ رشید حسن خاں صاحب کو جب ''آج کل'' کا ''آزادی کا جشنِ سیمیں نمبر'' ملا تو اس کے مطالعے کے بعد انھوں نے اپنی رائے کا اظہار مدیر کی خدمت میں بھیجا جو دسمبر ۱۹۷۲ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ خاں صاحب نے لکھا ہے کہ اِس شمارے میں بعض مضامین ایسے ہیں جن کا تعلق اس نمبر سے نہیں۔ یہ یادگار نمبر نہیں بن سکا۔ اِس خط کا عکس مہر الٰہی ندیم صاحب علی گڑھ نے بھیجا ہے۔ رشید حسن خاں صاحب مرحوم کے خطوط تلاش کرنے میں اُنھوں نے میری بہت مدد کی ہے۔ مختلف حضرات کے پتے، ٹیلی فون نمبر بھیجنے کے علاوہ اُن سے خود بھی رابطہ قائم کیا اور خطوط کے عکس روانہ کرنے کا تقاضا بھی۔ راقم تہِ دل سے اِن کا مشکور ہے اور ان کا نقش دل پر قائم ہے۔ خاں صاحب کے املا کے مطابق ''یہ'' کے نیچے لکھن ''یہ'' ہونا چاہیے۔ ''چاہئے'' کا املا ''چاہیے'' ہے۔ آج کل ادبی رسالوں میں بھی املا پر توجہ نہیں دی جاتی۔ ○○

بنام: مدیر 'ادبی دنیا'

(۱)

جولائی ۱۹۶۵ء[۱]

'ادبی دنیا' کا مولانا صلاح الدین نمبر ملا اس کے کچھ دن بعد آپ کا محبت نامہ بھی موصول ہوا۔ مجھے یہ تعجب تھا کہ کسی رابطے کے بغیر ''ادبی دنیا'' کیسے آیا۔ آپ کا خط پڑھ کر معلوم ہوا کہ یہ آپ کا التفاتِ خاص تھا۔ اِس لطفِ خاص کا پُر خلوص شکریہ ادا کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ کا کرم اور آپ کی توجہ اسی طرح شاملِ حال رہے گی۔

مجھے یہ خاص نمبر واقعتاً پسند آیا۔ خاص نمبر تو ایسے ایسے ضخیم آج کل نکل رہے ہیں کہ بہت سے قابلِ ذکر گناہ گاروں کا نامۂ اعمال بھی ان کے سامنے مختصر معلوم ہوگا۔ لیکن اس نمبر کی یہ خصوصیت بے حد متاثر کن ہے کہ اس میں جن لوگوں نے لکھا ہے اُنھوں نے محض ایک خاص نمبر میں شامل ہونے کی غرض سے نہیں لکھا بل کہ ان کی تحریر کا ایک ایک لفظ واقعی خلوص اور سچی عقیدت یا محبت کا ترجمان ہے۔ یہ بات بہت کم نصیب ہوتی ہے اور یہ حقیقت مولانائے مرحوم کی بے مثال شخصیت کا فیض ہے۔ اِن کی شخصیت میں جو بے لوث انداز، جو کھرا پن تھا اور وہ جس طرح خلوص برتتے تھے اس کا صاف صاف عکس دکھائی دیتا ہے ان لوگوں کے تاثرات میں، جنھوں نے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

رشید حسن خاں (دہلی یونی ورسٹی)

---

[۱] یہ خط رشید حسن خاں صاحب نے دہلی یونی ورسٹی سے لکھا ہے۔ مدیر ادبی دنیا نے خاں صاحب کو مولانا صلاح الدین نمبر بھیجا تھا۔ اِس خاص نمبر کے مضامین کے مطالعے کے بعد خاں صاحب نے یہ خط مدیر صاحب کی خدمت میں بھیجا اور اُن حضرات کی تحریروں کی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ اس خط کا عکس مہر الٰہی ندیم صاحب علی گڑھ نے بھیجا ہے۔ راقم تہِ دل سے اُن کا شکرگزار ہے۔ ''یہ'' اور ''توجہ'' کا املا اس طرح ہونا چاہیے: ''یہ'' اور ''توجّہ''، ''بلکہ'' کا ''بل کہ''، ''محبت'' اور ''تعجب'' کے اوپر تشدید ہونا چاہیے۔ ''اُنہوں'' اور 'جنہوں'' ''اُنھوں'' اور ''جنھوں'' ہونا چاہیے۔ ○○

بنام: ترجمان القرآن، لاہور

(۱)

ترجمان القرآن کے شمارہ جنوری ۲۰۰۶ء کے بہرۂ مکتوبات میں کراچی کے مولانا امیر الدین مہر کا ایک مکتوب شائع ہوا جس میں اُنھوں نے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے اس موقف کو نادرست ٹھہرایا کہ ''پزیر درست نہیں بل کہ پذیر درست ہے''۔ ڈاکٹر ہاشمی نے یہ بات مہر صاحب کی ایک کتاب پر تبصرے کے ضمن میں لکھی تھی۔ مہر صاحب نے مذکورۂ بالا مکتوب میں جواباً اپنا خیال ظاہر کیا کہ ''ذ'' کا حرف فارسی میں نہیں، اس لیے فارسی الفاظ میں ''ذ'' کی بہ جائے ''ز'' کا استعمال درست ہے۔ اس خط کے حوالے سے فروری ۲۰۰۶ء کے شمارے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے لکھا کہ: ''یہ بھی ایک مفروضہ ہے کہ فارسی میں ذال نہیں ہے۔ متعدّد نام وَر اور مسلّمہ ماہرینِ لغت و املا، مثلاً ڈاکٹر شوکت سبزواری، جناب رشید حسن خاں، پروفیسر نذیر احمد، سیّد قدرت نقوی اور بہت پہلے خانِ آرزو ثابت کر چکے ہیں کہ فارسی میں ذال ہے''۔ (ص نمبر ۱۰۶) بعد ازاں ڈاکٹر ہاشمی نے اس مسئلے پر اظہارِ خیال کے لیے رشید حسن خاں صاحب کو دعوت دی، انھوں نے زیرِ بحث موضوع پر مہر صاحب کے مذکورہ بالا مراسلے کے حوالے سے مدیر ترجمان القرآن کو حسبِ ذیل خط تحریر کیا۔ مدیرِ محترم نے اسے شائع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، یوں یہ خط پہلی بار اشاعت آشنا ہو رہا ہے:

بنام: اڈیٹر ترجمان القرآن، لاہور[۱]

شاہ جہان پور

۲رفروری ۲۰۰۶ء

مکرّمی!

ترجمان القرآن کے شمارۂ جنوری ۲۰۰۶ء میں ایک مکتوب شائع ہوا ہے جس میں لکھا گیا ہے:

''میں نے گذشتہ ایک سال سے صرف ذال پر تھوڑا سا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ذ حرف اردو، فارسی کا ہے ہی نہیں، یہ حرف عربی زبان کا ہے۔ چناں چہ فوری طور پر دستیاب اردو لغات میں سے نسیم اللغات دیکھا تو اُس میں ذ سے بننے والے کُل کلمات ۳۴ ہیں اور یہ سب کے سب عربی زبان سے ماخوذ ہیں''۔

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ لسانیات سے متعلق مسائل میں تھوڑا سا مطالعہ کام نہیں آتا؛ اِس کے لیے ضروری ہے کہ مفصّل مطالعہ کیا جائے؛ یہ بھی ضروری ہے کہ لسانیات اور صوتیات کے اصولوں سے اور طریقِ کار سے واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ ظاہر ہے کہ اِس کے لیے اچھا خاصا وقت درکار ہوگا۔ جن اہلِ علم نے ایسے اہم مسائل پر اظہارِ خیال کیا ہے، اُنھوں نے عُمرِ عزیز کا بڑا حصّہ اس کی نذر کیا ہے۔ مزید یہ کہ ایسے اہم مسائل میں نسیم اللغات جیسے لغت کا حوالہ قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ اگر مکتوب نگار کی رائے میں ذال فارسی کا حرف نہیں تو اہم فارسی مآخذ کا حوالہ دیا جانا چاہیے تھا۔ فیروز اللغات اور نسیم اللغات جیسے لغت طلبہ کے لیے کارآمد ہوسکتے ہیں، لسانی مسائل میں اُن کو بہ طورِ کتابِ حوالہ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بھی عرض کرنا ہے کہ کچھ اور وقت صرف کر کے اگر اُن سب اہم تحریروں کو پڑھ لیا جاتا جو پچھلے ساٹھ ستر برسوں میں ذال سے متعلق لکھی گئی ہیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ ذال فارسی کے حروفِ تہجی میں شامل ہے۔ یہ اُن حروف میں سے ہے جو عربی اور فارسی میں مشترک ہیں اور یہ کہ فارسی زبان کے بہت سے لفظوں میں اصلاً ذال ہے، ایسے لفظوں کو زے سے لکھنا قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔

مرزا غالب نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ذال فارسی کے حروفِ تہجی میں شامل نہیں، لہٰذا فارسی الفاظ میں ذال نہیں لکھنا چاہیے، زے لکھنا چاہیے اور وہ خود گذشتن اور گذاشتن کے مشتقات میں زے لکھتے تھے۔ برہانِ قاطع کی بحث کے سلسلے میں مرزا صاحب کی جن رایوں سے اہلِ علم نے اختلاف کیا تھا، اُن میں یہ مسئلہ بھی شامل تھا۔ اُن اہلِ علم اور اہلِ نظر نے مفصّل بحثیں کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ قول قابلِ قبول نہیں۔ اِس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر نذیر احمد کے نام خاص طور پر قابلِ

ذکر ہیں۔ ڈاکٹر صدیقی عربی کے اُستاد تھے اور اُنھوں نے قدیم فارسی، سُریانی، عبرانی، اوستا اور پہلوی خاص طور پر پڑھی تھی اور باقاعدہ صوتیات کے موضوع کو سمجھا تھا اور اِس کی باضابطہ تعلیم حاصل کی تھی۔ ذال کے سلسلے میں اُن کا مقالہ مقالاتِ صدیقی (جلد اوّل) میں شامل ہے، جس میں اُنھوں نے بہت سے قدیم حوالوں کو یک جا کردیا ہے۔ اگر اُسی کو پڑھ لیا جاتا تو یہ غلط فہمی پیدا نہیں ہوسکتی تھی کہ ذال فارسی کا حرف نہیں۔ اِسی طرح قاضی عبدالودود کا مقالہ اِس بحث میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔ عصرِ حاضر کے معروف وممتاز ایرانی زبان شناس اور لغت نویس ڈاکٹر معین کے معروف فارسی لغت فرہنگِ فارسی کو اگر دیکھ لیا جاتا تو ایسے الفاظ کے سلسلے میں ضروری معلومات حاصل ہوسکتی تھی [یہ لغت چھے ضخیم جلدوں میں ہے]۔ ڈاکٹر معین نے معروف فارسی لغت برہانِ قاطع کو بھی مفصل حواشی کے ساتھ مرتّب کیا ہے؛ اُس میں انھوں نے یہ اہتمام بھی کیا ہے کہ متعدد فارسی الفاظ کے تحت حواشی میں خاص طور پر یہ صراحت کردی ہے کہ ان میں ذال ہے، زے نہیں؛ اِن میں گذشتن اور گذاشتن بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر صدیقی نے اپنے مقالے میں شرف الدین علی یزدی کا یہ قطعہ بھی نقل کیا ہے:

هشت حرف است آنکه آندر فارسی ناید همی
تا نیا موزی، نباشی اندریں معنی معاف
بشنو از من تا کدامست ایں حروف و یاد گیر
ثا و حا و صاد و ضاد و طا و ظا و عین و قاف

ذال اُن آٹھ حرفوں میں شامل نہیں جو عربی سے مخصوص ہیں۔ مختصر یہ کہ ذال کے مسئلے پر ماہرینِ زبان ولُغت نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اُس کو پڑھے بغیر رائے ظاہر کرنا مناسب نہیں، اِس سے طلبہ میں اور عام لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے اور غلط فہمی ایک بار پیدا ہو جائے تو پھر بہت مشکل سے دور ہو پاتی ہے۔

فارسی مصادر پذیرفتن، گزشتن اور گذاشتن میں ذال ہے، اِن کے مشتقات میں لازماً ذال آئے گا۔ گزاردن میں زے ہے، اس کے مشتقات میں زے لکھی جائے۔ اِس کا لحاظ رکھا جانا چاہیے۔ مثلاً گزاردن کے معنی ہیں: ادا کرنا، بجالانا۔ اور گذاشتن کے

معنی ہیں چھوڑنا۔ ''عبادت گزار'' کے معنی ہوں گے: عبادت کرنے والے۔ اور ''عبادت گذار'' کے معنی ہوں گے: عبادت ترک کرنے والا۔

میری یہ بھی درخواست ہے کہ ایسے مسائل پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لیا جانا چاہیے۔ ایسے مسائل کے جملہ متعلقات کو پیشِ نظر رکھے بغیر کوئی قطعی بات نہیں کہی جانا چاہیے۔

ooo

ا۔ یہ خط پہلی بار ''مکاتیبِ رشید حسن خاں بہ نام رفیع الدین ہاشمی'' میں شامل کیا گیا۔ اسے وہاں سے حاصل کیا گیا ہے۔ اِس خط میں ذال اور زے سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ کراچی کے مولانا امیرالدین مہر نے ذال کو فارسی کا حرف ماننے سے انکار کیا ہے۔ رشید حسن خاں صاحب نے فارسی لغت برہانِ قاطع اور فرہنگِ فارسی کے علاوہ ماہرینِ لسانیات کے مضامین کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ حرف فارسی میں موجود ہے۔

بنام: اڈیٹر نیادور، لکھنؤ☆

ستمبر ۱۹۵۹ء

(۱)

رشید حسن خاں صاحب کے ایک مضمون "چند عروضی غلطیاں" مطبوعہ "نیادور" جون ۱۹۵۹ء کے سلسلے میں اڈیٹر کی طرف سے کچھ فٹ نوٹ دیے گئے تھے، رشید حسن خاں صاحب کا خط اسی سے متعلق ھے۔ (اڈیٹر)

...آپ نے محمود رام پوری کی ایک غزل کے متعلق لکھا ہے کہ ''یہ غزل صاحبزادہ واجد علی اشک کی ہے''۔ اس سلسلے میں یہ عرض کروں کہ میں نے دیوان محمود رام پوری موسوم بہ ''جذباتِ محمود'' مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس، دہلی کو پیش نظر رکھ کر اس کے ایک مرتّب کا قول نقل کیا تھا۔ چوں کہ یہ مضمون عروض سے متعلق تھا اس لیے اس تحقیق کا کوئی محل ہی نہ تھا کہ یہ غزل کس کی ہے۔ پھر مجھے شبہہ کیسے ہوتا جب کہ میرے سامنے مطبوعہ دیوان موجود تھا۔ اس سلسلے میں یہ عرض کر دوں کہ اشک صاحب محمود صاحب کے شاگرد تھے اور یہ بات بہت مستبعد ہے کہ شاگرد کا کلام استاد اڑا لے، بالعکس تو ہوسکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ اِسی ضمن میں یہ بھی عرض کر دوں کہ مرتّب دیوان مہر رام پوری صاحب نے صفحہ۳ پر اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ بعض لوگوں نے استاد کے کلام کو دوسروں کی طرف منسوب کیا ہے اور کنایتاً اشک صاحب کا بھی ذکر کیا ہے اور آخر میں تصریحاً لکھا ہے کہ یہ قول سراسر غلط ہے کہ محمود صاحب کے کلام میں دوسروں کا کلام شامل ہے۔ انھوں نے دعوا کیا ہے کہ یہ دیوان خود محمود صاحب کے مسودات کی بنا پر ترتیب دیا ہے۔ آپ نے جن دو اشعار کا حوالہ دیا ہے ان میں سے ایک شعر بجنسہٖ دیوانِ محمود میں موجود ہے البتہ مقطع تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ ہے۔ آپ کا درج

☆ رشید حسن خاں صاحب کے پانچ خط وقتاً فوقتاً بہ نام اڈیٹر ماہنامہ نیادور، لکھنؤ شائع ہوئے ہیں مع اڈیٹر کے فٹ نوٹ کے، جن کی ترتیب اس طرح سے ہے: (۱) ستمبر ۱۹۵۹ء [صفحہ ۵۵-۵۶]، (۲) مارچ ۱۹۶۰ء، (۳) دسمبر ۱۹۶۴ء [صفحہ ۴۹-۴۸]، (۴) مارچ ۱۹۹۶ء [صفحہ ۴۸-۴۷]، (۵) جنوری ۱۹۹۸ء ''فراق صدی کی آواز'' نیادور، لکھنؤ، ص ۴۸۔

کردہ مقطع یہ ہے:

ہوا حشر میں مرا سامنا تو یہ بولے واجد باوفا
تو کرے ہمارا یہاں گلہ تو یہ بات تجھ سے بعید

دیوان میں یہ شعر یوں ہے:

ہوا مجھ سے حشر میں سامنا تو وہ بولے عاشق باوفا!
کرے تو ہمارا یہاں گلہ تو یہ بات تجھ سے بعید ہے

میں نے دیوانِ محمود کے ایک مرتب رشید رام پوری صاحب کو خط لکھا تھا، موصوف نے جواب میں انھیں خیالات کا اظہار کیا جن کا اظہار دیوان کے دیباچے میں کیا جاچکا تھا اور اس روایت کو قطعاً غلط بتایا کہ محمود صاحب کے دیوان میں کسی شاگرد کا کلام شامل ہے بل کہ ان کے لکھنے کے مطابق (اور جس کی شہادت میں انھوں نے مائی جائسی صاحب کا نام لکھا ہے) اشک صاحب بعض دفعہ اپنے استاد محمود صاحب کی غزلیں اپنے نام سے پڑھ دیا کرتے تھے (کیوں کہ اس وقت تک دیوانِ محمود طبع نہیں ہوا تھا)۔

بہرحال حقیقت جو کچھ بھی ہو یہ مسئلہ تحقیق طلب ضرور ہے۔ کبھی رام پور جانے کا اتفاق ہوا تو تحقیق کروں گا۔ آپ کے نوٹ سے اس کا احتمال ہوسکتا ہے کہ لوگ یہ خیال کریں کہ میں نے سہواً یا قصداً اشک کی ایک غزل جس کا مقطع موجود ہے، محض حسنِ داستان کی خاطر محمود صاحب کے دامن میں ڈال دی۔ (1)

ایک جگہ آپ نے لکھا ہے:

"تقطیع میں رکن کے لحاظ سے شعر کو جو ٹکڑے کیے جاتے ہیں ان میں ہر ٹکڑے کا حرفِ اوّل متحرک ہوجاتا ہے خواہ وہ اپنی اصلی شکل میں ساکن ہی کیوں نہ ہو مثلاً نیائی اے۔ مفاعیلن۔ کی دن بی آ۔ مفاعیلن۔ روے گندم۔ مفاعیلن۔ کی ارزانی۔ مفاعیلن"۔

آپ کے اس نوٹ کا منشا میں نہیں سمجھ سکا کیوں کہ میرے لکھنے کا بھی مفہوم بالکل یہی ہے۔ (2) میں نے بھی یہی لکھا ہے کہ تقطیع میں حرف ساکن متحرک ہوسکتا ہے۔ منیر نے آرد کی را متحرک نہیں ساکن استعمال کی ہے۔ تقطیع میں رکن مفاعلین کے مقابل آنے کی وجہ سے (روے گندم) متحرک معلوم ہوتی ہے اس سے دھوکا کھا کر صاحبِ نوراللغات آرد کو

متحرک الثانی سمجھے۔ میرے الفاظ یہ ہیں:

''منؔیر نے بھی بہ زاے ساکن ہی استعمال کیا ہے۔ راؔ کا فتحہ محض کرشمۂ تقطیع ہے اور بس''۔

اس کے بعد میں نہیں سمجھ سکا کہ کسی مزید وضاحت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے مصرعِ ثانی کی تقطیع میں جو ارکان آپ نے قائم کیے ہیں جو اوپر منقول ہوئے وہی میں نے قائم کیے ہیں۔ بہر حال آپ کے اس فٹ نوٹ کا مقصد میں نہیں سمجھ سکا۔

اسی صفحے پر آپ نے حروفِ ساکن کو متحرک کرنے کے متعلق ایک ضروری تصریح کی ہے۔ میں یہ عرض کردوں کہ میں اس سے بے خبر نہیں تھا۔ البتہ یہاں کوئی ایسی بحث نہیں تھی جس میں مکمّل تصریح کی ضرورت محسوس ہوتی اس لیے میں نے اصل مضمون میں بہ طورِ اختصار صرف اصول بیان کرنا کافی سمجھا تھا۔[3]

اس مضمون کا جو آخری حصّہ آپ نے صفحہ ۳۳ کے آخر میں درج کیا ہے وہ عجیب بے ربط ہو گیا ہے۔ ادھر کی سطریں اُدھر ہو گئیں جن سے مفہوم بالکل خبط ہو گیا ہے۔[4] اس کے علاوہ متعدد الفاظ کی کتابت میں صورت اس طرح مسخ ہوئی ہے کہ بات کچھ سے کچھ ہو گئی ہے، مثلاً صفحہ ۹ پر پہلے کالم کی آخری سطر سے پہلی سطر میں مسالحت کے بجائے مصالحت چھپ گیا ہے۔ اس سطر سے اوپر والی سطر میں ''دراز دستی کاتب'' کے بجائے ''دراز دستی کا بُت'' موجود ہے۔[5]

(رشید حسن خاں)

(۲)

بنام: اڈیٹر نیا دور، لکھنؤ[۲] (مارچ ۱۹۶۰ء)

پچھلے ماہ (دسمبر ۱۹۵۹ء) کے شمارے میں عروضی مضمون پڑھا۔ صاحبِ مضمون نے عجیب ستم ظریفی سے کام لیا ہے۔ بہت سے فیصلے صادر کر دیے لیکن حوالہ کسی کتاب کا نہیں دیا، حدایق، بحر الفصاحت ''اغلاط سے پُر'' اور ''طفلانہ'' کتب سہی، لیکن ان کے مقابلے میں خود کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جو ان کے معیارِ صحت کا اندازہ ہوتا۔ یوں تو ہر شخص مختار ہے کہ جس بات کو چاہے غلط کہہ دے۔ میں نے سوچا کہ معیار الاشعار کو ثبوت میں پیش کروں لیکن پھر خیال آیا کہ اگر اس کو بھی اسی فہرست میں گنا دیا گیا تو میں کیا کرلوں گا۔

موصوف کی بدخیالی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ انھوں نے ایک شعر کو غلط نقل کر کے اس کی تقطیع کر ڈالی۔ سحر حلال کا شعر یہ ہے (ملاحظہ ہو شمارہ ماہ جون ۵۹ء)

ہر کہ شد در طاعتِ حق پیشتر فیض دے از رحمت حق پیشتر

لیکن فاضل نقاد نے در کو از سے بدل کر مصرعے کو ذو بحرین کرلیا اور کس انداز سے دروغ گوئی فرمائی کہ "مصرع اوّل میں از کے الف کو نہ گرایئے اور طاعت کے کرۂ اضافت کو اشباع سے پڑھیے تو وزن بحر رمل مسدس محذوف کا ہوگا یعنی فاعلاتن فاعلاتن فاعلن۔ اگر از کے الف وصل کو گرا کر اور طاعت کے کرۂ اضافت کو بغیر اشباع کے پڑھیے تو وزن بحر سریع مسدس مطوی مکشوف کا ہوگا یعنی مفتعلن مفتعلن فاعلن"۔ بہت خوب! اسی ایک کارنامے سے پورے مضمون کی گلکاریوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اصول تو یہ ہے کہ کسی دعوے کو باطل کرنے کے لیے دلائل و اسناد پیش کیے جاتے ہیں۔ یہاں کہا سب کچھ ثبوت کسی قول کا نہیں کہ آخر یہ ماخوذ کہاں سے ہے۔ کہیں سے ماخوذ ہے تو لکھا جائے۔ خانہ ساز تفصیلات و تصریحات کو حوالے سے کیا علاقہ۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: اڈیٹر نیا دور، لکھنؤ

مراسلات

نوطرزِ مرصع کا سنِ تصنیف اور مصنّف

نیا دور (۲۶/جنوری ۶۴ء فروری ۶۴ء) میں ڈاکٹر محمد حسن کا ایک مضمون "اتر پردیش میں اردو نثر" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں نوطرزِ مرصع کے سن تصنیف اور کتاب کے مصنّف کے نام کے بارے میں فاضل مضمون نگار سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد حسن نے نوطرزِ مرصع کے مصنّف کا نام میر محمد عطا حسین خاں تحسین لکھا ہے جو غلط طور پر ہمارے بعض تذکروں میں بے تحقیق نقل در نقل ہونے کے باعث رواج پا گیا۔ لیکن کتاب مذکور کے قدیم نسخوں اور اودھ کی پرانی تاریخ عمادت السعادت سے یہ ثابت ہے کہ ان کا نام بہ ترتیب صحیح محمد حسین عطا خاں تحسین تھا۔

اسی طرح فاضل مقالہ نگار نے نوطرزِ مرصع کا سنِ تصنیف ۱۷۹۸ء بتایا ہے جب کہ

یہ امر بھی موجودہ تحقیق کی روشنی میں طے شدہ ہے کہ نوطرزِ مرصع اس سے کافی پہلے کی تصنیف ہے۔اس سلسلے میں چند دلائل ذیل میں درج کیے جاتے ہیں جن سے سالِ تصنیف بخوبی یقین پذیر ہوجائے گا۔

(۱) بلوم ہارٹ مشہور مستشرق گزرا ہے۔اولاً اس نے آزاد کا رقم کردہ سنِ تصنیف مان لیا تھا۔پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انڈیا آفس کی فہرست مخطوطات میں نوطرزِ مرصع کے باب میں اس نوٹ کا اضافہ کردیا:

> ''آزاد کے بیان کے مطابق یہ تصنیف ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ء میں مکمل ہوئی۔لیکن یہ غلط ہے کیوں کہ مصنف کے دیباچے کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس نے شجاع الدولہ کے انتقال ہی کے وقت تقریباً ۱۷۷۵ء میں ختم کرلی تھی اور آصف الدولہ کے انتقال (۱۷۹۸ء) سے تو بہت پہلے ختم ہوچکی تھی۔اس لیے تاریخ تصنیف ۱۷۸۰ء کے قریب ہوگی''۔

(۲) نوطرزِ مرصع کا ذکر تذکرۂ مسرت افزا مولفہ ابوالحسن امیرالدین احمد عرف امیر اللہ الٰہ آبادی میں ملتا ہے۔نیز قصۂ ملک محمد و گیتی افروز مصنفہ مہر چند کھتری میں بھی۔اوّل الذکر تذکرہ ۱۱۹۳ھ مطابق ۱۷۷۹ء میں تمام ہوا اور موخرالذکر کتاب ۱۲۰۳ھ مطابق ۸۹-۱۷۸۸ء میں لکھی گئی تھی جس سے زیرِ بحث کتاب کی قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سیّد محمود نقوی (علی گڑھ)

چند ناموں کی صحت

''نیا دور'' (جنوری ۶۴ء) میں شائع شدہ دو مضامین میں بعض نام اور ترجمے صحیح نہیں ہیں۔

(۱) شری سلطان احمد نے اپنے مضمون ''اقبال کا فلسفۂ شاعری اور مفکرین مغرب'' میں ابن باجہ (بے کے ساتھ) کو ابن ماجہ (میم کے ساتھ) لکھا ہے۔یہ دونوں شخصیتیں جداگانہ ہیں۔ابن ماجہ محدث تھا اور ابن باجہ فلسفی۔اسی طرح شری سلطان احمد نے ایک جگہ بوعلی ابن سینا کو صرف ''سینا'' لکھا ہے۔ابن سینا یا شیخ الرئیس لکھنا چاہیے یا پورا نام۔

(۲) اسی مضمون میں شری سلطان احمد نے Metaphysics کا ترجمہ مافوق الطبیعیات لکھا ہے۔اس کا ترجمہ ''مابعد الطبیعیات'' ہونا چاہیے۔(دیکھیے فرہنگ اصطلاحات علمیہ، مرتبہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، مطبوعہ ۱۹۲۵ء، ص ۳۷۶۔

دوسری بات یہ کہ ڈاکٹر اقبال کی تھیس کا موضوع Development of Metaphysics in Iran ہے جس کا ترجمہ میر حسن الدین صاحب نے فلسفۂ عجم کے عنوان سے کیا ہے۔

(۳) اسی اشاعت میں ایک اور مضمون ڈاکٹر سرور قیوم خاں کا ہے۔اس مضمون میں ڈاکٹر سرور قیوم خاں نے ایک عرب سیاح اصطخری کا نام ''ص'' اور ''ط'' کے بجائے ''س'' اور ''ت'' سے ''استخری'' لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔صحیح املا ''اصطخری'' ہے۔آگے چل کر انھوں نے یاقوت کا نام تائے قرشت کے بجائے طائے حطی سے قلم بند کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔صحیح املا ''یاقوت'' ہے۔ (سیّد محی الدین احمد شوقی الٰہ آباد)

میں نے اپنے مضمون ''گل کرسٹ کی ایک کتاب کے چند اقتباسات'' مطبوعہ نیا دور (ستمبر ۱۹۶۴ء میں صفحہ ۱۴ کے حاشیے میں یہ لکھا تھا کہ مولف تذکرۂ گلشن ہمیشہ بہار نے شیفتہ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ شیفتہ نے مولف تذکرہ گلشن ہمیشہ بہار کا ایک شعر خورجہ کے ایک ''مجہول الاحوال'' شخص کا نام لکھ دیا ہے۔عبارت کے سمجھنے میں مجھ سے غلطی ہوئی، مولف تذکرہ گلشن ہمیشہ بہار کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یہ شعر دراصل اُن کے ماموں اسد خاں اسد خورجوی کا ہے۔مخدومی مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے اس غلطی پر متنبہ فرمایا۔منت پذیر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: اڈیٹر نیا دور، لکھنؤ (مارچ ۱۹۹۶ء)

سیّد صاحب!

کیا اچھا نصف صدی نمبر نکالا ہے آپ نے۔دیکھ کر آنکھوں کی روشنی بڑھ گئی اور پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ایک ایسا رسالہ جو اصلاً اطلاعات اور رابطۂ عامّہ کے محکمے کا ترجمان ہے، اُسے ایسا پُر وقار ادبی رسالہ بنا دینا معمولی بات نہیں اور ہر شخص کے بس کی بات

نہیں۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ یہ خاص نمبر ایسے پچھلے نمبروں سے بڑھ گیا ہے۔ اپنے زمانے میں آپ نے ایسے شان دار نمبر مرتب کیے ہیں کہ ان کو مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ خاص نمبر بھی پڑھنے اور محفوظ کر لینے کی چیز ہے۔

ڈاکٹر گیان چند جین کا مضمون خاصے کی چیز ہے، ان کے وسیع المطالعہ ہونے کا تو ہم میں سے ہر شخص قائل ہے، مگر اس مضمون میں جس سلیقے کے ساتھ بہت سی معلومات کو یک جا کیا گیا ہے اس کی خاص طور پر داد دی جانا چاہیے۔ اس ایک مضمون سے قاری کو اردو کی ادبی تحقیق سے متعلق بہت سی معلومات یک جا مل جاتی ہیں اور نصف صدی کے سفر کی داستانِ حُسن اختصار کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔ اختصار کے باوجود ضروری وضاحت کی کمی کہیں محسوس نہیں ہوتی۔ اتنی بہت سی معلومات اس حسنِ ترتیب کے ساتھ بہت مشکل سے یک جا ہو پاتی ہیں۔

کالی داس گپتا رضا صاحب غالب شناسی میں اس وقت بہت وقیع اور منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ حسبِ معمول ان کی یہ تحریر بھی توجہ طلب ہے۔ جوگندر پال نے اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کا یہ قول:

> ''اچھی زبان بھی اس وقت بُری لگتی ہے جب بلا وجہ اپنی طرف متوجہ کر کے ہمیں ڈسٹرب کیے جانے پر اُتر آئے۔ کسی بُت کو دیکھ کر اگر بار بار اس کے پتھر کی بہتر کوالٹی کی طرف دھیان دیا جائے تو ہم کیوں کر باور کر پائیں گے کہ وہ ذی جان ہے''۔

بجائے خود خوب ہے، اس سلسلے میں اگر باشعور قاری یہ کہے کہ اچھے لکھنے والے کو غیر ضروری طور پر ''ڈسٹرب'' اور ''ذی جان'' جیسے پیوند اپنی تحریر میں نہیں لگانا چاہیے کہ اس سے روانی میں خلل پڑتا ہے، تو یہ بات بھی بجائے خود خوب ہوگی اور توجہ طلب بھی۔ غیر ضروری صنعت گری اور بے جوڑ پیوند کاری اچھی زبان کو دونوں باتیں راس نہیں آتیں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ معیار پر غیر مناسب اصرار بھی اسی قدر نا قابلِ قبول ہے، مگر معیار کے کسی بھی تصور سے لاتعلقی کا اظہار بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

پروفیسر مجاور حسین رضوی کا مضمون قومی یک جہتی کی روایت پر اچھی تحریر ہے، انھوں نے لفظ ''یک جہتی'' کے ابتدائی استعمال پر اور پھر اس کے وسیع معانی و مفاہیم پر جس

طرح روشنی ڈالی ہے اس سے بات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور اردو شاعری کا بہت روشن پہلو سامنے آتا ہے۔ انھوں نے بار بار اس کی وضاحت کی ہے کہ کثرت میں وحدت کے تصوّر کا صحیح مفہوم کیا ہے اور سیکولرازم کی تعریف میں کیا شامل نہیں، یہ بہت ضروری تھا۔ اس وقت جو حالات ہیں اور ذہنوں پر غلط فہمیوں کی پرچھائیاں جس طرح کانپتی رہتی ہیں، اس کے پیشِ نظر یہ وضاحت بہت ضروری تھی۔

عقیل صاحب نے ''میرا الٰہ آباد'' میں الٰہ آباد کے ماضی قریب کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے۔ یہ بہت دل چسپ تحریر ہے۔ دل چسپی کے ساتھ معلومات سے بھی معمور ہے۔ انھوں نے اردو کے ساتھ ہندی کے ادیبوں کا بھی تذکرہ کیا ہے اور اس سے مضمون میں وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ ایسی چھوٹی چھوٹی تحریریں بہت سی باتوں کو ذہن نشیں کر دیا کرتی ہیں اور کچھ دیر کے لیے چلتی پھرتی تصویریں سامنے آجاتی ہیں۔

ص ۶۹ سے ۹۹۷ تک رسالہ نیا دور سے متعلق جو مضامین ہیں وہ خاصے معلوماتی ہیں۔ شخصیات کے حصّے میں کنور مہندر سنگھ بیدی سحؔر اور صباح الدین عمر صاحب پر مختصر مضامین ان دونوں قابلِ ذکر شخصیتوں کی یاد کو ذہن میں تازہ کر دیتے ہیں۔ اور ہاں ''فرخ آباد کا ادبی سفر'' بھی خوب ہے۔ راجندر بہادر موؔج صاحب نے مناسب اختصار کے ساتھ وہاں کی متحرک تصویر پیش کر دی ہے۔ ایسی تحریروں کی یوں زیادہ اہمیت ہے کہ عام طور پر ادبیات سے متعلق حضرات چھوٹے چھوٹے شہروں کے ادبی کوائف سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے۔ ادبی اور شعری روایت جب تک ہر سطح پر کارفرما نہ رہے تب تک اس میں توانائی نہیں آپاتی۔ بڑے شہروں اور چھوٹے علاقوں کا بہت حصّہ ہوتا ہے۔ جب تک ان بنیادی اجزا کی شیرازہ بندی نہ ہو، اس وقت تک مرقّعے کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ کیا اچھا ہوتا کہ ایسے مزید دو چار مقامات کے مختصر جائزے بھی اس خاص نمبر میں شامل ہوتے۔

ابھی کہنے کو تو بہت کچھ ہے، مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ خط مضمون بنتا جا رہا ہے، اس لیے اسے یہیں ختم کرتا ہوں۔ اس عمدہ معلوماتی اور وقیع نمبر کی ترتیب پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

رشید حسن خاں، شاہ جہان پور

(۵)

بنام: اڈیٹر نیادور، لکھنؤ (جنوری ۱۹۹۸ء)

سیّد صاحب!

مہینوں کے انتظار کے بعد فراقؔ نمبر ملا۔ اَب کے تو آپ نے خاص نمبر کی شکل صورت ہی بدل دی اور اس طرح کہ یہ بجائے خود ایک نیا انداز بن گیا۔ ایک مثل کبھی سنی تھی: کھانا پہلے آنکھیں کھاتی ہیں۔ اس نمبر کو دیکھ کر وہ یاد آگئی۔ خوب صورت طباعت، عمدہ کاغذ، حاشیوں پر دیدہ زیب آرایشی لہر، ہر صفحے کی پیشانی پر فراقؔ کی تصویر؛ ایسا آرایشی انداز بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ مضامین پر عنوانات اور مضمون نگاروں کے نام جلی اور کم جلی قلم سے اس طرح ثبت نظر آتے ہیں کہ حسنِ آرایش بڑھ گیا ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کتابی خاص نمبر کے لیے صفحات کا جو سائز اختیار کیا گیا ہے، اس کی رعایت سے مسطر کا انتخاب نہایت مناسب ہے۔ نہ اتنا گنجان کہ دیکھتے ہی نگاہ اُلجھن اور تھکاوٹ محسوس کرنے لگے اور نہ ایسا تفاوت زدہ کہ بکھراؤ کی تصویر بن جائے۔ سرورق کی تصویر بھی خوب ہے۔ آنکھوں کی چمک اس طرح روشن نظر آتی ہے جیسے سچ مچ وہ آنکھیں کچھ کہہ رہی ہوں۔ رسالہ سرکاری اور غیر سرکاری کاموں میں ستر پابندیاں اور اس سے زیادہ اُلجھنیں ہوتی ہیں۔ ان سب مشکلوں کے سایے میں آپ نے اس سے پہلے کئی بہت اچھے خاص نمبر نکالے ہیں اور یہ فراقؔ نمبر بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی بن گیا ہے۔ اس محنت اور خوش ذوقی کے ساتھ اور مشکلوں کے ہجوم میں سے اپنا راستہ نکالنے کی صلاحیت پر آپ واقعتاً مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اس فراقؔ نمبر کی مشکل یہ بھی تھی کہ نیادور اس سے پہلے دو جلدوں میں بہت اچھا خاصا نمبر شائع کر چکا ہے۔ دوسرے اداروں نے بھی اس سلسلے میں خاص نمبر شائع کیے ہیں؛ ایسے میں ایک بار پھر اچھے مضامین حاصل کر لینا واقعی کمال کی بات ہے۔

اس نمبر میں جگن ناتھ آزادؔ اور گیان چند کے مضامین خاص طور پر توجہ طلب ہیں۔ آزادؔ صاحب نے ایک بہت اہم سوال اٹھایا ہے کہ ہندو تہذیب اور فلسفہ کیا محض محبوب کے اعضا کی حرکت شماری اور اس سے متعلق بیانات کا مجموعہ ہے؟ یہ بہت غور طلب بات ہے۔ جو لوگ فراقؔ کی شاعری کو آفاقی عناصر کا مجموعہ اور ہندستان کی قدیم تہذیب کا عطر مجموعہ کہتے ہیں بغیر سوچے سمجھے، ایسے لوگوں کو جگن ناتھ آزادؔ کا یہ مضمون توجہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

مجھے اس خاص نمبر کی یہ خوبی خاص طور پر پسند آئی کہ اس میں فراقؔ سے متعلق ایسے مختلف مضامین کو شامل کیا گیا ہے جن کو پڑھ کر اُن کی شاعری سے متعلق صحیح طور پر رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ نمبر بہت متوازن ہے اور بہت کام کا ہے۔

چوں کہ آپ نے بہت اچھے خاص نمبر مرتب کیے ہیں، اس لیے میرا جی چاہتا ہے کہ مرزا غالبؔ کے دو سو سالہ جشنِ یادگار کے موقعے پر بھی اگر نیا دور کا ایک خاص نمبر مرتب ہوسکے تو خوب ہو۔ چوں کہ آپ اس کام کو کر سکتے ہیں، اس لیے آپ سے فرمائش کر رہا ہوں۔ غالبؔ کا کلام واقعتاً جلال و جمال اور فکر و خیال کا مجموعہ ہے۔ اردو زبان پر اور اردو شاعری پر غالبؔ کا بہت بڑا حق ہے۔ کیا اچھا ہو کہ آپ اِدھر بھی توجہ کریں۔

رشید حسن خاں، شاہ جہان پور

فٹ نوٹ:

(1) فٹ نوٹ میں یہ نہیں کہا گیا تھا کہ یہ غزل قطعی طور سے واجد علی اشکؔ رام پوری کی ہے۔ ہم نے لکھا تھا "جہاں تک ہمارے علم میں ہے..." یہ بالکل ممکن ہے کہ رشید حسن خاں صاحب کا خیال صحیح ہو۔ بہرحال موصوف کا خط پانے کے بعد ایک صاحب کے ذریعے ہم نے اس غزل کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا ہے — اڈیٹر

(2) یہ فٹ نوٹ تردیدی نہ تھا بل کہ محض مزید تشریح کے طور پر تقطیع کر دی گئی تھی۔

(3) رشید حسن خاں صاحب نے لکھا تھا کہ "علم عروض کا یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ حرفِ ساکن کو تقطیع میں متحرک کر سکتے ہیں"۔ اس بات میں بھی فٹ نوٹ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ "ہر" حرف ساکن کو متحرک نہیں کیا جاسکتا بل کہ کچھ ضوابط ہیں جن کے ماتحت حرف ساکن متحرک ہوسکتا ہے۔ رشید حسن خاں صاحب کے جملے سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ "ہر" حرفِ ساکن متحرک ہوجاتا ہے۔

(4) صفحہ ۳۳ کا پی جوڑنے میں غلطی ہوگئی تھی جس کی تصحیح جولائی کی اشاعت میں کر دی گئی تھی۔

(5) کتابت کی غلطی کا افسوس ہے۔ "دراز دستی کاتب" کے متعلق کاتب صاحب کہتے ہیں کہ ہم اپنی قوم کی "دراز دستی" کا اعتراف اپنے قلم سے کیسے کر سکتے تھے۔

◆◆◆

ضمیمہ (2)

نواب جعفر علی خاں آثر لکھنوی کے خطوط خط رشید حسن خاں کے نام

(۱)

کشمیر محلہ، لکھنؤ

۲ر جنوری ۱۹۵۹ء[۱]

مکرّمی! تسلیم

عنایت نامہ موصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ۔

قسم لے لیجیے جو آپ کے وہ خطوط جن کا حوالہ دیا ہے مجھے ملے ہوں ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ میں اُن کا جواب نہ دیتا۔ آپ نے جو خیالات میرے متعلق ظاہر فرمائے ہیں اُن کے لیے شکرگزار ہوں اور میرے لیے باعثِ فخر ہیں۔ یقین مانیے کہ میں آپ کے مضامین بڑے شوق سے پڑھتا ہوں اُن میں مغز ہوتا ہے اور بے جا طرفداری یا مخالفت سے پاک ہوتے ہیں اور اظہارِ خیال میں ایسی اُپج ہوتی ہے جو دل کو موہ لیتی ہے۔ اختلافِ رائے ایک قدرتی امر ہے اور کچھ سیکھنے یا اصلاح خیال کا بہترین وسیلہ۔ لا واللہ نہ تو میں آپ سے ناراض ہوں نہ ہوسکتا ہوں آپ کی ہر تحریر سے خلوص اور دیانت داری ٹپکتی ہے، اس سے جو ناخوش ہو وہ خود بے ایمان ہے۔

بہاراں پر میں نے آپ کا مضمون پڑھا تھا اور اُس کی بڑی عزّت کی تھی۔ رسائل میرے پاس محفوظ نہیں رہتے۔ اردو ادب کے اُس نمبر کا اگر کچھ پتا یاد ہو تو تحریر فرمایئے تاکہ تلاش کروں اور اس نظر سے پڑھ کر کہ آیا کسی مقام پر آپ سے اختلاف ہے۔ اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کروں۔

آپ کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میں بہت بیمار رہتا ہوں بہر طور: شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن۔

خدا کرے آپ بہ صحت و عافیت ہوں۔

نیازمند آثر

(۲)

خط: آثرؔ لکھنوی، مرزا جعفر علی خاں
بنام: رشید حسن خاں
کشمیر محلّہ، لکھنؤ
۱۲/ اکتوبر ۱۹۵۹ء

مکرّمی! تسلیم

عنایت نامہ موصول ہوا۔ شکریہ۔

آپ کے استفسارات کے جواب میں عرض ہے کہ اُسی کے شعر میں خالی خدا کر کے نہیں بلکہ خدا خدا کر کے (لفظ خدا بتکرار) نظم ہے اور یہ بالکل صحیح محاورہ ہے جس کے معنی ہیں بدقت۔ بمشکل تمام۔ غالباً چکبست کا مطلع ہے:

لائے اُس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

اور اس طرح لکھنؤ میں برابر مستعمل ہے۔

دوسرا شعر بھی ساقط الوزن نہیں ہے۔ تقطیع اس طرح ہوگی (دوسرے مصرعے کی) پھر نہ آئے (فاعلاتن) گِ چند رو (مفاعلن) زَہمب (فعلن۔ ع متحرک) لفظ اب کا الف وصل ماقبل ہم کے میم ساکن کو متحرک کر کے اپنے حرفِ مابعد (ب) سے ملا کر خود ساقط ہوگیا۔ ہم اب ہمب پڑھا جائے گا۔

اگر صاحب کا عام تلفظ (بہ فتح حا) لیجیے تو اب کے ساتھ قافیہ کر سکتے ہیں اگر ح مکسور رکھیے جس طرح صحیح ہے تو قافیہ غلط ہو جائے گا۔

تیسرے شعر میں بیشک ایطا ہے لکھوں اور کاٹوں حروف زائدہ نکال دینے کے بعد لکھ اور کاٹ رہ جاتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ بعض عروضی اردو قوافی میں ایطا کے قائل نہیں۔ اس شعر میں ایک عیب اور ہے۔ وقت کاٹا جاتا ہے وقت کو کاٹا نہیں جاتا ہے جس طرح نظم ہے

اسی طرح چوتھے شعر میں لفظ اب غلط صرف ہوا ہے۔ یا تو حشو ہے یا اس کی جگہ آج ہونا چاہیے تھا: بول چال میں کہیں گے جیسے ایک ہفتہ ہوا ہے یا جیسے آج ایک ہفتہ ہوا ہے نہ کہ جیسے اب ایک ہفتہ ہوا ہے۔

'تحریک' میں آپ کا عالمانہ مضمون پڑھا تھا، بہت پسند آیا۔
آپ کی دقت نظر کا آئینہ دار ہے۔میری حالت نہ پوچھیے ۔زندہ در گور ہوں۔
خدا کرے آپ بہ صحت و عافیت ہوں۔

دعا گو۔ آثر

حواشی:

۱۔ یہ خط نواب جعفر علی خاں آثر لکھنوی کا کشمیر محلہ، لکھنؤ سے ۲؍جنوری ۱۹۵۹ء کا لکھا ہوا ہے۔مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔آخر میں "نیاز مند آثر" درج ہے۔خط میں درج ہے کہ خاں صاحب کے خط اِنھیں نہیں ملے ورنہ جواب ضرور دیتے۔آثر صاحب نے لکھا ہے کہ وہ خاں صاحب کے مضامین شوق سے پڑھتے ہیں جو بے جا طرف داری اور مخالفت سے پاک ہوتے ہیں۔
آثر صاحب کا املا کچھ اِس طرح ہے: 'مکرمی' پر تشدید نہیں، 'لیجئے' پر نیچے دو نقطے کے بجائے اوپر ہمزہ ہے۔ 'آپکے' کو ملا کر لکھا ہے بجائے 'آپ کے'، 'یہ' کے نیچے لٹکن نہیں ہے۔خاں صاحب کے موجودہ املا کی طرح۔ 'اُنکا' ملا کر لکھا گیا ہے بجائے 'اُن کا'۔ 'متعلق' پر تشدید نہیں، 'لئے' پر ہمزہ ہے نیچے دو نقطوں کے بجائے، 'بیجا' بجائے 'بے جا' کے، 'باعث فخر' بجائے 'باعثِ فخر'، 'آپکی' بجائے 'آپ کی'، 'پڑھکر' بجائے 'پڑھ کر'، 'آپکو' بجائے 'آپ کو'، 'بصحت' بجائے 'بہ صحت'۔

یہ املا ۵۴ سال قبل کا ہے۔اُس وقت عموماً ادبی حضرات بہت سے الفاظ کو ملا کر لکھنے کے عادی تھے۔اُس وقت کے املا کا آج کے املا سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ املا میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔سو سال قبل کا املا دیکھا جائے تو وہ بالکل الگ نظر آتا ہے۔

جناب آثر لکھنوی کی پیدائش ۱۲؍جولائی ۱۸۸۵ء اور وفات ۶؍جون ۱۹۶۷ء ہے (بہ حوالہ آثر لکھنوی کی نثری خدمات، از ڈاکٹر دلجیت ورما، ص ۲۵ و ۴۶)
آثر لکھنوی رشید حسن خاں صاحب سے ۴۰ سال بڑے تھے لیکن لکھنوی تہذیب کا کمال دیکھیے کہ خاں صاحب کے نام خط کے آخر میں 'نیاز مند' لکھا ہے۔
خاں صاحب کی ادبی زندگی کا یہ ابتدائی دور تھا اور آثر صاحب علم کے آخری معراج پر تھے انکساری کی حد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ مرزا جعفر علی خاں آثر لکھنوی صاحب نے یہ خط اپنے آبائی گھر کشمیری محلہ، لکھنؤ سے ۱۲؍اکتوبر ۱۹۵۹ء کو رشید حسن خاں صاحب کے نام لکھا۔شاید یہ خط دہلی کے پتے پر لکھا گیا

ہو کیوں کہ اگست ۱۹۵۹ء میں ہی خاں صاحب دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہوئے تھے۔ اِس سے قبل کا ایک اور خط ۲؍جنوری ۱۹۵۹ء کا اِسی پتے پر سے لکھا گیا ہے۔ لیکن اُس وقت خاں صاحب شاہ جہان پور کے اسلامیہ اسکول میں اردو پرشین کے ٹیچر تھے۔

خاں صاحب نے کچھ سوالات بھیجے تھے آثر صاحب کو۔ اُنھوں نے اِن کے جواب دیے ہیں۔ اِس خط میں عروض سے متعلق گفتگو ہے۔ متن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آثر صاحب کو عروض پر بھی عبور حاصل تھا۔ آثر صاحب نے گیتاجی کا منظوم ترجمہ نغمۂ جاوید کے نام سے کیا ہے جو راقم کے پاس موجود ہے۔ خاں صاحب کا مضمون ''نغمۂ جاوید'' پر ایک نظر (آثر لکھنوی کے ترجمہ ''گیتا'' کا طویل جائزۂ اغلاط) شاعر، بمبئی، اپریل ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا تھا (بہ حوالہ خط ۲؍مئی ۲۰۰۵ء بہ نام پروفیسر رفیع الدین ہاشمی، لاہور)

خاں صاحب نے مکتوب بہ نام دِلجیت ورما مرقومہ ۱۵؍اگست ۱۹۹۱ء میں لکھا ہے: ''ہاں ۵۲ء، ۵۳ء میں رسالہ 'الحمرا' (لاہور) میں اُن سے بعض الفاظ کے تلفظ پر بحث ضرور چھڑ گئی تھی، جو سال بھر تک چلتی رہی تھی''۔ یہ خاں صاحب کا ابتدائی دور تھا مگر آثر صاحب اُن کا احترام کرتے تھے جو اِن دو خطوں کے متن سے ظاہر ہوتا ہے۔

یہ دونوں خط ڈاکٹر دِلجیت ورما نے ۲۲؍فروری ۲۰۱۴ء کو عکس کی صورت میں راقم کو دیے۔ میں تہِ دل سے اُن کا شکر گزار ہوں کہ ۸ سال کی تلاش میں مجھے یہ دو خط ملے ہیں جو کسی ادبی شخصیت کے خاں صاحب کے نام کے ہیں۔ ہاں اِس سے چند دن قبل پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے ایک خط کی نقل راقم کو بھیجی تھی جو اُنھوں نے اپنے پاس محفوظ کرلی تھی۔ یہ نقل ہے ۱۴؍مئی ۲۰۰۳ء کی اور ۲۱؍مئی ۲۰۰۳ء کی، کیوں کہ آدھا خط پہلے لکھا گیا اور آدھا بعد میں۔

راقم نے خاں صاحب کے قریب ۱۵۰۰ خط جمع کر لیے ہیں۔ دوسرا مجموعہ بھی شائع ہونے والا ہے۔ اِس کی تصحیح مکمل کرلی گئی ہے۔ مگر اِن تین خطوط کے علاوہ ابھی تک کسی اور ادبی شخصیت کا خط بنام خاں صاحب موصول نہیں ہوا ہے۔ راقم کی تلاش جاری رہے گی۔ خدا نے چاہا تو یہ بھی ممکن ہو سکے گا۔ آثر صاحب کے چند الفاظ کا املا کچھ اس طرح کا ہے:

بلکہ، جسکے، بمشکل، تلفظ، لیجئے، بیشک، اُسکی، جگہ، چاہئے، کہینگے، پوچھئے، بصحت۔

آج کا املا ہے:

بل کہ، جس کے، بہ مشکل، تلفظ، لیجیے، بے شک، اُس کی، جگہ، چاہیے، کہیں گے، پوچھیے، بہ صحت۔

پہلے چند الفاظ کو ملا کر لکھا جاتا تھا اب اِنھیں الگ الگ لکھا جاتا ہے۔

ooo

پروفیسر ظفر احمد صدیقی کا خط بہ نام: رشید حسن خاں

(۱)

۱۷ رمئی ۲۰۰۵ء

مکرّم و محترم!

سلام مسنون

گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ بَکی یَبکی ماضی اور مضارع ہے۔ ماضی میں با مفتوح ہے، لیکن بُکاء مصدر ہے وہاں با پر ضمّہ ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً نَصَرَ یَنصُرُ ماضی مضارع ہے۔ اس میں ن مفتوح ہے لیکن مصدر نُصُرَۃُ ہے، اس میں نٓ مضموم ہے۔ خلاصہ یہ کہ بُکاء بالضم نہ خلافِ قیاس ہے، نہ خلافِ لغت۔ آپ "فی بُکایک" بالضم لکھ دیں۔

ہجو دختر مرزا ذوالفقار بیگ کوتوال میں آپ نے متن میں ایک لفظ "لائقہ" لکھا ہے اور حاشیے میں لکھا ہے: "عربی میں: چپکنے والی، چمٹنے والی"۔

میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے۔ مذکورہ معنی "لائقہ" کے نہیں، بل کہ "لاعقہ" کے ہو سکتے ہیں جس سے مُعلق اور مُتعلق نکلا ہے۔

اسی ضمن میں "ساہدہ" بھی آیا ہے (بہ معنی کم نیند والی، بیدار رہنے والی) اس کا صحیح املا "ساہرہ" ہونا چاہیے، یعنی دال کے بجائے رٓ سے۔

آپ نے جو اوراق بھجوائے ہیں، انھیں بالاستیعاب نہیں دیکھ سکا ہوں۔ اس وقت اتفاقاً ص ۱۱۶ سامنے ہے اس پر عربی میں لکھا ہوا ہے: "توبة النصوحا" یہ قرآن پاک کی سورۂ تحریک کی آیت ۸ ہے۔ اس کا صحیح املا اس طرح ہے: "تَوْبَةً نَّصُوحًا" یعنی نصوحا پر الف لام نہیں ہوگا۔ اسی صفحے پر ارجلھم الخ یہ سورہ یٰسین کی آیت ۶۵ کا ٹکڑا ہے۔ حاشیے میں آیت مع ترجمہ کا حوالہ دیں۔

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

فقط والسلام

ظفر احمد صدیقی

پس نوشت:

ص ۴۴ آوازِ شپورہ الخ (.... ناموزوں ہے)۔ ایضاً ص ۴۴: ''صرف نظر نہیں کرسکتا''، ''نظر انداز نہیں کرسکتا'' (تکرارِ غیر ضروری)۔

ص ۶۴ یَشبہ کے بجائے یُشبہ ہونا چاہیے۔ آپ نے اس صفحے پر حاشیے میں کسی لفظ کے معنی نہیں لکھے۔

ص ۶۷ والدُ الحرام کے بجائے والدَ الحرام ہونا چاہیے۔ اَشرب کے بجائے اِشرب ہونا چاہیے۔

ص ۶۸ بھوک گئے الخ اسے دوہے کی طرح لکھنا چاہیے۔

ص ۶۹ خوے بد الخ اسے بھی شعر کی طرح لکھنا چاہیے۔

ص ۷۲ دھونتی کے کانٹا الخ اسے بھی دوہے کی طرح لکھنا ہے۔

ص ۸۰ نی رساند کے بجائے می رساند ہوگا۔

ص ۸۱ پورا صفحہ حواشی سے خالی کیوں ہے؟

ص ۸۳ ڈنکور و ڈھنڈور پر آپ کے حواشی دل کو نہیں لگتے۔ اس کی اصل ڈنکا اور ڈھنڈورا میں ہوسکتی ہے۔

ص ۸۴ اپنے نین الخ کا مطلب صحیح نہیں یہ حاشیہ ۴ کی مثل ۵ کے ہم معنی ہے۔

ص ۸۸ حاشیہ (ا) میں تصحیح کا نشان ہے لیکن تصحیح رہ گئی ہے۔

ص ۹۰ عرضداشت کے پہلے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ زرِ مذکور سبھا چند کی عورتوں نے اپنے گھر بحفاظت رکھا تھا۔ (در خانہ نگاہ داشتہ بودند) دوسرا جملہ بتاتا ہے کہ زرِ مذکور میر جعفر کے گھر رکھا ہوا تھا۔ تیسرے جملے سے مترشح ہوتا ہے کہ خود سبھا چند نے رکھ چھوڑا تھا۔ خلاصہ یہ مختلف نسخوں کی مدد سے متن کے اضطراب کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔

ایضاً ۹۰ بحرِ طویل پر بھی حاشیے کی ضرورت ہے اور یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ آیندہ عبارتیں نثر نہیں، بحرِ طویل کے مصرعے ہیں۔

ص ۹۱ بہ تماشے نفس لکڑ الخ نفس پر حاشیہ واضح نہیں ہے مزید برآں پورے جملے کا مطلب حاشیے میں واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

ص ۹۲ خلاصۃ الموسیقار میں خلاصہ کے معنی اوّل کا اندراج غیر ضروری ہے صرف معنیِ ثانی کا اندراج مناسب ہے۔

ایضاً ۹۲ بیٹھورہ کے معنی حاشیے میں بتانے کی ضرورت ہے۔

〃 〃 اربابِ اپھروک کے بجائے اربابُ اپھروک (کیوں کہ بہ حرف فارسی ہے اس کا مابعد مجرور نہ ہوگا)

〃 〃 ''ڈوباک الشرہ'' سے پہلے کسی حرف (مثلاً بہ) کی ضرورت ہے۔

ص ۱۰۴ زٹل گفتن الخ مصرع ثانی کی نثر یوں ہوگی ''تو اندر زٹل گفتن میر شدہ ای/ شدی'' مصرع کی موجودہ صورت سیّد اٹل کا لسانی تصرف ہے۔ حاشیے میں اس کی وضاحت کرسکتے ہیں۔

ص ۱۰۹ عقدَ کے بجائے عقدتٌ ہونا چاہیے۔

〃 〃 ومرغک الدین کے بجائے ومرغک الذی ہوگا۔ نیز ''سفر'' سے بہتر ''سقر'' ہوگا۔

پہلا خط لکھنے کے بعد پورا حصۂ نثر جو آپ نے بھیجا تھا بالاستیعاب دیکھ کر جو باتیں طبع ناقص میں آئیں لکھ دی ہیں۔ آپ ان حصوں پر نظر ثانی کرلیں۔ اصل متن میں تصحیح ممکن نہ ہو تو آخر میں استدراک کا اضافہ کردیں۔

ایک بات اور جب آپ اپنے مقدمے میں یہ مان چکے ہیں کہ زٹل نامہ کی تصنیف کے بعد کی چیزیں بھی پیش نظر کتاب میں شامل ہیں تو اب اسے زٹل نامہ کا عنوان دینا درست نہ ہوگا۔ کیوں کہ آپ زٹل نامہ تو مرتب نہیں کررہے ہیں، اگر یہ زٹل نامہ ہے تو ماقبی کلام اس میں شامل کرنا منشاے مصنف کے خلاف ہوگا۔ میرے خیال میں اس کا نام کلیاتِ جعفر زٹلی (مع زٹل نامہ) رکھنا صحیح ہوگا۔

آپ کی تحقیق کے مطابق زٹل نامہ عہد عالم گیری میں تصنیف کیا جاچکا تھا۔ تو آپ نے اس کی شاعری کے پس منظر کے طور پر اورنگ زیب کے ناخلف جانشینوں کے عہد انتشار و اختلال کا ذکر کیوں فرمایا؟ اگر یہ شاعری اپنے عہد کی سیاسی و سماجی اتھل پتھل کا ردِعمل ہے تو اسے بعد میں وجود میں آنا چاہیے تھا۔ اگر اس میں دونوں زمانے کا کلام شامل ہے تو اس شاعری کے بھی دو رنگ ہونے چاہیے تھے۔ ایک آسودگی کا اور دوسرا ناآسودگی کا۔ یہ پوری گفتگو بڑی حد تک ترقی پسندوں کے غلط نقطۂ نظر پر مبنی ہے۔

آپ نے کلامِ جعفر کے پھکڑ پن اور فحشیات کو اس کی تمام شاعری کا دسواں حصہ بتایا ہے۔ لیکن مشاہدے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ تناسب سہ چند بل کہ چہار چند ہے۔

آپ نے مقدمے میں یہ نہیں بتایا کہ جعفر نے زٹل کو بہ طور رنگِ سخن اور صنفِ سخن اختیار کیا تھا اور یہ کہ اس فن میں زٹل نارنولی اس کا استاد تھا جب کہ ''جواب رقعۂ سیّد اٹل'' سے ظاہر ہے۔

ص ۱۹ کے حاشیے پر مصحفی کی عبارت کا جو مطلب آپ نے تحریر فرمایا ہے، اس کی تائید عبارت سے ہرگز نہیں ہوتی۔ سکہ محمد شاہی سے قبل کی غزلیں کہاں ہیں؟ کیا آپ تاریخی طور پر اس کا ثبوت بہم پہنچا سکتے ہیں؟ یہ محقق کا شیوہ نہیں۔

حواشی:

۱ پروفیسر ظفر احمد صدیقی کا یہ واحد خط ہے جو اُنھوں نے رشید حسن خاں صاحب کے خط کے جواب میں لکھا۔ اِس خط کا متن دو قلم سے لکھا ہوا ہے۔ ایک موٹا اور ایک باریک۔ صدیقی صاحب پہلے خاں صاحب کے خط کا جواب لکھ چکے تھے اور اِس کے آخر میں اُنھوں نے تاریخ ۲۰۰۳/۵/۱۷ء کی ڈالی ہے۔

یہ خط ابھی بند کر کے حوالۂ ڈاک نہیں ہوا تھا کہ خاں صاحب کے چند سوالات کے جواب دینے صدیقی صاحب کو باقی معلوم ہوئے۔ اب اِن لینڈ لیٹر کی جو جگہ بچی ہوئی تھی صدیقی صاحب نے باریک قلم سے اُس پر لکھنا شروع کیا۔ پہلے خط کے جوابات سے زیادہ جوابات اب لکھے گئے۔ تحریر بہت باریک ہے پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ میرے پاس تو یہ خط عکس کی صورت میں پروفیسر ظفر احمد صدیقی صاحب نے علی گڑھ سے بھیجا ہے۔ اس پہ دوسری تاریخ ۲۰۰۳/۵/۲۱ء کی ہے۔

راقم نے جب فون پر پروفیسر ظفر احمد صدیقی سے رابطہ قائم کیا تو اُنھوں نے بتایا کہ اِس خط میں بہت سے سوالوں کے جواب دیے گئے تھے اِس لیے احتیاطاً میں نے اِس خط کی نقل اپنے پاس رکھ لی اگر ڈاک میں یہ خط گم بھی ہو جائے تو اسے دوبارہ بھیجا جا سکتا تھا۔

اِس خط میں جن سوالات کے جواب دیے گئے ہیں اِن کا تعلق کلیاتِ جعفر زٹلی سے ہے۔ کیوں کہ رشید حسن خاں صاحب اِس وقت کلیاتِ جعفر زٹلی مرتب کر رہے تھے۔

راقم نے 'رشید حسن خاں کے خطوط' کے نام سے پہلا مجموعہ شائع کیا تھا ۲۲ر فروری ۲۰۱۱ء میں یعنی خاں صاحب مرحوم کے پانچویں یومِ وفات سے قبل جس میں ۱۰۳۸ خطوط شامل تھے اکٹھ

مشاہیر ادب کے نام۔ اِس مجموعے کی ضخامت ۱۰۵۵ صفحات ہے۔ مگر اپنی سی سعی کرنے کے بعد بھی نمونے کے طور پر راقم ایک خط ایسا حاصل نہیں کر سکا جسے بہ طورِ 'نمونہ جواب' پیش کیا جا سکتا۔ خاں صاحب عموماً دوسروں کے خط تلف کر دیا کرتے تھے جو ایک بہت بڑا ادبی نقصان ہوا ہے۔

ہند و پاک کے علاوہ راقم نے نیویارک اور کیلی فورنیا جیسے مقامات سے خاں صاحب کے خطوط کے عکس حاصل کیے۔ لوگوں نے خاں صاحب کے خطوط کو سینے سے لگائے رکھا۔ مگر اُنھوں نے اُن حضرات کے خطوط کو سنبھال کر نہیں رکھا۔

راقم اب خاں صاحب کے خطوط کا دوسرا مجموعہ شائع کرنے جا رہا ہے۔ جس میں مرحوم کے خطوط کی تعداد ساڑھے چار سو سے کچھ اوپر ہی ہوگی۔ اِس مجموعے میں بھی رفعت شیم صاحب کے .... شامل ہیں جن کے عکس الیاس شوقی صاحب (بمبئی والے) نے انگلستان سے منگوا کر بھیجے ہیں میں اُن کا شکر گزار ہوں۔

پروفیسر ظفر احمد صدیقی کا یہ واحد خط اِس مجموعے میں نمونے کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

خاں صاحب کی ایک تدوینی خوبی و اصول رہا ہے کہ جس کسی سے بھی اُنھوں نے کوئی چیز یا سوال کا جواب حاصل کیا اُسے حواشی میں اُس شخص کے نام کے ساتھ درج کیا ہے۔

پروفیسر ظفر احمد صدیقی کے اِس خط کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ جواب دینے میں صدیقی صاحب کو کتنی محنت اور چھان بین کرنی پڑی ہوگی۔ کتنی کتابیں دیکھنی پڑی ہوں گی اور کتنا وقت صرف کرنا پڑا ہوگا۔ ایک اچّھا محقق ہی محقق کی مدد کر سکتا ہے۔ تحقیقی و تدوینی کاموں کو کوئی اکیلا شخص سر انجام نہیں دے سکتا۔

جن حضرات نے تحقیقی و تدوینی کاموں میں مرحوم رشید حسن خاں صاحب کی مدد کی ہے وہ اِن کی مرتب کی ہوئی کتابوں کے اوراق میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

اِن لینڈ لیٹر کی پُشت پر خاں صاحب کا پتا انگریزی میں یوں درج ہے:

Janab Rasheed Hasan Khan
Baroozai-II
Shahjahan Pur

اپنا پتا صدیقی صاحب نے اردو میں یوں لکھا ہے:

دستخط ظفر احمد
علی گڑھ
Pin: 202002

ڈاک خانے کی ایک بھی مہر صاف نہیں ہے۔

●●●

ڈاکٹر مہندر لال پروانہ کے خطوط رشید حسن خاں کے نام

(۱)

جموں

۸/فروری ۱۹۹۶ء

محترم خاں صاحب، آداب!

۹/جنوری کو ہفت تماشا رجسٹری سے آپ کو بھیج دی تھی۔ اُمید ہے کہ ۱۵/جنوری سے پہلے ہی آپ کو مل گئی ہوگی مگر ابھی تک اِس کی رسید نہیں آئی۔ شاید آپ شفٹنگ میں مصروف ہیں۔

۲۴/دسمبر ۹۵ء کو شعبۂ اردو میں کتابوں کی نمائش کا اہتمام ہوا۔ اِس نمائش میں دو ادارے اپنی کتابیں لائے: ایک انجمن اور دوسرا ایسمانت۔ اِس میں انجمن والے آپ کی تین کتابیں لائے تھے: (۱) باغ و بہار، (۲) گلزارِ نسیم، (۳) ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ۔ ڈاکٹر امریک سنگھ نے باغ و بہار اور گلزارِ نسیم، رینا صاحب نے گلزارِ نسیم اور میں نے ادبی تحقیق خریدی۔ عبارت کیسے لکھیں اور انشا اور تلفظ اِس نمائش میں شامل نہیں تھیں۔

میرا لکھنے کا کام پورے زوروں پر ہے۔ مندرجۂ ذیل ضربُ الامثال کے معانی معلوم نہیں ہو سکے:

(الف) (۱) گگری[۱] میں دانہ سووُتا نا (۲) چلے نہ پاوں[۲] کو دن ناوں (۳) بھیگ[۳] میں بھیک دے تین تلوک جیت لے۔ (۴) کرم کا لکھا نہ مٹے کوئی جو پیا چاہے سو بہاگن ہوئے (۵) بے بوجھ راجا، ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا۔

(ب) رنگین کا مصرعہ: تیغ ذکر کو اپنی سیہ تاب کیجیے۔ اِس شعر کا دوسرا مصرع کیا ہے اور حوالہ بھی۔

(ج) اشعار کا ضمیمہ کیسے تیار کیا جائے۔ کیا اشعار کی ترتیب داستان کے صفحات کی ترتیب کے لحاظ (سے) رکھی جائے۔ دوہے بھی اِس (میں) شامل کروں یا الگ سے رکھوں۔

(د) خط کشیدہ الفاظ سمجھ میں نہیں آئے:

(۱) جس دم قریب کوہِ طور کے پہنچا، سنگِ موسیٰ دیکھ پکارا: یا مولیٰ! اُڈرِکنی اُڈرِکنی۔

(۲) صورت اُس کی دیکھ رنگ سلہٹ کی سیر کا بھول گیا۔

(۳) باگ کو تھام، پٹریاں جما، دو چار کاوے دے، اوچھی باگوں پر لگا، میٹھے پوپوں سے تیز قدم کر، برچھا ہاتھ میں لے، ایک ڈانڑا اوپر بدن کے میرے مار، تیز گام ہو، خیز کر گئی۔

(۴) پانچ چار کوڑے ایسے مارے کہ فوتے چر گئے۔

(۵) قلعۂ درّاج پر چڑھائی کی۔ مورچے آگے کو پڑے۔

(۶) اِسی طور دو چار بگ چھٹ دوڑا۔ پان چار پلّے[۱] قریب میرے آئی۔

(۷) اگر اِس طور سے تمام لکھے گا تو پانچ ہزار اشرفی زرِ سُرخ[۲] اُس کی اُجرت میں انعام دوں گا۔

(۸) کوٹھی ساہو کار کی لوٹ لاٹ دھڑے[۳] نے دھڑے کو پکڑ بال گوبند کو آباد کر مالائے مروارید کی پہنا قلعے میں داخل ہوئے۔

(۹) اُس چٹیل میدان سے قریب گھانٹے کڑاکڑی کے پہنچ کمر کوٹھا پکڑ نسیاں اُٹھا بُرجِ حمل سے جا لپٹا۔

(۱۰) اے غم زدگانِ عشق، یہ وصلہ جو تم نے تن پر سجا ہے

(۱۱) یعنی آب و آتش، باد و خاک کے تئیں گلولا[۴] کر قالب حضرت آدم کا بنایا۔

(۱۲) گھوڑے کو ٹھکرا[۵] نیچے درخت کے جا کود پڑا۔

(ہ) پہلے محاورات اور ضرب الامثال کو اکٹھا ہی رکھا تھا۔ کیا فرہنگ میں محاورات کو ضرب الامثال سے الگ کرلوں یا پھر الفاظ کے ساتھ ہی رکھوں۔

مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ بہت مصروف ہیں۔ آپ کے پاس وقت نہیں ہوتا لیکن کیا کروں، آپ کے بغیر کوئی مدد بھی تو نہیں کرتا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو ضرور لکھیں۔ میں آپ سے ملنے کے لیے ضرور آتا مگر بیمار ہوں۔ پچھلے کچھ دنوں سے دل کی دھڑکن بہت تیز ہوگئی ہے۔ دوا استعمال کر رہا ہوں مگر ابھی تک نارمل نہیں ہوئی۔ ڈاکٹروں نے اِس کی وجہ کوئی ذہنی پریشانی بتائی ہے۔ خیر خدا کی مرضی ہے۔ آپ کے جواب کا

بے صبری سے انتظار رہے گا۔

آپ کا جاں نثار
مہندر لال پروانہ
۱۹- نیو پلاٹ، جموں-۵

(۲)

بنام: رشید حسن خاں
جموں
۱۲/مارچ ۱۹۹۶ء

محترم خاں صاحب!

آپ کا ۱۲/فروری کا خط میرے سامنے ہے۔ آپ نے بیش تر سوال حل کر دیے ہیں اور اس طرح مجھے اپنے کام میں بڑی مدد ملی ہے۔ میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ۷۵ فی صدی کام پر نظرِ ثانی ہو چکی ہے اور ہر لحاظ سے کام بہتر اور معیاری بنانے کی کوشش کی ہے۔ سب سے پہلے میں نے باغ و بہار، فسانۂ عجائب، گلزارِ نسیم، سحر البیان، مہر افروز و دلبر اور ڈاکٹر گیان چند جین کی کتاب نثری داستانیں کا غور سے مطالعہ کیا اور پھر آپ نے ممتحن کے طور پر جو رپورٹ یونی ورسٹی کو بھیجی تھی، وہ حاصل کی اور اُس رپورٹ کی روشنی میں اپنا کام شروع کیا۔ اب یہ کام پہلے سے بہتر ہو گیا ہے لیکن ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ میرے پی ایچ ڈی کے کام سے متعلق آپ نے اپنی رپورٹ نمبر (۴) میں لکھا ہے:

> ''تمہیدی حصّہ تشنہ ہے، بہت تشنہ ہے۔ اِس کو پڑھ کر زیرِ بحث داستان سے پہلے جو احوال تھا اردو میں، اُس کا ہلکا سا بھی اندازہ نہیں ہوتا۔ اِس حصّے کو از سرِ نو لکھا جائے، جس میں داستان کے فن پر اور پھر اُردو میں اُس وقت تک کے داستانی ادب پر اِس طرح گفتگو کی جائے کہ صورتِ حال کا ایک واضح نقش نمایاں آ سکے''۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ 'مُقدّمے' میں مجھے اپنی گفتگو کیا ہفت سیاح تک ہی محدود رکھنی ہے؟ مجھے خوب یاد ہے کہ آپ نے یہاں شعبۂ اردو میں ''تحقیق و تدوین'' پر اپنے

طالب علموں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''تحقیق'' میں ''تنقید'' کو شامل نہیں ہونا چاہیے۔ ہفت سیّاح سے پہلے اردو میں داستان کا جو احوال تھا، اُس پر گفتگو تنقید کے زمرے آجائے گی اور پھر دوسری بات یہ کہ میرا کام مشکل بھی ہو جائے گا اور بڑھ بھی جائے گا۔ مجھے صرف یہ جاننا ہے کہ کیا مقدّمے میں اپنی گفتگو کو ہفت سیّاح تک ہی محدود رکھوں یا پھر آپ نے جو اِس داستان سے پہلے کا احوال لکھنے کی ہدایت کی ہے، ویسا کروں؟

(۲) آپ نے اپنے خط میں دو فقروں کی تصحیح تو کر دی مگر معانی نہیں لکھے:

(الف) سنگ موسیٰ دیکھ پکارا: یا مولیٰ! اَدْرِکنی اَدْرِکنی

(ب) باگ کو تھام، پٹریاں جما، دو چار کاوے دے، اُوچھی باگوں پر لگا، بیٹھے پُوٹیوں سے تیز قدم کر، بَرچھا ہاتھ میں لے، ایک ڈانڑ اوپر بدن میرے کے مار، تیز گام ہو، خیز کر گئی۔

(ج) پانچ چار کوڑے ایسے مارے کہ فوطے چر گئے۔

مندرجہ بالا جملوں میں (الف) اَدْرِکنی اَدْرِکنی (ب) اُوچھی باگوں پر لگانا اور فوطے چر جانا کے معانی لکھ کر بھیج دیجیے۔

(۳) مندرجۂ ذیل جملوں کو بھی دیکھ لیجیے تا کہ غلطی کی گنجایش نہ رہے:

(الف) پھر میرے تیرے درمیان میں اب کیا باقی رہا۔ مُتعہ: اقرار کرتی ہوں کہ روح تک، تو بھی کہ، قبل تو کا [کذا]۔ یہ اقرار کروا وجہِ حلیّت کی موافق شرع کے ادا کر دست بہ گریبان ہو گئی (مُتعہ سے لے کر حلیّت تک۔ (حلیّت کہیں نہیں ملا)۔

(ب) تیّاری شادی کی دھوم دھام سے کریں کہ داغِ کلفتِ والدین کا فرو ہو۔ تمنائیں جانبین کی از سرِ نو بر آویں۔ (اس جملے میں جان و بین سمجھ میں نہیں آیا۔ کیا یہ جانبین تو نہیں؟)

(ج) اگر وہ اشرفی محمد شاہی بہ تلاش اب ہاتھ آوے تو البتہ یہ بھی مال نرم گرم وقت بے وقت ٹانکے ٹونکے میں کھپ سکتا ہے۔ (اشرفی محمد شاہی میں کیا خصوصیت تھی؟)

(د) وہ حلقۂ کمان مُلتانی کشش اُس کی سے مثال کباده کے چم خم سے اُتر بہ گئی لیکن تاہم نوبت گزاری کی نہیں۔ تیر دُور اندازی کا اُس صف میدان پر، نشانہ مُرغ

دل تک جا لاگا۔ (اِس جملے میں تیر دور اندازی کو بدل کر دور تیر اندازی کا کرلیا ہے) اِس کی تصحیح فرما دیجیے۔

کچھ دنوں سے میری طبیعت خراب ہے۔ میری نبض تیز چل رہی ہے۔ دوا چل رہی ہے۔ آپ کی دُعا میرے ساتھ ہے، جلد ہی صحت یاب ہوں گا۔

ڈاکٹر صاحب کا کام بھی رُکا ہوا ہے۔ وہ کام دکھانے کے لیے دیوندر سنگھ کے پاس گئے تھے۔ اُنھوں نے ڈاکٹر صاحب کو کالڑا صاحب کے پاس بھیجا۔ کالڑا صاحب نے پھر سے لکھنے کو کہا۔ یہ تو وہ مثل ہوئی: دو ملاؤں میں مُرغی حرام۔ ایک مانتا ہے تو دوسرا انکار کر دیتا ہے۔

رینا صاحب کو آپ کا خط نہیں ملا۔ وہ بھی کام کر رہے ہیں۔ آج جناب اوم پرکاش سونی کا خط آیا۔ سونی صاحب نے کچھ مواد بھی بھیجا ہے اور رینا صاحب سے بھیجے ہوئے مواد کی رسید بھی چاہی۔

مجھے ہفت سیاح کے نسخے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ نسخے کے ص ۴۵۱ پر جو شعر درج ہے، وہ نقل ہونے سے رہ گیا تھا۔ ظہور صاحب سے بھی عرض کی اور کالڑا صاحب سے بھی ملا۔ وعدہ تو کرتے ہیں لیکن نسخہ نہیں دکھاتے۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کے لیے۔ یہ کام آپ کے جموں تشریف لانے ہی پر ہوگا۔ بڑے بے رحم لوگ ہیں۔

قتیل سے متعلق ضمیمہ تیار کیا ہے تین صفحوں کا۔

جواب کے لیے لفافہ ساتھ بھیج رہا ہوں اور اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو ضرور لکھیں۔

آپ کا

مہیندر لال پروانہ

۱۹- نیو پلاٹ، جموں-۱۸۰۰۰۵

پس نوشت: مقدمہ تیار کرنے سے متعلق اگر آپ اپنی راے دینا چاہیں یا مقدمے کے سلسلے میں کوئی خاص بات آپ لکھنا چاہیں تو ضرور لکھیں۔

رشید حسن خاں صاحب کے جوابات:

۱۔ یہ مثل مجھے نہیں ملی۔ مطلب بہ ظاہر یہ ہے کہ گگری میں تو صرف ایک دانہ ہے، مگر آدمی (اس کا مالک) اُتاتا ہے۔ اُتانا کی ایک شکل اتاونا بھی ہے: کج فہم، شیخی خورا۔

- دو ہے الگ۔ جی ہاں، صفحات کی ترتیب کے لحاظ سے۔

۲۔ چلے نہ پاؤں کودن ناؤں (پانو۔نانو: نام) کودن احمق کو کہتے ہیں، کند ذہن، ٹھس۔

۳۔ اس وقت یہ مثل نہیں مل سکی۔ ویسے بھیکھ کے ایک معنی بھیس بھی ہیں۔ عبارت دیکھ کر فیصلہ کرسکوں گا۔

- بے بوجھ راجا... معروف مثل ہے۔ جس ریاست کا یہ احوال ہو کہ وہاں کھاجا (معروف عمدہ مٹھائی) اور بھاجی (سبزی) ایک بھاؤ ہو، اُس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کا راجا بے بوجھ یعنی بے عقل ہے۔

کرم کا لیکھا نہ مٹے... معروف قول ہے۔ قسمت کا لِکھا مٹتا نہیں، بدلتا نہیں۔ کرم کا لیکھا نہ میٹے کوئی، یعنی قسمت کے لکھے کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ جو پیا چاہے گا (جو خدا چاہے گا) وہی ہوئے گا۔

اصل مثل ہے: جسے پیا چاہے وہی سہاگن۔ پوری عبارت سامنے ہوتو معلوم ہو سکے تو اِسی مثل کی یہ بگڑی ہوئی صورت ہے۔ یا پھر یہ کہ مصنف نے ایک نئی مثل تراشی ہے۔ ''بھاگنی'' خوش نصیب عورت کو کہتے ہیں، (بھاگ والی)، ممکن ہے اِس سے ''بھاگن'' تراش لیا ہے۔ بھاگ قسمت کو کہتے ہیں اس سے پورب کے لہجے میں بھاگن بن سکتا ہے۔ اِس کے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ جب پیا چاہے گا (خدا) وہی قسمت میں ہوگا۔ غرض کہ پوری عبارت دیکھنا ضروری ہے۔ جب وہاں آؤں گا تب دیکھ لوں گا۔

- شفتگنگ: اسے کہتے ہیں: ریشم میں ٹاٹ کا پیوند۔
- سلہٹ: آسام کا مشہور شہر ہے۔ یہاں کی ڈھال نہایت مشہور تھی۔ سیاہ رنگ کی ہوتی تھی۔ ناسخ کا شعر ہے:

سپہ دشمن کا یوں شمشیر سے کیجیے فگار   جیسے سِلہٹ کی پر پر رقم ہو شمشیر کا

- بگ چھٹ: بگ چھٹ اور بگ ٹُٹ دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔
- پلّے: ڈھیلی لگام سے، سرپٹ و بے تحاشا دوڑتا ہوا۔

(د) محمد شاہی اشرفی سے کھری، خالص سونے کی اشرفی مراد ہے۔ ٹانکے میں کھپ سکتی ہے۔ یعنی تمھارے اس ملاوٹ والے سونے کو بھی زیور میں ٹانکا لگانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس سے اصل زیور نہیں بن سکتا۔

تیر دور اندازی سے غالباً مراد ہے اُس تیر سے جس سے نشانہ دور تک کا لگایا گیا ہو۔ ''نوبت گزاری کی نہیں'' یہ ناقص جملہ ہے، ایک لفظ رہ گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اِس طاقت سے کمان کا چلّہ کھینچا کہ کمان اُتر گئی، مگر ٹوٹنے کی نوبت نہیں پہنچی اور تیر نشانے پر جالگا۔

اس عبارت کو بھی وہیں آ کر دیکھوں گا۔

۴ یہ مطلع ہے: جی میں ہے کالی جُمیا کو ہم خواب کیجیے۔ تیغ ذکر کو .... یہ مطلع رنگین کی کتاب مجالس رنگین میں مندرج ہے۔ ''جُمیا'' نام ہے عورت کا۔ ایسے نام عورتوں کے عموماً ہوتے ہیں بہ طورِ تصغیر۔

یہ وہی لفظ ہے جسے ''ڈانڈا'' کہتے ہیں۔ نیزے برچھی کا ڈانڈا، جس میں برچھی لگی ہوتی ہے:

اک بند باندھ کر جو فرس نے کہا کہ ہاں!
ڈانڈا آئی ڈانڈا پر، تو سناں سے لڑی سناں
(انیس)

[سنان: برچھی]

۵ پلّا: فاصلہ، دوری۔ نشانے پر پہنچنے کی طاقت۔ نشانہ، زد۔ غالباً مراد یہ ہے کہ کئی بار گھوڑے کو کاوا دے کر اور فاصلے پر پہنچ کر پھر لوٹ کر قریب آئی۔

۶ زرِ سرخ: خالص سونا۔ سونے کا سکہ۔ [چاندی کو ''زرِ سفید'' کہتے ہیں]۔

۷ پوری عبارت دیکھے بغیر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ''بال گوبند'' کیا نام ہے؟

۸ گلولہ: فارسی کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں: رتّی وغیرہ کا بنا ہوا گولا۔ بندوق کی گولی۔ توپ کا گولا۔ مٹی کا بنا ہوا غلّا جو غلیل میں رکھ کر پھینکتے تھے۔ یہاں مراد ہے مٹی سے بنایا ہوا قالب نما خاکہ، گولا۔ (آدمی کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے)۔

۹ ''ٹھکرانا'' کے معنی ہیں: گھوڑے کو ایڑ لگانا۔ یہاں وہی مراد ہیں۔ قصصِ ہند میں غالباً مولانا آزاد نے لکھا ہے: ''پہلے اُسے قدم قدم چلایا اور جب اُس کا ڈر نکل گیا تو ٹھکرا کر پویہ کیا اور سرپٹ ڈال دیا''۔

۱۰ اُذ رِکنی: میری مدد کرو، میری مدد کو آؤ، مجھے سنبھالو۔

خدا کے واسطے ادرکنی اے مرے مولا
کہ جیتے جی مجھے اِن روزوں قبر کا ہے فشار

منیر کلیاتِ منیر، ص ۳۵۵ (منیر شکوہ آبادی)

۱۱ تنقیدی جائزے کی ضرورت نہیں، صرف تاریخی جائزہ ہونا چاہیے اور اس کا مواد آپ کو جین صاحب کی کتاب سے مل جائے گا۔

فورٹ ولیم کالج کے داستانی قصوں سے لے کر نول کشوری داستانِ ہوش ربا تک۔ یہ جائزہ زیادہ سے زیادہ دس یا پندرہ صفحوں میں آ جائے گا۔ چند تنقیدی انداز کے جملے تو بیچ

میں آہی جائیں گے، مگر ان کی حیثیت ضمنی ہوگی، اصل چیز ہوگا تاریخی جائزہ اور ایسی تحریروں کا گوشوارہ جو بہ آسانی بن جائے۔

۱۲ے (الف) اُوچھی باگوں پر لگانے سے مراد ہے گھوڑے کی لگام ذرا سی ڈھیلی کرکے۔ لگام جب کسی کے کھینچی جاتی ہے تو روکنا مقصود ہوتا ہے، جب ڈھیلی چھوڑ دی جاتی ہے تو تیز رفتاری مقصود ہوتی ہے اور دونوں کے درمیان کی جو کیفیت ہوسکتی ہے، اُس کا بیان مقصود ہے۔ اوچھاپن اور اوچھاوار معروف ہیں۔ اوچھاوار: تلوار کا ہلکا زخم، گہرے زخم کا متضاد۔

(ب) یہ محاورہ لُغت میں نہیں۔ کہیں اور بھی نظر سے نہیں گزرا۔ عبارت پوری میرے سامنے نہیں، غالباً تیز رفتاری مراد ہے، اسے خود دیکھ لیجیے گا۔ اور جب میں آؤں تو مجھ کو پوری عبارت دکھا کر پوچھ لیجیے گا۔

''وجہ ہلّیت'' کے بہ ظاہر کچھ معنی نہیں، ''حلّت'' مراد ہوسکتی ہے، یعنی شریعت کے مطابق بیوی کے اور نکاح کے شرائط کی پابندی کرکے۔ حلّت: حلال ہونا، جائز ہونا، شرع کے موافق ہونا۔ اس سے پہلے کی عبارت ''قبل ٹوکا'' سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ بھی میرے وہاں آنے پر حل ہوگی۔

- مقدمہ کچہری میں ہوتا ہے، کتاب میں مقدّ مہ ہوتا ہے (مُقَدَّمَہ)

◆◆◆

مقبول احمد لاری کا خط رشید حسن خاں کے نام

(۱)

۲۷ر فروری ۱۹۸۱ء لے

مکرّمی! آداب عرض۔

آپ کو علم ہوگا کہ آل انڈیا میر اکاڈمی لکھنؤ اردو کے اہلِ قلم حضرات کو اُن کے ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر "امتیازِ میر" کی سند پیش کرتی ہے۔ میر اکاڈمی کی دلی خواہش ہے کہ "امتیازِ میر" کی سند آپ قبول فرمائیں۔ براہِ کرم منظوری سے مطّلع کر کے ممنون فرمائیں۔

"امتیاز میر" کی سند کے ساتھ ہم آپ کی خدمت میں پانچ سو روپیہ کی رقم پیش کرنے کی اجازت بھی چاہیں گے۔ جواب سے لکھنؤ کے پتے پر سرفراز فرمائیں۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

نیاز مند

مقبول احمد لاری

(صدر) آل انڈیا میر اکیڈمی، لکھنؤ

بگرامی خدمت جناب رشید حسن خاں صاحب

شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی

دہلی

○○○

بنام: ظفر احمد صدیقی

۳؍مارچ ۲۰۰۱ء

بھائی مولانا!

خط مل گیا، شکر گزار ہوں؛ مگر آپ نے ایک مصرعے کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ مصرع یہ ہے:

اُلوف الثلٰثۃ الذّفوٗ سَتّاکا

صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ الوف کے معدود کی حرکت کیا ہوگی؟ عربی اعداد کے معدود شروع ہی سے میرے لیے پریشان کن رہے ہیں کہ الگ الگ یاد کرو اور یاد رکھو۔ یاد کرنے اور یاد رکھنے کے لیے اُس سے کہیں بہتر چیزیں موجود ہیں اور تھیں، اسی لیے میں نے بہ خوشیِ خاطر اُنھیں بھُلا دیا؛ اگر کبھی لکھنا ہوتا ہے تو اپنے سے بہتر شخص سے پوچھے بغیر نہیں لکھتا؛ یوں پوچھ رہا ہوں کہ آپ کو اِس معاملے میں بہتوں سے بہتر سمجھتا ہوں (اِس معاملے میں میرا اشمار تو نہ ہَئیوں میں نہ شَیئوں میں)۔

آپ نے اظہارِ تعجب کیا ہے کہ اِس عمر میں یہ کام، یہ تو عہدِ جوانی کا شغل ہوسکتا تھا؛ تو میرے بھائی! جوانی میں لفظوں سے کون کھیلتا ہے اور کِن بہلتا ہے (ہاں اگر بے توفیقی رفیق رہے تو اَور بات ہے)۔ دوسرے یہ کہ ایسے جواہر پاروں کی تدوین کے لیے ساری عُمر کا تجربہ درکار ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بڑھاپے ہی میں حاصل ہوتا ہے۔ میں کوئی بدذوق تھا کہ عہدِ جوانی میں لفظوں کی گردان کرتا! اب جب رٹائرمنٹ ہر لحاظ سے درجۂ تکمیل پر پہنچ گیا ہے، تو اب لفظوں ہی کی تکرار اور گردان کی جائے گی؛ وہی کر رہا ہوں۔

اب کے خط ذرا جلد لکھیے۔

رشید حسن خاں

اصغر عباس صاحب کا خط آیا ہے۔ دن بھر کو بلانا چاہتے ہیں آنے کی ہمت نہیں پڑ رہی ہے، سفر بہت نامعقول ہے۔ سارا دن گاڑی میں بیٹھے رہو۔ دیکھیے ہمّت ساتھ دیتی ہے کہ نہیں۔ اِتنی بار انکار کیا ہے کہ اب وہاں آنے سے انکار کرتے شرم سی آتی ہے۔ عُجلت میں ہاں تو کہہ دیا ہے، مگر وہی بات کہ جلدی کا کام شیطان کا۔ شاید آپ کی دعا کچھ کام کر جائے۔ ابھی آپ اُن سے کچھ نہ کہیے گا۔

پس نوشت: حرفِ ثقیل کو ساقط کر دینے کی ایک مثال لکھیے۔ ٹھگوں والا کام مکمل ہوگیا، چھپنے جانے والا ہے۔

۱؎ یہ خط ۳؍مارچ ۲۰۰۱ء کو شاہ جہان پور سے پروفیسر ظفر احمد صدیقی کو لکھا گیا جس پر شاہ جہان پور کی ۵؍مارچ اور علی گڑھ کی ۷؍مارچ ۲۰۰۱ء کی دو مُہریں ثبت ہیں۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے جس کی قیمت دو روپے ہے۔ خط کی پُشت پر ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کا شعبۂ اردو علی گڑھ کا اور رشید حسن خاں صاحب کا شاہ جہان پور کا پتا درج ہے۔

نوٹ: اخیر سے ملنے کی وجہ سے اِس خط کو ضمیمے کے طور پر شامل کرنا پڑا۔ (ڈاکٹر ٹی. آر. رینا)

●●●

ضمیمہ (3)



میں عندلیبِ گلشنِ ناآفریدہ ہوں

غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

فخرالدین علی احمد غالب انعام برائے تحقیق ۱۹۷۹ء

جناب رشید حسن خاں کی خدمت میں عزت مآب محمد ہدایت اللہ صاحب

نائب صدر جمہوریہ ہند نے پیش کیا

جمعہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۰ء

دستخط سکریٹری غالب انسٹی ٹیوٹ
نئی دہلی

سند

امتیازِ میر

آل انڈیا میر اکاڈمی لکھنؤ

کی طرف سے

جناب رشید حسن خاں - دہلی

کی خدمت میں

بدستِ خاص عزت ماٰب ڈاکٹر جگن ناتھ مصرا

وزیر اعلیٰ بہار

لکھنؤ
مئی ۱۹۸۱ء

مقبول احمد لاری
صدر آل انڈیا میر اکاڈمی

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادیمی

महाराष्ट्र राज्य उर्दू अकादमी

महाराष्ट्र शासन — حکومت مہاراشٹر

श्री. रशीद हसन ख़ान यांना
यावर्षी त्यांच्या साहित्यिक सेवा/ ~~[illegible]~~/
~~[illegible]~~/ ~~पुस्तक~~
साहित्यिक दृष्टचा उत्कृष्ट ठरल्याबद्दल ~~प्रथम~~/ ~~द्वितीय~~/ ~~तृतीय~~
राष्ट्रीयपारितोषिक महाराष्ट्र राज्य उर्दू अकादमीतर्फे देण्यात येत आहे.

جناب رشید حسن خان کو سال ۱۹۹۰ء کے دوران
ان کی تصنیف ـــــــــ علمی، ادبی، تعلیمی خدمات
صحافت، خوش نویسی کے لئے کل ہند انعام پیش کیا جاتا ہے۔

حامد یار خاں
अध्यक्ष صدر

मुंबई
بمبئی

उपाध्यक्ष نائب صدر

तारीख
مورخہ ۲۲/اپریل ۱۹۹۱ء

महाराष्ट्र राज्य उर्दू अकादमी
शिक्षण व सेवायोजन विभाग, मंत्रालय
محکمہ تعلیم وروزگار حکومت مہاراشٹر بمبئی ۳۲

آل انڈیا میر اکادمی

لکھنؤ

سند

نوائے میر

بہ گرامیٔ خدمت جناب رشید حسن خاں (دہلی)

اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت سے متعلق

خدمات کے اعتراف میں

۳۱؍ اکتوبر ۱۹۹۳ء

مقبول احمد لاری

صدر

اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ

سند

نمبر شمار ۹ — مورخہ ۳۰ مارچ [illegible]

تصدیق کی جاتی ہے کہ جناب / محترمہ رشید حسن خاں (دہلی) کو سنہ ۱۹۹۳ء کے دوران شائع شدہ ان کی تصنیف **تفہیم** پر اتر پردیش اردو اکادمی کا پانچ ہزار (۵۰۰۰/-) روپے کا انعام دیا گیا۔

سکریٹری — چیرمین — صدر

اتر پردیش اردو اکادمی

لکھنؤ

کی طرف سے

سند

افتخارِ میر

بہ گرامیٔ خدمت **رشید حسن خاں** شاہ جہاں پور

اُردو زبان و ادب کی نمایاں اور قابلِ قدر خدمات کے اعتراف میں

مقبول احمد لاری
مقبول احمد لاری
(صدر)

مورخہ ۶؍ اپریل
۱۹۹۶ء

مغربی بنگال اردو اکاڈمی
کلکتہ

مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی جانب سے

جناب رشید حسن خاں کو

اردو زبان و ادب کی خدمات کے اعتراف میں

مبلغ ۱۰۰۰۰/= (دس ہزار) روپے کا

"پرویز شاہدی ایوارڈ"

برائے سنہ ۱۹۹۶ء پیش کیا گیا۔

بتاریخ ۲۹ مارچ سنہ ۱۹۹۸ء

شائق احمد
سکریٹری

چیرمین

۷۵/۲ اے، رفیع احمد قدوائی روڈ، کلکتہ ۱۶

اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ

سند

نمبر شمار ۹

مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۹۳ء

تصدیق کی جاتی ہے کہ جناب/محترمہ رشید حسن خاں (دہلی) کو ۱۹۹۳ء کے دوران شائع شدہ ان کی تصنیف تفہیم پر اتر پردیش اردو اکادمی کا پانچ ہزار (۵۰۰۰/-) روپے کا انعام دیا گیا۔

سکریٹری | چیرمین | صدر



آئینۂ حیات

نام: ڈاکٹر ٹی۔ آر۔ رینا (ڈاکٹر تیرتھ رام رینا)

ولدیت: شری پریم چند رینا (مرحوم)

مقام پیدائش: چھوٹا گلہ، راولاکوٹ، تحصیل پلندری، ضلع پونچھ۔ (مقبوضہ کشمیر)

تاریخ پیدائش: 8/جیٹھ بروز اتوار 2001 بکرمی، مطابق 21/مئی 1944 (اسکول ریکارڈ: 14/مئی 1943)

مستقل سکونت: F-237، لوئر ہری سنگھ نگر، رہاڑی کالونی، جموں-180005 (جے اینڈ کے) فون: 09419828542

تعلیم: ابتدائی اُردو (نگروٹہ کیمپ جموں)، مڈل سری نگر (SBSE, J&K)، میٹرک (سری نگر یونیورسٹی)، ادیب ماہر، ادیب کامل (جامعہ اُردو علی گڑھ)، بی۔ اے، ایم۔ اے، ایم۔ فل اُردو، پی ایچ۔ ڈی اُردو (جموں یونیورسٹی)

ذریعہ معاش: 12/اکتوبر 1962 ٹیچر، لیکچرار اُردو (اکتوبر 1983)، ڈسٹرکٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن جموں میں ملازمت (1995) اور 31/مئی 2001 کو وظیفہ یاب۔ حال اُردو لیکچرار ایس۔ وی۔ ایس ڈگری کالج وبی۔ ایڈ کالج سندربنی (راجوری)

تصانیف: (۱) رشید حسن خاں کے خطوط (۲) پنڈت میلا رام وفا: حیات اور خدمات
(۳) ادبی و تحقیقی مضامین (۴) پروفیسر عابد پیشاوری: شخصیت اور فن (۵) رشید حسن خاں: محقق و مدوّن
(۶) رشید حسن خاں کے خطوط (جلد دوم) (۷) مقالاتِ رشید حسن خاں (زیر ترتیب)

علمی سرگرمیاں: تحقیقی و تنقیدی مضامین لکھنے کے علاوہ ریجنل کالج اجمیر، اُردو ریسرچ اینڈ ٹریننگ سینٹر سولن، اُردو ریسرچ اور ٹریننگ سینٹر لکھنؤ، میں مسلسل لیکچر دینا اور NCERT کی میٹنگوں میں شرکت کرنا۔ اُردو ریسرچ سینٹر سولن کے لئے جموں یونیورسٹی، ایس۔ آئی جموں، ایس آئی سری نگر، سری نگر یونیورسٹی، ڈسٹرکٹ انسٹی ٹیوٹ کرگل، لداخ اور منی پور (امپھال) کے اُردو اساتذہ کی تربیت کے دوران لیکچر دینا۔

ڈاکٹر ٹی۔ آر۔ رینا کے رشید حسن خاں صاحب سے 1980 میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری کے لیے تحقیقی کام کے دوران مسلسل مراسم رہے۔ دہلی، جموں اور شاہجہانپور میں ملاقاتیں کیں اور ان سے استفادہ کیا۔ خاں صاحب نے رینا صاحب کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی۔

Distributors
اپلائنڈ بُکس
APPLIED BOOKS
New Delhi-110002
Tel.: 011-23266347 Email: appliedbooks@gmail.com

ISBN 978-93-83239-29-0